سورۃ المائدہ

آیاتها ۱۲۰ ۵ سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۲ رکوعاتها ۱۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس سورت کا آغاز کرتا ہوں۔ یہ سورہ مدنی ہے اس پر اجماع ہے، روایت ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹ رہے تھے۔ نقاش نے حضرت ابوسلمہ سے روایت کیا ہے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹے تو فرمایا: ''اے علی! کیا تجھے معلوم ہے مجھ پر سورۂ مائدہ نازل ہوئی اور بہت اچھا فائدہ ہے''(1)۔ ابن عربی نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے، کسی مسلمان کو اس کا اعتقاد جائز نہیں مگر ہم کہتے ہیں سورۃ المائدہ اور نعمت الفائدہ۔ ہم اس کو کسی سے روایت نہیں کرتے لیکن یہ عمدہ کلام ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے مشابہ نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: سورۃ المائدہ کو اللہ کی ملکوت میں المنقذۃ کہا جاتا ہے، یہ اپنے پڑھنے والے کو عذاب کے فرشتوں کے ہاتھوں سے نجات دلاتی ہے(2)۔ اس سورت سے کچھ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوا کچھ فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوا، وہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ قرآن کا وہ حصہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد نازل ہوا وہ مدنی ہے خواہ مدینہ میں نازل ہوا یا کسی سفر میں نازل ہوا اور جو ہجرت سے پہلے نازل ہوا اسے مکی کہا جاتا ہے۔

ابومیسرہ نے کہا: المائدہ یہ آخر میں نازل ہونے والی ہے اس میں نسخ نہیں ہے، اس میں اٹھارہ فرائض ہیں جو کسی دوسری سورت میں نہیں ہیں(3) وہ یہ ہیں: اَلۡمُنۡخَنِقَۃُ وَ الۡمَوۡقُوۡذَۃُ وَ الۡمُتَرَدِّیَۃُ وَ النَّطِیۡحَۃُ وَ مَاۤ اَکَلَ السَّبُعُ۔ وَ مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَ اَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ۔ وَ مَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَوَارِحِ مُکَلِّبِیۡنَ۔ وَ طَعَامُ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ۔ وَ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ اور تکمیل طہارت۔ اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ۔ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ۔ لَا تَقۡتُلُوا الصَّیۡدَ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ۔ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ۔ مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّ لَا سَآئِبَۃٍ وَّ لَا وَصِیۡلَۃٍ وَّ لَا حَامٍ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: شَہَادَۃُ بَیۡنِکُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ۔ الایۃ۔

میں کہتا ہوں: انیسواں فریضہ یہ ہے وَ اِذَا نَادَیۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ۔ اذان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے مگر اس سورت میں اور جو سورہ جمعہ میں آیا ہے وہ جمعہ کے ساتھ خاص ہے، اس سورت میں اذان کا ذکر تمام نمازوں کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے سورۃ المائدہ حجۃ الوداع کے موقع پر پڑھی، فرمایا: ''اے لوگو! سورۂ مائدہ آخری نازل ہونے والی سورت ہے پس اس کے حلال کو حلال جانو اور اس کے حرام کو حرام سمجھو''(4)۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 143 2۔ ایضاً 3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 523 4۔ المستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 311

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً مروی ہے جبیر بن نفیر نے فرمایا میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا: کیا تو سورۂ مائدہ پڑھتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسے آخر میں نازل فرمایا اس میں جو تم حلال پاؤ اسے حلال جانو اور جو اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو (1)۔ شعبی نے کہا: اس سورت سے کچھ منسوخ نہیں ہوا سوائے اس ارشاد کے وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ منسوخ کیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝

''اے ایمان والو! پورا کرو (اپنے) عہدوں کو حلال کیے گئے ہیں تمہارے لیے بے زبان جانور سوائے ان کے جن کا حکم پڑھ کر سنایا جائے گا تمہیں نہ حلال سمجھو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہو بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا۔ علقمہ نے کہا: قرآن میں جو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا آیا ہے وہ مدنی ہے اور جو يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ آیا ہے وہ مکی ہے (2)۔ یہ اکثر کے اعتبار سے ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ آیت ان آیات میں سے ہے قلت الفاظ کے باوجود معانی کی کثرت اور فصاحت پر کلام میں بصیرت رکھنے والے کے لیے ظاہر ہے، یہ آیت پانچ احکام اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے (۱) عہدوں کو پورا کرنے کا حکم (۲) بے زبان جانوروں کا حلال کرنا (۳) اس کے بعد جو ہے اس کی استثنا (۴) احرام کی حالت میں شکار کرنے کی حالت کی استثنا (۵) اور جو محرم نہیں ہے اس کے لیے شکار کی اباحت۔

نقاش نے حکایت کیا ہے کہ اصحاب کندی (☆) نے اسے کہا: اے حکیم! ہمارے لیے قرآن کی مثل لکھ دے۔ اس نے کہا: ہاں میں اس کے بعض کی مثل لکھوں گا، وہ (کندی) کئی دن پوشیدہ رہا پھر ظاہر ہوا اور کہا: اللہ کی قسم! میں قدرت نہیں رکھتا اور کوئی بھی اس کی طاقت نہیں رکھتا، میں نے قرآن کو کھولا تو سورۂ مائدہ نکلی، میں نے اس میں دیکھا تو اس نے وفا کا حکم دیا اور عہد توڑنے سے منع کیا، عام حلت فرمائی پھر استثنا فرمائی پھر استثنا کے بعد استثنا فرمائی پھر دو سطروں میں اپنی حکمت و قدرت کے متعلق خبر دی ان تمام احکام کو کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا مگر کئی جلدوں میں (3)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْفُوْا کہا جاتا ہے: وفی اور اوفی دونوں لغتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ (توبہ: 111) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۝ (النجم) شاعر نے کہا:

أَمَّا ابْنُ طوق فقد أَوْفَى بِذِمَّتِهِ　　كما وَفَى بِقِلَاصِ النَّجْمِ حَادِيها

دونوں لغتوں کو اس میں جمع کیا۔ بِالْعُقُوْدِ اس کا معنی باندھنا ہے، اس کا واحد عقد ہے کہا جاتا ہے: عقدت العهد

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 143　2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 145　3۔ ایضاً

☆ کندی سے مراد یعقوب بن اسحاق ابو یوسف ہے یہ اپنے دور کا ایک بے مثل فلسفی تھا کندہ کے خاندان سے تھا، یہ طب، فلسفہ، موسیقی اور علم ہندسہ میں مشہور ہوا۔

والحبل، وعقدت العسل۔ یہ معانی اور اجسام دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حطیئہ نے کہا:

قَوْمٌ إذا عقدوا عقدا لجارهم　　شَدِّوا العِنَاجَ وشَدّوا فوقه الكَرَبا(1)

اللہ تعالیٰ نے عہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا۔ حسن نے کہا: اس سے مراد دین کے عہد ہیں، یہ وہ پختہ وعدہ ہے جو انسان اپنے اوپر باندھتا ہے۔ بیع، شراء، اجارہ، کرایہ، مناکحہ، طلاق، مزارعت، مصالحت، تملیک، تخییر، عتق، تدبیر وغیرہ وہ تمام عقود جو شریعت سے خارج نہیں ہیں، اسی طرح وہ عقود بھی شامل ہیں جو طاعات میں سے انسان اللہ کے لیے اپنے اوپر باندھتا ہے جیسے حج، روزہ، اعتکاف، صیام، نذر اور اس کے علاوہ ملت اسلام کی طاعات۔ مباح نذر لازم نہیں ہوتی۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (آل عمران: 187)

ابن جریج نے کہا: یہ اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے اور اس کے بارے نازل ہوئی۔ بعض نے فرمایا: یہ عام ہے اور یہی قول صحیح ہے، کیونکہ مومنین کا لفظ اہل کتاب کے مومنین کو بھی شامل ہے، کیونکہ ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اداء امانت کا عہد تھا جو ان کی کتاب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں سے تھا، کیونکہ انہیں اس کا حکم دیا گیا تھا اس ارشاد میں: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اور دوسرے مقامات پر۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کا معنی ہے جو اللہ نے حلال کیا، جو حرام کیا، جو فرض کیا اور جو تمام اشیاء میں حد مقرر کی۔ اسی طرح مجاہد وغیرہ نے کہا(2): ابن شہاب نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم کے لیے لکھا تھا جب انہیں نجران کی طرف بھیجا تھا اس کے آغاز میں تھا ھذا بیان للناس من اللہ و رسولہ، يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اس میں اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝ تک آیات لکھیں(3)۔

زجاج نے کہا: اَوْفُوْا کا معنی ہے اللہ کے ساتھ جو عہد کیے ہیں ان کو پورا کرو اور ایک دوسرے کے ساتھ جو عہد ہیں ان کو بھی پورا کرو۔ یہ تمام عموم کے قول کی طرف راجع ہیں اور یہی صحیح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومنوں کے معاملات ان کی شرائط کے مطابق ہیں(4)'' اور فرمایا: ''ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب کے موافق نہیں وہ باطل ہے اگرچہ سو شرائط بھی ہوں''(5)۔ پس بیان فرمایا کہ شرط یا عقد جس کا پورا کرنا واجب ہے وہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے موافق ہو۔ اگر اس میں مخالفت ظاہر ہو تو وہ مردود ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے وہ رد ہے''(6)۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریش کے قبائل عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور آپس میں عہد کیا کہ وہ مکہ میں جس مظلوم کو پائیں گے اس کے ساتھ کھڑے ہوں گے حتیٰ کہ اس سے ظلم کو دور کریں گے، قریش نے اس معاہدہ کو حلف الفضول کہا۔ اس معاہدہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں عبداللہ کے گھر میں معاہدہ میں شریک ہوا تھا میرے نزدیک وہ سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب تھا، اگر مجھے اسلام میں اس کے لیے بلایا جاتا تو میں قبول کرتا''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 144　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 527　　5۔ ایضاً　　6۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، جلد 2، صفحہ 77

یہی حلف مراد ہے: ایما حلف کان فی الجاھلیة لم یزدہ الاسلام الا شدۃ (1) وہ حلف جو زمانہ جاہلیت میں تھا اس میں اسلام نے شدت کی ہے۔ کیونکہ وہ شرع کے موافق تھا کیونکہ ظالم سے انصاف لینے کا حکم تھا اور جو عقود فاسد ہوں اور جو عقود باطل ہوں ان کو اسلام نے ساقط کر دیا۔ والحمدللہ

ابن اسحاق نے کہا: ولید بن عتبہ نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما پر ان کے مال کے بارے میں سلطان الولید کے لیے زیادتی کی جب کہ ولید بن عتبہ مدینہ کا امیر تھا۔ حضرت حسین نے اسے کہا: میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں! تو میرے حق میں انصاف کرے گا ورنہ میں اپنی تلوار اٹھاؤں گا، پھر میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں کھڑا ہوں گا، پھر میں حلف الفضول کی دعوت دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا: میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں! اگر مجھے اس نے بلایا تو میں اپنی تلوار پکڑوں گا، پھر حضرت حسین کے ساتھ کھڑا ہوں گا حتیٰ کہ وہ ان کا حق دے گا یا ہم سب مر جائیں گے۔ حضرت مسور بن مخرمہ کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان بن عبیداللہ التیمی کو خبر پہنچی تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا، ولید کو جب یہ بات پہنچی تو اس نے انصاف کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ۔ یہ ہر اس شخص کو خطاب ہے جس نے علی وجہ کمال ایمان کو لازم پکڑا۔ عربوں کے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے متعلق طریقے تھے ان کا بیان آگے آئے گا۔ یہ آیت اوہام خیالیہ اور آراء فاسدہ کو دور کرنے کے لیے نازل ہوئی۔ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ کے معنی میں اختلاف ہے۔ البهیمة ہر چوپائے کو کہا جاتا ہے۔ ان کو یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے، کیونکہ ان میں بولنے، سمجھنے اور عدم تمیز کی طاقت نہیں ہوتی اور کم عقلی کا نقص پایا جاتا ہے، اسی سے ہے باب مبهم، بند دروازہ، لیل بهیم۔ تاریک رات۔ بہادر جس کا علم نہ ہو کہ اس کا وار کہاں سے آئے گا اس کو بهمة کہتے ہیں الانعام سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں۔ ان کو یہ نام ان کے آہستہ چلنے کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ (النحل) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا (الانعام:142) یعنی بڑے اور چھوٹے۔ پھر ان کو بیان کیا ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ (الانعام) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا (النحل:80) یعنی بکریاں۔ اَوْبَارِهَا یعنی اونٹ۔ اَشْعَارِهَا یعنی بھیڑیں۔

یہ تین دلائل ہیں جو انعام کے اسم کے ضمن میں ہیں۔ ان تین اجناس کا شعور ملتا ہے یعنی اونٹ، گائے، بکریاں (2)۔ یہ حضرت ابن عباس اور حسن کا قول ہے۔ ہروی نے کہا: جب البهم بولا جاتا ہے تو اس سے خاص اونٹ مراد ہوتے ہیں۔ طبری

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، جلد 2، صفحہ 49
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 144

نے کہا: ایک قوم نے کہا: بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ سے مراد وحشی جانور ہیں جیسے ہرن، وحشی گائیں، وحشی گدھے وغیرہ ذالک۔ طبری کے علاوہ نے سدی، ربیع، قتادہ اور ضحاک سے روایت کیا ہے، گویا فرمایا: احلت لکم الانعام۔ تمہارے لیے بے زبان جانور حلال کیے گئے، پھر جنس کو اس سے خاص کی طرف منسوب کیا گیا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ حسن کا قول ہے۔ انعام کے آٹھ جوڑے ہیں جو بقیہ تمام حیوان ان کی طرف منسوب ہیں اس کو انعام ہی کہا جاتا ہے گویا چیرنے والا جیسے شیر اور ہر ذی ناب انعام کی حد سے خارج ہے پس بهيمة الانعام سے مراد وہ چوپائے ہیں جو چرنے والے ہیں(1)۔

میں کہتا ہوں: اس طرح تو اس میں تمام کھروں والے جانور داخل ہیں، کیونکہ وہ چرنے والے ہیں چیرنے پھاڑنے والے نہیں، حالانکہ بات اس طرح نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا ۗ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ (النحل:5) پھر اس پر عطف فرمایا: وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ (النحل:8) جب ان کو علیحدہ ذکر فرمایا اور الانعام پر اس کا عطف فرمایا تو یہ دلیل ہے کہ یہ ان میں سے نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ بعض علماء نے فرمایا: بهيمة الانعام سے مراد وہ جانور ہیں جو شکار نہ ہو، کیونکہ شکار کو وحشی کہا جاتا ہے بہیمہ نہیں کہا جاتا۔ یہ پہلے قول کی طرف راجع ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے فرمایا: بهيمة الانعام سے مراد وہ بچے ہیں جو ذبح کے وقت ماؤں کے پیٹوں سے نکلتے ہیں یہ بغیر ذبح کے کھائے جاتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے(2) اس میں بعد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ، الاجنة (ماں کے پیٹوں سے نکلنے والے بچے)۔ سے استثنا نہیں کی گی۔ امام مالک نے فرمایا: ذبیحہ کی ذکاۃ اس کے بچے کی زکاۃ ہے جس کی زندگی معلوم نہ ہو اور اس کے بال اگ چکے ہوں اور اس کی تخلیق مکمل ہو چکی ہو۔ اگر اس کی تخلیق مکمل نہ ہو اور اس کے بال نہ اگے ہوں تو اسے نہیں کھایا جائے گا مگر یہ کہ وہ زندہ پایا گیا ہو اور اسے ذبح کیا گیا ہو۔ اگر انہوں نے اسے ذبح کرنے میں جلدی کی اور وہ خود بخود مر گیا تو بعض علماء نے فرمایا: وہ پاک ہے۔ اور بعض نے فرمایا: پاک نہیں۔ مزید بیان آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ یعنی جو قرآن وسنت میں تم پر پڑھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدہ:3) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: وکل ذی ناب من السباع حرام(3)۔ ہر کچلیوں والا درندہ حرام ہے(4)۔ اگر کہا جائے: جو ہم پر کتاب نے تلاوت کیا وہ سنت نہیں ہے؟ ہم کہیں گے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت یہ کتاب اللہ سے ہے، اس پر دلیل دو امر ہیں (۱) حدیث العسیف (نوکر والی حدیث) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا'' اور رجم کتاب اللہ میں منصوص نہیں ہے (۲) حضرت ابن مسعود کی حدیث آپ نے فرمایا: مجھے کہا گیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی وہ کتاب اللہ میں ہے، الحدیث۔ مزید بیان سورہ الحشر میں آئے گا۔ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ الان او مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ کا احتمال رکھتا ہے، مستقبل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہوگا، اس میں بیان کی تاخیر کے جواز پر دلیل ہے جب کہ اس کی ضرورت نہ ہو۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 144 2۔ ایضاً 3۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 147

4۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، جلد 2، صفحہ 981۔ ایضاً صحیح بخاری، باب اکل کل ذی ناب من السباع، حدیث 5104، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ یعنی جو حالت احرام میں حلال نہیں اور غیر احرام میں حلال ہے اور جو شکار نہ ہو وہ دونوں حالتوں میں حلال ہے۔ اِلَّا مَا يُتْلٰى کے بارے میں نحویوں کا اختلاف ہے کہ یہ استثنا ہے یا نہیں۔ بصریوں نے کہا یہ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ سے استثنا ہے اور غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ اس سے دوسری استثنا ہے۔ پھر دونوں استثنا بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ سے ہیں اور یہ مستثنیٰ منہ ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہوگی الا ما یتلی علیکم الا الصید وانتم محرمون بخلاف اس ارشاد کے: اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ (الحجر) جیسا کہ آگے آئے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مستثنیٰ ہے اس سے جو اس سے متصل ہے پس یہ اس قول کے قائم مقام ہو جائے گا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ۔ اگر یہ اس طرح ہوتا تو احرام میں شکار کی اباحت واجب ہوتی۔ کیونکہ یہ ممنوع سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اِلَّا مَا يُتْلٰى، اباحت سے مستثنیٰ ہے اور یہ وجہ ساقط ہے پھر یہ معنی ہوگا کہ تمہارے لیے بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ حلال کیے گئے ہیں شکار کو حلال نہ سمجھو جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو مگر جو تم پر تلاوت کیا جائے گا سوائے شکار کے۔ یہ معنی بھی جائز ہے کہ عقود کو پورا کرو مگر شکار کو حلال نہ سمجھو اور تمہارے لیے بے زبان جانور حلال کیے گئے ہیں مگر جو تم پر تلاوت کیے جائیں گے۔ فراء نے اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کا الا کے ساتھ عطف کی بنا پر بدل کی حیثیت سے مرفوع ہونا جائز قرار دیا ہے جیسا کہ لا کے ساتھ عطف کیا جاتا ہے۔

بصری علماء اس کو جائز قرار نہیں دیتے مگر نکرہ میں یا جو اسماء اجناس نکرہ کے قریب ہوں جیسے جاء القوم الازید، ان کے نزدیک غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ کی نصب حال کی بنا پر ہے اور ذو الحال اَوْفُوْا میں ضمیر ہے۔ اخفش نے کہا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ (المائدہ: 1) دوسرے علماء نے کہا: لکم میں ضمیر سے حال ہے تقدیر اس طرح ہوگی احلت لکم بھیمۃ الانعام غیر محلی الصید۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ احلال لوگوں کی طرف راجع ہو یعنی حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھو اور اللہ کی طرف راجع ہونا بھی جائز ہے یعنی تمہارے لیے جانور حلال کیے گئے مگر جو شکار ہو احرام کے وقت میں، جیسے تو کہتا ہے: احللت لک کذا غیر مبیح لک یوم الجمعۃ۔ میں نے یہ تیرے لیے حلال کیا مگر تیرے لیے جمعہ کے دن مباح نہیں ہے۔ جب تو کہے گا کہ لوگوں کی طرف حلال کرنا راجع ہے تو معنی ہوگا غیر محلین الصید پس نون تخفیفاً حذف کی گئی۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ یعنی جب تم حج اور عمرہ کے احرام میں ہو۔ کہا جاتا ہے: رجل حرام، قوم حُرُم جب حج کا احرام باندھ لیں۔ اسی سے شاعر کا قول ہے۔

فقلتُ لها فِيئي إليكِ فإنني حرامٌ وإنّي بعد ذاك لَبِيبُ (1)

یعنی میں تلبیہ کہنے والا ہوں۔ اس کو احرام اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ جو اس میں داخل ہوتا ہے وہ اپنے اوپر عورتیں اور خوشبو وغیرہ حرام کر دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے: احرم وہ حرم میں داخل ہوا۔ پس حرم کا شکار حرام ہو جاتا ہے۔ حسن، ابراہیم اور یحییٰ بن وثاب نے حرم (را کے سکون کے ساتھ) پڑھا ہے یہ لغت تمیمیہ ہے۔ وہ کہتے ہیں: رُسْل رُسُل، کُتْب و کُتُب۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 145

مسئلہ نمبر 7۔ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ۝ ان احکام شریعت کو تقویت دینا ہے جو عربوں کے معہود احکام کے مخالف ہیں۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے احکام کا نسخ سننے والے ہیں جو مالک الملک ہے، جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں، وہ جو چاہتا ہے، جیسے چاہتا ہے شروع فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْيَ وَ لَا الْقَلَآىِٕدَ وَ لَاۤ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝۲

''اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ عزت والے مہینہ کی اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ (بے حرمتی کرو) جو قصد کیے ہوئے ہیں بیت حرام کا طلب کرتے ہیں اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا۔ اور جب احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کا بغض بوجہ اس کے کہ انہوں نے روکا تھا تمہیں مسجد حرام سے اس پر کہ تم زیادتی کرو اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے''۔

اس میں تیرہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ۔ یہ مومنین کو خطاب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے امور میں حدود اللہ سے تجاوز نہ کرو۔ الشعائر فعیلۃ کے وزن پر شعیرۃ کی جمع ہے (1)۔ ابن فارس نے کہا: واحد کو شعارۃ کہا جاتا ہے، یہ احسن ہے۔ الشعیرۃ اس جانور کو کہتے ہیں جو قربانی کے لیے پیش کیا جاتا ہے اور اشعار سے مراد یہ ہے کہ اس کی کہان کو چیر دیا جائے تا کہ اس سے خون بہہ جائے اور جان لیا جائے کہ یہ ہدی ہے۔ اشعار کا معنی احساس کے طریق سے آگاہ کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے: اشعر ھدیۃ۔ یعنی اس نے ہدی کے لیے علامت بنائی تا کہ پہچانا جائے کہ یہ ہدی ہے، اسی سے شعائر ہے جس کا معنی نشانیاں ہیں اس کا واحد مشعر ہے وہ جگہ جہاں علامات لگائی جاتی ہیں اسی سے الشعر ہے کیونکہ یہ وہ ہوتا ہے جہاں شعور واقع ہوتا ہے اسی سے الشاعر ہے جو اپنی فطانت سے اس چیز کا شعور حاصل کر لیتا ہے جس کو کوئی دوسرا نہیں پہچان سکتا۔ اسی سے الشعیر ہے ان بالوں کی وجہ سے اسے کہا جاتا ہے جو اس کے سر میں ہوتے ہیں۔ الشعائر ایک قول کے مطابق وہ حیوانات جن کو علامات لگائی جاتی ہیں تا کہ انہیں بیت اللہ کی طرف بھیجا جائے اور ایک قول کے مطابق تمام مناسک حج کو شعائر کہا جاتا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 145

ہے، یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: صفا، مروہ، ہدی، بدن یہ سب شعائر ہیں۔ شاعر نے کہا:

نُقَتِّلهم جِيلاً فجيلاً تراهُمُ　شَعَائِرَ قُرْبَانٍ بها يُتَقَرَّبُ

مشرک حج کرتے تھے، عمرہ کرتے تھے اور ہدایا دیتے تھے مسلمانوں نے ان پر تبدیلی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ**۔(1) عطا ابن ابی رباح نے کہا: شعائر اللہ ان تمام احکام کو کہتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور جن سے منع فرمایا۔ حسن نے کہا: اس سے مراد تمام دین ہے جیسے ارشاد ہے: **ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ** (الحج: 32) یعنی دین اللہ۔

میں کہتا ہوں: یہ قول راجح ہے اس کو دوسرے اقوال سے مقدم کیا جائے گا، کیونکہ اس میں عموم ہے۔ علماء کا ہدی کے اشعار میں اختلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جمہور علماء نے اشعار کو جائز قرار دیا ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ کس جہت سے اشعار کیا جائے گا؟ امام شافعی، امام احمد اور ابو ثور نے کہا: وہ دائیں جانب میں ہوگا، یہ حضرت ابن عمر سے مروی ہے۔ اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کی کوہان کی دائیں جانب پر اشعار کیا۔ مسلم وغیرہ نے اس کو تخریج کیا ہے یہ صحیح ہے(2)۔ روایت ہے کہ آپ نے اپنے اونٹ کو بائیں جانب سے اشعار کیا۔ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: یہ حدیث میرے نزدیک منکر ہے جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: کسی غیر سے یہ صحیح نہیں ہے۔ صفحہ السنام سے مراد کوہان کی ایک طرف ہے اور السنم اونٹ کی پیٹھ کا اوپر والا حصہ ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: وہ دائیں جانب ہوتا ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے اور فرمایا: دائیں جانب میں اشعار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مجاہد نے کہا: جس طرف چاہے اشعار کرے امام کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے ان تمام صورتوں سے منع کیا ہے انہوں نے فرمایا: یہ حیوان کو عذاب دینا ہے۔ حدیث امام ابو حنیفہ کے خلاف حجت ہے۔ پس یہ اس داغ کی مثل ہے جس کے ساتھ ملکیت کی پہچان ہوتی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابن عربی نے امام ابو حنیفہ پر بہت شدید رد اور انکار کیا ہے انہوں نے کہا: امام ابو حنیفہ نے شریعت میں اس شعیرہ کے متعلق نہیں سنا، حالانکہ یہ علماء میں مشہور ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے علماء احناف کی کتب میں یہ منصوص دیکھا ہے کہ اشعار امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور سنت نہیں بلکہ مباح ہے، کیونکہ اشعار جب اعلام تھا تو تقلید کے قائم مقام سنت تھا اور جب اس کو زخمی کیا گیا اور مثلہ کیا گیا تو حرام۔ پس یہ سنت اور بدعت پر مشتمل تھا تو اس کو مباح کیا گیا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اشعار مثلہ ہے اور یہ حرام ہے، کیونکہ اس میں حیوان کو تکلیف دینا ہے پس یہ مکروہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مروی ہے وہ ابتدائے اسلام میں تھا جب عرب مال لوٹ لیتے تھے لیکن جو جانور ہدی ہوتا اسے نہ لوٹتے تھے اور وہ ہدی کو

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 146

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 407۔ ایضاً، ابو داؤد، کتاب المناسک، باب فی الاشعار، حدیث 1490 ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نہیں پہچانتے تھے مگر اشعار کے ساتھ، پھر اس عذر کے زوال کے ساتھ یہ زائل ہو گیا۔ اسی طرح حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے الشیخ الامام ابو منصور ماتریدی سے حکایت کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: یہ احتمال ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے اشعار کو مکروہ کہا ہو، کیونکہ سوراخ کرنے میں اتنا مبالغہ کیا جاتا تھا کہ جانور کے مرنے کا خوف ہوتا تھا مگر جو اس حد تک تجاوز نہ کرے جس طرح کہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا جاتا تھا تو وہ بہتر ہے۔ ابو جعفر طحاوی نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ یہ علماء حنفیہ کا امام ابوحنیفہ کے لیے اعتذار ہے اس حدیث کی وجہ سے جو اشعار کے متعلق وارد ہے، انہوں نے اشعار کے متعلق سنا اور انہیں یہ مسئلہ پہنچا اور انہوں نے جانا، انہوں نے کہا: یہ قول کی بنا پر کہ یہ مکروہ ہے اس کے ساتھ کوئی پھر محرم نہیں ہوتا، کیونکہ مکروہ کی مباشرت مناسک سے شمار نہیں کی جاتی۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ یہ اسم مفرد ہے جو تمام اشہر حرم میں جنس پر دلالت کرتا ہے۔ اشہر حرام چار ہیں ایک علیحدہ ہے اور تین متواتر ہیں، ان کا بیان سورۂ براءت میں آئے گا۔ اس کا معنی ہے جنگ اور حملہ کے لیے ان مہینوں کو مباح نہ سمجھو اور نہ ان کو بدلو، کیونکہ ان کا بدلنا بھی ان کو حلال سمجھنا ہے یہ وہ کرتے تھے مہینہ کو مؤخر کرنے کے ساتھ۔ اسی طرح یہ ارشاد ہے: وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآىِٕدَ یعنی اس کو حلال نہ سمجھو اور یہ مضاف کے حذف کی بنا پر ہے یعنی ولا ذوات القلائد یہ قلادۃ کی جمع ہے ہدی کو حلال سمجھنے سے منع فرمایا، قلادہ ڈالے گئے جانور کا ذکر فرمایا، حرمت پر تنبیہ میں مبالغہ اور تاکید کے لیے (1)۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآىِٕدَ ہدی سے مراد وہ جانور ہے جو اونٹ، گائے اور بکری میں سے بیت اللہ کی جانب بھیجا جاتا ہے اس کا واحد ھدیۃ اور ھدیٌ ہے جس نے کہا: کہ الشعائر سے مراد تمام مناسک ہیں اس نے کہا: ہدی کا ذکر اس کی تخصیص کی تنبیہ ہے اور جنہوں نے کہا کہ الشعائر سے مراد ہدی ہے تو انہوں نے کہا: الشعائر سے مراد وہ جانور ہیں جن کی کہان سے خون بہا کر نشان لگایا گیا ہو اور الھدی سے مراد وہ جانور ہیں جن کو اشعار نہ کیا گیا ہو اس میں تقلید پر اکتفا کیا گیا ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: ان میں فرق یہ ہے کہ الشعائر سے مراد اونٹ ہیں اور ہدی سے مراد گائیں، بکریاں اور کپڑے ہیں اور دوسری تمام چیزیں بھی جو بھیجی جاتی ہیں۔

جمہور علماء نے کہا: ہدی عام ہے ہر چیز جس سے قربت حاصل کی جاتی ہے۔ ذبائح، صدقات تمام کے لیے بولا جاتا ہے اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: ''جمعہ کی طرف جلدی جانے والا، بدنہ قربانی دینے والے کی طرح ہے'' یہاں تک کہ فرمایا: ''آخر میں آنے والا انڈا ہدی دینے والے کی طرح ہے (2)'' انڈے کو بھی ہدی فرمایا۔ انڈے کو ہدی فرمانا اس کا کوئی محل نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ صدقہ کا ارادہ فرمایا ہو، اسی طرح علماء نے فرمایا: جب کسی نے کہا جعلت ثوبی ھدیا تو اس پر کپڑا صدقہ کرنا واجب ہے مگر مطلق بولا جائے تو اونٹ، گائے اور بکری میں سے کسی ایک صنف کی طرف راجع ہوتا ہے اور اس کو حرم کی طرف لے جانا اور اس کو حرم میں ذبح کرنا مراد ہے۔ یہ عرف شرع سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 146

2۔ صحیح بخاری، کتاب، جمعہ، باب فضل الجمعۃ، حدیث 832، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (البقرہ:196) اس سے مراد بکری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ (المائدہ:95) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (البقرہ:196) فقہاء کے نزدیک کم از کم ہدی بکری ہے۔ امام مالک نے فرمایا: کہاشوں ھدی تو اس کی قیمت ہدی میں ہوگی۔ الْقَلَآئِدَ لوگ اپنے امن کے لیے جانوروں کو ہار پہناتے تھے، یہ مضاف کے حذف کی بنا پر ہے یعنی ولا اصحاب القلائد پھر یہ منسوخ کیا گیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سورۃ المائدہ سے دو آیتیں منسوخ کی گئیں۔ آیۃ القلائد اور یہ ارشاد: فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ (المائدہ:42)

رہا قلائد کا حکم تو اس کو اس حکم نے منسوخ کر دیا جس میں مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا وہ جہاں بھی ہوں اور جس مہینہ میں ہوں اور دوسرا ارشاد اس کو اس ارشاد نے منسوخ کیا: وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (المائدہ:49) جیسا کہ آگے آئے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: القلائد سے مراد نفس قلائد ہے۔ یہ حرم کے درخت کا چھلکا اتارنے سے نہی ہے حتیٰ کہ امن طلب کرنے کے لیے اس کے ساتھ قلادہ پہنایا جائے۔ یہ مجاہد، عطا، مطرف بن الشخیر کا قول ہے۔ واللہ اعلم۔

ہدی کی حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو دی گئی ہو اور اس کے ساتھ عوض کا ذکر نہ ہو۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس نے کہا: تلہ علی ھدی تو وہ اس کی ثمن مکہ کی طرف بھیجے گا۔ رہے القلائد، تو ہر وہ چیز جو ہدایا کی کہانوں پر اور ان کی گردنوں میں بطور علامت لٹکائی گئی ہو کہ یہ اللہ سبحانہ کے لیے ہے خواہ وہ جوتا ہو یا کوئی دوسری چیز ہو۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے زمانہ جاہلیت میں باقی رہی اور اسلام نے بھی اس کو قائم رکھا۔ یہ گائے اور بکری میں سنت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بیت اللہ کی طرف بکریاں بھیجیں تو انہیں ہار پہنائے (1)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا یہی نظریہ ہے (مثلاً) امام شافعی، امام احمد، اسحٰق، ابو ثور اور ابن حبیب اور امام مالک اور اصحاب الرائے نے اس کا انکار کیا ہے گویا انہیں بکریوں کو قلادہ پہنانے کی یہ حدیث نہیں پہنچی یا انہیں پہنچی تو ہے لیکن انہوں نے اس کو رد کر دیا کہ اسود، حضرت عائشہ سے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ پہلا قول اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ رہی گائے اگر تو اس کی کہان ہو تو اسے اونٹ کی طرح شعار کیا جائے گا یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے اور یہی امام مالک کا قول ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: مطلقاً ہار پہنایا جائے گا اور اشعار کیا جائے گا انہوں نے کوئی فرق نہیں کیا۔ سعید بن جبیر نے کہا: اسے قلادہ پہنایا جائے گا اور شعار کیا جائے گا۔ یہ قول اصح ہے، کیونکہ اس کی کہان نہیں ہوتی، یہ اونٹ کی نسبت بکری کے زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کا اتفاق ہے کہ جس نے احرام کی نیت سے بدنہ کو قلادہ پہنایا اور اس کو چلایا تو وہ محرم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْيَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ وَ لَاۤ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناسک، جلد 1، صفحہ 230۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 425

ایضاً صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب تقلید الغنم، حدیث 1588-1586، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ۭ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا۔ احرام کا ذکر نہیں فرمایا لیکن جب تقلید کا ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ احرام کے قائم مقام ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر ہدی کو بھیجا اور خود ہانک کر نہ لے گیا تو وہ محرم نہیں ہوگا، کیونکہ حضرت عائشہ کی حدیث ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایا کے ہار اپنے ہاتھوں سے تیار کیے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے انہیں وہ ہار پہنائے، پھر انہیں میرے باپ (ابوبکر) کے ساتھ انہیں بھیجا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی چیز حرام نہ تھی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی تھی حتیٰ کہ ہدی کو نحر کیا گیا۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا (1)۔ یہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور جمہور علماء کا مذہب ہے حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: ہدی بھیجنے والا محرم ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جس نے ہدی بھیجی اس پر وہ چیزیں حرام ہو جائیں گی جو حاجی پر حرام ہوتی ہیں حتیٰ کہ ہدی کو نحر کر دیا جائے۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے (2)۔ یہ حضرت ابن عمر، عطا، مجاہد اور سعید بن جبیر کا مذہب ہے۔

خطابی نے اصحاب الرائے سے بھی یہ قول حکایت کیا ہے انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے، فرمایا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ نے اپنی قمیص کو گریبان سے پھاڑا پھر اسے ٹانگوں سے نکالا لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے ان بدنوں کو قلادہ پہنانے اور شعار کرنے کا فلاں جگہ پر حکم دیا تھا جنہیں میں نے حرم کی طرف بھیجا تھا اور اسی طرح میں نے قمیص پہنی ہوئی تھی اور میں بھول گیا تھا پس میں نے اپنے سر سے اس لیے قمیص کو نہیں نکالا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنہ کو بھیجا تھا اور خود مدینہ میں ٹھہرے رہے تھے۔ اس حدیث کی سند میں عبد الرحمٰن بن عطا بن ابی لبیبہ ہے وہ ضعیف ہے۔ اگر بکری کو قلادہ پہنایا اور اس کو حرم کی طرف بھیجا تو کوفیوں نے کہا: وہ محرم نہ ہوگا، کیونکہ مسنون نہیں ہے اور نہ شعائر میں سے ہے، کیونکہ اس پر بھیڑیا کا خوف ہے پس وہ حرم تک نہیں پہنچے گی بخلاف اونٹ کے اسے چھوڑ دیا جائے گا وہ خود پانی پر وارد ہوگا، درخت کھائے گا اور حرم تک پہنچ جائے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ ام المومنین سے مروی ہے فرمایا: میں نے اس اون سے ہار بٹے جو میرے پاس تھی (3)۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ (القارعہ)

مسئلہ نمبر 7۔ جب ہدی کو قلادہ پہنایا جائے یا اشعار کیا جائے تو اسے نہ بیچنا جائز ہے اور نہ ہبہ کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ واجب ہو چکی ہے اگر اس کا واجب کرنے والا مر جائے تو وہ میراث میں شمار نہ ہوگی بلکہ وہ نافذ ہوگی بخلاف قربانی کے جانور کے وہ امام مالک کے نزدیک خاص ذبح کے ساتھ واجب ہوتی ہے مگر یہ کہ وہ اپنے قول کے ساتھ واجب کر دے۔ اگر ذبح سے پہلے قول سے ساتھ واجب کر دیا اور کہا: جعلت ھذہ الشاۃ اضحیۃ تو وہ متعین ہو جائے گی اور اس پر ذبح کرنا واجب ہوگا، اگر وہ گم ہو جائے پھر ایام ذبح میں اسے پالے یا اس کے بعد پالے اسے ذبح کرے اور اس کا بیچنا جائز نہیں، اگر کسی نے

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناسک، جلد 1، صفحہ 230۔ ایضاً صحیح بخاری، کتاب المناسک، حدیث 1585، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً، حدیث نمبر 1590، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اپنی پہلی قربانی کے علاوہ قربانی خریدی تو امام احمد اور اسحاق کے قول میں دونوں کو ذبح کرے گا۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر گم ہو جائے یا چوری ہو جائے تو اس پر بدل واجب نہیں، بدل واجب میں ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب گم ہو جائے تو وہ جائز ہو جائے گی۔ جو شخص دسویں ذی الحجہ کے دن قربانی کرنے سے پہلے مرجائے تو وہ وراثت میں جاری ہوگی، جیسا کہ دوسرا مال ہے بخلاف ہدی کے۔ امام احمد اور ابو ثور نے کہا: ہر حال میں اسے ذبح کیا جائے گا۔

امام اوزاعی نے فرمایا: اسے ذبح کیا جائے گا مگر یہ کہ اس پر اتنا قرضہ ہو کہ اس کو ادا کرنا ممکن نہ ہو مگر اسی قربانی سے تو اسے قرضہ میں بیچا جائے گا، اگر ذبح کرنے کے بعد مرجائے تو اس کی طرف سے اس میں وارثت جاری نہ ہوگی وہ اسے کھائیں یا صدقہ کریں جو چاہیں کریں اس کے گوشت کو بطور میراث تقسیم نہیں کریں گے۔ ذبح سے پہلے قربانی کو جو عیب لاحق ہو جائیں تو مالک پر بدل ہوگا بخلاف ہدی کے۔ یہ امام مالک کے مذہب کی تحصیل ہے۔ بعض علماء نے کہا: ہدی میں مالک پر بدل ہوگا، پہلا قول زیادہ درست ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ یعنی جو بیت اللہ کا قصد کرنے والے ہیں۔ یہ ان کے قول سے ہے: اممت کذا۔ میں نے اس کا قصد کیا، اعمش نے ولا آمی البیت الحرام یعنی اضافت کے ساتھ پڑھا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ۔ معنی یہ ہے کہ کفار کو نہ روکو جو تعبد اور قربت کی جہت سے بیت حرام کا قصد کرنے والے ہیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے: ان آیات میں مشرک کو روکنے کی نہی ہے اور اس کی قلادہ کی وجہ سے حرمت کی رعایت ہے یا اس نے بیت اللہ کا قصد کیا ہے یہ تمام احکام آیۃ السیف کے ساتھ منسوخ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (توبہ: 5) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (توبہ: 28)

مشرک کو حج کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ اشہر حرم میں اسے امن دیا جائے گا اگرچہ اس نے ہدی بھیجی ہو، اسے قلادہ پہنایا ہو اور حج کا ارادہ کیا ہو۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے ابن زید نے یہی فرمایا جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ ایک قوم نے کہا: یہ آیت محکمہ ہے، یہ منسوخ نہیں ہے یہ مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ مسلمانوں میں جو بیت اللہ کا قصد کرنے والا ہو اسے ڈرایا جائے۔ یہ نہی شہر حرام اور دوسرے مہینوں میں عام ہے، لیکن شہر حرام کا ذکر تعظیماً اور تفصیلاً فرمایا۔ یہ عطا کے قول پر چلتا ہے معنی یہ ہے کہ اللہ کے معالم کو حلال نہ سمجھو۔ اس سے اللہ کا امر اور اس کی نہی ہے جو اس نے لوگوں کو بتایا اسے حلال نہ سمجھو۔ اسی وجہ سے ابو میسرہ نے کہا: یہ آیت محکمہ ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے منسوخ نہیں ہے مگر صرف القلائد۔ کوئی شخص حرم کے درخت کے چھلکے سے قلادہ پہنا تا تھا تو وہ قربت حاصل نہیں کرتا تھا پس اس کو منسوخ کیا گیا۔ ابن جریج نے کہا: یہ آیت اس بات سے نہی ہے کہ حاجیوں سے سامان نہ چھینا جائے (1)۔

ابن زید نے کہا: یہ آیت فتح مکہ کے سال نازل ہوئی جب کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے، مشرکین حج اور عمرہ کرنے کے لیے آئے تو مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! ﷺ ان مشرکین کو ہم نہیں چھوڑیں گے، ہم ان پر حملہ کریں گے تو قرآن

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 147

نازل ہوا: وَلَآ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ۔(1) بعض علماء نے فرمایا: یہ شریح بن ضبیعہ البکری کے معاملہ کے لیے تھا اسے الحطم سے لقب دیا جاتا تھا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر نے پکڑ لیا جب کہ وہ عمرہ میں تھا تو یہ آیت نازل ہوئی، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ حطم مرتد ہو گیا تھا اور مرتد ہو کر قتل کیا گیا تھا۔ اس کی خبر سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ طیبہ میں آیا اور اس نے مدینہ سے باہر اپنے گھوڑے پیچھے چھوڑ آیا، اس نے کہا: تم کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دینا، نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا''۔ اس نے کہا: اچھا ہے مگر میرے کچھ امراء ہیں ان کے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، شاید میں اسلام قبول کروں اور انہیں آپ کے پاس لے آؤں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو کہا تھا: تم پر ایک آدمی داخل ہوگا جو شیطان کی زبان بولے گا پھر وہ آپ کے پاس سے نکلا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کافر چہرہ کے ساتھ داخل ہوا اور غادر گدی کے ساتھ باہر نکلا وہ شخص مسلمان نہیں ہے''۔ وہ حطم شخص مدینہ طیبہ کی چراگاہ سے گزرا تو چوپائے ہانک کر لے گیا، صحابہ کرام نے اسے تلاش کیا تو وہ عاجز آ گئے وہ یہ کہتے ہوئے نکلا:

قد لفّها الليل بسوّاقٍ حُطَم　　ليس براعى إبلٍ ولا غَنَمْ

ولا بجزّارٍ على ظهر وَضَمْ　　باتُوا نياما وابن هندٍ لم ينَمْ

بات يقاسيها غلام كالزُّلَمْ　　خَدَلَّج الساقين خفّاق القَدَمْ

جب عام القضیہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو آپ نے یمامہ کے حجاج کا تلبیہ سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حطم اور اس کے ساتھی ہیں اس نے جو مدینہ طیبہ سے جانور لوٹے تھے اس نے انہیں ہار پہنا دیئے تھے اور مکہ کی طرف بھیجا تھا، صحابہ کرام اس کی طلب میں نکلے تو یہ آیت نازل ہوئی ان کو حلال نہ سمجھو اللہ کے لیے اشعار کیا گیا ہے اگر چہ وہ مشرک ہی ہوں۔ یہ حضرت ابن عباس نے ذکر کیا ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس بنا پر کہ یہ آیت محکمہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔ امور مناسک کو مکمل کرنے کا تقاضا کرتا ہے اسی وجہ سے علماء نے فرمایا: آدمی جب حج میں داخل ہو پھر اسے فاسد کر دے تو اس پر افعال حج ادا کرنا لازم ہے اور اس میں سے کسی فعل کا ترک جائز نہیں اگر چہ اس کا حج فاسد ہو چکا ہے پھر آئندہ سال اس پر اس حج کی قضا لازم ہے، ابو اللیث سمرقندی نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ، منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے: قَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ كَآفَّةً (توبہ:36) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَلَا الۡهَدۡیَ وَلَا الۡقَلَآئِدَ (المائدہ:2) محکم منسوخ نہیں ہے، پس جس نے ہدی کو قلادہ پہنایا اور احرام کی نیت کی تو وہ محرم ہو گیا اس کے لیے اس آیت کی دلیل کے ساتھ احرام باندھنا جائز نہیں۔ یہ احکام ایک دوسرے پر معطوف ہیں۔ بعض منسوخ ہیں اور بعض غیر منسوخ ہیں۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرِضۡوَانًا۔ جمہور علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ تجارت میں نفع اور فضل تلاش کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اپنے ظن اور امید میں اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے ہیں۔ بعض

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 147　2۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 181

علماء نے فرمایا: ان میں بعض تجارت طلب کرتے تھے، بعض حج کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے تھے اگر چہ وہ اس کو پا نہیں سکتے تھے اور عربوں میں سے کچھ مرنے کے بعد جزا کا عقیدہ رکھتے تھے اور مرنے کے بعد اٹھنے کا نظریہ رکھتے تھے، کوئی بعید نہیں کہ انہیں آگ میں تخفیف حاصل ہو۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف عربوں کے لیے الفت کا اظہار ہے اور ان پر مہربانی کا مظاہرہ ہے تا کہ ان کے نفوس خوش ہوں اور لوگ دین میں داخل ہوں اور حج کے موقع پر آئیں قرآن کو سنیں اور ان کے دلوں میں ایمان داخل ہو اور ان کے پاس وہ حجت قائم ہو جائے جیسی کہ وہ تھی یہ آیت فتح مکہ کے سال نازل ہوئی، پھر اس آیت کو سن 9 ہجری کے بعد منسوخ کر دیا جب حضرت ابو بکر نے حج کیا تھا اور سورۂ برأت کا لوگوں میں اعلان کیا گیا تھا۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا یہ امر اباحت کے لیے ہے، اس پر علماء کا اجماع ہے احرام کی وجہ سے شکار حرام تھا اس حرمت کو اٹھایا گیا ہے۔ اکثر علماء نے یہ بیان کیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ افعل کا صیغہ جو منع کے بعد وارد ہوتا ہے وہ اپنی اصل یعنی وجوب کے لیے وارد ہوتا ہے یہ قاضی ابو الطیب وغیرہ کا مذہب ہے، کیونکہ وجوب کا مقتضا قائم ہے اور منع پہلے گزر چکا ہے جو مانع کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ (توبہ: 5) یہ افعل کا صیغہ وجوب کے لیے ہے اس سے مراد جہاد ہے یہاں اور اس کی مثل اباحت جو سمجھی گئی ہے مثلاً فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا (الجمعہ: 10) فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ (بقرہ: 222) یہ معنی اجماع کی وجہ سے ہے نہ کہ امر کے صیغہ کے اعتبار سے ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی تمہیں کسی قوم کی دشمنی نہ ابھارے۔ یہ حضرت ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے اور یہ کسائی اور ابو العباس کا قول ہے یہ دونوں مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے(1)، کہا جاتا ہے: جرمنی کذا علی بغضك یعنی حملنی علیہ۔

شاعر نے کہا:

ولقد طَعَنْتَ أباعُیَیْنَةَ طَعْنَةً　　جَرَمَت فَزَارَةَ بَعْدَھَا أن یَغْضَبُوا(2)

اخفش نے کہا: اس کا معنی ہے لا یُحِقَّنَکُم تمہیں کینہ اور بغض میں مبتلا نہ کرے۔ ابو عبیدہ اور فراء نے کہا: لا یجرمنکم کا معنی ہے تمہیں کسی قوم کا بغض حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنے تک نہ پہنچائے اور عدل سے ظلم کی طرف نہ پہنچائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو تجھے امین بنائے اس کی امانت ادا کر اور جو تجھ سے خیانت کرے اس سے خیانت نہ کر''۔ اس کے متعلق کلام گزر چکا ہے اس آیت کی مثال یہ ہے: فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ (بقرہ: 194) اس پر تفصیلی کلام گزر چکی ہے۔ کہا جاتا ہے: فلان جریمة اھلہ یعنی فلاں ان کا کمانے والا ہے۔ الجریمة اور الجارم کا معنی کمانے والا ہے۔ اجرم فلان کا معنی ہے فلاں نے گناہ کیا۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

جَرِیمَةُ نَاهِضٍ فِی رَأسِ نِیقٍ (3)　　تَرَی لعظامِ مَا جَمَعتْ صَلِیبَا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 148　　2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 149　　3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 148

اس کا معنی ہے خوراک کمانے والا۔ الصلیب سے مراد چربی ہے یہ اصل ہے ج، را اور میم کی بنا میں۔ ابن الفارس نے کہا: جرم، اجرم اور ولا جرم یہ تیرے اس قول کے قائم مقام ہے لابد ولا محالۃ اس کی اصل جرم سے ہے جس کا معنی ہے کھانا۔ شاعر نے کہا: جَرَمَتْ فَزَارَةَ بعدها أن یَغْضَبُوا

ایک اور شاعر نے کہا:

یأیها المشتکی عُکْلًا وما جَرَمَتْ إلَی القبائِلِ من قَتْلٍ و إبَاسِ

کہا جاتا ہے: جرم، یجرم جرماً اس کا معنی ہے کاٹنا، الرمانی علی بن عیسیٰ نے کہا: یہ اصل ہے پس جرم کا معنی ہے کسی چیز پر ابھارنا تاکہ اسے دوسرے سے جدا کردے اور جرم بمعنی کسب اس لیے ہے، کیونکہ وہ اسے سب کی طرف منقطع کردیتا ہے جرم بمعنی حق بھی ہے، کیونکہ حق اس پر قطعی ہوجاتا ہے۔ خلیل نے کہا: لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ (1) (النحل: 62) کا معنی ہے ان کے لیے عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ کسائی نے کہا: جرم اور اجرم دونوں لغتوں کا ایک معنی ہے یعنی اکتسب۔

حضرت ابن مسعود نے یجرمنکم یا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس کا معنی ہے وہ تمہیں اکسائے نہیں۔ بصری علماء یا کے ضمہ کو نہیں جانتے وہ کہتے ہیں: جرم لاغیر، الشنان کا معنی بغض ہے نون کے فتحہ اور نون کے سکون کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے: شنئت الرجل اشنئوۃ شنئا وشناۃ وشنآناً وشنآنا، نون کے جزم کے ساتھ سب کا معنی ہے ناراض ہونا۔ یعنی کسی قوم کا بغض تمہیں حق سے تجاوز کرنے پر نہ اکسائے۔ اس سے مراد بغضکم قوماً ہے۔ مصدر کو مفعول کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ ابن زید نے کہا: جب مسلمانوں کو حدیبیہ کے سال بیت اللہ سے روکا گیا تو مسلمانوں کے پاس سے کچھ مشرک گزرے جو عمرہ کرنا چاہتے تھے، مسلمانوں نے کہا: ہم انہیں روکیں گے جس طرح انہوں نے ہمارے ساتھیوں کو روکا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی یعنی ان پر تجاوز نہ کرو اور انہیں نہ روکو۔

اَنْ صَدُّوْكُمْ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ مفعول لاجلہ ہے یعنی لان صدوکم۔ ابو عمرو اور ابن کثیر نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے إن صدوکم یہ ابو عبید کا مختار ہے۔ اعمش سے مروی ہے ان یصدوکم۔ ابن عطیہ نے کہا: فان جزا کے لیے ہے یعنی اگر اس فعل کی مثل مستقبل میں واقع ہو۔ پہلی قرأت معنی کے اعتبار سے بہتر ہے۔ نحاس نے کہا ان صدوکم ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہو تو علماء نحو اور محدثین اس قرأت سے منع کرتے ہیں اس کی کئی وجوہ ہیں (ا) یہ آیت فتح مکہ کے سال 8 ہجری کو نازل ہوئی جب کہ مشرکوں نے مسلمانوں کو چھ ہجری میں حدیبیہ کے سال روکا تھا پس روکنا آیت سے پہلے تھا جب ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ جائز نہ ہوگا مگر اس کے بعد جیسے تو کہتا ہے: لا تعط فلاناً شیئا ان قاتلك اور یہ نہیں ہوسکتا مگر مستقبل میں اور اگر آپ ہمزہ کو فتحہ دیں گے تو یہ ماضی کے لیے ہوگا پس اس بنا پر جائز نہ ہوگا مگر اَنْ صَدُّوْكُمْ اگر یہ حدیث صحیح نہ بھی ہوتی تو بھی فتحہ واجب ہوتا، کیونکہ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ ...... الخ۔ دلیل ہے کہ مکہ ان کے قبضہ میں تھا وہ اس سے نہیں روک سکتے تھے مگر جب کہ وہ بیت اللہ سے روکنے پر قادر تھے اس وجہ سے بھی فتحہ واجب ہے، کیونکہ یہ ماضی کے لیے ہے۔ اَنْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 148، دار الکتب العلمیہ بیروت

تَعْتَدُوْا محل نصب میں ہے، کیونکہ یہ مفعول بہ ہے یعنی تمہیں کسی قوم کی دشمنی حد سے بڑھنے پر نہ اکسائے۔ ابو حاتم اور ابو عبید نے شنئان کو نون کے اسکان کے ساتھ پڑھنے کا انکار کیا ہے، کیونکہ اس کی مثل مصادر متحرک ہوتے ہیں۔ دوسرے علماء نے ان کی مخالفت کی ہے۔ فرمایا: یہ مصدر نہیں ہے، لیکن یہ کسلان اور غضبان کے وزن پر اسم فاعل ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى۔ اخفش نے کہا: یہ پہلی کلام سے علیحدہ ہے یہ تمام مخلوق کو نیکی اور تقویٰ پر تعاون کا حکم ہے یعنی تمہیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس پر گفتگو کرو اس کے مطابق عمل کرو اور اس سے رک جاؤ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور اس سے بچو۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث کے موافق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نیکی پر راہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے'' (1)۔ کہا جاتا ہے کہ برائی پر راہنمائی کرنے والا برائی کرنے والے کی طرح ہے۔

پھر بعض علماء نے فرمایا: البر اور التقوی دونوں ہم معنی ہیں تاکید اور مبالغہ کے لیے لفظ کے اختلاف کے ساتھ مکرر فرمایا، کیونکہ ہر نیکی تقویٰ ہے اور ہر تقویٰ نیکی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس میں کچھ تسامح ہے ان دو لفظوں کی دلالت میں عرف یہ ہے کہ البر واجب اور مندوب سب کو شامل ہے التقوی واجب کی رعایت ہے۔ اگر ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے تو وہ مجازاً ہوتا ہے۔ ماوردی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نیکی پر تعاون کرنے کی دعوت دی ہے اور تقویٰ کو اس کے ساتھ ملایا، کیونکہ تقویٰ میں اللہ کی رضا ہے اور نیکی میں لوگوں کی رضا ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی رضا کو جمع کیا اس کی سعادت مکمل ہوئی اور اس کی نعمت عام ہوئی۔

ابن خویز منداد نے احکام میں کہا: نیکی اور تقویٰ پر تعاون کئی وجوہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ عالم پر واجب ہے کہ وہ اپنے علم کے ساتھ لوگوں کی مدد کرے اور انہیں تعلیم دے۔ غنی اپنے مال کے ساتھ لوگوں کی مدد کرے۔ شجاع اپنی شجاعت کے ساتھ اللہ کے راستہ میں جہاد کرے، مسلمان ایک دوسرے کے معاون ہوں جس طرح ایک ہاتھ ہوتا ہے۔ ''مومنوں کے خون برابر ہیں ان کے ادنیٰ کے امان کا خیال رکھا جائے گا دوسرے لوگوں پر ان کا غلبہ ہے'' (2)۔ حد سے تجاوز کرنے والے سے اعراض کرنا اور اس کی مدد نہ کرنا واجب ہے اور جس غلط روش پر ظالم ہے اس سے اسے پھیرنا واجب ہے۔ پھر منع فرمایا: وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ، الْاِثْمِ سے مراد وہ حکم ہے جو جرائم کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے اور الْعُدْوَانِ سے مراد لوگوں پر ظلم کرنا ہے پھر تقویٰ کا حکم دیا اور مجملاً دھمکی دی فرمایا: وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

1۔ کنز العمال، کتاب الاحادیث والاقوال، جلد 6، صفحہ 359، حدیث نمبر 16052

2۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الدیات، جلد 1، صفحہ 197۔ ایضاً، حدیث نمبر 2672-2673، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

''حرام کیے گئے ہیں تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے اور گلا گھونٹنے سے مرا ہوا، چوٹ سے مرا ہوا، اوپر سے نیچے گر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے سوائے اس کے جسے تم ذبح کر لو اور (حرام ہے) جو ذبح کیا گیا ہو تھانوں پر اور (یہ بھی حرام ہے) کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے یہ سب نافرمانی کے کام ہیں۔ آج مایوس ہو گئے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا تمہارے دین سے سو نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں درآں حالیکہ نہ جھکنے والا ہو گناہ کی طرف تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

اس میں چھبیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اس پر کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اَلْمُنْخَنِقَةُ وہ جانور جو دم گھٹنے سے مر جائے۔ خنق کا معنی ہے دم گھٹنا خواہ اس کے ساتھ عمل کسی آدمی نے کیا ہو یا اس کے لیے عمل کسی پہاڑ میں ہوا ہو یا دو لکڑیوں کے درمیان ہوا ہو وغیرہ۔ قتادہ نے ذکر کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بکری وغیرہ کا گلہ دباتے تھے جب وہ مر جاتی تھی تو اسے کھاتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْمَوْقُوْذَةُ وہ جانور جسے پتھر اور ڈنڈے سے مارا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ بغیر ذبح کے مر جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس، حسن، قتادہ، ضحاک اور سدی سے مروی ہے، کہا جاتا ہے: وقذہ یقذہ وقذا وھو وقیذ۔ الوقذ کا معنی زور سے مارنا ہے فلان وقیذ سخت ضرب لگانے والا۔ قتادہ نے کہا: زمانہ جاہلیت کے لوگ ایسا کرتے تھے اور پھر اس جانور کو کھاتے تھے۔ اس سے مراد وہ مقتول جانور ہے جو غلیل سے مارا جائے۔ فرزدق نے کہا:

شَغَّارَۃ تَقِذ الفَصِيل برجلها فَطَّارَۃٌ لِقَوادِمِ الأبكارِ (1)

صحیح مسلم میں عدی بن حاتم سے مروی ہے فرمایا: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں معراض تیر کے ساتھ شکار کرتا ہوں وہ شکار کو لگ جاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تو معراض تیر پھینکے اور وہ اسے چیر دے (اور خون بہا دے) تو اسے کھا اور اگر وہ تیر عرضاً لگے (اسے چیرے نہیں صرف اسے چوٹ دے) تو اسے نہ کھا'' (2)۔ ایک روایت میں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 151
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 145

ہے فرمایا ”وہ وقیذ ہے“ ابو عمر نے فرمایا: غلیل، پتھر اور معراض تیر سے شکار کیے ہوئے جانور کے بارے میں علماء قدیم و جدید کا اختلاف ہے پس جن کا خیال ہے کہ وہ وقیذ ہے اس کا کھانا جائز نہیں مگر جب اس کو ذبح کیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عمر سے مروی ہے۔ یہی امام مالک، امام ابو حنیفہ ان کے اصحاب، ثوری اور امام شافعی کا قول ہے۔ شامی علماء نے اس میں ان علماء کی مخالفت کی ہے۔ اوزاعی نے معراض تیر کے بارے میں کہا: اس کو کھاؤ خواہ اسے چیرے یا نہ چیرے۔

حضرت ابو الدرداء، حضرت فضالہ بن عبید، حضرت عبداللہ بن عمر اور مکحول اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتے تھے۔ ابو عمر نے کہا: اوزاعی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے اسی طرح ذکر کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر سے معروف وہ ہے جو امام مالک نے نافع سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ اس باب میں اصل، جس پر عمل ہے اور اس میں جو حجت ہے جس نے اس کو اختیار کیا ہے وہ عدی بن حاتم کی حدیث ہے اس میں ہے ”جو معراض عرضاً لگے اسے نہ کھا وہ وقیذ (چوٹ سے مرنے والا) ہے“۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْمُتَرَدِّيَةُ وہ جانور جو اوپر سے نیچے کی طرف گر کر مر جائے، خواہ وہ پہاڑ سے گرے یا کنویں وغیرہ میں مرے یہ الردی سے متفعلۃ کے وزن پر ہے جس کا معنی ہلاکت ہے خواہ وہ خود گرا ہو یا کسی دوسرے نے اسے گرایا ہو۔ جب تیر شکار کو لگے اور وہ پہاڑ سے زمین کی طرف گرے تو وہ حرام ہوگا، کیونکہ وہ ٹکرانے یا گرنے سے مرا ہے نہ کہ تیر سے مرا ہے۔ اسی سے حدیث ہے ”اگر تو اسے پانی میں غرق پائے تو اسے نہ کھا، کیونکہ تجھے معلوم نہیں پانی نے اسے قتل کیا ہے یا تیرے تیر نے اسے قتل کیا ہے“ (1)۔ اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں گر کر مرنے والے جانور کو کھایا جاتا تھا وہ مردہ تصور نہیں کیا جاتا تھا مگر جو تکلیف وغیرہ سے مرتا تھا جس کا سبب معلوم نہ ہوتا تھا۔ رہے یہ اسباب تو یہ ان لوگوں کے نزدیک ذبح کی طرح تھا شرع شریف نے ذبح کو مخصوص صفت پر محصور کر دیا مزید بیان آگے آئے گا اور یہ تمام مردار شمار کیے گئے یہ تمام محکم متفق علیہ سے ہے اسی طرح جو سینگ لگنے سے مرا ہو اور درندے کے کھانے سے مرا ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالنَّطِيحَةُ، فعيلة بمعنی مفعولہ ہے یہ وہ بکری ہے جسے دوسری بکری نے سینگ مارا ہو یا کسی اور چیز نے مارا ہو پھر وہ ذبح کرنے سے پہلے مر گئی ہو۔ ایک قوم نے النَّطِيحَةُ سے مراد الناطحہ (سینگ مارنے والا) لیا ہے کیونکہ دونوں بکریاں ایک دوسرے کو سینگ مارتی ہیں پھر دونوں مر جاتی ہیں (2)۔ بعض علماء نے فرمایا: نطیحۃ۔ فرمایا: نطیح نہیں فرمایا: فعیل کا حق یہ ہے کہ اس میں ہا ذکر نہیں کی جاتی جیسے کہا جاتا ہے: کف خضیب ولحیۃ دھین (خضاب شدہ ہتھیلی اور تیل لگی ہوئی داڑھی) لیکن یہاں ھا کو ذکر فرمایا، کیونکہ ھا کو اس فعیلۃ سے حذف کیا جاتا جب وہ منطوق موصوف کی صفت ہو۔ کہا جاتا ہے: شاۃ نطیح وامرأۃ قتیل اگر موصوف ذکر نہ ہو تو ھا قائم ہوتی ہے۔ تو کہتا ہے: رایت قتیلۃ بنی فلان وھذہ نطیحۃ الغنم۔ کیونکہ اگر تو ھا کو ذکر نہیں کرے گا تو تو کہے گا: رایت قتیل بنی فلان، معلوم نہیں ہوگا کہ وہ مرد ہے یا عورت ہے۔ ابو میسرہ نے المنطوحۃ پڑھا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 146۔ ایضاً صحیح بخاری، باب الصید اذا غاب عنہ یومین او ثلاثۃ، حدیث 5062، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 151

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اس سے مراد وہ جانور ہے جسے کچلیوں والے اور ناخنوں والے درندے نے چیر اپھاڑا ہو جیسے شیر، چیتا، لومڑ، بجو وغیرہ، یہ تمام درندے ہیں کہا جاتا ہے: سبع فلان فلانا یعنی فلاں نے فلاں کو اپنے دانتوں کے ساتھ کاٹا۔ سبعہ یعنی اس نے اسے عیب لگایا اور وہ عیب میں واقع ہوا۔ اس کلام میں اضمار ہے یعنی وہ جانور جس سے درندے نے کھایا ہو، کیونکہ جس کو درندے نے کھایا وہ فنا ہو گیا۔ کچھ عرب صرف السبع کا اطلاق شیر پر کرتے ہیں، عرب جب درندہ بکری پکڑ لیتا پھر وہ اس سے بچ جاتی تو اسے کھاتے تھے، اسی طرح اگر وہ اس کا بعض حصہ کھا لیتا تو بقیہ عرب کھا لیتے تھے یہ قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔ حسن اور ابو حیوہ نے السبع با کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اہل نجد کی لغت ہے حضرت حسان نے عتبۃ بن ابی لہب کے بارے میں کہا:

مَن يَرجع العامَ الى أهله　فما أكيلُ السَّبْع بالرّاجِع

حضرت ابن مسعود نے وأكِيلَةُ السَّبُع پڑھا ہے۔ عبداللہ بن عباس نے وأكِيل السَّبُع (1) پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ جمہور علماء اور فقہاء کے نزدیک مستثنیٰ متصل کی بنا پر منصوب ہے۔ یہ مذکورہ تمام جانوروں کی طرف راجع ہے جس کو ذبح کر دیا گیا ہو جب کہ اس میں ابھی زندگی ہو۔ کیونکہ اس میں ذبح عامل ہو گی، کیونکہ استثنا کا حق یہ ہے کہ وہ متقدم کلام کی طرف پھیری گئی ہو اور مستثنیٰ کو منقطع نہیں بنایا جاتا مگر ایسی دلیل کے ساتھ جو واجب التسلیم ہو۔ ابن عیینہ شریک اور جریر نے رکین بن ربیع سے انہوں نے ابو طلحہ اسدی سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے حضرت ابن عباس سے اس بھیڑیے کے متعلق پوچھا جس نے بکری پر حملہ کیا پھر اس کے پیٹ کو چیر دیا حتیٰ کہ اس کی انتڑیاں باہر آگئیں پھر اس کی ذبح کو میں نے پالیا اور میں نے اسے ذبح کر دیا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: اسے کھاؤ اور اس کے پیٹ میں سے جو باہر آ گیا ہے وہ نہ کھا۔

اسحق بن راہویہ نے کہا: بکری میں سنت وہی ہے جو حضرت ابن عباس نے بیان کی ہے اگر بکری کے پیٹ کا مواد باہر آ جائے اور وہ ابھی تک زندہ ہے اور ذبح کی جگہ سلامت ہے تو ذبح کے وقت دیکھا جائے گا کہ کیا وہ زندہ ہے یا مردہ ہے؟ فعل کی طرف نہیں دیکھا جائے گا کہ کیا اس کی مثل زندہ ہوتی ہے؟ اسی طرح مریضہ کا حکم ہے۔ اسحاق نے کہا: جس نے اس کی مخالفت کی اس نے جمہور صحابہ اور عامۃ العلماء کی سنت کی مخالفت کی۔

میں کہتا ہوں: ابن حبیب کا بھی یہی نظریہ ہے اور اصحاب مالک سے یہ ذکر کیا جاتا ہے اور یہی ابن وہب کا قول ہے اور امام شافعی کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ مزنی نے کہا: میں امام شافعی کے لیے ایک اور قول بھی یاد کرتا ہوں: اسے نہیں کھایا جائے گا جب درندہ یا اس کا گرنا اسے اس حد تک پہنچا دے کہ ایسے جانور کی حیات نہیں ہوتی۔ یہ مدنی علماء کا قول ہے اور امام مالک کا مشہور قول وہ ہے جو عبدالوہاب نے اپنی تلقین میں ذکر کیا ہے۔ حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے اسے امام مالک نے مؤطا میں ذکر کیا ہے۔ اسماعیل قاضی اور بغدادی مالکیوں کی جماعت کا یہی نظریہ ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 151

اس قول کی بنا پر استثنا منقطع ہے یعنی تم پر یہ اشیاء حرام کی گئی ہیں لیکن جس کو تم ذبح کر دو وہ حرام نہیں۔ ابن عربی نے کہا: ان اشیاء کے بارے امام مالک کا قول مختلف ہے ان سے مروی ہے ایسے جانور کو نہیں کھایا جائے گا مگر جو صحیح طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو اور جو مؤطا میں ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس نے اسے ذبح کیا جب کہ اس کا سانس جاری رہا جب کہ وہ حرکت کر رہی تھی تو اسے کھایا جائے گا۔ یہ امام مالک کا صحیح قول ہے۔ وہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور ان کی زندگی میں ہر شہر میں لوگوں پر پڑھا جاتا رہا۔ یہ نادر روایات سے اولیٰ ہے۔ مریض جانور پر مطلق ذبح کے جواز کا مذہب ہے اگر وہ موت کے قریب ہو جب کہ اس میں زندگی باقی ہو۔ ہائے میرا شعور مریض جانور کی زندگی کی بقا میں اور درندے کے کھائے ہوئے کی زندگی کی بقا میں کون سا فرق ہے۔ کاش نظر مناسب ہوتی اور شبہ سے فکر سلامت ہوتی۔ ابو عمر نے کہا: اس مریض جانور میں علماء کا اجماع ہے جس کی زندگی کی امید نہ ہو کہ اس کو ذبح کرنا اس کی ذکاۃ ہے جب کہ اس میں زندگی ہو جب اسے ذبح کر رہا ہو اور اس سے اس کے ہاتھوں کا یا پاؤں کا یا دم وغیرہ کا حرکت کرنا اس کی زندگی کی علامت ذکر کی ہے علماء کا اجماع ہے کہ جب وہ جانور حالت نزع میں ہو اور نہ اس کا ہاتھ حرکت کرے اور نہ پاؤں حرکت کرے تو اس میں ذکاۃ نہیں ہے اسی طرح قیاس کا تقاضا میں متردیہ کا حکم ہے اور جو اس آیت میں اس کے ساتھ دوسرے جانور ذکر کیے گئے ہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذَكَّيْتُمْ کلام عرب میں ذکاۃ کا معنی ذبح ہے، یہ قطرب کا قول ہے۔ ابن سیدہ نے ''المحکم'' میں کہا: عرب کہتے ہیں ''جنین (مادہ کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے) کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ ہے'' (1)۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ حدیث ہے حیوان کی ذکاۃ اس کا ذبح کرنا ہے۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

یذکیھا الاَسَل نیزے اور تیر اسے ذبح کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: وہ حدیث جس کی طرف ابن عطیہ نے اشارہ کیا ہے اسے دار قطنی نے حضرت ابو سعید، حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ کی حدیث سے روایت کیا ہے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے فرمایا: زکاۃ الجنین ذکاۃ امہ۔ یعنی جنین کی ذبح اس کی ماں کی ذبح (سے) ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت یہی کہتی ہے مگر امام ابو حنیفہ سے مروی ہے فرمایا: جب جنین اپنی ماں کے پیٹ سے مردہ نکلے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے، کیونکہ ایک نفس کی ذبح دو نفسوں کی ذبح نہیں ہوتی۔ ابن المنذر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ میں دلیل ہے کہ جنین ماں کے علاوہ ہے۔ وہ کہتے ہیں: اگر حاملہ لونڈی آزاد کی گئی تو اس کی آزادی اس کی ماں کی آزادی (سے) ہے یہ اس کو لازم ہے کہ اس کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ (سے) ہے، کیونکہ جب ایک کی آزادی کے ساتھ دو کی آزادی جائز ہے تو ایک کی ذکاۃ کے ساتھ دو کی ذکاۃ بھی جائز ہے۔ خبر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور جو صحابہ سے مروی ہے اور جس پر بڑے بڑے علماء کا مذہب ہے وہ ہر قول سے مستغنی کر دیتا ہے۔

اہل علم کا اجماع ہے کہ جنین جب زندہ نکلے تو اس کی ماں کی ذکاۃ اس کی ذکاۃ نہیں ہے۔ اور اس میں علماء کا اختلاف ہے

1۔ جامع ترمذی، ابواب الصید، جلد 1، صفحہ 178

کہ جب ماں کو ذبح کیا گیا ہو اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو۔ تو امام مالک اور تمام ان کے اصحاب نے کہا: اس کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ ہے جب کہ اس کی تخلیق مکمل ہو چکی ہو اور اس کے بال نکل آئے ہوں۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ مردہ نکلے یا اس حالت میں نکلے کہ اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی ہو مگر مستحب ہے کہ اسے ذبح کیا جائے اگر وہ نکلے تو حرکت کر رہا ہو، اگر وہ پہلے خود ہی مر جائے تو اسے کھایا جائے گا۔ ابن القاسم نے کہا: میں نے ایک بھیڑ قربانی دی جب میں نے اسے ذبح کیا تو اس کا بچہ اس کے پیٹ میں حرکت کرنے لگا۔ میں نے ساتھیوں سے کہا: اسے چھوڑ دو حتی کہ وہ بچہ اس کے پیٹ میں مر جائے پھر میں نے انہیں کہا کہ اس کا پیٹ چاک کر و اس کے پیٹ سے بچہ نکالا گیا میں نے اسے ذبح کیا اور اس سے خون بہہ نکلا میں نے اپنے گھر والوں کو اسے بھوننے کا حکم دیا۔ حضرت عبد اللہ بن کعب بن مالک نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کہتے تھے: جب جنین کے بال نکل آئیں تو اس کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ سے ہے۔ ابن المنذر نے کہا: جن علماء نے کہا کہ اس کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ ہے انہوں نے بال نکلنے یا نہ نکلنے کا ذکر نہیں کیا۔ ان علماء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق ہیں۔ قاضی ابو الولید الباجی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ذکاۃ الجنین ذکاۃ امه اشعرا ولم یشعر جنین کی ذبح اس کی ماں کی ذبح (سے) ہے خواہ اس کے بال نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام مالک کا مذہب جو اقوال میں سے صحیح ہے وہ ہے جس پر فقہاء امصار کا نظریہ ہے۔ وباللہ التوفیق

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذَكَّيْتُمْ الذکاۃ کا لغوی معنی التمام ہے اس سے تمام السن۔ الفرس المذکی وہ گھوڑا ہوتا ہے جس کے دانت مکمل ہو چکے ہوتے ہیں اور یہ قوت کا مکمل ہونا ہے۔ کہا جاتا ہے: ذکی یذکی عرب کہتے ہیں جری المذکیات غلاب۔ کامل گھوڑوں کا چلنا غالب ہوتا ہے۔ ذکاء دل کی حدت کو کہتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

یُفَضِّلُه إذا اجتهدوا علیه تَمَامُ السِّنِّ منه والذَّكَاءُ

ذکاء، سرعت فطنت کو کہتے ہیں اس سے فعل ذکی یذکی ذکاء والذکوۃ جس کے ساتھ آگ جلائی جاتی ہے۔ اذکیت الحرب والنار میں نے جنگ اور آگ کو بھڑکایا۔ ذکاء سورج کا نام بھی ہے، کیونکہ یہ بھی آگ کی طرح جلاتا ہے۔ الصبح ابن ذکاء۔ صبح سورج کا بیٹا ہے۔ کیونکہ یہ سورج کی روشنی سے ہوتی ہے۔ ذَكَّيْتُمْ کا معنی ہے میں نے اس کی ذبح کو مکمل پایا۔ ذکیت الذبیحۃ اذکیھا۔ یہ پاک کرنے کے معنی سے مشتق ہے۔ کہا جاتا ہے رائحۃ ذکیۃ حیوان جب اس کا خون بہایا جاتا ہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے تخفیف اس میں جلدی جاری ہوتی ہے۔ محمد بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ ذکاۃ الارض یبسھا، (1) زمین کی طہارت اس کا خشک ہونا ہے۔ اس سے مراد نجاست سے طہارت ہے پس ذبیحہ میں ذکاۃ اس کو پاک کرنا ہے اور اس لیے کھانے کے لیے مباح کرنا ہے زمین کے خشک ہونے کو نجاست کے بعد اس کے لیے طہارت بنایا ہے اور اس میں نماز مباح کرنا، ذبیحہ کی ذکاۃ کے قائم مقام ہے۔ یہ اہل عراق کا قول ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو جان لو کہ ذکاۃ شرع میں خون کا بہانا ہے اور مذبوح کی رگوں کو کاٹنا ہے۔ منحور میں نحر ہے اور جس پر قدرت نہ ہو اس میں زخمی کرنا ہے جب کہ

1۔ اخرجہ ابن ابی شیبہ، جلد 1، صفحہ 57

اللہ تعالیٰ کے قصد کی نیت متصل ہو اور اس پر اللہ کا ذکر مقرون ہو۔ مزید بیان آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 10۔ جس چیز کے ساتھ ذبح کیا جائے گا اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو رگوں کو کاٹ دے اور خون بہادے وہ ذکاۃ کے آلات میں سے ہے سوائے دانت اور ہڈی کے۔ اس پر آثار متواتر ہیں یہی فقہاء امصار کا نظریہ ہے، دانت اور ناخن سے ذبح کرنے سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد ایسا دانت اور ناخن ہے جو جسم سے علیحدہ نہ کیا گیا ہو، کیونکہ ان سے ذبح کرنا خنق (گلا دبا کر مارنا) میں شمار ہوگا اسی طرح حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ خنق ہے مگر جو دانت اور ناخن جسم سے علیحدہ کیے گئے ہوں جب وہ رگوں کو کاٹ دیں تو اس کے ساتھ ذبح جائز ہے۔ ایک قوم نے دانت، ناخن اور ہڈی سے ہر حال میں ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے خواہ وہ جسم سے علیحدہ کیے گئے ہوں یا نہ کیے گئے ہوں ان میں سے ابراہیم، حسن اور لیث بن سعد ہیں۔ امام شافعی سے مروی ہے اور ان کی حجت ظاہر حضرت رافع بن خدیج کی حدیث ہے فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم کل دشمن سے ملیں گے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہوں گی(1)۔ ایک روایت میں ہے ہم سرکنڈے کے چھلکے کے ساتھ ذبح کر سکتے ہیں(2)؟ مؤطا امام مالک میں نافع عن رجل من الانصار عن معاذ بن سعد او سعد بن معاذ سے مروی ہے کہ حضرت کعب بن مالک کی لونڈی سلع پہاڑ پر بکریاں چرا رہی تھی ان میں سے ایک بکری مرنے لگی اس لونڈی نے اسے پکڑا اور پتھر کے ساتھ ذبح کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس میں کوئی حرج نہیں اور اسے کھاؤ(3)'' اور مصنف ابی داؤد میں ہے: کیا ہم پتھر کے ساتھ اور لاٹھی کی ایک طرف کے ساتھ ذبح کر دیں(4)؟ فرمایا: جلدی کرو جو خون بہادے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرو اور کھاؤ۔ لیکن دانت اور ناخن سے ذبح نہ ہو میں تمہیں اس کی وجہ بتاتا ہوں دانت، ہڈی ہے اور ناخن، حبشیوں کی چھری ہے'' (5)۔ اس حدیث کو مسلم نے تخریج کیا ہے۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے فرمایا: جو سرکنڈے کے چھلکے، لکڑی کے چھلکے اور پتھر کے ٹکڑے سے ذبح کیا گیا ہو وہ حلال اور پاک ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ امام مالک اور ایک جماعت نے کہا: ذکاۃ (ذبح) صحیح نہیں ہے مگر حلقوم اور ودجین کے کاٹنے کے ساتھ۔ امام شافعی نے فرمایا: حلقوم اور مری کے کاٹنے کے ساتھ صحیح ہے اور ودجین کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ کھانے اور مشروب کی گزرگاہ ہیں ان کے ساتھ زندگی نہیں ہے اور یہی موت سے مقصود ہے(6)۔ امام مالک وغیرہ نے اس حیثیت سے موت کا اعتبار کیا جس کے ساتھ گوشت اچھا ہو اور اس میں حلال حرام سے جدا ہوتا ہے جو اوداج کے کاٹنے کے ساتھ نکلتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اس پر حضرت رافع بن خدیج کی حدیث دلالت کرتی ہے جس میں ہے ''جو خون بہا دے'' (7)۔ بغدادی علماء نے امام مالک سے روایت کیا ہے وہ چار رگوں کو کاٹنا شرط قرار دیتے ہے۔ حلقوم، ودجین اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 156۔ ایضاً صحیح بخاری، باب قسمۃ الغنم، حدیث 2308، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 157 3۔ مؤطا امام مالک، کتاب الذبائح، صفحہ 489

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا والصید، جلد 2، صفحہ 34۔ ایضاً سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا والصید، حدیث 2438، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

5۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 156 6۔ احکام القرآن، جلد 2، صفحہ 522 7۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 156

مری۔ یہ ابوثور کا قول ہے مشہور جو گزر رہا ہے وہ لیث کا قول ہے پھر ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے جب ودجین میں سے ایک رگ کاٹی اور حلقوم کاٹا جائے۔ کیا وہ ذبح شمار ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ نمبر 12۔ علماء کا اجماع ہے کہ ذبح جب حلق میں عقدہ کے نیچے ہو تو ذبح مکمل ہے اس میں اختلاف ہے جو عقدہ سے اوپر ذبح ہو اور بدن تک پہنچ جائے کیا وہ ذبح ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں: امام مالک سے مروی ہے کہ عقدہ سے اوپر ذبح کیا جانے والا جانور نہیں کھایا جائے گا اسی طرح اگر گدی سے ذبح کیا اور پورا کاٹا اور خون بہہ پڑا اسے نہیں کھایا جائے گا اسی طرح اگر گدی سے ذبح کیا اور پورا کاٹا اور خون بہہ پڑا حلقوم اور ودجین بھی کاٹ ڈالیں تو نہیں کھایا جائے گا۔ امام شافعی نے فرمایا: کھایا جائے گا، کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا ہے، یہ اصل پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ ذبح سے اگرچہ مقصود خون بہانا ہے، اس میں ایک قسم کا تعبد (مکلف بنانا) ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق میں ذبح کیا اور لبہ میں نحر کیا۔ اور فرمایا: ذبح حلق اور لبہ میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کا محل بیان کیا اور اس کی جگہ کو متعین فرمایا اور اس کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "جو خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھاؤ" (1)۔ جب یہ اہتمام نہ کیا گیا ہو اور نہ نیت کے ساتھ واقع ہو نہ شرط کے ساتھ اور نہ مخصوص صفت کے ساتھ واقع ہو تو اس سے تعبد کا خط زائل ہو گا پس اسے نہیں کھایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 13۔ اس میں اختلاف ہے جو ذکاۃ (ذبح) مکمل کرنے سے پہلے ہاتھ اٹھالے پھر فوراً ذبح کرنا شروع کر دے اور ذبح کو مکمل کرے۔ بعض علماء نے کہا: یہ جائز ہے۔ بعض نے فرمایا: جائز نہیں۔ پہلا قول اصح ہے، کیونکہ اس سے اسے زخمی کیا پھر اسے بعد میں ذبح کیا جب کہ اس میں ابھی زندگی باقی تھی۔

مسئلہ نمبر 14۔ مستحب ہے کہ ذبح نہ کرے مگر وہ جس کی حالت پسندیدہ ہو اور جو اس کی طاقت رکھتا ہو اور سنت طریقہ پر ذبح کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، بالغ ہو یا نابالغ ہو اس کا ذبح کرنا جائز ہے جب وہ مسلمان ہو یا کتابی ہو مسلمان کا ذبح کرنا، کتابی کے ذبح کرنے سے افضل ہے۔ قربانی کو صرف مسلمان ذبح کرے۔ قربانی کو کتابی ذبح کرے تو اس میں اختلاف ہے۔ تحصیل المذہب میں یہ جائز نہیں اور اشہب نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ پالتو جانوروں میں سے جو وحشی ہو جائے اس کی ذکاۃ میں سے جائز نہیں مگر جو پالتو جانور میں جائز ہے۔ یہ امام مالک اور اس کے اصحاب، ربیعہ اور لیث بن سعد کے قول کے مطابق ہے۔ اسی طرح کنویں میں گرنے والے کی ذکاۃ نہ ہوگی مگر ذبح کی سنت پر حلق اور لبہ کے درمیان۔ ان دونوں مسئلوں میں بعض اہل مدینہ نے مخالفت کی ہے اس باب میں دلیل حضرت رافع بن خدیج کی حدیث ہے جو گزر چکی ہے، اس کا تمام اس قول کے بعد ہے فمدی الحبشۃ۔ حضرت رافع نے کہا: ہم نے اونٹ اور بکریاں چھینیں تو اس مال غنیمت میں سے ایک اونٹ بھاگ گیا، ایک شخص نے اسے تیر مارا تو اس نے اسے روک لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اونٹوں میں کچھ وحشی بن جاتے ہیں جس طرح وحشی جانور ہوتے ہیں جب تم پر ان میں سے کوئی چیز غالب آجائے تو اس کے ساتھ اسی طرح کرو" (2)۔ ایک روایت میں ہے "اسے کھاؤ"۔ یہی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 156 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 157

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس فعل پر نبی کریم ﷺ کا غالب کرنا دلیل ہے کہ ذکاۃ ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے جو ابوداؤد اور ترمذی نے ابوالعشراء سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے فرمایا: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ذبح نہیں ہوگی مگر حلق اور لبہ میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو اس کی ران میں نیزہ مارے تو بھی جائز ہے'' (1)۔ یزید بن ہارون نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے، امام احمد بن حنبل نے اسے پسند کیا اور اسے انہوں نے ابوداؤد سے روایت کیا اور ان پر جو حفاظ داخل ہوتے انہیں اس حدیث کے لکھنے کا اشارہ کیا۔ ابوداؤد نے کہا: یہ درست نہیں مگر گرنے والے اور وحشی بننے والے جانور میں۔ ابن حبیب نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے جو کسی گہرائی میں گر جائے اور اس کی ذبح تک نہ پہنچا جاسکتا ہو مگر ذکاۃ کی جگہ کے علاوہ جگہ میں نیزہ مارنے کے ساتھ۔ یہ ایک قول ہے جو امام مالک اور اس کے اصحاب سے مروی ہے۔ ابوعمر نے کہا: اہل علم میں امام شافعی کا قول اظہر ہے اسے کھایا جائے گا جس کے ساتھ وحشی کو کھایا جاتا ہے اس کی وجہ حضرت رافع بن خدیج کی حدیث ہے۔ یہی حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ اور قیاس کی جہت سے جب وحشی پر ذبح کی قدرت ہو تو وہ حلال نہیں ہوتا مگر اس طرح ذبح کے ساتھ جس طرح پالتو جانور کو ذبح کیا جاتا ہے، کیونکہ اب اس پر قدرت حاصل کی گئی ہے اسی طرح قیاس میں مناسب تھا کہ جب پالتو جانور وحشی بن جائے یا پکڑائی نہ دینے میں وحشی کی طرح ہو جائے تو وہ بھی حلال نہ ہوگا مگر اسی طریقہ پر جس طریقہ پر وحشی حلال ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے علماء نے حضرت رافع بن خدیج کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا غالب کرنا وہ اس کو روکنے پر ہے نہ کہ ذکاۃ پر ہے۔ یہی حدیث کا مقتضی اور ظاہر ہے، کیونکہ فرمایا: فحبسہ۔ پس اس نے اسے روک لیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ تیر نے اسے قتل کر دیا۔ اسی طرح اس کا حکم ہے جس پر غالب احوال میں قدرت ہوتی ہے پس اس سے نادر کا خیال نہیں کیا جائے گا اور یہ شکار میں ہوتا ہے حدیث نے صراحت کی کہ تیر نے اسے روک لیا۔ محبوس ہونے کے بعد اس پر قدرت حاصل ہوگی پس اسے نہیں کھایا جائے گا مگر ذبح اور نحر کے ساتھ۔ واللہ اعلم۔

رہی ابوالعشراء کی حدیث اس کے بارے میں ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے نہیں جانتے مگر حماد بن سلمہ کی حدیث سے اور ابوالعشراء عن ابیہ کی سند کو نہیں جانتے مگر اس حدیث میں۔ ابوالعشراء کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: اس کا اسم اسامہ بن قہطم ہے۔ کہا جاتا ہے اس کا اسم یسار بن برز ہے۔ کہا جاتا ہے: بلز نام تھا۔ کہا جاتا ہے: اس کا نام عطارد تھا اپنے دادا کی طرف منسوب تھا۔ یہ سند مجہول ہے اس میں حجت نہیں ہے اگر اس کی صحت کو تسلیم کیا جائے جیسے یزید بن ہارون نے کہا تو پھر بھی اس میں حجت نہ ہوتی، کیونکہ اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ کسی عضو میں بھی ذبح جائز ہے خواہ اس پر قدرت ہو یا نہ ہو اور مقدور میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں پس اس کا ظاہر قطعاً مراد نہیں ہے۔ ابوداؤد اور ابن حبیب کی تاویل متفق علیہ نہیں ہے پس اس میں حجت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

ابوعمر نے کہا: امام مالک کی حجت یہ ہے کہ علماء کا اجماع ہے کہ اگر پالتو جانور بھاگ نہ جائے تو اس کی ذبح اسی طریقہ پر

1۔ جامع ترمذی، کتاب الصید، جلد 1، صفحہ 179۔ ایضاً، سنن ابی داؤد، باب ماجاء فی ذبیحۃ المتردیۃ، حدیث 2442، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہوگی جو مقدور علیہ جانور کی ہے۔ پھر اختلاف ہے بس وہ اپنے اصل پر ہوگی حتی کہ وہ اتفاق کرلیں۔ پس اس میں حجت نہیں ہے کیونکہ ان کا اجماع مقدور علیہ پر منعقد ہے اور یہ غیر مقدور پر ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ اس باب کے تمام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے پس جب تم قتل کرو تو بہتر انداز میں قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو بہتر انداز میں ذبح کرو تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی چھری کو تیز کرے اور ذبیحہ کو راحت دے'' (1)۔ اس حدیث کو مسلم نے حضرت شداد بن اوس سے روایت کیا ہے فرمایا: دو چیزیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ کتب۔ پھر مکمل حدیث ذکر فرمائی۔ ہمارے علماء نے فرمایا: چوپائیوں میں ذبح کا احسان یہ ہے کہ ان سے نرمی کرنا، اسے سختی سے نہ گرائے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک کھینچ کر نہ لے جائے اور آلہ کو تیز کرنا، اباحت کی نیت کو حاضر کرنا اور قربت کی نیت کرنا اور انہیں قبلہ کی طرف متوجہ کرنا اور اسے جلدی قتل کرنا۔ ودجین اور حلقوم کو کاٹنا اور اسے آرام دینا اور اسے ٹھنڈا ہونے تک چھوڑے رکھنا۔ اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا اعتراف کرنا اور اس کی نعمت کا شکر ادا کرنا کہ اس نے ہمارے لیے اسے مسخر کیا اگر وہ چاہتا تو اسے ہم پر غالب کر دیتا۔ اور ہمارے لیے مباح فرمایا، اگر وہ چاہتا تو اسے ہم پر حرام کر دیتا۔ ربیعہ نے کہا: ذبح کے احسان میں سے یہ ہے کہ دوسرے جانور کے سامنے جانور کو ذبح نہ کیا جائے۔ امام مالک سے اس کا جواز حکایت کیا گیا ہے، پہلا قول احسن ہے۔ اور رہا قتل میں احسان تو وہ ہر چیز ذبح، قصاص اور حدود وغیرہ میں عام ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریطۃ الشیطان سے منع فرمایا ہے (2)، ابن عیسیٰ نے اپنی حدیث میں یہ زائد کیا ہے۔ ''شریطۃ الشیطن یہ ہے کہ جانور کو ذبح کیا جائے اور کاٹا جائے اور اس کی اوداج رگیں نہ کاٹی جائیں پھر اسے چھوڑ دیا جائے حتی کہ وہ مرجائے''۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ** ابن فارس نے کہا: نصب پتھر تھے جو نصب کیے جاتے تھے اور ان کی عبادت کی جاتی تھی اور ان پر ذبح شدہ جانوروں کا خون ڈالا جاتا تھا اور یہی النصب بھی ہے۔ النصائب وہ پتھر جو کنویں کے کناروں کے اردگرد لگائے جاتے ہیں پھر ان کے آخری پتھروں کو رنگ کیا جاتا ہے اور اٹھنے والا غبار۔ بعض علماء نے فرمایا: النصب جمع ہے اس کا واحد نصاب ہے جیسے حمار کی جمع حمر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اسم مفرد ہے اور اس کی جمع انصاب ہے اور یہ تین سو ساٹھ پتھر تھے۔ طلحہ نے اسے النصب صاد کی جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے النصب نون کے فتحہ اور صاد کے جزم کے ساتھ ہے۔ جحدری نے کہا: نون اور صاد کے فتحہ کے ساتھ ہے اس نے اسے مفرد اسم بنایا ہے جیسے الجبل اور الجمل اس کی جمع انصاب ہے جیسے اجمال اور اجبال۔ مجاہد نے کہا: یہ وہ پتھر ہیں جو مکہ کے اردگرد تھے لوگ ان پر اپنے جانور ذبح کرتے تھے۔ ابن جریج نے کہا: عرب جانور مکہ میں ذبح کرتے تھے اور ان کا خون بیت اللہ کے سامنے والی دیوار پر مل دیتے تھے اور گوشت کو کاٹتے تھے اور اسے ان پتھروں پر رکھ دیتے تھے۔ جب اسلام آیا تو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 152
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، جلد 2، صفحہ 34

مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم زیادہ حق دار ہیں کہ بیت اللہ کی تعظیم کریں ان افعال کے ساتھ۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند نہیں فرمایا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا (الحج: 37) اور وَ مَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کا ارشاد نازل ہوا۔ معنی یہ ہے کہ اس میں نصب کی تعظیم کی نیت تھی (اس لیے حرام ہیں) نہ کہ ان پر ذبح کرنا جائز نہیں۔ اعشیٰ نے کہا:

وَذَا النُّصُبَ المنصوبَ لا تَنْسُكَنَّهُ لِعافيةٍ واللهَ رَبَّكَ فَاعْبُدَا

بعض علماء نے فرمایا: علی بمعنی لام ہے یعنی ان کی خاطر۔ قطرب نے کہا: ابن زید نے کہا: مَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ اور وَ مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ایک چیز ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: مَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ، مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا جز ہے لیکن اس کی جنس کے بعد امر کی شہرت اور موضع کے شرف اور نفوس کا اس کی تعظیم کرنے کی وجہ سے خصوصی اس کا ذکر فرمایا (1)۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ یہ ماقبل پر معطوف ہے (اَنْ) محل رفع میں ہے یعنی جوئے کے تیروں کو تقسیم کرنا تم پر حرام کیا گیا ہے۔ الازلام، جوئے کے تیر۔ اس کا واحد زَلَمٌ اور زُلَم ہے، فرمایا:

باتَ يُقَاسِيها غلامٌ كالزَّلَمْ

دوسرے نے کہا:

فَلَئِنْ جَذِيمةُ قَتَّلتْ سَرَواتِها فنساءُها يَضْرِبنَ بالأزْلامِ

محمد بن جریر نے ذکر کیا ہے کہ ابن وکیع نے انہیں بیان کیا اور انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے شریک سے انہوں نے ابی حصین سے انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ الازلام سفید پتھر تھے جن کو لوگ مارتے تھے۔ محمد بن جریر نے کہا: ہمیں سفیان بن وکیع نے فرمایا: یہ شطرنج ہے۔ رہا لبید کا قول:

تَزِلُّ عن الثَّرَى أزْلامُها

علماء فرماتے ہیں: شاعر نے یہاں اَزلام سے مراد وحشی گایوں کے کھر لیے ہیں۔ عربوں کے لیے ازلام کی تین اقسام تھیں ان میں سے تین وہ ہیں جو ہر انسان اپنے لیے استعمال کرتا تھا ایک تیر پر لکھا ہوتا افعل (تو کر) اور دوسرے پر لکھا ہوتا لا تفعل (تو نہ کر) اور ایک تیر خالی ہوتا اس پر کچھ نہ لکھا ہوتا۔ وہ ان تیروں کو اپنی زنبیل میں رکھتا۔ جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا تو اس زنبیل میں ہاتھ ڈالتا اگر افعل والا تیر نکلتا تو وہ کام کر لیتا اور اگر لا تفعل والا تیر نکلتا تو کام کو نہ کرتا اور اگر وہ تیر نکلتا جس پر کچھ نہ لکھا ہوتا تو دوبارہ ہاتھ ڈالتا۔ سراقۃ بن جعشم نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا ہجرت کے وقت پیچھا کیا تو اس نے اس طرح تیر نکالے۔ اس فعل کو استقسام کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ اس سے رزق تقسیم کرتے تھے اور جس چیز کا ارادہ کرتے تھے جیسے کہا جاتا ہے۔ الاستقساء کا معنی ہے پانی کو طلب کرنا۔ اس کی مثال جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے وہ نجومی کا قول ہے وہ کہتا ہے: فلاں ستارے کی وجہ سے تو نہ نکل اور فلاں ستارے کی وجہ سے تو نکل۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 153

تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا (لقمان:34) آگے اس کا بیان تفصیل سے آئے گا۔

دوسری قسم تیروں کی یہ تھی کہ جوف کعبۃ میں ہبل (بت) کے پاس سات تیر ہوتے تھے جن پر وہ سارے معاملات لکھے ہوتے تھے جو لوگوں کے درمیان واقع ہوتے ہیں ان تیروں میں سے ہر تیر پر ایک تحریر تھی، ایک تیر میں دیات کا ذکر ہوتا تھا دوسرے پر لکھا ہوتا منکم (تم سے) ایک پر لکھا ہوتا تھا (من غیرکم) تمہارے غیر سے۔ ایک پر لکھا ہوتا ملصق اور باقی تمام میں پانی وغیرہ کے احکام لکھے ہوئے تھے۔ ان تیروں کا استعمال عبد المطلب نے اپنے بیٹوں پر کیا تھا جب اس نے ایک کو ذبح کرنے کی نذر مانی تھی جب وہ دس مکمل ہو جائیں گے۔ یہ مشہور واقعہ ابن اسحاق نے ذکر کیا یہ سات تیر عربوں کے کاہنوں اور حکام میں سے ہر ایک کے پاس ہوتے تھے جیسا کہ کعبہ میں ہبل کے پاس ہوتے تھے۔

تیسری قسم تیروں کی یہ تھی کہ جوئے کے تیر۔ یہ دس تیر ہوتے تھے اس میں سے سات پر حصے لکھے ہوتے تھے اور تین پر کچھ نہیں لکھا ہوتا تھا یہ وہ بطور لہو ولعب جوئے کے لیے استعمال کرتے تھے اور ان کے عقلاء ان سے مسکینوں اور ناداروں کو سخت دن اور سردیوں میں کھانا کھلانے کا قصد کرتے تھے۔ مجاہد نے یہاں اَلۡاَزۡلَام سے مراد وہ گوٹیاں لی ہیں جن کے ساتھ رومی اور فارسی لوگ جوا کھیلتے تھے۔ سفیان اور وکیع نے کہا: یہ شطرنج ہے۔ الاستقسام سے مراد حصہ اور نصیب طلب کرنا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ یہ باطل ذریعے سے مال کھانا ہے اور یہ حرام ہے ہر جوا جو کبوتروں کے ساتھ، تاش کے ساتھ یا شطرنج کے ساتھ یا اس طرح دوسری کھیلوں کے ساتھ کھیلا جائے تو وہ استقسام کے معنی میں ہے اور یہ سب حرام ہیں۔ یہ کہانت کی ایک قسم ہے اور علم غیب کا دعویٰ پیش کرنا ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا: اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے ان امور سے منع کیا ہے جو نجوی راستوں پر تیروں سے کرتے تھے جو تیر ان کے پاس ہوتے تھے اور اسی طرح فال کے پتے ہوتے تھے۔ الکیا طبری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے منع کیا ہے جو امور غیب سے متعلق ہوتے ہیں، کیونکہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا۔ المغیبات کی تعریف میں تیروں کا کوئی اثر نہیں۔ بعض لوگوں نے امام شافعی پر رد کا اس سے استنباط کیا ہے جو وہ آزاد کرنے میں غلاموں کے درمیان قرعہ اندازی کا کہتے ہیں، اس شخص نے یہ نہیں جانا کہ جو امام شافعی نے کہا اس کی بنیاد اخبار صحیحہ پر ہے۔ اس کا استقسام بالازلام کی نہی سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ آزاد کرنا حکم شرعی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شرع نے قرعہ کے نکلنے کو آزادی کے حکم کے اثبات پر علامت بنایا ہوتا کہ خصومت ختم ہو جائے یا کوئی مصلحت ہو جو شریعت کے پیش نظر ہو۔ پس مذکورہ قائل کا قول اس کے مساوی نہیں ہوسکتا "جب تو ایسا کرے گا یا تو ایسے کہے گا" تو یہ ہوگا یہ مستقبل کے کسی کام پر دلالت کرتا ہے۔ پس تیر کا نکلنا کسی چیز پر علامت بنانا جائز نہیں جو مستقبل میں ہونا ہوتی ہے اور قرعہ کے نکلنے کو آزادی پر قطعی طور پر علامت بنانا جائز ہے پس دونوں بابوں کے درمیان جدائی ظاہر ہوگئی۔

مسئلہ نمبر 19۔ فال کا طلب کرنا اس باب سے نہیں ہے نبی کریم ﷺ کو یا راشد، یا نجیح سننا پسند تھا (1)۔ اس حدیث کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ آپ ﷺ فال کو پسند کرتے تھے، کیونکہ امید پوری ہونے

1۔ جامع ترمذی، کتاب السیر، جلد 1، صفحہ 194۔ ایضاً، حدیث 1541، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اور حاجت پانے کے ساتھ آپ ﷺ کے نفس کو خوشی ہوتی تھی اور انشراح حاصل ہوتا تھا، پس اللہ تعالیٰ پر حسن ظن اچھی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے (1)۔ نبی کریم ﷺ برے شگون کو ناپسند کرتے تھے، کیونکہ یہ شرکیہ اعمال میں سے تھے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے متعلق برے گمان کو کھینچتا ہے۔ خطابی نے کہا: فال اور برے شگون کے درمیان فرق یہ ہے کہ فال اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کے طریق سے ہے اور برا شگون اس کے علاوہ کسی چیز پر بھروسہ کرنے کے طریق سے ہے۔ اصمعی نے کہا: میں نے ابن عون سے فال کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: کوئی شخص مریض ہو اور یا سالم کا کلمہ سنے یا کوئی شخص گم شدہ چیز کو تلاش کرنے والا ہو اور وہ سنے یاواجد۔ یہ ترمذی کی حدیث کا معنی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے ''بدشگونی کچھ نہیں اور اس سے بہتر فال ہے'' پوچھا گیا: یا رسول اللہ! ﷺ فال کیا ہے؟ فرمایا: ''اچھا کلمہ جو تم میں سے کوئی سنتا ہے'' (2)۔ الطیرۃ (بدشگونی) کا مزید مفہوم ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: علم سیکھنے سے آتا ہے اور حلم برداشت کرنے سے آتا ہے، جو خیر کو تلاش کرتا ہے وہ اسے عطا کی جاتی ہے اور جو شر سے بچتا ہے اسے اس سے بچایا جاتا ہے تین شخص ایسے ہیں جو بلندیاں نہیں پاتے جس نے کہانت کی یا تیر نکالے اور بدشگونی کی وجہ سے سفر سے واپس آ گیا۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ذٰلِكُمْ فِسْقٌ یہ تیر نکالنے کی طرف اشارہ ہے۔ الفسق کا معنی نکلنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مذکورہ تمام چیزوں کی طرف راجع ہے، جو حرام تھیں ان کو حلال سمجھنا ہے، ان میں سے ہر چیز فسق ہے اور حلال سے حرام تک نکلنا ہے، ان محرمات سے عقود کو پورا کرنے سے رکنا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ یعنی تمہارا ان کے دین کی طرف لوٹنا کافر ہو کر، اس سے کافر مایوس ہو چکے ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ آیت نازل ہوئی جب مکہ فتح ہوا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نو ہجری 22 رمضان کو مکہ فتح کیا۔ بعض نے فرمایا: آٹھ ہجری کو فتح ہوا۔ آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا دی: خبردار! جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا وہ امن میں ہوگا اور جس نے ہتھیار ڈال دیے وہ امن میں ہے، جس نے دروازہ بند کر لیا وہ امن میں ہے۔ یئس میں دو لغتیں ہیں یَیِسَ یَیْئَسُ یَاْسًا، اَیِسَ یَاْیَسُ اَیَاسًا و اَیَاسَۃً یہ نضر بن شمیل نے کہا ہے: فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ یعنی تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو میں تمہاری مدد پر قادر ہوں۔

مسئلہ نمبر 22۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ نبی کریم ﷺ جب مکہ میں تھے تو اس وقت صرف نماز فرض تھی جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے حج کرنے تک حلال اور حرام نازل کیا۔ جب آپ ﷺ نے حج فرمایا اور دین مکمل فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 2، صفحہ 1117۔ ایضاً، حدیث نمبر 6856، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 2، صفحہ 231

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ائمہ حدیث نے طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے، فرمایا: ایک یہودی حضرت عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جسے تم پڑھتے ہو اگر ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ حضرت عمر نے کہا: وہ کون سی آیت ہے؟ اس نے کہا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ حضرت عمر نے کہا: میں اس دن کو جانتا ہوں جس دن میں نازل ہوئی اور (اس مکان کو جانتا ہوں جس میں وہ نازل ہوئی) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عرفہ کے دن جمعہ کے دن نازل ہوئی (1)۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں اور نسائی کے ہاں جمعہ کی رات کا ذکر ہے۔ روایت ہے کہ جب یہ حج اکبر میں نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پڑھا تو حضرت عمر رونے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم کیوں رو رہے ہو؟ حضرت عمر نے عرض کی: مجھے اس چیز نے رلایا ہے کہ ہمارے دین میں زیادتی ہو رہی تھی اب جب ہمارا دین مکمل ہو گیا ہے تو کوئی چیز مکمل نہیں ہوتی مگر وہ کم ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے سچ کہا ہے''۔ مجاہد نے روایت کیا ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے دن نازل ہوئی (2)۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول اصح ہے، یہ جمعہ کے دن نازل ہوئی اور سن دس ہجری حجۃ الوداع کے موقع پر عصر کے بعد عرفہ کا دن تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی عضباء پر عرفہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اونٹنی کا بازو وحی کے بوجھ کی وجہ سے ٹوٹنے کے قریب تھا تو وہ اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔ الیوم سے مراد دن کا بعض حصہ بھی لیا جاتا ہے۔ اسی طرح الشہر سے مراد بعض مہینہ لیا جاتا ہے۔ تو کہتا ہے: ہم نے مہینہ میں یہ یہ کیا اور سال میں یہ یہ کیا۔ یہ تو معلوم ہے کہ تو نے پورے مہینہ اور پورے سال میں یہ نہیں کیا یہ عرب وعجم کی لغت میں استعمال ہوتا ہے۔ الدین سے مراد وہ شرائع ہیں جو ہمارے لیے مشروع اور مفتوح ہوئیں، کیونکہ یہ شرائع تھوڑی تھوڑی نازل ہوئیں اور آخر میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ یہ حضرت ابن عباس اور سدی کا قول ہے۔ جمہور علماء نے کہا: اس سے مراد بڑے بڑے فرائض اور تحلیل و تحریم ہیں۔ فرمایا: اس کے بعد بھی بہت سا قرآن نازل ہوا اور اس کے بعد آیت ربا نازل ہوئی۔ اور آیت کلالۃ نازل ہوئی۔ پس دین کا بڑا حصہ اور حج کا امر مکمل ہوا، کیونکہ اس سال میں مسلمانوں کے ساتھ کسی مشرک نے طواف نہ کیا اور نہ بیت اللہ کا کسی برہنہ شخص نے طواف کیا تمام لوگ عرفہ میں ٹھہرے۔ بعض علماء نے فرمایا: اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ یعنی تمہارے لیے تمہارے دشمنوں کو میں نے ہلاک کر دیا اور تمہارے دین کو تمام ادیان پر غلبہ دیا جیسے تو کہتا ہے: ہمارے لیے وہ مکمل ہوا جو ہم چاہتے تھے جب تیرے دشمن کا کام تمام کر دیا جائے۔

مسئلہ نمبر 23۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ شرائع اور احکام کی تکمیل کر کے اور دین اسلام کو غلبہ دے کر تم پر اپنی نعمت کو مکمل کیا جیسا کہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، کیونکہ میں نے کہا تھا: وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ (بقرہ: 150) یہ مکہ میں امن اور اطمینان سے داخل ہونا ہے اور اس کے علاوہ نعمتیں ہیں جو اس ملت حنیفہ کو جنت کے دخول تک میسر آئی ہیں۔

مسئلہ نمبر 24۔ شاید کوئی کہنے والا کہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے یہ دین کامل نہ تھا۔ یہ اس بات کا موجب ہے کہ پہلے جتنے مہاجرین و انصار فوت ہو گئے ہیں اور وہ لوگ جو بدر اور حدیبیہ میں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 11۔ ایضاً، حدیث 43، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 154

حاضر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بیعتیں کی تھیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے نفسوں کی قربانی دی تھی اور ساتھ ساتھ بڑی بڑی مشقتیں برداشت کی تھیں وہ لوگ ناقص دین پر فوت ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناقص دین کی طرف اس عرصہ میں دعوت دیتے رہے اور یہ مسلم ہے کہ نقص عیب ہے اور اللہ کا دین قیم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دینا قیما۔ ان تمام باتوں کا جواب یہ ہے کہ تو نے یہ کیوں کہا کہ ہر نقص عیب ہے اس پر تمہاری دلیل کیا ہے۔ پھر کہا جائے گا: کیا مہینہ کا کم ہونا کیا یہ عیب ہے اور مسافر کی نماز کا کم ہونا کیا یہ اس کے لیے عیب ہے اور عمر کا نقصان جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ (فاطر: 11) سے ارادہ فرمایا کیا یہ اس کے لیے عیب ہے، عادت سے کم دنوں میں حیض کا ختم ہونا اور حمل کے ایام کا کم ہونا اور چوری کے ساتھ یا جلنے کے ساتھ یا غرق ہونے کے ساتھ مال کا کم ہونا جب کہ اس کا مالک محتاج نہ ہو؟ پس تو نے انکار نہیں کیا کہ شرع میں دین کے اجزاء کی کمی اس کے باقی اجزاء کے لاحق ہونے سے پہلے جو اللہ کے علم میں باقی ہیں یہ عیب اور شین نہیں ہے اور تو نے انکار نہیں کیا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کے ارشاد کا معنی دو اعتبار سے ہے۔

(1) اس سے مراد یہ ہوگا کہ میں نے اس دین کو اس انتہائی حد تک پہنچایا جو میرے نزدیک تھی جس کا میں نے فیصلہ کیا اور جس کا میں نے اندازہ کیا اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پہلے اس میں ایسا نقص تھا جو عیب شمار ہوتا، لیکن یہ نقصان مقید کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔ کہا جائے گا کہ اس اعتبار سے ناقص تھا جو اللہ تعالیٰ کے پاس تھا جو اس کو لاحق ہونے والا اور اس سے ملنے والا تھا مثلاً ایک شخص جس کو اللہ تعالیٰ سو سال تک پہنچانے والا تھا پس کہا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر کو مکمل کیا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس کی عمر جب ساٹھ سال تھی تو وہ ناقص تھی جو قصور اور خلل کا نقص تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: جس کو اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال کی عمر تک پہنچایا تو اب اس کی عمر میں عذر کا محل نہیں رہا (1) لیکن نقصان مقید کے ساتھ موصوف کرنا جائز ہے۔ پس کہا جائے گا: جو اس کی عمر اللہ کے پاس تھی اس اعتبار سے ناقص تھی اللہ تعالیٰ اسے اس عمر تک پہنچانے والا ہے اور اسے لمبی عمر دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظہر، عصر اور عشاء کی چار رکعتیں مکمل فرمائیں اگر اس کے لیے اکمال کا لفظ بولا جائے تو کلام صحیح ہوگی۔

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جب دو رکعتیں ہوتی ہیں تو وہ ناقص ہوتی ہیں اور قصور اور خلل کا نقص ہوتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ اللہ کے نزدیک ناقص تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اور چیز ملا دی اور اس پر کچھ زائد کر دیا تو اس طرح صحیح ہوگا۔ اسی طرح شرائع اسلام کا حکم ہے۔ شریعت کے احکام جو آہستہ آہستہ تھوڑے تھوڑے آئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو اس منتہیٰ تک پہنچا دیا جو اس کے پاس تھی۔

دوسری وجہ یہ ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ سے مراد یہ ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس حج کی توفیق بخشی جس کے علاوہ ان پر اور ارکان دین باقی نہ تھے۔ پس صحابہ کرام نے حج کیا تو ان کے لیے دین جمع ہوا، اس لیے ارکان کی ادائیگی کے اعتبار سے اور فرائض کے قیام کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ ''اسلام کی بنیاد پانچ احکام پر ہے'' (2)۔ صحابہ کرام نے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من بلغ ستین سنة، الخ، حدیث نمبر 5940، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 32۔ ایضاً صحیح بخاری، حدیث نمبر 7، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کلمہ کی شہادت بھی دی، نماز بھی پڑھی، زکوۃ بھی دی، روزے بھی رکھے، جہاد بھی کیا اور عمرہ بھی کیا، لیکن حج نہیں کیا تھا۔ جب انہوں نے اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل کیا جب کہ وہ عرفہ کی شام موقف میں تھے۔ اس سے مراد یہ لیا کہ ان کے لیے دین کی وضع کو مکمل کیا۔ اس میں دلالت ہے کہ تمام طاعات، دین ایمان اور اسلام ہیں۔

مسئلہ نمبر 25۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا یعنی میں نے تمہیں بتایا کہ میری رضا تمہارے لیے دین میں ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہمارے لیے دین کو پسند کیا، پس اس دن کے ساتھ رضا کے خاص ہونے کا فائدہ نہ ہوگا اگر ہم اس کو اپنے ظاہر پر محمول کریں۔ دِينًا تمیز کی بنا پر منصوب ہے اگر تو چاہے تو مفعول ثانی بنا دے۔ اگر کہا جائے کہ اس کا معنی ہے میں نے تمہارے لیے پسند کیا جب تم نے میرے لیے اس دین کا اقرار کیا جو تمہارے لیے میں نے شروع کیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا سے مراد یہ ہو کہ میں نے تمہارے اسلام کو پسند کیا بطور دین جس پر تم آج ہو یہ اپنے کمال کے ساتھ ہمیشہ باقی رہے گا، اس سے کوئی چیز منسوخ نہیں کروں گا۔ واللہ اعلم

اسلام اس آیت میں وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ان الدین عند اللہ الاسلام میں ہے جبریل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق سوال کیا تھا اس کی جو اس میں تفسیر کی گئی تھی وہ ایمان، اعمال اور دوسرے احکام کا نام ہے۔(1)

مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ یعنی جس کو مردار اور دوسری تمام محرمات جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں ان کے کھانے کی ضرورت ہو، المخمصة کا معنی بھوک ہے اور طعام سے پیٹ کا خالی ہونا ہے۔ الخمص پتلے پیٹ والا، رجل خمیص و خمصان، امرأة خمیصة و خمصانة پتلے پیٹ والا مرد اور پتلے پیٹ والی عورت۔ اسی سے ہے: اخمص القدم نیچے سے پاؤں کی خالی جگہ۔ اکثر یہ بھوک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ الاعشی نے کہا:

تبیتون فی المشتی ملاء بُطُونکم وجاراتکم غَرْثَى يَبِتْنَ خَمَائِصا

یعنی تمہاری لونڈیاں بھوک پر رات گزارتی ہیں جب کہ ان کے پیٹ ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ نابغہ نے کہا:

والبطن ذُو عُكَنٍ خَمِيص لَيِّن والنَّحْر تَنْفُجُه بِثَدْيٍ مُقْعَدِ

حدیث شریف میں: خِمَاص البطون خِفافُ الظهور۔ خالی پیٹوں والے ہلکی پیٹھوں والے۔ الخماص، الخمیص کی جمع ہے، ملے ہوئے پیٹ والا یعنی وہ لوگوں کے اموال سے آنکھیں بند کرنے والے ہیں۔ اسی سے حدیث ہے ان الطیر تَغْدو خِمَاصا و تَرُوح بِطانًا(2) پرندے صبح خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو بھرے ہوئے پیٹوں سے واپس آتے ہیں۔ الخمیصة کپڑے کو بھی کہتے ہیں۔ اصمعی نے کہا: الخمائص ریشمی کپڑے یا بیل بوٹوں والے اونی کپڑے، یہ کالے کپڑے ہیں اور یہ لوگوں کے لباس سے تھے۔ اضطرار کا معنی اور اس کا حکم سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 27۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ یعنی وہ حرام کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو۔ یہ غَيْرَ

1۔ صحیح بخاری، باب سوال الجبرائیل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ایمان، حدیث نمبر 48، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ابن ماجہ، باب التوکل والیقین، حدیث نمبر 4153، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ (بقرہ: 173) کے معنی میں ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ الجنف کا معنی میل ہونا ہے الاثم سے مراد حرام ہے۔ اسی سے حضرت عمر کا قول ہے ماتجانفنا فیه لاثم یعنی ہم جان بوجھ کر گناہ اور حرام کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ ہر مائل ہونے والا متجانف ہے۔ نخعی، یحییٰ بن وثاب اور سلمی نے متجنف بغیر الف کے پڑھا ہے۔ یہ معنی میں زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ عین کلمہ کا مشدد ہونا معنی میں مبالغہ اور توغل کا اور حکم کے ثبوت کا تقاضا کرتا ہے۔ تفاعل کا معنی کسی چیز کی حکایت کرنا اور اس سے قریب ہونا ہے کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا جب تو کہتا ہے: تمایل الغصن یہ اس معنی کا تقاضا کرتا ہے کہ ٹہنی کا جھکنا اور میل ہونے کے قریب ہونا اور جب تو یہ کہتا ہے تمیل تو میل کا حکم ثابت ہوتا ہے، اسی طرح تصاون الرجل اور تصون الرجل ہے تعاقل اور تعقل ہے۔ معنی یہ ہے کہ وہ اپنے مقصد میں معصیت کا قصد کرنے والا نہیں۔ یہ قتادہ اور امام شافعی نے کہا ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے لیے غفور رحیم ہے، پس اس میں حذف ہے۔ سیبویہ نے کہا:

قد أصبحتْ أُمُّ الخيارِ تدّعي　　على ذنبا كلّه لم أصنعِ

اس میں مراد لم اصنعه ہے پس ضمیر کو حذف کر دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝

"پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا کیا حلال کیا گیا ہے ان کے لیے؟ آپ فرمائیے: حلال کی گئی ہیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور (شکار) ان کا سکھایا ہے تم نے جنہیں شکاری جانوروں سے شکار پکڑنے کی تعلیم دیتے ہوئے، تم سکھاتے ہو انہیں (وہ طریقہ) جو سکھایا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے تو کھاؤ اس میں سے جسے پکڑے رکھیں تمہارے لیے اور لیا کرو اللہ کا نام اس جانور پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت تیز ہے حساب لینے میں"۔

اس میں اٹھارہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَسْـَٔلُوْنَكَ یہ آیت حضرت عدی بن حاتم اور حضرت زید بن مہلہل کے سبب نازل ہوئی اور یہ زید الخیل ہے جس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید الخیر رکھا تھا ان دونوں صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم کتوں اور بازوں کے ساتھ شکار کرتے ہیں، کتے گائیوں، جنگلی گدھوں اور ہرنوں کو پکڑتے ہیں پھر کچھ تو ذبح کر لیے جاتے ہیں اور بعض کو کتے مار ڈالتے ہیں، ہم ان کو ذبح نہیں کر سکتے جب کہ اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام کیا ہے پس ہمارے لیے کیا حلال ہوگا؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ۔ ما محل رفع میں مبتدا ہے اور اس کی خبر اُحِلَّ لَكُمْ ہے اور ذا زائدہ ہے اگر تو چاہے تو ذَا کو بمعنی الذی بنا دے اور پھر خبر قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ہوگی۔ الطَّيِّبٰتُ

1۔ الجامع لاسباب النزول، جلد 1، صفحہ 124

سے مراد حلال ہے ہر حرام چیز طیب نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الطَّيِّبٰتُ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کا کھانا، پینا اچھا لگے اور دنیا میں اور آخرت میں اس کے استعمال میں ضرر نہ ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: الطَّيِّبٰتُ سے مراد ذبائح ہیں، کیونکہ وہ ذبح کرنے کے ساتھ پاک ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا عَلَّمْتُمْ یعنی ان چیزوں کا شکار جن کو تم نے سکھایا۔ اس کلام میں اضمار ضروری ہے اگر اضمار نہ ہو تو معنی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حلت جس کے متعلق پوچھا گیا ہے وہ معلم درندوں کو شامل ہے اور یہ کسی کا بھی مذہب نہیں ہے، کیونکہ وہ جو کتے کے گوشت کو حلال کرتا ہے تو وہ معلم کی اباحت کی تخصیص نہیں کرتا۔ مزید کتے کے کھانے کے بارے میں علماء کا جو اختلاف ہے وہ ان شاء اللہ سورۃ الانعام میں آئے گا۔

بعض علماء جنہوں نے قرآن کے احکام میں کتب تصنیف کی ہیں انہوں نے کہا ہے کہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اباحت ان چیزوں کو شامل ہے جن کو ہم نے سکھایا شکاری جانوروں میں سے، اس میں کتا اور چیر نے پھاڑنے والے تمام پرندے شامل ہیں یہ تمام وجوہ انتفاع کی اباحت کا موجب ہے پس یہ شکاری کتے کے جواز پر اور تمام وجوہ انتفاع کے ساتھ ان سے نفع حاصل کرنے کے جواز پر دلیل ہے مگر جس کو دلیل خاص کر دے اور وہ شکاری کتوں اور چیر نے پھاڑنے والے پرندوں میں سے کھانا ہے۔ حضرت عدی کے پانچ کتے تھے جن کے اس نے نام رکھے ہوئے تھے ان کے کتوں کے نام یہ تھے۔ سلہب، غلاب، المختلس، المتناعس۔ سہیلی نے کہا: پانچویں میں مجھے شک ہے فرمایا: اخطب تھا یا فرمایا: وثاب تھا۔

مسئلہ نمبر 4۔ امت کا اجماع ہے کہ کتا جب کالا ہو اور مسلمان نے اسے سکھایا ہو اور جب اسے شکار پر ابھارا جائے تو وہ بھاگے اور جب اسے بلایا جائے تو وہ آ جائے، شکار کو پکڑنے کے بعد اسے جھڑکا جائے تو وہ شکار چھوڑ دے اور اس شکار میں سے کچھ نہ کھائے جس کو شکار کرے اور اپنے ناخنوں اور دانتوں سے شکار میں نشان ڈالا ہے اور اس کے ساتھ مسلمان شکار کرے اور اسے چھوڑتے وقت مسلمان اللہ کا نام ذکر کرے تو اس کا شکار صحیح ہے اور بلا اختلاف اسے کھایا جائے گا۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اختلاف داخل ہو جائے گا اگر کتے کے علاوہ مثلاً چیتا اور اس جیسا جانور اور باز، شکرا وغیرہ پرندے سے شکار کیا گیا ہو تو جمہور امت کا خیال یہ ہے کہ تعلیم کے بعد جو شکار کرے وہ جارح کا سبب ہے۔ کہا جاتا ہے: جرح فلان واجترح جب وہ کوئی چیز حاصل کرے، اسی سے الجارحۃ ہے، کیونکہ اس کے ذریعے کمایا جاتا ہے، اسی سے اجترام السیآت ہے گناہوں کا ارتکاب کرنا۔ اعشی نے کہا:

ذا جُبَّارٍ مُنْضِجا مِيسَمُه يُذْكِر الجارم ما كان اجترم

اور قرآن حکیم میں ہے: وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ۔ (انعام: 60)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ۔ (الجاثیہ: 21)

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مُكَلِّبِيْنَ اس سے مراد کتوں کے مالک ہیں وہ مودب کی طرح ہوتے ہیں جو تادیب کرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے کہ وہ شکار پر اس طرح جھپٹتے ہیں جیسے کتے جھپٹتے ہیں۔ رمانی نے کہا:

اس میں سے ہر قول کا احتمال ہے مُكَلِّبِيْنَ میں اس بات پر دلیل نہیں کہ صرف کتے کا شکار مباح کیا گیا ہے، کیونکہ یہ ''مومنین'' کے قول کی طرح ہے اگرچہ جنہوں نے کتے پر اباحت کو خاص کیا ہے انہوں نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے جس کو ابن المنذر نے حکایت کیا ہے فرمایا: جو باز اور دوسرے پرندوں سے شکار کیا جاتا ہے جس کو تو ذبح کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے ذبح کردے وہ تیرے لیے حلال ہے ورنہ تو اسے نہ کھا(1)۔ ابن المنذر نے کہا: ابوجعفر سے باز کے متعلق پوچھا گیا کہ اس کا شکار حلال ہے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں مگر یہ کہ تم اسے ذبح کرلو(2)۔ ضحاک اور سدی نے کہا: وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ سے مراد کتے ہیں اگر کتا کالا سیاہ ہو تو حسن، قتادہ اور نخعی نے اس کا شکار مکروہ قرار دیا ہے۔ امام احمد نے کہا: میں کوئی ایسا شخص نہیں جانتا جس نے رخصت دی ہو جب کہ کتا کالا سیاہ ہو۔ اسحٰق بن راہویہ نے بھی یہی کہا ہے۔ رہے مدینہ طیبہ کے عوام اور کوفہ کے عوام یہ سکھائے گئے کتے کے شکار کو جائز قرار دیتے ہیں(3)۔ اور جنہوں نے کالے کتے کے شکار سے منع فرمایا اس کی وجہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الکلب الاسود شیطان(4) کالا کتا شیطان ہے۔ اس کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ جمہور علماء نے آیت کے عموم سے استدلال کیا ہے اور باز کے شکار کے جواز پر سبب نزول سے استدلال کیا ہے۔ اور جو ترمذی نے حضرت عدی بن حاتم سے حدیث روایت کی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے شکار کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو وہ تیرے لیے روک لے وہ کھا''(5)۔ اس کی سند میں مجالد ہے جو غیر معروف ہے۔ سوائے اس ایک سند کے معروف نہیں اور یہ راوی ضعیف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کتے کا حکم ہے وہ چیتے کا حکم ہے ان میں کوئی فرق نہیں ہے مگر ایسی صورت میں جس کا تاثیر میں کوئی دخل نہیں۔ یہ اصل معنی میں قیاس ہے، تلوار کو چھری پر قیاس کرنے کی طرح ہے اور لونڈی کو غلام پر قیاس کرنے کی طرح ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو جان لو کہ شکاری کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتے کو چھوڑتے وقت ذبح اور اباحت کی نیت کرے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور اس پر اللہ کا نام لے تو تو کھا''(6)۔ یہ ارشاد نیت اور بسم اللہ کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر کتا چھوڑتے وقت لہو ولعب کا قصد کیا ہو گا تو امام مالک کے نزدیک مکروہ ہو گا۔ ابن عبد الحکم نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ لیث کے قول کا ظاہر ہے۔ لیث نے کہا: میں نے کوئی ایسا حق نہیں دیکھا جو باطل کے زیادہ مشابہ ہے یعنی شکار۔ اگر کوئی تذکیہ (ذبح) کی نیت کے بغیر کتا چھوڑے تو وہ شکار حرام ہو گا، کیونکہ وہ فساد اور بغیر منفعت کے حیوان کے اتلاف کے باب سے ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے مگر کھانے کے لیے۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ کتا یا باز چھوڑتے وقت زبان سے بسم اللہ کہنا ضروری ہے، کیونکہ آپ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 156
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 197
5۔ جامع ترمذی، کتاب الصید، جلد 1، صفحہ 177۔ ایضاً، حدیث نمبر 1387، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
6۔ جامع الترمذی، کتاب الصید، جلد 1، صفحہ 177۔ ایضاً صحیح بخاری، حدیث نمبر 5054، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اللہ کا نام ذکر کرے"۔ اللہ تعالیٰ کا نام اگر کسی اعتبار سے ذکر نہ کیا تو شکار نہیں کھایا جائے گا یہ اہل ظاہر اور اہل حدیث کی جماعت کا مذہب ہے۔ ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمان جس چیز کو شکار کرے اور اسے ذبح کرے اگرچہ بسم اللہ عمداً بھی ترک کردے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ ان علماء نے بسم اللہ کے امر کو ندب پر محمول کیا ہے۔ امام مالک کا مشہور مذہب، عمداً یا سہواً بسم اللہ ترک کرنے کے درمیان فرق ہے فرمایا: عمداً بسم اللہ ترک کرنے کی وجہ سے نہیں کھایا جائے گا اور سہواً ترک کرنے کی وجہ سے کھایا جائے گا۔ یہ فقہاء الامصار کا قول ہے اور امام شافعی کا ایک قول ہے یہ مسئلہ سورۃ الانعام میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر شکاری کے ہاتھ سے کتا چھوڑتے وقت اس کا بھاگنا ضروری ہے جب کہ اس کی زمام اس کے ہاتھ میں ہو۔ وہ اس کو چھوڑ دے اور اسے ابھارے اور وہ بھاگے یا کتا شکار کو دیکھنے کے وقت ساکن کھڑا ہو اور اس کے لیے حرکت نہ ہو مگر شکاری کے ابھارنے کے ساتھ یہ اسی صورت کے قائم مقام ہے جب اس کی زمام اس کے ہاتھ میں ہو پھر اس نے اسے ابھارتے ہوئے چھوڑا ہو یہ ایک قول کے مطابق ہے اگر کتا بغیر چھوڑے اور بغیر ابھارے خود ہی شکار کے پیچھے لگ جائے تو اس کا شکار جائز نہیں اور نہ اس کا کھانا حلال ہے۔ یہ جمہور، امام مالک، امام شافعی، ابو ثور اور اصحاب الرائے کا نظریہ ہے، کیونکہ اس نے بغیر چھوڑے اپنے لیے شکار کیا ہے اور اپنے لیے پکڑا ہے، اس میں شکاری کا کوئی دخل نہیں ہے، اس کا چھوڑنا شکاری کی طرف منسوب نہیں ہے کیونکہ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: اذا ارسلت کلبك المعلم (1) "جب تو اپنے سکھائے ہوئے کتے کو چھوڑے"۔ صادق نہیں آتا۔ عطا بن ابی رباح اور اوزاعی نے کہا: اس کا شکار کھایا جائے گا جب اسے شکار کے لیے نکالا ہو۔

مسئلہ نمبر 7۔ جمہور علماء نے عَلَّمْتُمْ عین اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت محمد بن حنفیہ نے عین کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی جوارح کے عمل اور ان کے ساتھ شکار کرنے سے (2) جو تم نے کھایا الجوارح سے مراد، الکواسب (کمانے والے) ہے۔ انسانی اعضاء کو بھی جوارح کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کے ذریعے کسی چیز کو حاصل کیا جاتا ہے اور تصرف کیا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کو جوارح اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ یہ زخمی کرتے ہیں اور خون بہاتے ہیں۔ یہ ضعیف ہے اہل لغت کا قول اس کے خلاف ہے۔ ابن المنذر نے ایک قول یہ حکایت کیا ہے۔ مکلبین جمہور کی قرأت کاف کے فتحہ اور لام کے شد کے ساتھ ہے۔ المکلِّب کتوں کو سکھانے والا اور انہیں شکار پر برانگیختہ کرنے والا جو کتے کے علاوہ کو سکھاتا ہے اسے مکلِّب کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ حیوان کو روکتا ہے جیسے کتا۔

بعض علماء نے حکایت کیا ہے کہ شکار کو مکلب کہا جاتا ہے اس بنا پر مکلبین کا معنی شکاری لوگ ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: المکلب کتوں کے مالک کو کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: کلب فھو مکلب و کلاب۔ حسن نے مکلبین کاف کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے اصحاب کلاب۔ کہا جاتا ہے: امشی الرجل۔ جب کسی کے جانور زیادہ ہوں: اکلب۔ جس کے کتے زیادہ ہوں۔ اصمعی نے کہا:

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 145
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 157

کلّ فتیً وإن أمشی فأثری سَتُخلِجه عن الدنیا مَنُونَ

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ مونث ضمیر لفظ جوارح کی رعایت کرتے ہوئے ذکر کی گئی ہے، کیونکہ جوارح، جارحۃ کی جمع ہے۔ اور علماء کے درمیان تعلیم میں دو شرطوں میں کوئی اختلاف نہیں وہ دونوں شرطیں یہ ہیں کہ جب اسے شکار پر حملہ کا حکم دیا جائے تو وہ بھاگ پڑے اور جب اسے منع کیا جائے تو وہ رک جائے۔ کتوں میں ان دو شرطوں میں کوئی اختلاف نہیں اور اسی طرح کتے جیسے دوسرے درندوں کا حکم ہے۔ پرندے جو شکار کرتے ہیں ان میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک ان کی تعلیم میں بھی یہ دونوں شرطیں ہیں۔ ابن حبیب نے ذکر کیا ہے کہ جھڑکنے سے رک جائے۔ پرندوں میں یہ شرط نہیں، کیونکہ پرندہ غالباً ایسا نہیں کرتا۔ اس میں یہ کافی ہے کہ تو اسے حکم دے تو وہ اطاعت کرے۔ ربیعہ نے کہا: جب اسے بلایا جائے تو وہ آجائے تو وہ معلم ضاری ہے اکثر حیوان طبعاً جب انہیں ابھارا جائے تو وہ بھاگ پڑتے ہیں۔ امام شافعی اور جمہور علماء نے تعلیم میں یہ شرط رکھی ہے کہ وہ اپنے مالک کے لیے چیز کو پکڑے۔

امام مالک کے مشہور مذہب میں یہ شرط نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: المعلم وہ ہے جب اس کا مالک اسے ابھارے تو وہ بھاگ پڑے اور جب اسے واپس بلائے تو وہ واپس آجائے اور شکار کو مالک کے لیے پکڑ لے اس میں سے خود کچھ نہ کھائے۔ جب وہ کئی مرتبہ اس طرح کرے اہل عرف نے کہا: وہ معلم شمار ہوگا۔ امام شافعی اور کوفیوں سے مروی ہے جب وہ اسے شکار پر ابھارے تو وہ بھاگ پڑے، جب شکار کو پکڑے تو رک جائے اور جب وہ دو مرتبہ اسی طرح کرے تو تیسری مرتبہ اس کا شکار کھایا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: تین مرتبہ ایسا کرے اور چوتھی مرتبہ اس کا شکار کھایا جائے گا۔ بعض نے فرمایا: ایک مرتبہ ایسا کرے تو وہ معلم ہے دوسری مرتبہ اس کا شکار کھایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وہ تمہارے لیے شکار کو پکڑیں۔ اس کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، نخعی، قتادہ، ابن جبیر، عطا بن ابی رباح، عکرمہ، امام شافعی، امام احمد، اسحق، ابو ثور، نعمان اور اس کے اصحاب نے کہا: وہ نہ کھائے۔ اگر شکاری جانور خود کھالے تو بقیہ جانور نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ اس نے وہ اپنے لیے پکڑا ہے اپنے مالک کے لیے نہیں پکڑا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک چیتا کتے کی طرح ہے اور پرندوں میں یہ شرط نہیں لگائی بلکہ وہ جب شکار سے کھا بھی لے تو پھر بھی بقیہ جانور کھایا جائے گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اس کا معنی ہے اگر وہ کھالے۔ جب شکاری جانور شکار سے کھالے خواہ کتا ہو یا چیتا ہو یا پرندہ ہو اس کا باقی شکار کھایا جائے گا اگرچہ صرف ایک ٹکڑا بھی بچا ہو۔ یہ امام مالک اور ان کے ساتھیوں کا قول ہے اور امام شافعی کا دوسرا قول یہی ہے اور یہی قیاس ہے۔ اس باب میں دو احادیث ہیں، جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس مفہوم پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک حدیث حضرت عدی بن حاتم کی جو کلب معلم میں ہے "جب وہ کھالے تو تو نہ کھا، کیونکہ یہ اس نے اپنے لیے پکڑا ہے(1)" اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ دوسری

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 145

حدیث ابو ثعلبہ خشنی کی ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے کتے کے شکار کے بارے میں فرمایا: ''جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور اس پر اللہ کا نام لے تو کھا اگرچہ اس سے کتے نے کھایا ہو اور جو تیرا ہاتھ تجھ پر لوٹا دے اسے کھا'' (1)۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت عدی سے جو روایت کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں۔ ان سے صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ جب دونوں روایتیں متعارض ہیں تو ہمارے اصحاب نے ان کو جمع کرنے کا ارادہ کیا انہوں نے نہی والی حدیث کو تنزیہ اور تقویٰ پر محمول کیا اور اباحت کی حدیث کو جواز پر محمول کیا، انہوں نے فرمایا: حضرت عدی چونکہ خوشحال تھا اس لیے نبی کریم ﷺ نے انہیں رکنے کا اور ورع کا فتویٰ دیا اور حضرت ابو ثعلبہ محتاج تھے تو انہیں جواز کا فتویٰ دیا۔ واللہ اعلم

اس تاویل کی صحت پر دلیل آپ ﷺ کا ارشاد ہے جو حضرت عدی کی حدیث میں ہے۔ ''مجھے خوف ہے کہ اس نے اپنے لیے پکڑا ہو''۔ یہ ہمارے علماء کی تاویل ہے۔ ابو عمر نے الاستذکار کتاب میں فرمایا: حضرت عدی کی حدیث، حضرت ابو ثعلبہ کی حدیث کے معارض ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابو ثعلبہ کی حدیث اس کی ناسخ ہے پس ان کا یہ کہنا: اگرچہ وہ کھا بھی لے یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگرچہ کھا بھی لے''۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے، کیونکہ تاریخ مجہول ہے اور جب تاریخ معلوم نہ ہو تو دونوں احادیث کو جمع کرنا اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ اور اصحاب شافعی نے کہا: اگر کتا انتہائی بھوک کی وجہ سے کھا گیا تو جانور کھایا جائے گا ورنہ نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ یہ سوء تعلیم سے ہے۔ ایک قوم سے مروی ہے: جس شکار سے کتا اور چیتا کھالے اس کے درمیان اور باز کے کھانے کے درمیان فرق کیا ہے۔ کتے اور چیتے کے کھانے کے بعد انہوں نے منع کیا ہے اور باز کے کھانے کے بعد اس کی اجازت دی ہے۔ یہ نخعی، ثوری، اصحاب الرائے اور حماد بن ابی سلیمان کا قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس سے حکایت ہے انہوں نے کہا: کتے اور چیتے کو مارنا اور جھڑکنا ممکن ہے اور پرندے میں یہ ممکن نہیں اور پرندے کی تعلیم کی حد یہ ہے کہ اسے بلایا جائے تو وہ آ جائے اور اسے شکار پر ابھارا جائے تو وہ اڑ جائے، اس میں اس سے زیادہ ممکن نہیں، مارنا اسے اذیت دے گا۔

مسئلہ نمبر 10۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ درندہ یا کتا جب شکار کا خون پی لے تو شکار کھایا جائے۔ عطا نے کہا: خون کا پینا، کھانا نہیں ہے۔ شعبی اور سفیان ثوری نے اس کا کھانا مکروہ قرار دیا ہے۔ علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ شکار کی اباحت کا سبب کتے یا درندے کا شکار کو کاٹنا ہے اور اس کاٹنے کا یقینی ہونا ضروری ہے اس میں کسی قسم کا شک نہ ہو اور شک کی صورت میں اس کا کھانا جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر 11۔ اگر شکاری اپنے کتے کے ساتھ دوسرا کتا پائے تو وہ اس پر محمول ہو گا کہ وہ کسی دوسرے شکاری کی طرف سے نہیں چھوڑا گیا۔ یہ شکار کی طلب میں خود طبعی طور پر بھاگا ہے۔ اس مسئلہ میں بھی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر دوسرے کتے اس کے ساتھ مل جائیں تو پھر نہ کھا'' (2)۔ ایک روایت میں ہے ''تو نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی اور دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی'' (3)۔ اگر دوسرے شکاری نے کتا چھوڑا ہو پھر دونوں کتے اس شکار میں شریک

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، جلد 2، صفحہ 38 2۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 145 3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 146

ہو گئے ہوں تو وہ شکار دونوں شکاریوں کے لیے ہوگا دونوں اس میں شریک ہوں گے۔ اگر ایک کتے نے اپنے شکار کو چیر پھاڑ دیا ہو پھر دوسرا کتا آجائے تو شکار اس کا ہوگا جس کے کتے نے اسے پہلے پکڑ کر چیر دیا تھا، اسی طرح وہ شکار نہیں کھایا جائے گا جس کو تیر مارا گیا پھر وہ پہاڑ سے نیچے گرا یا پانی میں غرق ہوا تو اسے بھی نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی کو کہا تھا ''اگر تو اپنا تیر پھینکے اور اللہ کا نام ذکر کرے اگر وہ تجھ سے پورا دن غائب ہو جائے اور تو اس میں اور کچھ نہ پائے مگر اپنے تیر کا اثر تو کھا اگر تو اسے پانی میں غرق پائے تو اسے نہ کھا تجھے معلوم نہیں پانی نے اسے قتل کیا یا تیرے تیر نے'' (1)۔ یہ نص ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اگر شکار کتوں کے منہ میں مرجائے جب کہ انہوں نے اسے زخمی نہ کیا ہو تو اسے نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ وہ دبانے سے مرا ہے یہ کند چھری سے ذبح کرنے کے مشابہ ہے جس میں جانور ذبح میں مرجاتا ہے رگوں کے کاٹنے سے پہلے۔ اگر جوارح سے اس کو لے لینا اور اسے ذبح کرنا ممکن تھا پھر اس نے ذبح نہ کیا حتی کہ شکار مر گیا تو وہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ وہ ذبح میں کوتاہی کرنے والا تھا، وہ ذبح پر قدرت رکھتا تھا اور جو قادر ہو اس کی ذبح، غیر مقدور کی ذبح کے مخالف ہے اگر اس نے شکار کو پکڑا اور چھری نکالنے سے پہلے فوت ہو گیا یا اس نے اسے پکڑا جب کہ چھری اس کے ہاتھ میں تھی پھر بھی اس کا کھانا جائز ہے اگر اس کے ساتھ چھری نہ ہو اور وہ اس کی تلاش میں مشغول ہو تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ امام شافعی نے فرمایا: شکار کرنے والے جانوروں نے شکار کو پکڑا اور اسے زخمی نہیں کیا تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اسے نہیں کھایا جائے گا حتی کہ اسے زخمی کر دیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِّنَ الْجَوَارِحِ یہ ابن القاسم کا قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال ہے۔ یہ اشہب کا قول ہے۔ اشہب نے کہا: اگر کتے کے ٹکرانے سے مر گیا تو بھی کھایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 13۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اگر پورا دن شکار غائب رہے پھر تو اس میں کوئی اثر نہ پائے سوائے اپنے تیر کے اثر کے تو تو کھا''۔ اسی طرح ابو ثعلبہ کی حدیث میں ہے جس کو ابو داؤد نے نکالا ہے مگر اس میں زائد ہے، ''تین دن کے بعد کھا جب کہ اس میں بدبو پیدا نہ ہوئی ہو'' (2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کے مخالف ہے كُلْ مَا أَصْمَيْتَ وَدَعْ مَا أَنْمَيْتَ (3) تو کھا جو جلدی سے قتل ہو جائے جب کہ تو اس کو دیکھ رہا ہو اور تو اسے چھوڑ دے جو تجھ سے غائب ہو جائے اور مر جائے جب کہ تو اسے نہ دیکھ رہا ہو۔ کہا جاتا ہے: قد أَنْمَيْتُ الرَّمِيَّةَ فَنَمت، تَنْمِي۔ جب جانور غائب ہو کر مر جائے۔ امراء القیس نے کہا:

فَهُوَ لَا تَنْمِي رَمِيَّتُهُ مَالَهُ لَاعُدَّ مِنْ نَفَرِهِ

علماء کا اختلاف ہے غائب شکار کے کھانے میں۔ اس کے متعلق تین اقوال ہیں۔

(۱) اسے کھایا جائے گا خواہ اسے تیرے تیر نے قتل کیا ہو یا کتے نے قتل کیا ہو (۲) اس سے کچھ نہیں کھایا جائے گا جب وہ غائب ہو جائے، کیونکہ آپ کا ارشاد ہے: كُلْ مَا أَصْمَيْتَ وَدَعْ مَا أَنْمَيْتَ۔ اس کو نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ اندیشہ ہے کہ اس کے قتل پر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 146
2۔ ایضاً۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2474، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 12، صفحہ 27

تیر کے علاوہ حشرات الارض نے مدد کی ہو (۳) تیر اور کتے کے شکار میں فرق ہے تیر لگا ہوا گم ہو جائے اور پھر مل جائے تو اسے کھایا جائے گا اور کتے کا شکار ایسی صورت میں نہیں کھایا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تیر ایک جہت سے قتل کرتا ہے پس اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور درندہ یا کتا کئی جہات سے قتل کرتا ہے اس میں اشکال ہوتا ہے ہمارے علماء کے تین اقوال ہیں۔ امام مالک نے مؤطا کے علاوہ میں کہا: جب شکار رات گزارے پھر وہ اسے مردہ پائے تو بازی یا کتا یا تیر نے شکار کو چیر پھاڑ نہ دیا ہو تو اسے نہ کھایا جائے گا۔ ابو عمر نے کہا: یہ تیری راہنمائی کرتا ہے کہ جب شکار کو پہنچ جائے تو ان کے نزدیک حلال ہے وہ اسے کھائے اگرچہ رات بھی گزر جائے مگر وہ مکروہ فرماتے تھے جب رات گزار لے، کیونکہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اگر تجھ سے شکار ایک رات غائب ہو جائے تو تو نہ کھا۔ اسی طرح ثوری سے مروی ہے فرمایا: جب تجھ سے ایک دن غائب ہو جائے تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: قیاس یہ ہے کہ وہ اسے نہ کھائے جب اس سے اس کا گرنا غائب ہو جائے۔ اوزاعی نے کہا: اگر دوسرے دن وہ اسے مردہ پائے اور اس میں اپنے تیر یا کتے کا اثر پائے تو اسے کھائے اسی طرح اشہب، عبدالملک اور اصبغ نے کہا: علماء نے فرمایا: شکار کا کھانا جائز ہے اگرچہ رات گزر جائے جب کہ وہ اپنے شکار کو قتل کر دے۔ حدیث شریف میں ہے "جب تک کہ وہ بدبودار نہ ہو"۔ یہ علت ہے، کیونکہ جب وہ بدبودار ہو جائے تو اسے مستقذرات لاحق ہو جاتی ہیں جن کو طبیعتیں ناپسند کرتی ہیں پس اس کا کھانا مکروہ نہیں ہے اگر اس کو کھالے تو جائز ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متغیر کھانا کھایا (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ معلل ہے جس سے اس کے کھانے پر ضرر کا خوف ہوتا ہے اس تعلیل پر اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اگر خوف محقق ہو۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 14۔ یہودی اور نصرانی کے کتے کے ساتھ شکار کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حسن بصری نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ مجوسی کا کتا، باز اور شکرا اس کے ساتھ شکار کو حضرت جابر بن عبداللہ، حسن، عطا، مجاہد، نخعی، ثوری اور اسحاق نے مکروہ کہا ہے اور ان کے کتوں کے ساتھ شکار کو امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے جائز قرار دیا ہے جب کہ شکار کرنے والا مسلمان ہو۔ ان علماء نے فرمایا: یہ اس کی چھری کی مثل ہے، اور اگر اہل کتاب میں سے شکاری ہو تو امام مالک کے علاوہ جمہور امت اس کے شکار کے جواز کے قائل ہیں اس کے اور اس کے ذبیحہ کے درمیان فرق کیا ہے اور یہ تلاوت کی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ (المائدہ: 94) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس میں یہودی اور نصرانی کا ذکر نہیں کیا۔ ابن وہب اور اشہب نے کہا: یہودی اور نصرانی کا شکار ان کے ذبیحہ کی طرح حلال ہے اور امام محمد کی کتاب میں صابی کا نہ شکار جائز ہے اور نہ اس کی ذبح جائز ہے۔ یہ یہود و نصاریٰ کے درمیان قوم ہے اور ان کا دین نہیں ہے۔ اور اگر شکاری مجوسی ہو تو اس کے کھانے سے امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب اور جمہور علماء نے منع کیا ہے۔ ابوثور کے اس میں دو قول ہیں (۱) ان علماء کے قول کی طرح (۲) مجوسی اہل کتاب سے ہے اور ان کا شکار جائز ہے۔ اگر نشہ والا شخص شکار کرے یا ذبح کرے تو اس کا شکار نہیں کھایا جائے گا اور نہ اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا ذبح میں قصد کی ضرورت ہوتی ہے اور نشہ والے کا کوئی قصد نہیں ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرھن، باب الرھن فی الحضر، حدیث نمبر 2325، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 15۔ مِمَّآ اَمۡسَكۡنَ عَلَيۡكُمۡ کے ارشاد میں من کے بارے میں نحویوں کا اختلاف ہے۔ اخفش نے کہا: یہ زائدہ ہے جیسے كُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖۤ (الانعام:141) میں ہے۔ بصریوں نے اس کو خطا کہا ہے۔ انہوں نے کہا: من اثبات میں زائد نہیں ہوتا نفی اور استفہام میں زائد کیا جاتا ہے۔ مِنۡ ثَمَرِهٖ، يُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ، يَغۡفِرۡ لَكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ میں تبعیض کے لیے ہے، اس کا جواب دیا اور کہا: يَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ (الصف:12) (من) کے اسقاط کے ساتھ ہے۔ یہ ایجاب میں اس کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ من یہاں تبعیض کے لیے ہے، کیونکہ شکار میں سے گوشت حلال ہے نہ گوبر اور خون۔

میں کہتا ہوں: یہ مراد نہیں ہے اور کھانے میں معہود نہیں ہے اور جو انہوں نے کہا ہے اس پر اعتراض کیا گیا ہے اور مِمَّآ اَمۡسَكۡنَ سے مراد یہ کہ تمہارے لیے جوارح جو باقی چھوڑیں۔ یہ اس کے قول پر ہے جس نے کہا: اگر کتا شکار کھالے تو کوئی نقصان نہیں، اس احتمال کے سبب شکار کے کھانے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے جب شکار سے شکاری جانور کھا بھی لے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ یہ آیت کریمہ کتوں کے رکھنے اور شکار کے لیے کتا پالنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ صحیح سنت میں یہ ثابت ہے اور کھیتی اور جانوروں کی حفاظت کے لیے کتوں کے رکھنے کا سنت نے اضافہ کیا ہے۔ ابتدائے اسلام میں کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا حتی کہ اس عورت کے پیچھے آنے والے کتے کو قتل کیا جاتا تھا جو عورت دیہات سے آتی تھی۔ مسلم نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ”جس نے شکاری کتے یا جانوروں کی حفاظت کرنے والے کتے کے علاوہ کتا رکھا ہر روز اس کے اجر سے دو قیراط کم ہوتے ہیں“ (1)۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جانوروں کی حفاظت والے، شکار والے یا کھیتی کی حفاظت کرنے والے کتے کے علاوہ کتا رکھا اس کے اجر سے روزانہ ایک قیراط کم ہوگا“ (2)۔ الزہری نے کہا: حضرت ابن عمر کے لیے حضرت ابو ہریرہ کا قول ذکر کیا گیا ہے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ حضرت ابو ہریرہ پر رحم فرمائے۔ وہ کھیتی والے تھے، جو ہم نے ذکر کیا اس پر سنت دلالت کرتی ہے۔ جس نے ان منافع کے علاوہ کے لیے کتا رکھا اس کے اجر سے کمی ہوگی، خواہ مسلمانوں کو کتے کا ڈرانے، بھونکنے کے ساتھ انہیں تشویش میں ڈالنے کی وجہ سے ہو جس طرح بصرہ کے بعض شعراء نے کہا جب کہ وہ عمار میں اترے اور اس کے کتے کی آواز سنی تو کہا:

نزلنا بعمار فأشلى كلابه علينا فكدنا بين بيتيه نؤكلُ

فقلت لأصحابي أسِرّ إليهم اذا اليومُ أم يومُ القيامةِ أطولُ

یا جس گھر میں کتے ہوتے ہیں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے اور یا اس کی نجاست کی وجہ سے جیسا کہ امام شافعی کا خیال ہے یا ایسی چیز کے متعلق نہی ہے جس میں منفعت نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

دونوں روایتوں میں سے ایک روایت میں فرمایا ”قیراطان“ (دو قیراط) اور دوسری روایت میں ہے ”قیراط“ (ایک

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساقات، جلد 2، صفحہ 21 2۔ ایضاً

قیراط) اس (اس احتمال ہے کہ کتوں کی دو قسمیں ہوں ایک دوسری سے زیادہ سخت قسم ہو جیسے وہ کالا کتا جس کے قتل کرنے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا اور استثنا میں اسے داخل نہیں کیا جب اس کے قتل سے منع فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم پر کالے کتے دو نقطوں والے کو قتل کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ شیطان ہے" (1)۔ اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جگہ کے اختلاف کی بنا پر ہو مثلاً مدینہ طیبہ یا مکہ مکرمہ میں کتا رکھنا دو قیراط کی کمی کا باعث ہو اور دوسری جگہوں پر ایک قیراط کمی کا باعث ہو۔ واللہ اعلم

اور جو کتا رکھنا مباح ہے اس کے رکھنے سے اجر کم نہیں ہوتا جیسے گھوڑا، بلی، اس کا بیچنا اور خریدنا جائز ہے حتیٰ کہ سحنون نے کہا: اس کی ثمن کے ساتھ حج کر سکتا ہے۔ اور جانوروں کی حفاظت والا کتا جس کا رکھنا جائز ہے امام مالک کے نزدیک وہ کتا ہے جو جانوروں کے ساتھ چلتا ہے وہ کتا مراد نہیں ہے جو گھر میں چوروں سے حفاظت کرتا ہے اور کھیتی کا کتا اس سے مراد وہ ہے جو رات اور دن میں وحوش سے حفاظت کرتا ہے نہ چوروں سے حفاظت کرنے والا کتا مراد ہے۔ امام مالک کے علاوہ علماء نے جانوروں اور کھیتی کے چوروں سے حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز قرار دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ عالم کے لیے وہ فضیلت ہے جو جاہل کے لیے نہیں ہے، کیونکہ کتا جب سکھایا جاتا ہے تو اسے تمام کتوں پر فضیلت ہوتی ہے پس انسان کو جب علم ہو تو اس کو تمام لوگوں پر فضیلت کا ہونا بدرجہ اولیٰ ہوگا خصوصاً جب وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرے۔ یہ اس طرح ہے جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ہر چیز کی قیمت ہے اور انسان کی قیمت وہ ہے جو اسے خوبصورت بنائے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ اس میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: شکار پر کتا چھوڑنے اور شکار کو آگاہ کرنے اور ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا ایک ہے اس کا بیان سورۂ انعام میں آئے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہاں کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھنا مراد ہے اور یہ قول اظہر ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن ابی سلمہ سے کہا: "اے غلام! بسم اللہ پڑھ اور دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا" (2)۔ حضرت حذیفہ کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شیطان کھانے کو حلال سمجھتا ہے مگر یہ کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے" (3)۔ اگر کھانے کی ابتدا میں بسم اللہ بھول جائے تو آخر میں بسم اللہ پڑھے۔ نسائی نے حضرت امیہ بن مخشی سے روایت کیا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کھانا کھاتے دیکھا جب کہ اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی جب وہ آخری لقمہ میں تھا تو اس نے کہا: بسم اللہ اولہ وآخرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شیطان اس کے ساتھ کھانا کھاتا رہا پھر جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو جو اس نے کھایا تھا اسے قے کر دیا"۔ (4)

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ تقویٰ کا حکم دیا اور قریبی اشارہ ان اوامر کی طرف ہے جن کو یہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساقات والمزارعۃ، جلد 2، صفحہ 22
2۔ صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، جلد 2، صفحہ 809
3۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، جلد 2، صفحہ 172
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، حدیث 3276، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

آیات اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں اور حساب کی سرعت اس حیثیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے از روئے علم ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے اور ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے، اسے شمار کرنے اور عقد کی ضرورت نہیں ہے جیسے حساب کرنے والے کرتے ہیں اسی وجہ سے فرمایا: وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ (انبیاء) اللہ تعالیٰ ایک دفعہ ہی خلائق کا حساب کرلے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ قیامت کے دن کی وعید ہو گویا فرمایا: تمہارے لیے اللہ کا حساب جلدی ہونے والا ہے، کیونکہ قیامت قریب ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حساب سے مراد جزا دینا ہو گویا دنیا میں جلد قریب جزا دینے کی دھمکی دی اگر انہوں نے اللہ کا خوف نہ کیا۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

”آج حلال کر دی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں اور کھانا ان لوگوں کا جنہیں دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لیے اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لیے اور (حلال ہیں) پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن عورتیں ان لوگوں کی جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے جب دے دو تم انہیں مہران کے پاکباز بنتے ہوئے نہ بدکاری کرتے ہوئے اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو بس ضائع ہو گیا اس کا عمل اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا“۔

اس میں دس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ یعنی الیوم اکملت لکم دینکم و الیوم احل لکم الطیبات۔ تاکید کے لیے اعادہ فرمایا یعنی تمہارے لیے ان پاکیزہ چیزوں کو حلال کیا جن کا تم نے سوال کیا اور پاکیزہ چیزیں اس آیت کے نزول سے پہلے مسلمانوں کے لیے مباح کی گئی تھیں۔ یہ ان کے سوال کا جواب ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: ہمارے لیے کیا حلال کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اَلْيَوْمَ کے ذکر سے اشارہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی طرف ہے جیسے کہا جاتا ہے: هذه ایام فلاں یہ فلاں کے ایام ہیں یعنی یہ تمہارے ظہور اور اسلام کے پھیلنے کا وقت ہے، میں نے اس کے ساتھ تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کر دیا۔ اس سے پہلے آیت میں الطیبات کا ذکر گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ یہ مبتدا خبر ہیں۔ الطعام سے مراد ہر وہ چیز جو کھائی جاتی ہے ذبائح اس سے ہیں، اکثر علماء تفسیر کے نزدیک یہاں خاص ذبائح مراد ہیں اور ان کے طعام سے جو ہم پر حرام ہیں وہ عموم الخطاب کے تحت داخل نہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الانعام: 121) نہ کھاؤ اس سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو پھر استثنیٰ فرمائی۔ فرمایا: وَطَعَامُ الَّذِيْنَ

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۔ یعنی یہودی اور نصرانی کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اگرچہ نصرانی ذبح کے وقت مسیح علیہ السلام کا نام اور یہودی یا عزیر کہے۔ کیونکہ وہ اپنی ملت پر ذبح کرتے ہیں۔ عطا نے کہا: نصرانی کے ذبیحہ سے کھاؤ اگرچہ وہ مسیح علیہ السلام کا نام لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبائح کو مباح قرار دیا اور جو وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ قاسم بن مخیمرہ نے کہا: اس کے ذبیحہ سے کھاؤ اگرچہ وہ سرجس کا نام لے، یہ ان کے کنیسہ کا نام ہے۔ یہ زہری، ربیعہ، شعبی اور مکحول کا قول ہے، اور دو صحابہ حضرت ابو درداء اور حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے کہا: جب تم سنو کہ کتابی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ذبح کے وقت کوئی نام لے رہا ہے تو پھر نہ کھاؤ۔ یہی قول صحابہ میں سے حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابن عمر کا ہے اور یہی قول طاؤس، حسن کا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے دلیل پکڑی ہے: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ (الانعام: 121)

امام مالک نے فرمایا: میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ انہوں نے اس کو حرام قرار نہیں دیا۔ میں کہتا ہوں: تعجب ہے الکیا طبری پر جس نے اہل کتاب کے ذبیحہ کے جواز پر اتفاق حکایت کیا ہے اس نے اس سے استدلال کیا ہے کہ بسم اللہ ذبیحہ میں شرط نہیں ہے، اس نے کہا: اس میں شک نہیں کہ یہودی، نصرانی ذبیحہ پر بسم اللہ نہیں پڑھتے مگر اس معبود کا جو مسیح اور عزیر کی طرح حقیقۃً معبود نہیں ہے اگر وہ حقیقۃً معبود کا نام لیتے تو پھر بھی ان کا یہ نام لینا عبادت کے طریق پر نہ تھا بلکہ وہ ایک دوسرے طریق پر تھا اور بسم اللہ کا شرط ہونا، بغیر عبادت کے سمجھ نہیں آتا اور کافر سے تسمیہ کا وجود اور اس کا عدم برابر ہے، کیونکہ اس سے عبادت کا تصور بھی نہیں، کیونکہ نصرانی مسیح کے نام پر ذبح کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً ان کے ذبائح کی حلت کا حکم فرمایا ہے پس اس میں دلیل ہے کہ بسم اللہ اصلاً شرط نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی نے فرمایا۔ مزید علماء کے اختلاف کا ذکر سورۂ انعام میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 3۔ ایسی چیزیں جن میں ذبح کی ضرورت نہیں جیسے کھانا جس میں ذبح نہیں ہوتی اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے جیسے پھل، گندم ان کا کھانا جائز ہے، کیونکہ کسی ایک کا مالک ہونا اس میں مضر نہیں۔ اور وہ کھانا جس میں کسی کا عمل دخل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں اس میں صنعت کی گردش ہوگی اس کے ساتھ دین کا کوئی تعلق نہ ہوگا جیسے آٹے کی روٹی، زیتون کا تیل وغیرہ اگر ذمی سے دور کرے تو یہ اضطراب کی بنا پر ہوگا اور دوسری قسم یہ تذکیہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا یہ دین اور نیت کا محتاج ہے جب قیاس یہ تھا کہ ان کے ذبائح جائز نہیں ہیں جیسے تو کہتا ہے نہ ان کی نماز ہے اور نہ ان کی مقبول عبادت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ان کے ذبائح میں رخصت دی ہے نص نے قیاس سے خارج کر دیا جیسا کہ ہم نے حضرت ابن عباس کے قول سے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جس چیز کو وہ ذبح کریں اس میں علماء کے دو قول ہیں کہ کیا جو چیز ان پر حرام ہے ان میں ذبح کا عمل ہوگا یا نہیں؟ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ ذبح ہر ذبیحہ میں عامل ہے اس میں سے جو حلال ہے اور جو اس پر حرام ہے، کیونکہ وہ ذبح کرنے والا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے کہا: ہمارے لیے ان کے ذبیحہ سے وہ حلال ہے جو ان کے لیے حلال ہے،

کیونکہ جوان کے لیے حلال نہیں ہے اس میں ان کا ذبح کرنا بھی عمل نہیں کرتا۔ اس گروہ نے ایسے جانور کو کھانے سے منع کیا ہے جس کا گردہ خراب ہو اور خالص چربی جو اہل کتاب کے ذبائح سے ہو لفظ طعام کو انہوں نے بعض طعام پر مقصور کیا ہے اور پہلے طائفہ نے عموم پر اس کو محمول کیا ہے وہ تمام چیزیں جو کھائی جاتی ہیں سب کو طعام کا لفظ شامل ہے یہ اختلاف امام مالک کے مذہب میں بھی موجود ہے۔ ابو عمر نے کہا: امام مالک نے یہود کی چربی کو مکروہ کہا ہے اور اونٹوں میں جو وہ نحر کریں اسے کھانا بھی مکروہ کہا ہے۔ اکثر علماء اس میں حرج نہیں دیکھتے سورۂ انعام میں مزید بیان آئے گا۔ امام مالک اہل کتاب کے ذبیحہ کو مکروہ قرار دیتے تھے جب مسلمان کا ذبیحہ موجود ہو اور ان کے لیے ایسے بازاروں کا ہونا بھی مکروہ قرار دیا ہے جن میں وہ اپنے ذبائح فروخت کریں۔ یہ ان کی طرف سے تنزہ اور تقویٰ ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ مجوس کے بارے میں علماء کا اجماع ہے سوائے ان علماء کے جو جماعت سے جدا ہوئے کہ ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا نہ ان سے نکاح کیا جائے گا، کیونکہ علماء کے مشہور مذہب پر یہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ اور ایسے لوگوں کے کھانے میں کوئی حرج نہیں جن کے لیے کتاب نہیں ہے جیسے مشرکین، بت پرست جب کہ وہ کھانا ان کے ذبائح سے نہ ہو اور اس کے تزکیہ کی ضرورت نہ ہو سوائے جبن (پنیر) کے، کیونکہ اس میں مردار کا اوجھ ہوتا ہے۔ اگر بچے کا باپ مجوسی ہو اور ماں کتابی ہو تو اس کا حکم امام مالک کے نزدیک اس کے باپ والا ہو گا اور دوسرے علماء کے نزدیک بچہ کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا جب اس کے والدین میں سے کوئی ایک ایسا ہو جس کا ذبیحہ نہیں کھایا جاتا۔

مسئلہ نمبر 6۔ نصاریٰ بنی تغلب کا ذبیحہ اور ہر وہ شخص جو یہودیت اور نصرانیت میں داخل ہے ان کے ذبائح کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ منع کرتے تھے، کیونکہ بنی تغلب عرب تھے، آپ فرماتے تھے: انہوں نے نصرانیت سے سوائے شراب پینے کے کچھ نہیں لیا۔ یہ امام شافعی کا قول ہے، اس بنا پر نصاریٰ کے ذبائح سے منع نہیں کیا جاتا جو ان میں سے یقینی نصرانی ہیں۔ جمہور علماء نے کہا: ہر نصرانی کا ذبیحہ حلال ہے خواہ وہ بنی تغلب سے ہو یا کسی اور قبیلہ سے ہو۔ اسی طرح یہود کا حکم ہے۔ حضرت ابن عباس نے وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ (المائدہ: 51) سے حجت پکڑی ہے اگر بنی تغلب نصاریٰ میں سے نہ ہوتے مگر ان کی دوستی کی وجہ سے تو ان کے ذبائح کھائے جائیں گے۔

مسئلہ نمبر 7۔ تمام کفار کے برتنوں میں کھانے، پینے، پکانے میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ سونے، چاندی اور خنزیر کی جلد سے نہ ہوں، لیکن ان کے برتن دھونے کے بعد استعمال کیے جائیں گے، کیونکہ وہ نجاستوں سے نہیں بچتے اور مردار کھاتے ہیں، جب وہ ان ہانڈیوں میں پکاتے ہیں تو وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے اور بعض اوقات نجاسات مٹی کی ہانڈیوں کے اجزاء میں سرایت کر جاتی ہیں جب اس کے بعد اس ہانڈی میں کوئی چیز پکائی جائے گی تو اس نجس اجزاء کے ہانڈی میں پکائی جانے والی چیز سے ملنے کا اندیشہ ہے پس تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے بچا جائے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اگر برتن نحاس (تانبے) یا لوہے کا ہو تو اسے دھویا جائے گا اور اگر برتن مٹی کا ہو تو اس میں پانی ابال کر دھویا جائے گا یہ اس صورت میں ہے جب اس کی ضرورت ہو۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔ اور وہ

برتن جو پکانے کے لیے استعمال نہیں ہوتے ان کو بغیر دھوئے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ دار قطنی نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک نصرانی کے گھر میں لکڑی کے برتن میں وضو کیا اور یہ صحیح ہے۔ اس کا مکمل بیان سورۃ الفرقان میں آئے گا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ثعلبہ خشنی سے مروی ہے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم اہل کتاب قوم کی زمین میں ہوتے ہیں ہم ان کے برتنوں میں کھاتے ہیں اور شکار والی زمین میں ہوتے ہیں میں اپنی کمان کے ساتھ شکار کرتا ہوں اور اپنے سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ شکار کرتا ہوں اور اپنے اس کتے کے ساتھ شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا نہیں ہوتا آپ مجھے بتائیں ان میں سے کون سی چیز میرے لیے حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو تو نے اہل کتاب کی قوم کی زمین کا ذکر کیا ہے کہ تم وہاں ہوتے ہو اور ان کے برتنوں میں کھاتے ہو، اگر تم ان کے برتنوں کے علاوہ کوئی چیز پاؤ تو تم ان میں نہ کھاؤ اگر کوئی اور برتن نہ پاؤ تو ان کے برتنوں کو دھوؤ پھر ان میں کھاؤ“ (1)۔ پھر مکمل حدیث ذکر کی۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ یہ آیت دلیل ہے کہ وہ ہماری شرع کی تفصیل کے مخاطب ہیں یعنی جب وہ ہم سے گوشت خریدیں تو ان کے لیے وہ حلال ہے اور ہمارے لیے ان کی ثمن حلال ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اس آیت کا معنی سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو مملکت اسلامیہ میں ہوں نہ کہ دار الحرب میں ہوں پس یہ اہل کتاب کی ان عورتوں کے ساتھ خاص ہوگا جو مملکت اسلامیہ میں ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا: آیت کے عموم کی وجہ سے ذمیہ، حربیہ ہر ایک سے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: اَلْمُحْصَنٰتُ سے مراد پاک دامن، عقل مند عورتیں ہیں۔ شعبی نے کہا: جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتی ہو اور بدکاری نہ کرتی ہو اور غسل جنابت کرتی ہو۔ شعبی نے اَلْمُحْصِنٰتُ صاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور کسائی نے بھی اسی طرح پڑھا ہے۔ مجاہد نے کہا: اَلْمُحْصَنٰتُ سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔ ابو عبید نے کہا: ان کا نظریہ یہ ہے کہ اہل کتاب کی لونڈیوں سے نکاح کرنا حلال نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (النساء: 25) یہ وہ قول ہے جس پر بڑے بڑے علماء کا نظریہ قائم ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ۔ بعض علماء نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ تو اہل کتاب کی عورتوں نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ ہمارے دین سے راضی نہ ہوتا تو ہمارے لیے ہمارے نکاح مباح نہ فرماتا، تو یہ آیت نازل ہوئی وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ یعنی جس نے اس کا انکار کیا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ ابو الہیثم نے کہا: الباء صلہ ہے یعنی ومن یکفر الایمان یعنی یجحدہ۔ جس نے ایمان کا انکار کیا فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ (المائدہ: 5) ابن السمیقع نے فقد حبط با کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جب فرائض اور احکام ذکر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 2، صفحہ 146۔ ایضاً صحیح بخاری، حدیث نمبر 5065، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کیے گئے تو ان کا قیام لازم تھا اور اس کی مخالفت پر وعید ذکر کی گئی، کیونکہ ان کے ضائع کرنے پر زجر کی تاکید اس میں ہے۔
حضرت ابن عباس اور مجاہد سے مروی ہے کہ معنی یہ ہے ومن یکفر باللہ جس نے اللہ کا انکار کیا۔ حسن بن فضل نے کہا: اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا معنی ہے بربّ الایمان۔ شیخ ابو الحسن اشعری نے کہا: اللہ تعالیٰ کو ایمان کہنا جائز نہیں مگر حشویہ اور سالمیہ فرقوں کا قول اس کے خلاف ہے، کیونکہ ایمان آمن، یومن ایمانا کا مصدر ہے اور اس سے اسم فاعل مومن ہے الایمان کا معنی تصدیق ہے اور تصدیق نہیں ہوتی مگر کلام اور باری تعالیٰ کا کلام ہونا جائز نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

”اے ایمان والو! جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کے لیے تو (پہلے) دھولو اپنے چہرے اور اپنے بازو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر اور دھولو اپنے پاؤں ٹخنوں تک اور اگر ہو تم جنبی تو سارا بدن پاک کرلو اور اگر ہو تم بیمار یا سفر پر یا آئے کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے بعد یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کرو پاک مٹی سے یعنی مسح کرلو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر اس سے نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کہ رکھے تم پر کچھ تنگی بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ خوب پاک صاف کرے تمہیں اور پوری کردے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم شکریہ ادا کرتے رہو“۔
اس میں بتیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ قشیری اور ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عائشہ کے واقعہ میں نازل ہوئی جب غزوہ المریسیع میں آپ کا ہار گم ہو گیا تھا، یہ آیت وضو ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: لیکن اس حیثیت سے کہ وضو ان کے نزدیک ثابت تھا اور مستعمل تھا تو اس آیت نے اس میں ان کے لیے کچھ زیادتی نہ کی مگر اس کی تلاوت، انہیں تیمم میں رخصت کا فائدہ دیا(1)۔ ہم نے سورۃ النساء کی آیت میں اس کے خلاف ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔
اس آیت کا مضمون داخل ہے جو عہد کی وفا اور احکام شرع کی تابعداری کا حکم دیا گیا ہے اور جو اس میں نعمت کو مکمل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے یہ رخصت نعمت کی تکمیل سے ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ کے مراد میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک جماعت نے کہا: یہ لفظ نماز کے ہر قیام کو شامل ہے خواہ وہ قائم پاک ہو یا محدث ہو، پس اس کے لیے مناسب ہے کہ جب نماز کے قیام کے لیے کھڑا ہو تو وضو کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے اور یہ آیت تلاوت کرتے تھے۔ ابو محمد دارمی نے اپنی مسند

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 160

میں یہ ذکر کیا ہے، اس کی مثل عکرمہ نے روایت کیا ہے۔ ابن سیرین نے کہا: خلفاء ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت محکمہ ہے اس میں نسخ نہیں ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ حضرت عبد اللہ بن حنظلہ بن ابی عامر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے وقت وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا، پس آپ پر یہ شاق گزرا تو آپ کو مسواک کا حکم دیا گیا وضو کا حکم اٹھالیا گیا مگر حدث کی صورت میں۔ حضرت علقمہ بن فغواء نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے وہ صحابہ میں سے تھے اور یہ تبوک کی طرف دلیل (راہنما) تھے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کے لیے نازل ہوئی کیونکہ آپ کوئی عمل نہیں کرتے تھے مگر باوضو ہو کر، نہ کسی سے بغیر وضو کے کلام کرتے تھے، نہ کسی کو بغیر وضو کے سلام کا جواب دیتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے آگاہ فرمایا کہ وضو صرف نماز کے قیام کے لیے ہے دوسرے اعمال کے لیے وضو نہیں ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس آیت سے مراد فضیلت طلب کرنے کے لیے ہر نماز کے لیے وضو ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے حتی کہ فتح مکہ کے روز ایک وضو کے ساتھ پانچوں نمازوں کو جمع کیا تاکہ امت کے لیے مسئلہ بیان ہو جائے کہ ایک وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: اس قول کا ظاہر یہ ہے کہ نسخ کے ورود سے پہلے ہر نماز کے لیے وضو مستحب تھا واجب نہ تھا حالانکہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جب کوئی امر وارد ہوتا ہے تو اس کا مقتضا وجوب ہوتا ہے خصوصاً صحابہ کرام کے نزدیک جیسا کہ ان کی سیرت سے معروف ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: پہلے ہر نماز کے لیے وضو فرض تھا پھر فتح مکہ کے موقع پر منسوخ ہو گیا۔ یہ حضرت انس کی حدیث کی وجہ سے غلط ہے انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا حکم اس سے مختلف تھا۔ یہ حدیث آگے آئے گی۔

اور حضرت سوید بن نعمان کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صہباء کے مقام پر ایک وضو کے ساتھ عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھیں اور یہ غزوہ خیبر میں تھا اور یہ سن 6 ہجری تھا۔ بعض نے کہا: سات ہجری تھا اور فتح مکہ آٹھ ہجری میں تھا۔ یہ حدیث صحیح ہے جسے امام مالک نے موطا میں روایت کیا تھا۔ اس کو بخاری اور مسلم نے بھی تخریج کیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے ظاہر ہو گیا کہ فتح مکہ سے پہلے ہر نماز کے لیے وضو فرض نہیں تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسلم نے حضرت بریدہ بن الحصیب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے جب فتح مکہ کا دن تھا تو آپ نے ایک وضو کے ساتھ (پانچ) نمازیں پڑھیں اور خفین پر مسح کیا، حضرت عمر نے کہا: حضور! آج آپ نے ایسا کام کیا ہے جو پہلے کبھی نہیں کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر! یہ میں نے جان بوجھ کر کیا ہے (1)۔ حضرت عمر نے یہ سوال کیوں کیا تھا اور یہ استفسار کیوں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ سوال اس لیے کیا کہ خیبر کی نماز سے لے کر آج تک جو نماز پڑھتے تھے اس کی عادۃً مخالفت تھی۔ ترمذی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے خواہ آپ طاہر ہوتے یا غیر طاہر ہوتے، حمید نے کہا: میں نے حضرت انس سے پوچھا: تم کیسے کرتے تھے؟ حضرت انس نے کہا: ہم ایک وضو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارات، جلد 1، صفحہ 135

کرتے تھے (1)۔ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے فرمایا: ''وضو پر وضو نور ہے (2)'' نبی کریم ﷺ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے۔ ایک شخص نے آپ پر سلام کیا جب کہ آپ پیشاب کر رہے تھے آپ نے اسے جواب نہ دیا حتی کہ تیمم کیا پھر سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ''میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کا ذکر کروں مگر طہارت پر''۔ اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ سدی اور زید بن اسلم نے کہا: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ کا معنی یہ ہے کہ جب تم بستروں سے اٹھ کر نماز کا ارادہ کرو۔ اس تاویل سے مقصود تمام احداث کو شامل کرنا ہے خصوصاً نیند جس کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ فی نفسہ حدث ہے یا نہیں۔ اس تاویل پر آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے یایها الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوة من النوم او جاء احد منکم من الغائط او لامستم النساء فاغسلوا۔ اے ایمان والو جب تم نیند سے نماز کی طرف کھڑے ہو یا تم میں سے کوئی پائخانہ سے آئے یا عورتوں کو چھوئے، تو غسل کرو۔ محدث جسے حدث اصغر لاحق ہوتا ہے اس کے احکام مکمل ہوئے پھر فرمایا: وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا یہ ایک دوسرا حکم ہے پھر دونوں نوعوں کے لیے اکٹھا فرمایا: وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ یہ تاویل محمد بن مسلمہ نے کی ہے جو امام مالک کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ اور جمہور علماء نے فرمایا: آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم نماز کی طرف کھڑے ہو جب کہ تم حدث کی حالت میں ہو۔ آیت میں اس بنا پر تقدیم و تاخیر نہیں ہے بلکہ آیت میں پانی پانے والے پر حکم مرتب ہوا ہے فَاطَّهَّرُوْا کے قول تک ملامست صغری محدثین (حدث والے) میں داخل ہے پھر وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا کے قول کے بعد دونوں قسموں میں سے پانی نہ پانے والے کا حکم ذکر کیا۔ ملامست سے مراد جماع ہے ایسا جنبی جو پانی کو نہ پانے والا ہو جس طرح اس کا ذکر ضروری ہے اسی طرح پانی پانے والے کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یہ تاویل امام شافعی وغیرہ کی ہے اس کے مطابق صحابہ کے اقوال ہیں جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابن عباس، حضرت ابو موسیٰ اشعری وغیرہم (3)۔

میں کہتا ہوں: یہ دونوں تاویلیں ان تمام تاویلات سے بہتر ہیں جو اس آیت کے متعلق کی گئی ہیں، واللہ اعلم۔ اِذَا قُمْتُمْ کا معنی ہے جب تم ارادہ کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ (النحل: 98) یعنی جب تو ارادہ کرے۔ کیونکہ نماز کی طرف قیام کی حالت میں وضو کرنا ممکن نہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ اللہ تعالیٰ نے چار اعضاء کا ذکر فرمایا: چہرہ، اس کا فرض دھونا ہے اور اسی طرح دونوں ہاتھوں کا حکم ہے، سر، اس کا فرض مسح ہے، اس پر اتفاق ہے۔ پاؤں کے بارے اختلاف ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اس کے علاوہ کچھ ذکر نہیں کیا۔ یہ دلیل ہے کہ اس کے علاوہ سب آداب اور سنن ہیں۔ واللہ اعلم۔ چہرے کے دھونے میں چہرے کی طرف پانی کا نقل کرنا ضروری ہے اور چہرے پر ہاتھوں کا گزارنا ضروری ہے ہمارے نزدیک یہی غسل

1۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارات، جلد 1، صفحہ 10
2۔ اتحاف السادۃ المتقین، اسرار الطہارۃ، جلد 2، صفحہ 595
3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 160

کی حقیقت ہے۔ ہم نے سورۃ النساء میں اس کو بیان کیا ہے۔ ہمارے علاوہ دوسرے علماء نے کہا: اس پر پانی کا بہانا واجب ہے اور ہاتھ سے ملنا واجب نہیں ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کوئی شخص پانی میں غوطہ لگائے چہرہ اور ہاتھ ڈوب جائیں اور وہ اسے ملے نہیں، تو کہا جائے گا: اس نے چہرے اور ہاتھوں کو دھویا۔ معلوم ہے کہ اسم کے حصول کے علاوہ کا اس میں اعتبار نہیں جب وہ حاصل ہو جائے تو کافی ہوتا ہے۔ لغت میں الوجہ، المواجهة سے ماخوذ ہے یہ ایک عضو ہے جو کئی اعضاء پر مشتمل ہے اس کا طول اور عرض ہے طول میں اس کی حد پیشانی کی سطح کی ابتدا سے جبڑوں کی انتہا تک ہے اور عرضا ایک کان سے دوسرے کان تک ہے۔ یہ تو امرد (بے ریش) کے لیے ہے، رہا داڑھی والا جب اس کی ٹھوڑی پر بال ہوں تو وہ یا تو خفیف ہوں گے یا کثیف ہوں گے اگر داڑھی خفیف ہو جس سے جلد ظاہر ہوتی ہو تو جلد تک پانی پہنچانا واجب ہے اور اگر داڑھی گھنی ہو تو فرض اس کی طرف منتقل ہو گا جیسے سر کے بال ہیں پھر وہ بال جو ٹھوڑی سے زائد ہیں اور داڑھی سے لٹکے ہوئے ہیں۔ سحنون نے ابن القاسم سے روایت کیا کہ میں نے امام مالک سے سنا ان سے پوچھا گیا: کیا آپ نے کسی اہل علم سے سنا ہے کہ داڑھی چہرے سے ہے اس پر پانی گزارنا چاہیے؟ امام مالک نے کہا: ہاں اور وضو میں اس کا خلال کرنا لوگوں کے امر سے نہیں ہے اس پر عیب لگایا جس نے ایسا کیا۔ ابن القاسم نے امام مالک سے یہ بھی روایت کیا ہے فرمایا: وضو کرنے والا اپنی داڑھی کے ظاہر کو حرکت دے اس میں ہاتھ داخل کیے بغیر۔ فرمایا: یہ پاؤں کی انگلیوں کی مثل ہے۔ ابن عبد الحکم نے کہا: داڑھی کا خلال کرنا وضو اور غسل میں واجب ہے۔ ابو عمر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کا وضو میں خلال کیا۔ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ ابن خویز منداد نے ذکر کیا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے یہ وضو میں داڑھی کا خلال کرنا واجب نہیں ہے مگر ایک روایت سعید بن جبیر سے مروی ہے ان کا قول ہے: کیا وجہ ہے کہ داڑھی اگنے سے پہلے داڑھی کو دھوتا ہے اور جب داڑھی اگ آتی ہے تو اسے نہیں دھوتا؟ کیا وجہ ہے کہ مرد اپنی ٹھوڑی کو دھوتا ہے اور داڑھی والا نہیں دھوتا؟ امام طحاوی نے فرمایا: تیمم واجب ہے اس میں جلد کا مسح کرنا ہے چہرے میں بال اگنے سے پہلے۔ پھر تمام علماء کے نزدیک داڑھی اگنے کے بعد جلد کا مسح ساقط ہو جاتا ہے، اسی طرح وضو کا حکم ہے۔ ابو عمر نے کہا: جس نے تمام داڑھی کا دھونا واجب قرار دیا ہے اس نے اسے چہرے میں شمار کیا ہے، کیونکہ وجہ، المواجہہ سے ماخوذ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مطلقاً وجہ (چہرہ) دھونے کا حکم دیا ہے اس سے امرد سے داڑھی والے کو خاص نہیں کیا پس ظاہر قرآن کے مطابق اس کا دھونا واجب ہے، کیونکہ وہ جلد کا بدل ہے۔

میں کہتا ہوں: اس قول کو ابن عربی نے اختیار کیا ہے، انہوں نے کہا: اور میں بھی یہی کہتا ہوں کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک کو دھوتے تھے (1)۔ اس کو ترمذی وغیرہ نے تخریج کیا ہے، فعل کے ساتھ محتمل متعین ہو گیا۔ ابن المنذر نے اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جس نے داڑھی کا خلال جان بوجھ کر ترک کیا وہ اعادہ کرے۔ ترمذی نے حضرت عثمان بن عفان سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ ابو عمر نے کہا: اور جنہوں نے داڑھی کے لٹکے ہوئے بالوں کا دھونا واجب قرار نہیں دیا ان کا نظریہ یہ ہے کہ اصل جس کا حکم دیا وہ ہے جلد

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 563

2۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارات، جلد 1، صفحہ 6

کا دھونا۔ پس جلد کے اوپر جو ظاہر ہے اس کا دھونا بھی واجب ہے اور داڑھی سے جو لٹکے ہوئے بال ہیں اس کے نیچے والے حصہ کا دھونا واجب نہیں ہے، پس داڑھی کا دھونا اس کا بدل ہے۔ ان کے سامنے رخسار پر جو کان تک بال ہیں ان کے دھونے میں اختلاف ہے۔ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: جو کان پٹی سے پیچھے جو داڑھی کے بالوں کے پیچھے بال ہیں وہ چہرے سے نہیں ہیں۔ ابو عمر نے کہا: میں کسی فقیہ کو نہیں جانتا جس نے ایسا قول کیا ہو جو ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: کان اور اس کے مقابل رخسار کے بالوں کے درمیان جو سفیدی ہے وہ چہرے سے ہے اس کا دھونا واجب ہے، اسی طرح امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سفیدی کا دھونا مستحب ہے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس کا دھونا واجب نہیں مگر امرد کے لیے نہ کہ داڑھی والے کے لیے (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ قاضی عبدالوہاب کا مختار قول ہے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کیا اس پر مواجہۃ کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ واللہ اعلم۔ اس احتمال کے سبب علماء کا اختلاف ہے کیا چہرہ دھونے کا امر ناک اور منہ کے اندر کو دھونے کو شامل ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل اور اسحق وغیرہما کا نظریہ یہ ہے کہ وضو اور غسل میں منہ اور ناک کے اندر کا دھونا واجب ہے مگر امام احمد نے کہا: جو وضو میں ناک میں پانی ڈالنے کو ترک کردے وہ اعادہ کرے اور جس نے کلی کو ترک کیا وہ اعادہ نہ کرے۔ عامۃ الفقہاء کا نظریہ یہ ہے کہ وضو اور غسل میں یہ دونوں سنت ہیں، کیونکہ دھونے کا حکم ظاہر کو شامل ہے باطن کو شامل نہیں اور عرب وجہ اس کو کہتے ہیں جو سامنے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ناک میں پانی ڈالنے اور کلی کرنے کو اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا اور نہ مسلمانوں سے ان کو واجب کہا ہے اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور فرائض صرف ان صورتوں میں ثابت ہوتے ہیں۔ یہ معنی سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔

اور رہی آنکھیں تو ان پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ آنکھوں کے اندر کا حصہ کا دھونا لازم نہیں مگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں میں پانی چھڑکتے تھے (2)، ان کا دھونا ساقط ہے تکلیف کی وجہ سے اور حرج کی وجہ سے (3)۔ ابن عربی نے کہا: اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمر جب نابینا ہوگئے تھے تو وہ اپنی آنکھوں کو دھوتے تھے، کیونکہ اس سے ان کو تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ جب چہرہ کے حکم سے یہ ثابت ہوگیا تو سر میں سے کچھ حصہ بھی چہرہ کے ساتھ دھونا ضروری ہے جس طرح سر کے عموم کے وجوب کے قول پر چہرے میں سے سر کے ساتھ کسی جز کا مسح کرنے سے مقدر نہیں ہوتا، اصول فقہ میں سے ایک اصل پر مبنی ہے وہ یہ کہ جس چیز کے بغیر واجب مکمل نہ ہوتا ہو اس کا حکم بھی واجب ہوتا ہے واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ وضو میں نیت کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: انما الاعمال بالنیات (4)۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: اس میں ایمان، وضو، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور احکام داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ** (بنی اسرائیل: 84) یعنی ہر شخص اپنی نیت پر عمل کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لیکن جہاد اور نیت باقی ہے" (5)۔ اکثر شوافع نے فرمایا: نیت کی ضرورت نہیں۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 563　2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 161　3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 563

4۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 2　5۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، حدیث نمبر 2575، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

یہ احناف کا قول ہے انہوں نے کہا: نیت واجب نہیں ہے مگر ان فروض میں جو مقصود بالذات ہیں اور کسی غیر کا سبب نہیں، پس رہی وہ چیزیں جو کسی دوسرے فعل کی صحت کے لیے شرط ہیں پس وہ امر کے ورود سے واجب نہیں مگر اس دلالت سے جو اس سے متصل ہے۔ طہارت شرط ہے، کیونکہ جس پر نماز فرض نہیں اس پر طہارت کا فرض بھی واجب نہیں جیسے حیض اور نفاس والی عورتیں۔ ہمارے علماء اور بعض شوافع نے اس ارشاد: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ سے دلیل پکڑی ہے پس جب غسل کا فعل واجب ہوا تو نیت فعل کی صحت میں شرط تھی، کیونکہ اللہ کی طرف سے فرض تھا پس جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، اس فعل کا واجب ہونا مناسب ہے۔ جب ہم کہتے ہیں: اس پر نیت واجب نہیں اس پر اس فعل کا قصد واجب نہیں جس کا اللہ نے اسے حکم دیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرے کسی اور غرض کے لیے غسل کرے اس نے واجب کی ادائیگی کا قصد کیا۔ حدیث میں صحیح ہے کہ وضو گناہوں کو مٹاتا ہے اگر یہ بغیر نیت کے صحیح ہوتا تو گناہوں کو نہ مٹاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینہ: 5) نہیں حکم دیا گیا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کے دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن عربی نے کہا: بعض علماء نے کہا: جو شخص غسل کی نیت سے نہر کی طرف نکلا تو یہ نیت اس کے لیے کافی ہوگی اگر راستے میں اس کی نیت جدا ہو گئی۔ اگر حمام کی طرف نکلا اور راستہ میں اس کی نیت جدا ہو گئی تو اس کی نیت باطل ہوگی۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: کم سمجھ مفتیوں نے اس پر یہ قائم کیا کہ نماز کی نیت ہم دو قولوں پر نکالتے ہیں اور انہوں نے اس میں ایک نص ان سے ذکر کی ہے جو ظن اور یقین میں فرق نہیں کرتا اس نے کہا: تکبیر پر نیت کو مقدم کرنا جائز ہے۔ تعجب ہے اس گروہ پر جس نے مفتی اور مجتہد ہونے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اسے نہ توفیق دی اور نہ درست سمت لگایا۔ جان لو اللہ تم پر رحم فرمائے۔ وضو میں نیت کے وجوب میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس میں امام مالک کا قول مختلف ہے جب یہ اتفاق کے مرتبہ سے گر گئی تو بعض مواقع میں اس کی تقدیم کو چھوڑا گیا ہے، رہی نماز تو اس میں ائمہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ یہ اصل مقصود ہے پس اصل مقصود متفق علیہ کو فرع تابع مختلف فیہ پر کیسے محمول کیا جائے گا یہ تو انتہائی عبادت ہے اور رہا روزہ شرع نے اس میں حرج کو اٹھا دیا ہے جب اس کی ابتدا نیت کی تقدیم سے غفلت کے وقت میں ہو (1)۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ علماء کا مرافق کے تحدید میں داخل ہونے میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے کہا: مرافق (کہنیاں) داخل ہیں، کیونکہ (الی) کا مابعد جب ماقبل کی جنس سے ہو تو وہ اس میں داخل ہوتا ہے یہ سیبویہ وغیرہ نے کہا ہے۔ سورۃ البقرہ میں واضح طور پر گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: دھونے میں کہنیاں داخل نہیں ہیں۔ دونوں روایتیں امام مالک سے مروی ہیں، دوسری روایت اشہب کی ہے، پہلی روایت اکثر علماء کا نظریہ ہے اور وہ صحیح ہے، کیونکہ دارقطنی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تو اپنی کہنیوں پر پانی پھیرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: الی بمعنی مع ہے جیسے عربوں کا قول ہے الذود الی الذود ابل۔ اس میں الی بمعنی مع ہے۔ یہ اس کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 567

محتاج نہیں جیسا کہ ہم نے سورۃ النساء میں بیان کیا ہے۔ ہاتھ عربوں کے نزدیک انگلیوں سے لے کر کندھے تک ہے، اسی طرح پاؤں انگلیوں سے لے کر ران تک ہے اور کبھی الید (ہاتھ) کے اسم کے تحت داخل ہے اگر مع المرافق کا معنی ہوتو مفید نہیں جب الی فرمایا کبھی قطعی طور پر غسل میں داخل ہوگئی اور کبھی ناخنوں تک مغسولہ رہی۔ یہ کلام صحیح ہے لغت اور معنی اصول پر جاری ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: مسئلہ کو قاضی ابو محمد نے علیحدہ سمجھا ہے کہ انہوں نے کہا: الی المرافق ہاتھوں میں سے متروک کی حد ہے نہ کہ مغسول کے لیے حد ہے اسی وجہ سے کہنیاں غسل میں داخل ہیں۔

میں کہتا ہوں: جب ہاتھ اور پاؤں کا اطلاق لغت میں اس پر ہوتا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ بغلوں تک ہاتھ اور پنڈلیوں تک پاؤں دھوتے تھے۔ فرماتے ہیں: میں نے اپنے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ''مومن کا زیور وہاں تک ہوگا جہاں تک وضو پہنچتا ہے'' (1)۔ قاضی عیاض نے کہا: لوگوں کا اس کے خلاف پر اجماع ہے کہ وضو میں اس کی حدود سے تجاوز نہ کرے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس نے زیادہ کیا اس نے تعدی اور ظلم کیا'' (2)۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ حضرت ابوہریرہ کا فعل ان کا مذہب تھا اور وہ اس کے ساتھ منفرد تھے انہوں نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حکایت نہیں کیا ہے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انتم الغر المحجلون اور تبلغ الحلیۃ سے استنباط کیا ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے کہ مسح لفظ مشترک ہے، رہا سر اس عضو سے عبارت ہے جس کو لوگ ضرورۃً جانتے ہیں اس میں سے چہرہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے وضو میں اس کا ذکر فرمایا اور چہرہ کو غسل کے لیے متعین فرمایا تو باقی حصہ مسح کے لیے بچ گیا اگر غسل کا ذکر نہ ہوتا تو سر اور چہرہ سب کا مسح کرنا لازم ہوتا یعنی سر کے بال، آنکھیں، ناک، منہ سب کا مسح لازم ہوتا۔ امام مالک نے سر کے مسح کے وجوب میں اس چیز کی طرف اشارہ کیا جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو وضو میں سر کا بعض حصہ ترک کر دیتا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: اگر کوئی چہرہ کا بعض حصہ دھونے سے چھوڑ دے تو کیا جائز ہوگا؟ اسی سے واضح ہوا جو ہم نے ذکر کیا کہ دونوں کان سر سے ہیں اور ان کا حکم، سر کا حکم ہے۔ زہری کا قول اس کے خلاف ہے انہوں نے کہا: یہ دونوں چہرہ سے ہیں چہرہ کے ساتھ ان کو دھویا جائے گا۔ امام شعبی کا قول اس کے خلاف ہے اس نے کہا: کانوں کا جو آگے والا حصہ ہے وہ چہرہ سے ہے اور کانوں کا ظاہر سر سے ہے۔ الرأس (سر) کو راس اس کے علو کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور اس میں بالوں کے اگنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اسی سے راس الجبل (پہاڑ کی چوٹی) ہے ہم نے کہا کہ سر جملہ اعضاء کا نام ہے کیونکہ شاعر کا قول ہے:

إذا احتملوا رأسي وفي الرأس أكثري وغُودِر عند المُلْتَقَى ثم سائِرِي

مسئلہ نمبر 8۔ سر کے مسح کی تقدیر میں علماء کے گیارہ اقوال ہیں۔ تین اقوال امام ابو حنیفہ کے ہیں، دو قول امام شافعی کے ہیں اور چھ اقوال ہمارے علماء کے ہیں۔ ان سے صحیح ایک ہے اور وہ پورے سر کے مسح کا وجود ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 127

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 34۔ ایضاً، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 415، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ پورے سر کا مسح کرنا بہتر ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے وہ کیا جو اس پر لازم تھا۔ با مؤکدہ زائدہ ہے، تبعیض کے لیے نہیں ہے اس کا معنی ہے وَامْسَحُوْا رُءُوْسَكُمْ بعض علماء نے فرمایا: اس کا دخول یہاں تیمم میں اس کے دخول کی طرح ہے فرمایا: فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ اگر اس کا معنی تبعیض ہوتا تو اس جگہ بھی تبعیض کا فائدہ دیتی۔ یہ قطعی بات ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: با داخل ہوئی ہے تاکہ بدیع معنی کا فائدہ دے، غسل لغۃً مغسول بہ کا تقاضا کرتا ہے اور مسح لغۃً ممسوح بہ کا تقاضا نہیں کرتا اگر وامسحوا رؤسکم ہوتا تو سر پر کسی چیز کے بغیر ہاتھ کو گزارتے ہوئے مسح کرنا جائز ہوتا پس با داخل ہوئی تا کہ ممسوح بہ کا فائدہ دے اور وہ پانی ہے گویا فرمایا: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمُ الماء اور یہ لغت دو اعتبار سے فصیح ہے، یا تو قلب کے اعتبار سے جیسا کہ سیبویہ نے کہا ہے:

كَنَواحِ رِيش حَمامة نَجْدِيَةٍ ومسحت باللِّثتين عَصْفَ الاُثْمِدِ

اثمد کے عصف کے ساتھ ممسوحۃ، اللثۃ ہے پھر قلب کیا گیا۔ یا فعل میں اشتراک کی بنا پر اور اس کی نسبت تساوی کی بنا پر جیسے شاعر کا قول ہے:

مثل القَنافذِ هَدّاجون قد بَلَغت نجران أو بلغت سَوْءاتهم هَجَرُ

یہ ہمارے علماء کی با کے معنی کے بارے میں گفتگو ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے قول وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ میں بعض سر اور تمام سر کا احتمال ہے اور سنت دلالت کرتی ہے کہ بعض سر کا مسح کافی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی پیشانی پر مسح کیا(1)۔ دوسری جگہ فرمایا: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ تیمم میں کیا بعض چہرہ پر مسح کرنا کافی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تیمم میں چہرے کا مسح، غسل کا بدل ہے، پس غسل کی پوری جگہ پر مسح کرنا ضروری ہے۔ سر کا مسح اصل ہے۔ یہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔ ہمارے علماء نے حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شاید یہ کسی عذر کی وجہ سے کیا ہو خصوصاً آپ ﷺ نے یہ فعل سفر میں کیا تھا اور یہ اعذار کی جگہ ہے اور جلدی اور اختصار کا مقام ہے اور اکثر فرائض مشقت اور خطرے کی وجہ سے حذف ہو جاتے ہیں۔ پھر آپ نے پیشانی پر اکتفا نہیں کیا حتی کہ عمامہ پر مسح کیا، مسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث سے نقل کیا ہے(2)، اگر پورے سر کا مسح واجب نہ ہوتا تو عمامہ پر مسح نہ کرتے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 9۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ ایک دفعہ پورے سر کا مسح کرنا کافی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اپنے سر کا تین مرتبہ مسح کرے۔ حضرت انس، سعید بن جبیر اور عطا سے مروی ہے۔ ابن سیرین دو مرتبہ مسح کرتے تھے۔ ابو داؤد نے کہا: حضرت عثمان کی تمام احادیث جو صحیح ہیں دلالت کرتی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ ہے۔ انہوں نے تین مرتبہ وضو کا ذکر کیا انہوں نے کہا: سر کا مسح کیا اور عدد کا ذکر نہیں کیا(3)۔

مسئلہ نمبر 10۔ علماء کا اختلاف ہے کہ مسح کا آغاز کہاں سے کرے؟ امام مالک نے کہا: سر کے اگلے حصہ سے شروع

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 134 2۔ ایضاً

3۔ سنن ابی داود، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 15۔ ایضاً صحیح بخاری، حدیث نمبر 155، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کرے پھر اپنے ہاتھوں کو پیچھے کی طرف لے جائے پھر آگے کی طرف لے آئے۔ یہ حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث کے مطابق ہے جس کو مسلم نے تخریج کیا ہے۔ امام شافعی اور احمد بن حنبل نے بھی یہی کہا ہے۔ حسن بن حی فرماتے تھے: سر کے پچھلے حصہ سے شروع کرے۔ انہوں نے ربیع بنت معوذ بن عفراء کی حدیث کی بنا پر یہ کہا ہے، اس حدیث کے الفاظ مختلف ہیں اس کا دارومدار عبداللہ بن محمد بن عقیل پر ہے اور محدثین کے نزدیک یہ حافظ نہیں ہے۔ ابوداؤد نے بشر بن مفضل عن عبداللہ عن الربیع کی روایت سے تخریج کیا ہے، ابن عجلان نے عنہ عن الربیع کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پاس وضو کیا اور سارے سر کا مسح کیا بالوں کی چوٹی سے ہر طرف سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں کو اپنی ہیئت سے حرکت نہیں دیتے تھے(1)۔ یہ صفت حضرت ابن عمر سے مروی ہے وہ سر کے درمیان سے مسح شروع کرتے تھے اور اس باب میں اصح ترین حدیث حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث ہے۔ اور جو بعض سر کے مسح کو جائز قرار دیتے ہیں وہ آگے والے بعض حصہ کا نظریہ رکھتے ہیں، ابراہیم اور شعبی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اپنے سر کی دونوں اطراف میں جس طرف کا بھی مسح کرے جائز ہوگا۔ حضرت ابن عمر نے صرف الیافوخ کا مسح کیا اور اجماع منعقد ہے کہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ اکٹھا مسح کرنا بہتر ہے اور اجزاء پر مسح جائز ہے اگر ایک ہاتھ سے مسح کرے۔ اور اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے ایک انگلی سے مسح کیا حتی کہ اس کا نظریہ ہے سر کے کسی حصہ پر مسح جائز ہے۔ یہ سفیان ثوری کا قول ہے سفیان نے کہا: اگر ایک انگلی کے ساتھ سر کا مسح کیا تو جائز ہے۔ بعض نے فرمایا: جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ مسح کی سنت سے خروج ہے گویا وہ کھیلنے والا ہے مگر یہ کہ مرض کی وجہ سے ضرورت ہو، پس مناسب ہے کہ اجزاء میں مختلف نہ ہو امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: تین انگلیوں سے کم انگلیوں کے ساتھ سر کا مسح کرنا جائز نہیں۔ پھر سر کے بالوں پر ہاتھوں کو لوٹانے میں اختلاف ہے کیا یہ فرض ہے یا سنت ہے؟ اس بات پر اجماع ہونے کے بعد کہ پہلا مسح فرض ہے اور جمہور کے نزدیک یہ سنت ہے بعض علماء نے فرمایا: یہ فرض ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اگر متوضی مسح کی جگہ سر کو دھودے تو ابن عربی نے کہا: ہم اس میں کوئی اختلاف نہیں جانتے کہ یہ جائز ہے مگر ہمیں امام فخر الاسلام الشاشی نے اپنے درس میں ابوالعباس بن القاص سے روایت کر کے بتایا کہ یہ جائز نہیں ہے، یہ داؤد کے مذہب میں غلو ہے، ظاہر کی اتباع کی وجہ سے فاسد ہے اور شریعت کو باطل کرنے والا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے فرمایا: یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ (الروم: 7) اور فرمایا: اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ (الرعد: 33)

حالانکہ یہ غسل کرنے والا وہ بھی کرنے والا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا تھا اور زیادتی بھی اس نے کی۔ اگر کہا جائے کہ یہ زیادتی اس لفظ سے خارج ہے جس کا مکلف کیا گیا تھا، ہم کہیں گے: فعل کو محل تک پہنچانے کے معنی سے خارج نہیں۔ اسی طرح اگر سر کا مسح کیا پھر حلق کرالیا تو اس پر مسح کا اعادہ نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ دونوں کان امام مالک، امام احمد، ثوری اور امام ابوحنیفہ وغیرہم کے نزدیک سر سے ہیں پھر نئے پانی سے ان کے مسح میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام احمد نے کہا: نئے پانی کے ساتھ کانوں کا مسح کرے، اس پانی کے سوا جس

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 17۔ ایضاً صحیح بخاری، کتاب الوضوء، حدیث نمبر 179، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کے ساتھ سر کا مسح کیا تھا، جیسا کہ حضرت ابن عمر نے کہا تھا، اسی طرح امام شافعی نے نئے پانی کا کہا ہے انہوں نے فرمایا: ان کا مسح کرنا سنت ہے نہ یہ چہرہ سے ہیں اور نہ سر سے ہیں، کیونکہ علماء کا اتفاق ہے کہ کانوں پر جو بال ہیں حج میں ان کا حلق نہیں ہے۔ ابوثور کا قول اس مسئلہ میں امام شافعی کے قول کی طرح ہے۔ ثوری اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: سر کے ساتھ ایک پانی کے ساتھ کانوں کا مسح کیا جائے گا۔ سلف صالحین کی جماعت سے صحابہ اور تابعین سے اس قول کی مثل مروی ہے۔ داؤد نے کہا: اگر کانوں کا مسح کیا تو بہتر ہے ورنہ اس پر کچھ واجب نہیں، کیونکہ قرآن میں دونوں کا ذکر نہیں۔ اسے کہا جائے گا: راس کا اسم ان دونوں واپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ نسائی اور ابوداؤد وغیرہما کی کتابوں میں احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کے ظاہر اور باطن کا مسح کیا اور اپنی انگلیوں کو کانوں کے سوراخوں میں داخل کیا (ا)۔ اور کتاب اللہ میں ان کا عدم ذکر دلالت کرتا ہے کہ یہ فرض نہیں ہے جیسا کہ چہرے اور ہاتھوں کا ذکر ہے اور کانوں کے مسح کی سنت حدیث سے ثابت ہے اہل علم متوضی کے لیے اپنے کانوں کے مسح کے ترک کو ناپسند کرتے ہیں کانوں کو ترک کے سنت کا ترک بناتے ہیں اور اس پر اعادہ کو واجب نہیں کرتے مگر اسحاق نے کہا: اگر کانوں کا مسح ترک کرے تو جائز نہیں۔ احمد نے کہا: اگر کانوں کا مسح جان بوجھ کر ترک کرے تو میں اعادہ پسند کرتا ہوں۔ علی بن زیاد مالکی سے مروی ہے انہوں نے کہا: جس نے وضو یا نماز کی سنت میں کسی سنت کو جان بوجھ کر ترک کیا تو وہ اعادہ کرے۔ یہ فقہاء کے نزدیک ضعیف ہے۔ سلف میں سے اس کا کوئی قائل نہیں اور نظر اس کا تقاضا کرتی ہے اگر اس طرح ہوتا تو اس کے علاوہ فرض واجب معروف نہ ہوتا۔ جس نے کہا: کان چہرے سے ہیں انہوں نے اس حدیث سے حجت پکڑی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدہ میں یہ کہتے تھے سجد وجھی للذی خلقه وصورہ وشق سمعه وبصرہ (1)۔ میرے چہرے نے سجدہ کیا اس ذات کے لیے جس نے اسے پیدا کیا اور اس کی تصویر بنائی اور اس کی سمع وبصر کو بنایا۔ سمع کی نسبت چہرہ کی طرف کی پس ثابت ہوا کہ ان کے لیے چہرہ کا حکم ہے۔ مصنف ابی داؤد میں حضرت عثمان کی حدیث میں ہے کہ یکبارگی کانوں کے ظاہر و باطن کو دھویا پھر اپنے پاؤں کو دھویا پھر فرمایا: وضو کے متعلق سوال کرنے والے کہاں ہیں؟ میں نے اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا ہے (2)۔ جنہوں نے کہا: کانوں کو چہرہ کے ساتھ دھویا جائے گا اور ان کے باطن کا سر کے ساتھ مسح کیا جائے گا انہوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چہرہ کو دھونے کا حکم دیا اور سر کے مسح کا حکم دیا پس جو کانوں میں سے سامنے ہے اس کا دھونا واجب ہے، کیونکہ وہ چہرہ سے ہے اور جو سامنے نہیں ہے اس کا مسح واجب ہے، کیونکہ وہ سر سے ہے۔ اس قول کو آثار رد کرتے ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کانوں کے ظاہر اور کانوں کے باطن کا مسح کرتے تھے۔ یہ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت ابن عباس اور حضرت ربیع وغیرہم کی حدیث سے ثابت ہے۔ اور جنہوں نے کہا: وہ دونوں سر سے ہیں انہوں نے اس حدیث

1۔ جامع الترمذی، کتاب الدعوات، جلد 2، صفحہ 179۔ ایضاً، حدیث نمبر 529، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 15

(ا) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، حدیث نمبر 105-106، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سے حجت پکڑی ہے جو صنابحی سے مروی ہے: ''جب سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر سے خطائیں نکل جاتی ہیں حتی کہ کانوں سے خطائیں نکل جاتی ہیں'' (1)۔ اس حدیث کو امام مالک نے تخریج کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَرْجُلَكُمْ نافع، ابن عامر اور کسائی نے اَرْجُلَكُمْ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ولید بن مسلم نے نافع سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ارجلکم کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ حسن، اعمش سلیمان کی قرأت ہے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور حمزہ نے وارجلکم کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان قرأتوں کی وجہ صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے، جس نے نصب کے ساتھ پڑھا انہوں نے فَاغْسِلُوْا کو عامل بنایا، انہوں نے پاؤں میں دھونا فرض کیا ہے نہ کہ مسح۔ یہ جمہور علماء کا مذہب ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے قول سے بطور لازم ثابت ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کو وضو کرتے دیکھا جب کہ ان کی ایڑیاں (خشکی کی وجہ سے) چمک رہی تھیں تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا: ''خشک ایڑیوں کے لیے آگ کی ہلاکت ہے، مکمل وضو کرو'' (2)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی حد بیان فرمائی فرمایا: اِلَى الْكَعْبَيْنِ ٹخنوں تک۔ جیسا کہ ہاتھوں کے بارے میں فرمایا: اِلَى الْمَرَافِقِ یہ ٹخنوں کے دھونے کے وجوب پر دلیل ہے۔ واللہ اعلم۔ اور جنہوں نے جر کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے با کو عامل بنایا ہے۔ ابن عربی نے کہا: پاؤں کے دھونے کے وجوب پر علماء کا اتفاق ہے اور مجھے معلوم نہیں کسی نے اس کو رد کیا ہو، سوائے طبری کے جو مسلمانوں کے فقہاء سے ہیں اور رافضیوں اور طبری نے جر کی قرأت سے استدلال کیا ہے۔

میں نے کہا: حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا: وضو میں دو چیزیں دھوئی جاتی ہیں اور دو پر مسح کیا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ حجاج نے الاہواز میں خطبہ دیا اور وضو کا ذکر کیا، اس نے کہا: اپنے چہروں اور ہاتھوں کو دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو دھوؤ، کیونکہ کوئی چیز ابن آدم سے اس کے قدموں کی نسبت خبث کے قریب نہیں ہے پس تم اس کے بطون، ظہور ایڑھی کے اوپر کے حصہ کو دھوو۔ یہ حضرت انس بن مالک نے سنا اور کہا: اللہ نے سچ فرمایا اور حجاج نے غلط کہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلِكُمْ۔ فرمایا: جب وہ پیروں کا مسح کرتے تھے تو انہیں پانی سے تر کرتے تھے۔ حضرت انس سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: قرآن مسح کے ساتھ نازل ہوا اور سنت غسل کے ساتھ وارد ہوئی۔ عکرمہ اپنے پاؤں پر مسح کرتے تھے انہوں نے کہا: پاؤں میں غسل نہیں ان کے بارے میں مسح نازل ہوا۔ عامر شعبی نے کہا: جبریل مسح کے ساتھ نازل ہوئے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ تیمم میں اس کا مسح کیا جاتا ہے جن کو دھویا جاتا ہے اور جن پر مسح کیا جاتا ہے انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے دو غسل اور دو مسح فرض کیے۔ ابن جریر طبری کا نظریہ یہ ہے کہ پاؤں میں فرض غسل اور مسح کے درمیان اختیار ہے اور انہوں نے دونوں قرأتوں کو دو روایتوں کی طرح بنایا ہے۔ نحاس نے کہا: جو کچھ اس مسئلہ میں کہا گیا ہے اس میں سے بہتر یہ ہے کہ مسح اور غسل دونوں واجب ہیں، مسح جر کی قرأت کرنے والے کی قرأت پر

1۔ موطا امام مالک، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 31

2۔ سنن ابی داود، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 13۔ ایضاً صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر 58، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

واجب ہے اور غسل نصب کی قرأت کرنے والے کی قرأت پر واجب ہے دونوں قرأتیں دو آیتوں کی طرح ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: ایک قوم جنہوں نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے ان کا نظریہ ہے کہ پاؤں میں مسح سے مراد دھونا ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ہے، کیونکہ مسح کا لفظ مشترک ہے مسح اور دھونے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہروی نے کہا: ہمیں زہری نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابوبکر محمد بن عثمان بن سعید دارمی نے بتایا انہوں نے ابو حاتم سے انہوں نے زید انصاری سے روایت کیا ہے فرمایا: مسح کلام عرب میں کبھی غسل کے لیے اور کبھی مسح کے لیے ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے جب آدمی وضو کرے اور اعضاء کو دھوئے، قد تمسح اس نے مسح کیا۔ کہا جاتا ہے: مسح اللہ مالک۔ جب اللہ تعالیٰ نے تجھے گناہوں سے پاک کیا۔ جب عربوں سے نقل کے ساتھ ثابت ہے کہ مسح غسل کے معنی میں ہوتا ہے پس اس کا قول راجح ہوا جس نے کہا: جر کی قرأت سے مراد غسل ہے۔ نصب کی قرأت جس میں کوئی احتمال نہیں ہے اس سے مراد بھی غسل ہے اور کثرت احادیث سے ثابت بھی غسل ہے اور ان کے دھونے کے ترک پر وعید اخبار صحیحہ میں وارد ہے جن کی کثرت کو شمار نہیں کیا جا سکتا، ان احادیث کو ائمہ نے تخریج کیا ہے، پھر سر میں مسح ان کے درمیان داخل ہے جو چیزیں دھوئی جاتی ہیں ترتیب کے بیان کے لیے اس بنا پر کہ رجلین سے پہلے مفعول ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وارجلکم الی الکعبین وامسحوا برؤسکم۔

جب الرأس (سر) الرجلین (پاؤں) سے پہلے مفعول تھا تلاوت میں ان پر مقدم کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ نہ یہ کہ دونوں سر کے ساتھ مشترک ہیں، کیونکہ تطہیر کی صفت میں ان پر اس کو مقدم کیا۔

عاصم بن کلیب نے ابو عبد الرحمن سلمی سے روایت کیا ہے فرمایا: حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے مجھ پر وارجلکم پڑھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سنا جب کہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر رہے تھے فرمایا: وَ اَرْجُلَكُمْ یہ کلام میں مقدم اور مؤخر میں سے ہے۔

ابو اسحاق نے حارث سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: اغسلوا الاقدام الی الکعبین اپنے قدموں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے ارجلکم نصب کے ساتھ پڑھا۔ بعض علماء نے فرمایا: الرجلین میں جر ان کے مسح کی قید کے لیے آئی ہے لیکن جب کہ ان پر خفین ہوں اور یہ قید ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسح کرنا صحیح ثابت نہیں مگر جب ان پر خفین تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے اس حالت کو بیان کیا جس میں پاؤں دھوئے جاتے ہیں اور اس حالت کو بیان کیا جس میں مسح کیا جاتا ہے۔ یہ بہتر قول ہے۔ اگر کہا جائے کہ خفین پر مسح سورۃ المائدہ کے ساتھ منسوخ ہے (2)۔ یہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: مسح کو حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے رد کیا اور امام مالک نے بھی اس کا ایک روایت میں انکار کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے کسی چیز کی نفی کی اور دوسرے نے اس کا اثبات کیا تو نافی کے لیے حجت نہیں۔ خفین پر مسح کو بہت سے صحابہ اور تابعین نے ثابت کیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مجھے ستر صحابہ نے بتایا کہ وہ خفین پر مسح کرتے تھے اور نقل صحیح کے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 163
2۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 14

ساتھ ہمام سے ثابت ہے فرمایا: جریر نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور خفین پر مسح کیا۔ ابراہیم نخعی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور خفین پر مسح کیا۔ ابراہیم نخعی نے فرمایا: اس حدیث کو وہ پسند کرتے تھے۔ کیونکہ جریر کا اسلام سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد تھا (1)۔ یہ نص ہے اس کو رد کرتی ہے جو انہوں نے ذکر کیا اور انہوں نے جس روایت سے حجت پکڑی ہے وہ یہ ہے واقدی عن عبدالحمید بن جعفر عن ابیہ جریر نے سولہ رمضان کو اسلام قبول کیا اور المائدہ ذی الحجہ میں یوم عرفات کو نازل ہوئی۔ یہ حدیث اپنے ضعف کی وجہ سے ثابت نہیں۔ اس سورۃ میں سے عرفہ کے دن **اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ** نازل ہوا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: میں مسح علی الخفین میں جریر کی حدیث کو بہتر سمجھتا ہوں، کیونکہ ان کا اسلام سورہ مائدہ کے نزول کے بعد ہے اور جو حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ سے مروی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور حضرت عائشہ کے پاس اس کا علم نہیں تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ نے سائل کو حضرت علی کی طرف لوٹایا تھا اور ان کی طرف سائل کو پھیرا تھا، حضرت عائشہ نے سائل کو فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ الحدیث (2)

اور رہے امام مالک جو ان سے انکار مروی ہے وہ منکر ہے، صحیح نہیں ہے، صحیح وہ ہے جو انہوں نے اپنی موت کے وقت ابن نافع کو کہا: میں اپنے لیے طہارت کو پسند کرتا ہوں اور جس نے مسح پر اکتفا کیا اس میں حرج نہیں دیکھتا۔ اسی پر محمول کیا امام احمد بن حنبل نے جو ابن وہب نے ان سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: میں سفر و حضر میں مسح نہیں کرتا۔ امام احمد نے کہا: جس طرح حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو خفین پر مسح کرنے کا حکم دیا اور خود خفین اتار کر وضو کیا اور فرمایا: مجھے وضو محبوب ہے۔ اسی طرح حضرت ابوایوب سے مروی ہے، احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے اس بنا پر مسح کو ترک کیا جس بنا پر حضرت ابن عمر، حضرت ابوایوب اور امام مالک نے ترک کیا تو میں اس پر انکار نہیں کروں گا، ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور اس پر عیب نہیں لگائیں گے مگر یہ کہ وہ اس کو ترک کر دے اور وہ اس طرح اس کو نہ دیکھے جس طرح اہل بدعت نے کیا ہے، پس اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ واللہ اعلم۔ بعض علماء نے کہا: ارجلکم لفظ پر معطوف ہے معنی پر معطوف نہیں یہ غسل پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ معنی کی رعایت ہوتی ہے نہ لفظ کی۔ جر، جوار کی وجہ سے ہے جس طرح عربوں نے کہا ہے اور قرآن میں اور دوسری عرب کلام میں یہ پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۬ وَّ نُحَاسٌ** (الرحمن: 35) جر کے ساتھ ہے (☆)۔ کہا: نحاس دھواں ہے اور فرمایا: **هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ۙ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۠** (البروج) امراء القیس نے کہا:

كَبِيرُ أُنَاسٍ فِي بِجَادٍ مُزَمَّلِ

مزمل کو جر، جوار کی وجہ سے ہے مزمل مرد ہے اس کا اعراب رفع ہے۔ زہیر نے کہا:

لَعِبَ الزمانُ بها وغَيَّرَها　　بعدي سَوَا فِي المُورِ والقَطْرِ

ابوحاتم نے کہا: القطر پر رفع تھا لیکن المور کے جوار کی وجہ سے اس کو جر دی گئی ہے جس طرح عربوں نے کہا ہے: ھذا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 133-132　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 135

☆ یعنی ایک قراءت میں نحاس جر کے ساتھ ہے۔

جحر ضب خراب۔ انہوں نے اس (خرب) کو جر دی ہے حقیقۃً اس کا اعراب رفع ہے یہ اخفش، ابو عبیدہ کا مذہب ہے۔ نحاس نے اس کو رد کیا ہے، فرمایا: یہ قول غلط ہے، کلام میں جواز نہیں ہوتا کہ اس پر قیاس کیا جائے یہ غلط ہے اس کی مثال الاقواء ہے۔

میں نے کہا: اس میں قطعی باب یہ ہے کہ پاؤں میں فرض غسل ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے ''خشک ایڑیوں کے لیے ہلاکت ہے اور قدموں کے پیٹ آگ سے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ کی مراد کی مخالفت پر ہمیں ڈرایا گیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ آگ کا عذاب نہیں دیا جاتا مگر واجب کے ترک پر اور یہ معلوم ہے کہ مسح میں استیعاب (گھراؤ احاطہ) نہیں ہوتا اور مسح کے قائلین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مسح ظاہر پر ہوتا ہے بطون پر نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے اس شخص کا بطلان واضح ہو گیا جس نے مسح کا قول کیا، کیونکہ ان کے نزدیک پاؤں کے بطون میں مسح کا دخل نہیں اور غسل کے ساتھ پاؤں کے بطن کو دھویا جاتا ہے مسح باطن کا نہیں ہوتا۔ اور دوسری دلیل اجماع کی جہت سے ہے علماء کا اتفاق ہے جس نے اپنے قدموں کو دھویا اس نے واجب کو ادا کیا اور قدموں کا مسح کرنے والے کے بارے علماء کا اختلاف ہے یقین اس سے حاصل ہوتا ہے جس پر علماء کا اجماع ہوتا ہے نہ اس سے جس میں اختلاف ہوتا ہے۔ کثرت سے علماء ایک دوسرے سے روایت کرتے آئے ہیں اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں ایک مرتبہ دو مرتبہ اور تین مرتبہ اپنے پاؤں دھوتے تھے حتیٰ کہ انہیں صاف کرتے تھے، تیرے لیے پاؤں دھونے میں یہ حجت کافی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، پس واضح ہو گیا کہ جر کی قرأت میں غسل ہے نہ کہ مسح جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور وَ اَرْجُلَكُمْ میں عامل فَاغْسِلُوْا ہے اور عرب ایک شے کا دوسری شے پر ایک فعل کے ساتھ عطف کرتے ہیں جس کے ساتھ ایک شے منفرد ہوتی ہے تو کہتا ہے: اكلت الخبز واللبن۔ یعنی میں نے دودھ پیا یعنی اللبن سے پہلے فعل محذوف ہے۔

اسی سے شاعر کا قول ہے: عَلَفْتُهَا تِبْنًا وماءً بارداً

ایک اور نے کہا:

ورأيتُ زوجكِ في الوغى مُتَقَلِّداً سَيْفًا ورُمْحًا

ایک اور نے کہا:

وأطفلت بِالجَلْهَتَيْنِ ظِبَاءُها ونَعامُها

ایک اور نے کہا:

شَرَابُ أَلْبانٍ وتمرٍ وأَقِطِ(1)

ان اشعار میں تقدیر یہ ہے: علفتها تِبنًا وسقيتُها ماءً، متقلِّدًا سيفا وحامِلا رُمْحًا۔ وأطفَلَتْ بالجَلْهَتَيْنِ ظباءها وفرخت نعامها (النعام لا يُطفِل انما يُفرخ) اطفلت اس کے بچے تھے اور الجَلْهتان سے مراد وادی کے کنارے ہیں۔ شراب ألبان وأكل تمر پس وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ غسل کا عطف مسح پر ہے معنی پر محمول کرتے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 578

ہوئے۔ مراد غسل ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ بخاری نے روایت کیا ہے مجھے موسیٰ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں وہب نے بتایا انہوں نے عمرو سے روایت کیا ہے یہ ابن یحییٰ ہے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا فرمایا عمرو بن ابی حسن کے پاس گیا انہوں نے حضرت عبداللہ بن زید سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے پانی کا ایک برتن منگوایا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی طرح وضو کیا، پہلے اس برتن سے ہاتھوں پر پانی انڈیلا، پھر اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے ہاتھوں کو برتن میں داخل کیا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر ناک سے پانی جھاڑا یہ عمل تین چلوؤں سے کیا، پھر اپنے ہاتھ کو پانی میں داخل کیا اور تین مرتبہ اپنے چہرے کو دھویا، پھر اپنے ہاتھوں کو داخل کیا اور تین مرتبہ کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھویا، پھر اپنے ہاتھوں کو پانی میں داخل کیا اور اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے ہاتھوں کو آگے سے پیچھے لے گئے، پھر پیچھے سے آگے لے آئے یہ عمل ایک مرتبہ کیا، پھر اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوئے (1)۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ اَمْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ میں ب زائدہ ہے، کیونکہ مسح راسہ فرمایا اور براسہ نہیں فرمایا۔ سر کا مسح ایک مرتبہ ہے مسلم کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں واضح طور پر اس کی تفسیر آئی ہے کہ پہلے آپ ہاتھوں کو آگے سے پیچھے لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے لے آئے۔ سر کے اگلے حصہ سے مسح شروع کیا، پھر انہیں پیچھے گدی کی طرف لے گئے، پھر انہیں لوٹایا حتیٰ کہ اس تک واپس لے آئے جس سے آغاز کیا تھا (2)۔ علماء کا کعبین کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ دو ہڈیاں ہیں جو پاؤں کے پہلو میں اٹھی ہوئی ہوتی ہیں (3)۔ اصمعی نے علماء کے قول کا انکار کیا ہے کہ کعب، قدم کی پیٹھ پر ہے۔ یہ اس نے ''الصحاح'' میں کہا ہے۔ اور ابن القاسم روایت کرتے ہیں محمد بن حسن نے بھی یہی کہا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے وضو کی حد یہاں تک مقرر کی ہو لیکن عبدالوہاب نے ''التلقین'' اس کے بارے ایسے الفاظ لکھے ہیں جن میں تخلیط اور ابہام ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: میں اس کی مخالفت کرنے والا نہیں جانتا کہ کعبین پنڈلی کے جوڑ کی دو ہڈیاں ہیں جو اٹھی ہوئی ہیں۔ طبری نے یونس سے انہوں نے اشہب سے انہوں نے امام مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: الکعبان وہ حد ہے جس تک دھونا واجب ہے یہ دو ہڈیاں ہیں جو پنڈلی کے ساتھ ملی ہوئی ہیں ایڑی کے سامنے ہیں اور کعب، قدم کے اوپر ظاہر نہیں۔

میں کہتا ہوں: لغت اور سنت میں یہی صحیح ہے۔ کعب عرب کلام میں العلو سے ماخوذ ہے، اسی وجہ سے کعبہ کہا جاتا ہے۔ کعبت المراۃ کہا جاتا ہے جب عورت کے پستان گول ہو جائیں اور ابھر جائیں۔ کعب القناۃ نیزہ کی گرہ پر دو جوڑوں کے درمیان کی جگہ کو کعب کہتے ہیں۔ کبھی یہ شرف اور مجد کے لیے استعمال ہوتا ہے، اسی سے حدیث ہے واللہِ لا یزالُ کَعْبُکَ عالیًا اللہ کی قسم تیری بزرگی ہمیشہ بلند رہے گی۔

سنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کو ابو داؤد نے نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے اللہ کی قسم! اپنی صفوں کو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الوضو، جلد 1، صفحہ 31۔ ایضاً، حدیث نمبر 180، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 123

3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 164

درست کرو ورنہ تمہارے دلوں کے درمیان اللہ تعالیٰ مخالفت پیدا کر دے گا، فرمایا: میں نے ایک شخص کو دیکھا وہ اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے، اپنا گھٹنا اپنے ساتھی کے گھٹنے سے، اپنا ٹخنہ اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ملائے ہوئے تھا(1)۔

العقب، ایڑی کے ہڈی کے نیچے پاؤں کا پچھلا حصہ ہے۔ اور العرقوب پنڈلی اور پاؤں کا جوڑ ہے، اسی سے حدیث ہے ''خشک عراقیب (ایڑیوں) کے لیے آگ سے ہلاکت ہے''(2)۔ یعنی جب ایڑیوں کو دھویا نہ گیا ہو جیسا کہ ارشاد ہے ''(خشک) ایڑیوں اور قدموں کے لیے آگ کا عذاب ہے''(3)۔

مسئلہ نمبر 15۔ ابن وہب نے مالک سے روایت کیا ہے، کسی پر وضو میں اور غسل میں پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا نہیں ہے، جفاء اور علق میں خیر نہیں ہے، ابن وہب نے کہا: پاؤں کی انگلیوں کے خلال کرنے کی رغبت دی گئی ہے، ہاتھوں کی انگلیوں میں خلال ضروری ہے۔ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ جس نے اپنے پاؤں کی انگلیوں کا خلال نہیں کیا اس پر کچھ نہیں ہے۔ محمد بن خالد نے ابن القاسم سے انہوں نے امام مالک سے روایت کیا ہے: جس نے نہر پر وضو کیا اور اپنے پاؤں کو پانی میں حرکت دی تو جائز نہ ہوگا حتی کہ پاؤں کو ہاتھوں سے دھوئے۔ ابن القاسم نے کہا: اگر ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں سے دھونے پر قادر ہو تو جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ انگلیوں کے درمیان کی جگہ کو دھویا جائے گا، کیونکہ وہ بھی پاؤں سے ہیں جیسا کہ ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان کی جگہ ہاتھ سے ہے، ہاتھوں کی انگلیوں کے کھلا ہونے اور پاؤں کی انگلیوں کا ملا ہوا ہونے کا کوئی اعتبار نہیں، انسان کو پورے پاؤں دھونے کا حکم دیا گیا ہے جس طرح پورے ہاتھوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ جب وضو فرماتے تو اپنی انگلیوں کو اپنی چھوٹی انگلی سے ملتے تھے(4)، نیز یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنے پاؤں دھوتے تھے۔ یہ عموم کا تقاضا کرتا ہے۔ امام مالک آخری عمر میں اپنے پاؤں کی تمام انگلیوں کو یا بعض انگلیوں کو اپنی چھوٹی انگلی سے ملتے تھے اس حدیث کی بنا پر جو انہیں ابن وہب نے بیان کی انہوں نے ابن لہیعہ اور لیث بن سعد سے روایت کی انہوں نے یزید بن عمرو غفاری سے روایت کی انہوں نے ابو عبدالرحمن حبلی سے روایت کی انہوں نے مستورد بن شداد قرشی سے روایت کی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا اپنے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان کی جگہ کا اپنی چھوٹی انگلی سے خلال کرتے تھے۔ ابن وہب نے کہا: مجھے امام مالک نے فرمایا: یہ اچھا ہے۔ میں نے ان سے یہ صرف اس گھڑی سنا۔ ابن وہب نے کہا: میں نے ان سے سنا اس کے بعد وضو میں انگلیوں کے خلال کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے اس کا حکم دیا۔ حضرت حذیفہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خَلِّلُوا بين الأصابع لا تُخَلِّلُهَا النار (5)۔ انگلیوں کا خلال کرو تا کہ آگ ان کا خلال نہ کرے۔ یہ خلال کے ترک پر وعید ہے پس جو ہم نے کہا وہ ثابت ہو گیا۔

1۔ سنن ابی داود، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 96۔ ایضاً، حدیث نمبر 566، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 125۔ 3۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 8۔ ایضاً، حدیث نمبر 39، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 7۔ 5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 580

مسئلہ نمبر 16۔ آیت کے الفاظ متواتر وضو کرنے کا تقاضا کرتے ہیں یعنی اعضاء کو لگاتار دھوئے، درمیان میں وقفہ نہ کرے اور درمیان میں کوئی ایسا فعل نہ کرے جو وضو سے نہ ہو۔ علماء کا اس کے متعلق اختلاف ہے۔ ابن ابی سلمہ اور ابن وہب نے کہا: پے درپے وضو کرنا، ذکر ونسیان میں وضو کے فرائض سے ہے جس نے اپنے وضو کے اعضاء کے درمیان جان بوجھ کر یا بھول کر وقفہ کیا تو جائز نہ ہوگا۔ ابن عبدالحکم نے کہا: بھول کر وقفہ کرے یا جان بوجھ کر کرے وضو جائز ہوگا۔ امام مالک نے ''المدونہ'' میں اور کتاب محمد میں ہے کہ پے درپے کا حکم ساقط ہے یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام مالک اور ابن القاسم نے کہا: اگر جان بوجھ کر فرق کیا تو پھر جائز نہ ہوگا بھول کر کیا تو جائز ہوگا۔ ابن حبیب کی روایت میں امام مالک نے فرمایا: مغسول میں وقفہ جائز ہے ممسوح میں جائز نہیں۔ یہ پانچ اقوال ہیں جو دو اصلوں پر قائم ہیں (۱) اللہ تعالیٰ نے مطلق حکم دیا ہے متواتر وضو کرے یا وقفہ کرے (تیری مرضی مقصود تمام اعضاء میں نماز کے لیے کھڑے ہونے کے وقت غسل کا وجود ہے (۲) یہ عبادات ہیں جو مختلف ارکان والی ہیں، پس اس میں توالی اور تواتر واجب ہے جس طرح نماز ہے، یہ اصح ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 17۔ آیت کے الفاظ ترتیب کو بھی اپنے ضمن میں رکھتے ہیں۔ ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابہری نے کہا: ترتیب سنت ہے ظاہر مذہب یہ ہے کہ بھولنے والے کے لیے ترتیب کا نہ ہونا جائز ہے اور جان بوجھ کر ترتیب چھوڑنے والے کے بارے اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جائز ہے اور مستقبل میں ترتیب کو قائم رکھے۔ ابوبکر القاضی وغیرہ نے کہا: یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ کھیلنے والا ہے۔ امام شافعی اور ان کے تمام اصحاب کا نظریہ یہ ہے۔ امام احمد بن حنبل اور ابو عبید قاسم بن سلام، اسحاق، ابوثور کا یہی قول ہے۔ ابومصعب مالکی کا بھی یہ نظریہ ہے، اس نے اس کو اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے۔ اس کو اس نے اہل مدینہ سے حکایت کیا ہے اور امام مالک بھی ان کے ساتھ ہیں کہ جس نے وضو میں ہاتھوں کو دھونے میں چہرہ سے مقدم کیا اور آیت کی ترتیب کے مطابق وضو نہ کیا تو جس نے اس وضو کے ساتھ نماز پڑھی اس کا اعادہ لازم ہے۔ امام مالک سے اکثر روایات یہ ہیں کہ واؤ نہ تعقیب کا موجب ہے اور نہ ترتیب کا موجب ہے۔ یہی قول امام مالک کے اصحاب کا ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ اور یہی ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، مزنی اور داؤد بن علی کا نظریہ ہے۔ الکیا طبری نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ** کا ظاہر اجزاء کا تقاضا کرتا ہے وہ علیحدہ علیحدہ وقفہ سے اعضاء کو دھوئے یا متواتر وضو کرے جیسا کہ صحیح مذہب شافعی سے ہے اور یہ اکثر علماء کا مذہب ہے۔ ابوعمر نے کہا: مگر امام مالک فرماتے ہیں: آئندہ نماز کے لیے ترتیب سے نیا وضو کرنا مستحب ہے یہ اس پر وہ واجب خیال نہیں کرتے تھے، یہ ان کے مذہب کا ماحاصل ہے۔ علی بن زیاد نے امام مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: جس نے اپنے بازوؤں کو دھویا، پھر اپنے چہرے کو دھویا، پھر اسے اسی جگہ یاد آگیا تو وہ بازوؤں کو دھونے کا اعادہ کرے اور اگر اسے یاد نہ آئے حتیٰ کہ اس نے نماز پڑھ لی تو وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔ علی نے کہا: پھر اس کے بعد امام مالک نے کہا: نماز کا اعادہ نہ کرے اور آئندہ نماز کے لیے وضو کا اعادہ کرے۔ اختلاف کا سبب وہ ہے جو بعض علماء نے کہا کہ **فَاغْسِلُوْا** میں تعقیب کا موجب ہے، کیونکہ جب یہ جواب شرط ہے تو اس نے مشروط مربوط کر دیا پس یہ تمام میں ترتیب کا تقاضا کرتی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ چہرے سے آغاز کرنے کا تقاضا کرتی ہے، کیونکہ یہ شرط کی جزا اور جواب ہے یہ تمام میں ترتیب کا تقاضا کرتی ہے اگر جواب شرط ایک معنی ہوتا جب جواب شرط تمام جملے ہیں تو پھر کوئی پروانہیں جس سے آغاز کیا جائے، کیونکہ مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ترتیب واؤ کی وجہ سے آتی ہے لیکن حقیقۃً ایسا نہیں کیونکہ تو کہتا ہے: تقاتل زید و عمرو، تخاصم بکر و خالد پس باب مفاعلہ میں اس کا دخول اسے ترتیب سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ کہنا صحیح ہے۔ ترتیب چار وجوہ سے ہے (۱) اس سے آغاز کیا جائے جس سے اللہ تعالیٰ نے آغاز فرمایا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آپ نے حج فرمایا: ہم اس سے شروع کریں جس سے اللہ تعالیٰ نے آغاز فرمایا (۲) سلف کا اجماع ہے وہ ترتیب سے وضو کرتے تھے (۳) وضو کو نماز کی تشبیہ کی وجہ سے (۴) اس ترتیب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت اختیار فرمائی۔ اور جنہوں نے اجازت دی انہوں نے اس پر حجت پکڑی ہے کہ جنابت کے اعضاء کے دھونے میں ترتیب کے نہ ہونے پر اجماع ہے، اسی طرح وضوء کے اعضاء کے دھونے میں ترتیب نہیں ہے، کیونکہ اس سے مراد غسل ہے نہ کہ آغاز کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: مجھے کوئی پرواہ نہیں، جب میں مکمل وضو کروں، اپنے جس عضو سے آغاز کروں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے فرمایا: اپنے ہاتھوں کو دھونے سے پہلے اپنے پاؤں سے آغاز کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ دارقطنی نے کہا: یہ روایت مرسل ہے، ثابت نہیں ہے، اولیٰ ترتیب کا وجوب ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 18۔ جب وضو میں مشغولیت سے نماز کا وقت فوت ہو جائے تو اکثر علماء کے نزدیک آدمی تیمم نہیں کر سکتا۔ امام مالک ایسی صورت میں تیمم کو جائز کہتے ہیں، کیونکہ تیمم اصل میں نماز کے وقت کی حفاظت کے لیے ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نماز کو پانی ملنے تک مؤخر کرنا واجب ہوتا۔ جمہور علماء نے اس ارشاد: **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا** سے حجت پکڑی ہے اور یہ پانی پانے والا ہے تیمم کی صحت کی شرط نہیں پائی جاتی پس تیمم نہیں کرے گا۔

مسئلہ نمبر 19۔ بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نجاست کا زائل کرنا واجب نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ** استنجا کا ذکر نہیں فرمایا اور وضو کا ذکر فرمایا، اگر نجاست کا زائل کرنا واجب ہوتا تو پہلے اس کا ذکر کیا جاتا۔ یہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب کا قول ہے اور امام مالک سے اشہب کی روایت بھی یہی ہے۔ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ ذکر اور نسیان میں نجاست کا زائل کرنا واجب ہے۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ ابن القاسم نے کہا: یاد ہوتے ہوئے نجاست کا ازالہ ضروری ہے اور نسیان کی صورت میں اس کا زائل کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: نجاست کا زائل کرنا واجب ہے جب وہ بغلی درہم کی مقدار سے زائد ہو، مراد بڑا درہم ہے جو مثقال کی ہیئت پر ہوتا ہے یہ مخرج معتاد کے منہ پر قیاس کیا ہے جو معاف ہے۔ صحیح ابن وہب کی روایت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں والوں کے متعلق فرمایا: "انہیں عذاب ہو رہا ہے اور (تمہارے نزدیک) کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا ایک چغلی کھاتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا (1)" اور عذاب ہمیشہ واجب کے ترک پر ہوتا ہے ظاہر قرآن میں کوئی حجت نہیں،

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 141

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں خاص وضو کا طریقہ بیان فرمایا ہے، نجاست کے ازالہ وغیرہ سے تعرض نہیں فرمایا۔

مسئلہ نمبر 20۔ آیت کریمہ خفین پر مسح پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس مسئلہ میں امام مالک کی تین روایات ہیں۔ (۱) مطلقاً انکار جیسا کہ خوارج کہتے ہیں یہ روایت منکرہ ہے صحیح نہیں ہے یہ پہلے گزر چکی ہے (۲) سفر میں مسح کرے حضر میں نہ کرے، کیونکہ مسح کی اکثر روایات سفر میں ہیں اور سباطۃ (کوڑے کا ڈھیر) والی حدیث حضر میں مسح کے جواز پر دلالت کرتی ہے اس حدیث کو مسلم نے حضرت حذیفہ کی حدیث سے تخریج کیا ہے فرمایا: میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے کوڑے کے ڈھیر پر آئے دیوار کے پیچھے آپ کھڑے ہوئے جس طرح تم میں سے کوئی کھڑا ہوتا ہے پس آپ نے پیشاب کیا، میں آپ سے تھوڑا دور ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف اشارہ فرمایا، میں آیا، آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا حتی کہ آپ پیشاب سے فارغ ہو گئے۔ ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ پھر آپ نے وضو فرمایا اور خفین پر مسح کیا۔ اسی کی مثل شریح بن ہانی کی حدیث ہے فرمایا: میں حضرت عائشہ کے پاس آیا میں نے ان سے خفین پر مسح کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: تم حضرت ابن ابی طالب کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: مسافر کے لیے تین دن تک مسح ہے اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات تک مسح ہے (1)۔ یہ تیسری روایت ہے۔ سفر و حضر میں مسح کرے۔ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 21۔ امام مالک کے نزدیک مسافر خفین پر مسح بغیر کسی وقت کی قید کر سکتا ہے۔ یہ لیث بن سعد کا قول ہے۔ ابن وہب نے کہا: میں نے امام مالک کو یہ فرماتے سنا ہمارے شہر والوں کے نزدیک اس میں کوئی وقت کی تعیین نہیں۔ ابو داؤد نے حضرت ابی بن عمارہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں خفین پر مسح کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں'' اس نے عرض کی: ایک دن۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دن'' اس نے پوچھا: دو دن۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو دن'' اس نے پوچھا: تین دن۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں اور جتنا چاہے''۔

ایک روایت میں ہے ''ہاں جو تیرے لیے ظاہر ہو''۔ ابو داؤد نے کہا: اس کی سند میں اختلاف ہے یہ قوی نہیں ہے (2)۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، نعمان اور طبری نے کہا: مقیم ایک دن اور ایک رات مسح کرے اور مسافر تین دن مسح کرے۔ یہ انہوں نے شریح کی حدیث اور اس کی مثل احادیث کی بنا پر کہا ہے، امام مالک سے ہارون اور بعض خلفاء کی طرف آپ کے خطوط میں یہ روایت کیا گیا ہے ان کے اصحاب نے ان کا انکار کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 22۔ تمام علماء کے نزدیک مسح کرنا اس کے لیے ہے جس نے طہارت پر خفین کو پہنا ہو، کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث ہے فرمایا: میں ایک رات ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ الحدیث۔ اس حدیث میں ہے میں جھکا تا کہ آپ کے جوڑے اتار دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کو رہنے دو میں نے طہارت کی حالت میں پہنے تھے (3)''

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 135
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 21
3۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 134

آپ نے دونوں پر مسح فرمایا۔ اصبغ کا خیال ہے کہ یہ تیمم کی طہارت ہے۔ یہ بنا ہے کہ تیمم حدث کو اٹھا دیتا ہے۔ داؤد اس مسئلہ میں منفرد ہے۔ اس نے کہا: ہاں طہارت سے مراد صرف نجات سے طہارت ہے جب پاؤں نجاست سے پاک ہوں تو خفین پر مسح کرنا جائز ہے۔ اختلاف کا سبب طہارت کے اسم میں اشتراک ہے۔

مسئلہ نمبر 23۔ امام مالک کے نزدیک خفین پر مسح جائز ہے جب ان میں تھوڑی سی پھٹن ہو۔ ابن خویز منداد نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پھٹن انتفاع اور پہننے سے مانع نہ ہو، اس میں چلنا ممکن ہو۔ امام مالک کے قول کی طرح لیث، ثوری، امام شافعی اور طبری کا قول ہے۔ ثوری اور طبری سے پھٹی ہوئی خف پر مسح کی اجازت مروی ہے۔ اوزاعی نے کہا: خف پر اور قدم کا جو حصہ ظاہر ہے اس پر مسح کرے۔ یہ طبری کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر پاؤں کا جو حصہ ظاہر ہو وہ تین انگلیوں سے کم ہو تو مسح کرے اور جب تین انگلیوں کی مقدار پاؤں ظاہر ہو تو اس پر مسح نہ کرے یہ تحدید ہے جو توقیف کی محتاج ہے۔ یہ معلوم ہے کہ صحابہ اور تابعین کے موزے تھوڑی پھٹن سے سلامت نہیں ہوتے تھے۔ جمہور کے نزدیک یہ معاف ہے۔ امام شافعی سے مروی ہے جب پاؤں کے اگلے حصہ میں پھٹن ہو تو اس پر مسح جائز نہیں۔ حسن بن حیی نے کہا: خف پر مسح کرے جب جو حصہ ظاہر ہو جو راب نے اسے ڈھانپ رکھا ہو اگر قدم کا کوئی حصہ ظاہر ہو تو مسح نہ کرے۔ ابو عمر نے کہا: یہ ان کے مذہب پر ہے کہ مسح جورابوں پر جائز ہے جب وہ موٹی ہوں۔ یہ ثوری، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 24۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک جورابوں پر مسح جائز نہیں مگر جب کہ وہ چمڑے کی ہوں۔ یہ امام مالک کا ایک قول ہے۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ جورابوں پر مسح جائز نہیں اگرچہ وہ مجلد ہوں۔ ابوداؤد کی کتاب میں حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جورابین اور نعلین پر مسح کیا۔ ابوداؤد نے کہا: عبدالرحمن بن مہدی اس حدیث کو بیان نہیں کرتے تھے کیونکہ حضرت مغیرہ سے معروف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خفین پر مسح کیا۔ اس حدیث کو حضرت ابوموسیٰ سے روایت کیا گیا ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے یہ قوی نہیں اور نہ متصل ہے۔ ابوداؤد نے کہا: حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابو مسعود، حضرت براء بن عازب، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو امامہ، حضرت سہل بن سعد، حضرت عمرو بن حریث نے جورابوں پر مسح کیا۔ یہ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: رہا نعلین پر مسح تو ابو محمد دارمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ ہمیں ابو نعیم نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں یونس نے بتایا انہوں نے ابو اسحاق سے انہوں نے عبد خیر سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے حضرت علی کو دیکھا انہوں نے وضو کیا اور نعلین پر مسح کیا۔ پھر وسعت فرمائی اور فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے نہ دیکھا ہوتا جیسے تم نے مجھے دیکھا تو میرے خیال میں قدموں کا باطن مسح کا ظاہر سے زیادہ حقدار ہے۔ ابو محمد دارمی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ سے منسوخ ہے (2)۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 21۔ ایضاً، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 137، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن دارمی، کتاب الصلوٰۃ والطہارت، جلد 1، صفحہ 147

میں کہتا ہوں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "میرے خیال میں قدموں کا باطن مسح کا ظاہر سے زیادہ حق دار ہے"۔ اس کو ابوداؤد نے حضرت علی سے روایت کیا ہے فرمایا: اگر دین رائے کے ساتھ ہوتا تو خف کا باطن مسح کا اوپر والے حصہ سے زیادہ حق دار تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے خفین کے ظاہر پر مسح کرتے دیکھا۔ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا: جس نے خفین کے ظاہر پر مسح کیا اور باطن پر مسح نہ کیا تو یہ جائز ہے مگر امام مالک نے فرمایا: جس نے ایسا کیا وہ وقت میں اعادہ کرے اور جس نے خفین کے باطن پر مسح کیا، ظاہر پر مسح نہ کیا تو یہ جائز ہے اس پر وقت کے اندر اور وقت کے بعد اعادہ ہے اسی طرح اصحاب امام مالک نے فرمایا، مگر ایک چیز اشہب مالکی سے مروی ہے فرمایا: خفین ظاہر و باطن میں برابر ہے جس نے باطن کا مسح کیا ظاہر کا نہ کیا تو اس پر صرف وقت میں اعادہ ہے۔ امام شافعی سے مروی ہے فرمایا: باطن کا مسح جائز ہے بغیر ظاہر کے مسح کے۔ امام شافعی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ جس نے صرف باطن کا مسح کیا تو جائز نہ ہوگا اور وہ مسح کرنے والا شمار نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور ثوری نے کہا: خفین کے ظاہر پر مسح کرے باطن پر نہیں۔ یہی امام احمد بن حنبل، اسحاق اور ایک جماعت کا قول ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا مختار مذہب یہ ہے کہ اعلیٰ و اسفل کا مسح کرے۔ حضرت ابن عمر، ابن شہاب کا یہی قول ہے، کیونکہ ابوداؤد، دارقطنی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو غزوہ تبوک میں وضو کرایا آپ ﷺ نے خف کے اوپر، نیچے سے مسح کیا۔ ابوداؤد نے کہا: روایت ہے کہ یہ حدیث ثور نے رجاء بن حیوہ سے نہیں سنی (1)۔

مسئلہ نمبر 25۔ اس شخص کے بارے اختلاف ہے جس نے خفین اتارے جب کہ اس نے ان پر مسح کیا ہوا تھا۔ علماء کے تین اقوال ہیں۔

(۱) اسی جگہ اپنے پاؤں دھوئے اگر تاخیر کی تو نئے سرے سے وضو کرے یہ امام مالک اور لیث کا قول ہے اسی طرح امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: اوزاعی اور نخعی سے مروی ہے اور انہوں نے اس مکان کا ذکر نہیں کیا۔

(۲) نئے سرے سے وضو کرے یہ حسن بن حی کا قول ہے، اوزاعی اور نخعی سے مروی ہے۔

(۳) اس پر کچھ نہیں ہے اور جیسے ہے نماز پڑھے۔ ابن ابی لیلی اور حسن بصری کا یہ قول ہے۔ یہ ابراہیم نخعی سے روایت ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا، الجنب کا معنی سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ فَاطَّهَّرُوْا پانی سے غسل کرنے کا حکم ہے اسی وجہ سے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا خیال ہے کہ جنبی کبھی بھی تیمم نہیں کر سکتا بلکہ وہ نماز چھوڑے رکھے حتی کہ پانی پالے۔ جمہور علماء نے کہا: یہ عبارت پانی پانے والے کے لیے ہے، پانی نہ پانے والے کے احکام کے بعد جنبی کا ذکر اس ارشاد: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کے ساتھ کیا۔ ملامست سے یہاں مراد جماع ہے۔ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود سے صحیح مروی ہے کہ انہوں نے لوگوں کے قول کی طرف رجوع کیا کہ جنبی تیمم کرے اور حضرت عمران بن حصین کی حدیث اس میں نص ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو علیحدہ (بیٹھا ہوا) دیکھا جس نے لوگوں کے ساتھ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 22۔ ایضاً، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 141، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نماز نہیں پڑھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے فلاں! تجھے قوم کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے منع کیا''، اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے جنابت لاحق ہوئی ہے اور پانی موجود نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو مٹی کو استعمال کر وہ تیرے لیے کافی ہے'' (1)۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 27۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ یہ تفصیلاً سورۃ النساء میں گزر چکا ہے، ہم یہاں ایک اصولی مسئلہ ذکر کرتے ہیں جو سورۃ النساء میں ہم سے رہ گیا تھا یہ غالبی عادت کے عموم کی تخصیص ہے کیونکہ الْغَآىِٕطِ ان احداث سے کنایہ ہے جو مخرجین سے نکلتے ہیں جیسا کہ سورۃ النساء میں ہم نے بیان کیا یہ عام ہے مگر ہمارے جلیل القدر علماء نے اس کو ان احداث کے ساتھ خاص کیا ہے جو عادۃً خارج ہوتے ہیں معتاد طریق پر۔ اگر غیر معتاد طریقہ پر نکلے مثلاً کنکریاں یا کیڑے نکلیں یا سلسل اور مرض کے طریقہ پر معتاد طور پر نکلے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، علماء لفظ کا خیال کرتے ہیں، کیونکہ لفظ جب اپنے مدلول کے لیے ثابت ہوتا ہے تو وہ غالب استعمال میں معروف ہوتا ہے اطلاق کی حالت میں سامع کے فہم کے لیے وہ غالب مفہوم ذہن سے بعید ہوتا ہے پس وہ اس کا غیر مدلول لہ بن جاتا ہے اور حال اس میں اس طرح ہوتا ہے جیسے دابۃ میں ہے جب یہ مطلق بولا جاتا ہے تو ذہن ذوات اربع (چار ٹانگوں) والے جانوروں کی طرف جاتا ہے سننے والے کے ذہن میں چیونٹی کا تصور نہیں آتا ہے پس وہ غیر مراد ہوگئی اور اس لفظ کے لیے ظاہر مدلول نہیں۔ مخالف کہتا ہے: غالبی معنی کی سبقیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ نادر غیر مراد ہو اور لفظ کا دو معانی کے لیے ایک وضع کے اعتبار سے ہے یہ ان دونوں کے ساتھ متکلم کے شعور پر قصداً دلالت کرتا ہے۔ پہلا قول اصح ہے اور مکمل کلام کتب اصول میں ہے۔

مسئلہ نمبر 28۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ۔ عبیدہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: قبلہ (بوسہ) لمس سے ہے اور جماع کے علاوہ سب کچھ لمس سے ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمر نے کہا: محمد بن یزید نے اس کو اختیار کیا ہے انہوں نے کہا: آیت کی ابتدا میں اس کا ذکر کیا جو جماع کرنے والے پر واجب ہے ارشاد فرمایا: وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا: اللمس، المس اور الغشیان سب کا معنی جماع ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے کنایہ فرمایا۔ مجاہد نے وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (الفرقان) کے تحت فرمایا: اس کا مطلب ہے جب وہ نکاح کا ذکر کرتے ہیں تو اسے کنایہ کرتے ہیں سورۃ النساء میں اس باب میں قول تفصیلاً گزر چکا ہے۔ والحمدللہ۔

مسئلہ نمبر 29۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً سورۃ النساء میں گزر چکا ہے پانی کے نہ ہونے کا حکم صحیح حاضر کے لیے بھی مرتب ہوتا ہے کہ وہ قیدی ہو یا باندھا ہوا ہو، وہ شخص جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر اس نے نہ پانی پایا نہ مٹی اور اسے وقت کے نکلنے کا اندیشہ ہو تو اس کے حکم میں فقہاء کے مختلف چار اقوال ہیں۔ ابن خویز منداد نے کہا: امام مالک کا صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ نہ نماز پڑھے اور نہ اس پر کچھ اور ہے۔ مدنی علماء نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: یہ مذہب صحیح ہے۔ ابن القاسم نے کہا: نماز پڑھ لے اور اعادہ کرے۔ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ اشہب نے کہا: نماز پڑھے اور

1۔ صحیح بخاری، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 50

اعادہ نہ کرے۔ اصبغ نے کہا: نہ نماز پڑھے اور نہ قضا کرے۔ یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ ابن خویز منداد نے مذہب صحیح کا کیسے قول کیا ہے۔ اس کے بارے میں جو اس نے ذکر کیا ہے اس کے خلاف جمہور سلف، عامۃ الفقہاء اور مالکی علماء کی جماعت کا قول ہے۔ میرا خیال ہے وہ امام مالک کی حدیث کے ظاہر قول: لیسوا علی ماء کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے انھم صلوا انہوں نے نماز پڑھی کا ذکر نہیں کیا اور اس میں حجت نہیں ہے۔ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت عائشہ سے اس حدیث میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھی اور انہوں نے اعادہ کا ذکر نہیں کیا اس نظریہ کی طرف فقہاء کی ایک جماعت کا خیال گیا ہے۔ ابو ثور نے کہا: یہی قیاس ہے۔

میں کہتا ہوں: جو الکیا طبری نے ذکر کیا ہے اس سے مزنی نے حجت پکڑی ہے۔ طبری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہار کا واقعہ روایت کیا ہے جب وہ گم ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہار کی طلب کے لیے بھیجا تھا انہوں نے بغیر تیمم اور بغیر وضو کے نماز پڑھی تھی اور انہوں نے اس بات کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی پھر آیت تیمم نازل ہوئی ان پر بغیر وضو اور تیمم کے نماز پڑھنے پر انکار نہ فرمایا۔ تیمم جب مشروع ہی نہیں تھا تو انہوں نے بغیر طہارت کے نماز پڑھی تھی، اسی وجہ سے مزنی نے کہا: اس پر اعادہ نہیں ہے یہ بغیر طہارت کے نماز کے جواز میں نص ہے جب طہارت دینے والی چیز تک پہنچنا ممکن نہ ہو۔ ابو عمر نے کہا: اس کو مغمی علیہ (جس پر غشی طاری ہو) پر محمول کرنا مناسب نہیں مغمی علیہ کی عقل نہیں ہوتی جب کہ یہ عقل کے ساتھ ہے۔ ابن القاسم اور تمام علماء نے کہا: نماز انسان پر واجب ہے جب تک اس کی عقل موجود ہو، جب عقل موجود ہو تو وضو کرے یا تیمم کرے اور نماز پڑھے۔ امام شافعی سے دو روایات مروی ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ وہ جس حالت میں ہے نماز پڑھے اور اعادہ کرے۔ مزنی نے کہا: جب کوئی شخص محبوس ہو اور پاک مٹی پر قادر نہ ہو تو نماز پڑھے اور اعادہ کرے یہ امام ابو یوسف، امام محمد، ثوری اور طبری کا قول ہے۔ زفر بن ہذیل نے کہا: حضر میں محبوس نماز نہ پڑھے اگرچہ وہ پاک مٹی پائے بھی۔ یہ ان کی اصل پر ہے کہ ان کے نزدیک حضر میں نمازی تیمم نہ کرے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ابو عمر نے کہا: جس نے کہا نماز پڑھے جیسا بھی ہے اور اعادہ کرے جب طہارت پر قادر ہو تو انہوں نے بغیر طہارت کے نماز کے لیے احتیاط کی انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ بغیر طہارت کے نماز کو قبول نہیں کرتا" (1)۔ یہ اس کے لیے ہے جو طہارت پر قادر ہو اور جو طہارت پر قادر نہ ہو اس کے لیے یہ حکم نہیں، کیونکہ وقت فرض ہے وہ اس پر قادر ہے پس وہ نماز پڑھے جیسا وہ وقت میں قادر ہے پھر اعادہ کرے پس اس نے وقت اور طہارت میں احتیاط کو لیا۔

اور جن علماء نے کہا وہ نماز نہ پڑھے انہوں نے ظاہر حدیث کے اعتبار سے کہا: یہ مالک ابن نافع اور اصبغ کا قول ہے انہوں نے کہا: جو پانی اور مٹی نہ پائے وہ نماز نہ پڑھے اور نہ قضا کرے اگر نماز کا وقت گزر جائے کیونکہ عدم قبولیت عدم شروط کی وجہ سے ہے یہ دلیل ہے کہ عدم قبولیت عدم شروط کی وجہ سے ہے یہ دلیل ہے کہ عدم شروط کی حالت میں وہ نماز کا مخاطب نہیں ہے اس کے ذمہ کوئی چیز مرتب نہ ہوگی پس وہ قضا نہ کرے۔ ابو عمر کے علاوہ علماء کا یہ قول ہے اس بناء پر طہارت وجوب

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 24

کی شرط سے ہوگی۔

مسئلہ نمبر 30۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا، صَعِيدًا کے متعلق علماء کا اختلاف سورۃ النساء میں گزر چکا ہے اور امام مالک کے قول پر حضرت عمران بن حصین کی حدیث نص ہے اگر صَعِيدًا سے مراد تراب (مٹی) ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آدمی کو کہتے علیك بالتراب فانه یکفیك۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیك بالصعید (1) فرمایا تو آپ نے اسے سطح زمین کی طرف پھیرا۔ واللہ اعلم۔ فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ اس پر تفصیلی کلام سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 31۔ یہاں تک ہم نے آیات کے متعلق گفتگو کی، اب تو جان لے کہ علماء نے وضو اور طہارت کی فضیلت میں کلام کی ہے۔ یہ باب کا خاتمہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الطهور شطر الایمان (2)، طہارت ایمان کا حصہ ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے حضرت ابو مالک اشعری کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس پر کلام گزر چکی ہے۔ ابن عربی نے کہا: وضو دین میں اصل ہے اور مسلمانوں کی طہارت ہے خصوصاً اس امت کے لیے۔

روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور فرمایا: ''یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے اور میرے باپ ابراہیم کا وضو ہے'' یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لکم سیما لیست لغیرکم (3) تمہارے لیے علامت ہے، تمہارے غیر کے لیے نہیں ہے وہ وضو کرتے تھے جس چیز کے ساتھ یہ امت خاص ہے وہ غرہ (پیشانی کا روشن ہونا) اور التحجیل (ہاتھ اور پاؤں کا چمک والا ہونا) ہے وضو نہیں ہے، یہ دونوں اللہ کی طرف سے فضل ہیں اس امت کے شرف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کے لیے اس امت کے ساتھ خاص فرمایا ہے جس طرح تمام امتوں پر اس کو دوسری فضیلتیں دی ہیں، جس طرح اس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود کے ساتھ اور دوسرے کمالات کے ساتھ تمام انبیاء پر فضیلت دی۔ واللہ اعلم۔ ابو عمر نے کہا: جائز ہے کہ انبیاء وضو کرتے ہوں اور اس سے وہ غرہ وتحجیل حاصل کرتے ہوں اور ان کے متبعین وضو نہ کرتے ہوں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے انہوں نے کہا: یارب! میں ایک امت دیکھتا ہوں جو سب انبیاء کی طرح ہیں اس کو میری امت بنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ اس حدیث میں طوالت ہے۔ سالم بن عبداللہ بن عمر عن کعب الاحبار سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ لوگ حساب کے لیے جمع ہیں پھر انبیاء کو بلایا گیا ہر نبی کے ساتھ اس کی امت تھی، اس نے ہر نبی کے لیے دو نور دیکھے جن کے درمیان وہ چل رہا تھا اور اس کی اتباع کرنے والے کے لیے ایک نور تھا جس کے ساتھ وہ چل رہا تھا حتیٰ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا جب آپ کا سر اور چہرہ ظاہر ہوا تو نور ہی نور تھا ہر ایک کو وہ نور نظر آتا جو آپ کی طرف دیکھتا اور ہر ایک کی امت کے ہر فرد کے لیے دو نور تھے جس طرح انبیاء کے نور تھے، کعب نے اسے کہا: جب کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ خواب ہے تجھے یہ حدیث کس نے بیان کی اور تجھے کس نے یہ سکھایا؟ اس شخص نے بتایا کہ یہ خواب ہے۔ کعب نے اسے کہا: اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ (الحشر: 22) واقعی تو نے یہ خواب دیکھا ہے۔ کعب نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التیمم، جلد 1، صفحہ 50　2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارات، جلد 1، صفحہ 118　3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 126

کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، یہ صفت احمد (ﷺ) اور آپ کی امت کی ہے اور انبیاء کی صفت کتاب میں ہے گویا جو تو کہہ رہا ہے تورات سے ہے۔ کتاب ''التمہید'' میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ابو عمر نے کہا: یہ کہا گیا ہے کہ تمام امتیں وضو کرتی تھیں۔ واللہ اعلم۔ یہ میں صحیح سند سے نہیں جانتا۔

مسلم نے اس کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بندہ مومن یا مسلم وضو کرتا ہے اور اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر خطا نکل جاتی ہے جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ، جب ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے ہر خطا نکل جاتی ہے جس کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا تھا، پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ، جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو ہر خطا نکل جاتی ہے اس کے قدم جس کی طرف چلے تھے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے''(1)۔ امام مالک نے عبداللہ صنابحی سے جو حدیث روایت کی ہے وہ اکمل ہے، درست ابو عبداللہ ہے نہ کہ عبداللہ۔ یہ وہ حدیث ہے جس میں امام مالک کو وہم ہوا اس کا نام عبدالرحمن بن عسیلۃ تھا یہ تابعی شامی کبیر ہے، کیونکہ اس نے حضرت ابوبکر کی خلافت کا آغاز پایا۔ حضرت ابو عبداللہ صنابحی نے کہا: میں یمن سے ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کے پاس آیا جب ہم جحفہ پہنچے وہاں ایک سوار موجود تھا، ہم نے اس سے پوچھا: کیا خبر ہے؟ اس نے کہا: ہم تین دن سے رسول اللہ ﷺ کو دفن کر چکے ہیں۔ یہ احادیث اور اس کے ہم معنی حضرت عمرو بن عبسہ وغیرہ کی احادیث تجھے یہ فائدہ دیتی ہیں کہ وضو مشروع ہے اور یہ عبادت ہے، گناہوں کو مٹانے کے لیے۔ یہ چیز نیت شرعیہ کی احتیاج کا تقاضا کرتی ہے، کیونکہ یہ گناہوں کو مٹانے اور اللہ کی بارگاہ میں درجات بلند کرنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 32۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ یعنی دین میں تنگی نہیں رکھی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: 78) من صلہ ہے یعنی لیجعل علیکم حرجاً۔

وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ یعنی تاکہ وہ تمہیں گناہوں سے پاک کر دے جیسا کہ ہم نے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث اور صنابحی کی احادیث ہم نے ذکر کی ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: حدث اور جنابت سے تمہیں پاک کرے۔ بعض علماء نے فرمایا: تاکہ تم اس طہارت کے وصف کے مستحق ہو جاؤ جس کے ساتھ اہل طاعت موصوف ہوتے ہیں۔ سعید بن مسیب نے لیطھر کم پڑھا ہے۔ معنی ایک ہی ہے، جیسے کہا جاتا ہے نجاہ وانجاہ۔

وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ۔ مرض اور سفر کے وقت تیمم کی رخصت دے کر تم پر نعمت مکمل کرے۔ بعض علماء نے کہا: شرائع کے بیان کے ساتھ نعمت کو مکمل کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: گناہوں کی بخشش فرما کر تم پر نعمت کو مکمل کرے۔ حدیث میں ہے ''نعمت کا تمام جنت کا دخول اور آگ سے نجات ہے''(2)۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ یعنی تم اس کی نعمت کا شکر ادا کرو اور اس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 125 2۔ جامع ترمذی، کتاب الدعوات، جلد 2، صفحہ 191، ایضاً، حدیث 3450، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

''اور یاد رکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے وعدہ کو جو اس نے پختہ لیا تھا تم سے جب کہا تھا تم نے، سن لیا اور مان لیا۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ۔ بعض علماء نے فرمایا: میثاق سے مراد وہ ہے جو اس ارشاد میں ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ (الاعراف: 172) یہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے اگرچہ ہم نے اس کو یاد نہیں رکھا جو ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہمیں وفا کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ یہود کو خطاب ہے کہ وہ عہد جو ان سے تورات میں لیا گیا ہے اس کی حفاظت کریں۔ اور جمہور مفسرین جیسے حضرت ابن عباس اور سدی کا نظریہ یہ ہے کہ وہ عہد اور میثاق مراد ہے جو ان کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خوشی اور پریشانی میں سمع وطاعت کا جاری ہوا تھا جب انہوں نے کہا تھا: ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور ہم نے اطاعت کی جیسا کہ لیلۃ العقبہ اور تحت الشجرہ جاری ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے جس طرح فرمایا: اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح: 10) حالانکہ انہوں نے عقبہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے جس سے وہ اپنے نفسوں، اپنی عورتوں اور اپنے بیٹوں کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ اور ان کے اصحاب ان کی طرف ہجرت کریں گے، سب سے پہلے حضرت براء بن معرور نے اس پر بیعت کی تھی، اس کو اس رات مقام محمود حاصل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پختہ عہد کرتے اور آپ کے امر کو شدت سے پکڑنے کی وجہ سے۔ یہی وہ تھے جنہوں نے کہا تھا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا! ہم اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے جس سے ہم اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں، یا رسول اللہ! آپ ہماری بیعت کریں۔ اللہ کی قسم! ہم جنگوں کے بیٹے ہیں، اہل حلقہ میں ہم ان چیزوں کے نسل در نسل وارث بنے ہیں، سیرت ابن اسحاق میں خبر مشہور موجود ہے۔ بیعت الرضوان کا ذکر اپنی جگہ آئے گا۔ یہ قول اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کے ساتھ متصل ہے جو صحابہ کرام نے کہا تھا اس کو پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی اللہ کی مخالفت سے ڈرو، کیونکہ وہ ہر چیز کا عالم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

''اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ اور

ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ اس کا معنی سورۃ النساء میں گزر چکا ہے معنی یہ ہے کہ میں نے تم پر اپنی نعمت مکمل کی پس ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے۔ اللہ کے ثواب۔ کے لیے اس کے حق کو قائم کرو، اور اپنے اقارب کی طرف جھکاؤ کیے بغیر حق کی گواہی دو اور دشمن پر ظلم کیے بغیر حق کی گواہی دو۔

وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عدل کے ترک اور حق پر ظلم و زیادتی کو ترجیح پر کسی قوم کی عداوت تمہیں نہ اکسائے۔ اس میں دلیل ہے کہ دشمن کا حکم دشمن پر نافذ ہوگا جب کہ وہ اللہ کی رضا میں کسی سے دشمنی کرنے والا ہو اور اس کی شہادت اس کے خلاف نافذ ہوگی، کیونکہ اس نے عدل کے ساتھ فیصلہ کیا اگرچہ وہ اس سے بغض رکھتا ہے، اگر بغض کے ہوتے ہوئے اس کا حکم اور س کے خلاف شہادت جائز نہ ہوتی تو اسے عدل کا حکم دینے کا کوئی مطلب نہ رہتا۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ کافر کا کفر اس پر عدل کرنے سے مانع نہیں اور قتال اور غلام بنانے میں سے جس کے وہ مستحق ہوں گے اس پر اکتفا کیا جائے گا، کافر کا مثلہ کرنا جائز نہیں اگرچہ انہوں نے ہماری عورتوں، ہمارے بچوں اور ہمارے بچوں کو قتل کیا ہو۔ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم انہیں غم اور حزن پہنچانے کے لیے قصداً ان کو مثلہ کے ساتھ قتل کریں، اسی کی طرف حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اپنے قول سے مشہور واقعہ میں اشارہ کیا ہے۔ یہ آیت کا معنی ہے اور اس صورت کے آغاز میں لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ کا معنی گزر چکا ہے، یہ لَا یُجْرِمَنَّكُمْ بھی پڑھا گیا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں۔ زجاج نے کہا: لَا یَجْرِمَنَّكُمْ کا معنی ہے تمہیں جرم میں داخل نہ کرے جیسے تو کہتا ہے: آثمنی، اس نے مجھے گناہ میں داخل کیا۔ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے تمہارا آگ سے ڈرنا۔۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے حق میں فرمایا اس کی حقیقت کو مخلوق کا فہم سمجھ نہیں سکتا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (السجدہ: 17) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَجْرٌ عَظِیْمٌ، اَجْرٌ كَرِیْمٌ، اَجْرٌ كَبِیْرٌ تو پھر اس کی مقدار کون جان سکتا ہے؟ جب وعدہ، قول سے پہلے تھا تو لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ میں لام کا داخل کرنا ہی بہتر تھا یہ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ موعود بہ کی جگہ واقع ہے اس معنی کی بنا پر وعدھم ان لھم مغفرۃ یا وعدھم مغفرۃ مگر جملہ مفرد کی جگہ واقع ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

وجدنا الصالحین لھم جزاء وجنات وعینا سلسبیلا

جملہ نصب کی جگہ پر ہے اسی وجہ سے نصب کے ساتھ اس پر عطف کیا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: محل رفع میں ہے اس بنا پر کہ موعود بہ محذوف ہے۔ تقدیر یہ ہوگی: لھم مغفرۃ واجر عظیم فیما وعدھم بہ۔ یہ معنی حسن سے مروی ہے۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ یہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تمام کفار کے بارے میں نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ

اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ غزوہ ذات الرقاع میں اعرابی کے فعل کے سبب نازل ہوئی جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار سونت لی تھی اور کہا تھا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ جیسا کہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ بخاری میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا وہ جمع ہوئے جب کہ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی سزا نہ دی۔ واقدی اور ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ ایک قوم نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنا سر درخت کے تنے پر مارا حتیٰ کہ مر گیا۔ بخاری نے غزوہ ذات الرقاع میں اس کا نام غورث بن حارث ذکر کیا ہے غین مفتوحہ، واؤ ساکن اس کے بعد را اور ثا ہے، بعض نے غین کو ضمہ دیا ہے، مگر فتحہ اصح ہے۔ ابو حاتم محمد بن ادریس رازی، ابو عبداللہ محمد بن عمر واقدی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا نام دعثور بن حارث تھا انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ محمد بن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ اس شخص کا نام عمرو بن جحاش تھا یہ بنی نضیر سے تھا۔ بعض نے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن جحاش کا واقعہ اس واقعہ کے علاوہ ہے۔ واللہ اعلم۔ قتادہ اور مجاہد وغیرہما نے کہا: یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس دیت میں مدد طلب کرنے کے لیے آئے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محفوظ کر لیا۔ قشیری نے کہا: کبھی کوئی آیت ایک واقعہ کے لیے نازل ہوتی ہے پھر سابقہ بات کو یاد دلانے کے لیے دوبارہ اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ۔ یعنی برائی کے ساتھ تمہاری طرف ہاتھ بڑھائیں: فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ اس نے انہیں روکا۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

''اور یقیناً لیا تھا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے بارہ سردار اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور مدد کرتے رہے ان کی اور قرض دیتے رہے اللہ کو قرض حسن تو میں ضرور دور کردوں گا تم سے تمہارے گناہ اور میں داخل کروں گا تمہیں باغات میں، رواں ہیں جن کے نیچے نہریں تو جس نے کفر کیا اس کے

بعد تم میں سے تو یقیناً وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ آیات اس خبر کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عہدوں کو توڑا۔ یہ آیت تائید کرتی ہے کہ سابقہ آیت کف الایدی، بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ اہل تاویل کا ان سرداروں کے بھیجنے کی کیفیت میں اختلاف ہے، اس بات پر تو اجماع ہے کہ النقیب سے مراد قوم کا بڑا ہے ان کے حالات سے پوری طرح باخبر ہو اور ان کے امور و مصالح کا ذمہ دار ہو۔ النقاب وہ عظیم شخص جو لوگوں میں اس طریقہ پر ہوتا ہے، اسی وجہ سے حضرت عمر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نقاب تھے۔ النقباء، ضمان، اس کا واحد نقیب ہے جو قوم کا شاہد اور ضامن ہو، کہا جاتا ہے: نقب علیهم، وهو حسن النقیبة یعنی حسن الخلیقه۔ النقب والنُّقب۔ پہاڑی راستہ کو کہتے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کو نقیب اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنی قوم کے معاملات میں دخیل ہوتا ہے اور ان کے مناقب کو جانتا ہے وہی ان کے امور کی معرفت کا راستہ ہوتا ہے۔ ایک قوم نے کہا: النقباء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی قوم پر امین ہوتے ہیں۔ یہ تمام معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ نقیب کا مرتبہ عریف سے بڑا ہوتا ہے۔ عطا بن یسار نے کہا: حاملین قرآن اہل جنت کے عرفاء (سردار) ہیں۔ دارمی نے اپنی مسند میں یہ ذکر کیا ہے۔ قتادہ وغیرہ نے کہا: یہ نقباء ہر قبیلہ سے بڑے سردار تھے، ہر ایک اپنے قبیلہ کا کفیل بنا تھا کہ وہ ایمان لائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے۔ اسی طرح نقباء عقبہ کی رات تھے، اس میں ستر مردوں اور دو عورتوں نے بیعت کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ستر میں سے بارہ کا چناؤ کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا میں ان کا نام نقباء رکھا تھا۔ ربیع اور سدی وغیر ہما نے کہا: بنی اسرائیل سے نقباء بھیجے جنہیں جابر اور بڑے لوگوں کی طاقت پر اطلاع دینے پر امین بنایا وہ چلے تا کہ وہ آزمائیں انہیں جو ان کے ساتھ ہیں اور انہیں بتائیں جس پر وہ مطلع ہیں تا کہ ان سے جنگ کرنے کے متعلق غور وخوض کیا جائے، پس وہ جابر لوگوں کی قوت پر مطلع ہوئے اور انہوں نے گمان کیا کہ انہیں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ وہ اس چیز کو بنی اسرائیل سے چھپائیں اور اس کے متعلق صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ کریں جب وہ بنی اسرائیل کی طرف لوٹے تو ان میں سے دس نے خیانت کی اور انہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں اور جو ان پر اعتماد کرنے والے تھے انہیں بتا دیا۔ پس خبر پھیل گئی حتی کہ بنی اسرائیل کا معاملہ ٹیڑھا ہو گیا اور انہوں نے کہا: فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝ (المائدہ) (1) (پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں بیٹھیں گے)

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں ایسی خبر واحد کی قبولیت میں دلیل ہے جس میں انسان کو ضرورت ہو اور حاجات دینیہ اور دنیویہ میں سے کسی پر مطلع ہونے کا محتاج ہو پس اس پر احکام مرتب کیے جاتے ہیں اور اس پر حلال وحرام کا دارومدار ہوتا ہے،

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 168

اس کی مثال اسلام میں موجود ہے، آپ ﷺ نے ہوازن کو کہا تھا: ''تم واپس جاؤ حتی کہ ہمارے پاس تمہارے عرفاء (سردار) تمہارا معاملہ پیش کریں'' (1)۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس میں جاسوس بنانے کی دلیل ہے۔ التجسس کا معنی ہے تلاش و بحث کرنا، رسول اللہ ﷺ نے بسبسۃ کو جاسوس بنا کر بھیجا تھا (2)۔ جاسوس کا حکم سورہ الممتحنۃ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ رہے بنی اسرائیل کے نقباء کے اسماء تو محمد بن حبیب نے المحبر میں ان کے اسماء ذکر کیے ہیں۔ انہوں نے کہا: روبیل قبیلہ کا سردار شموع بن رکوب تھا، شمعون قبیلہ کا سردار شوقوط بن حوری تھا، یہوذا قبیلہ کا سردار کالب بن یوقنا تھا، الساحر قبیلہ کا سردار یوغول بن یوسف تھا، افرائیم قبیلہ کا سردار یوشع بن نون تھا، بنیامین قبیلہ کا سردار یلنطی بن روقو تھا اور ربالون قبیلہ کا سردار کرابیل بن سودا تھا، منشا بن یوسف قبیلہ کا سردار کدی بن سوشا تھا، دان قبیلہ کا سردار عمائل بن کسل تھا، شبیر قبیلہ کا سردار ستور بن میخائیل تھا، نفتال قبیلہ کا سردار یوحنا بن وقوشا تھا اور کاذ قبیلہ کا سردار کوال بن موخی تھا ان میں سے دو مومن تھے یوشع اور کالب۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دو کے علاوہ کے خلاف دعا کی تو وہ سارے ہلاک ہو گئے جب کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض تھا۔

یہ ماوردی کا قول ہے۔ اور لیلۃ العقبہ کے نقباء سیرت ابن اسحاق میں مذکور ہیں وہاں دیکھ لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ

ربیع بن انس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ نقباء کو کہا تھا۔ بعض نے فرمایا: یہ تمام بنی اسرائیل کو فرمایا: ان کو کسرہ دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے کلام کا آغاز کیا گیا ہے۔ مَعَكُمْ منصوب ہے، کیونکہ ظرف ہے یعنی بالنصر والعون۔ پھر کلام کا آغاز فرمایا، فرمایا: لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ یعنی اگر تم ایسا کرو گے تو میں تمہیں باغات میں داخل کروں گا۔ لئن میں لام، لام توکید ہے، اس کا معنی قسم ہے، اسی طرح لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ اور لَاُدْخِلَنَّكُمْ میں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے اگر تم نماز قائم کرو گے تو میں تمہارے گناہ تم سے مٹا دوں گا اور دوسری شرط کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے، کیونکہ ارشاد ہے: لَاُكَفِّرَنَّ یعنی اگر تم ایسا کرو گے تو میں تمہارے گناہ مٹا دوں گا۔ بعض علماء نے فرمایا: لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ کا قول اِنِّیْ مَعَكُمْ کی جزا ہے اور لَاُكَفِّرَنَّ کے قول کی شرط ہے۔ التعزیر کا معنی تعظیم و توقیر ہے، ابو عبیدہ نے کہا:

وکم من ماجد لهم کریم　ومن لیث یُعَزَّر فی النَّدی

یعنی وہ تعظیم و توقیر کرتا ہے۔ الضرب وہ سزا ہے جو حد سے کم ہوتی ہے، تو کہتا ہے: عزرت فلانا جب تو نے اسے ادب سکھایا اور برائی سے اسے روکا۔ پس عزرتموھم کا مطلب ہے تم نے ان سے ان کے دشمنوں کو روکا۔

وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یعنی صدقات دے۔ اقراضا نہیں فرمایا: یہ مصدر، فعل کے مصدر کے خلاف آیا ہے جیسے وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ (نوح) اور فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ (آل عمران: 37) یہ پہلے گزر چکا ہے۔ پھر

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 2، صفحہ 618　2۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 2، صفحہ 138

حسناً فرمایا یعنی اس صدقہ پر تمہارے دل خوش ہوں۔ بعض نے فرمایا: اس سے وہ اللہ کی رضا چاہتے ہوں۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے حلالاً۔ بعض نے فرمایا: قرضاً اسم ہے مصدر نہیں ہے۔ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ یعنی یثاق کے بعد۔ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ یعنی وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳

"تو بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا اور کر دیا ان کے دلوں کو سخت، وہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی اصلی جگہوں سے اور انہوں نے بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اور ہمیشہ آپ آگاہ ہوتے رہیں گے ان کی خیانت پر بجز چند آدمیوں کے ان سے تو معاف فرماتے رہیے ان کو اور درگزر فرمایئے بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ یعنی ان کے عہد کو توڑنے کی وجہ سے۔ ما تاکید کے لیے زائدہ ہے۔ یہ قتادہ اور تمام اہل علم سے مروی ہے یہ کلام کو مؤکد کرتا ہے اس معنی سے کہ حسن نظم کی جہت سے نفس میں معنی راسخ ہو جاتا ہے اور کثرت کی جہت سے تاکید کے لیے ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

لشئ ما یسود من یسود

پس تاکید علامت موضوعہ کے ساتھ، تکریر کے ساتھ تاکید کی طرح ہے۔

لَعَنّٰهُمْ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہم نے انہیں جزیہ کے ساتھ عذاب دیا۔ حسن اور مقاتل نے کہا: ہم نے مسخ کے ساتھ انہیں عذاب دیا۔ عطا نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے انہیں دور کر دیا۔ اللعن کا معنی رحمت سے دور کر دینا ہے۔ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ہم نے ان کے دلوں کو ایسا سخت بنا دیا ہے کہ نہ وہ خیر کو یاد رکھتے ہیں اور نہ نیکی کرتے ہیں۔ القاسیۃ اور العاتیۃ کا ایک معنی ہے۔ کسائی اور حمزہ نے قسیّۃ بغیر الف کے یا کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ابن مسعود، نخعی اور یحییٰ بن وثاب کی قرأت ہے العام القسی الشدید اس سال کو کہتے ہیں جس میں بارش نہ ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ الدراھم القسیات سے ہے بمعنی فاسد اور ردی دراہم۔ قسیہ کا معنی اس بنا پر یہ ہوگا کہ وہ ایمان کے ساتھ خالص نہیں یعنی ان میں نفاق ہے۔ نحاس نے کہا: یہ عمدہ قول ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے درھم قسی جب اس میں نحاس وغیرہ کے ساتھ کھوٹ ملا دیا گیا ہو۔ جاتا ہے درھم قسی سین مخفف اور یا مشدد کے ساتھ جیسے شقی گھٹیا درہم۔ یہ ابو عبیدہ نے ذکر کیا ہے:

لها صَوَاهِلُ فی صُمِّ السِّلَامِ کما صاحَ القَسِيّاتُ فی أیدی الصیاریفِ

شاعر ان کسیوں کی تعریف کر رہا ہے جو پتھروں میں واقع ہوتے ہیں۔

اصمعی اور ابو عبید نے کہا: درہم قسی گویا یہ قاشی سے معرب بنایا گیا ہے۔ قشیری نے کہا: یہ بعید ہے، کیونکہ قرآن میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو لغت قرآن سے نہیں ہے، بلکہ الدرھم القسی، القسوۃ اور الشدۃ سے ہے، کیونکہ جس میں چاندی کم ہوتی ہے وہ سخت ہوتا ہے۔ اعمش نے کہا: قسیة یا کی تخفیف کے ساتھ فعلة کے وزن پر جیسے عمیة و شجیة یہ قسی یقسی سے ہے نہ کہ قسا یقسو سے ہے۔ باقی قراء نے فاعلةٌ کے وزن پر پڑھا ہے۔ یہ ابو عبید کا اختیار ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے العلیة اور العالیة، الزکیة، الزاکیة۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس میں اولیٰ یہ ہے کہ قسیة بمعنی قاسیة ہو۔ مگر فعلیةٌ فاعلة سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے، معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا ہے وہ میرے طاعت کی توفیق اور ایمان سے دور ہیں، کیونکہ کوئی قوم ایمان سے موصوف نہیں ہوتی جب کہ ان کے دل اس سے موصوف ہوں کہ ان کے ایمان کے ساتھ کفر ملا ہوا ہو۔ جیسے الدراھم القسیة جن میں کھوٹ ملا ہوا ہوتا ہے۔ راجز نے کہا:

قد قسوت و قست لِداتی

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ غیر مناسب تاویل کرتے ہیں اور پھر عوام کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ حروف کو بدلتے ہیں۔ یُحَرِّفُوْنَ محل نصب میں ہے یعنی ہم نے ان کے دل کو سخت کر دیا ہے جب کہ وہ بدلنے والے ہیں۔ سلمی اور نخعی نے الکلام، الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کو اور آیت رجم کو بدلا۔ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا یعنی اللہ کے عہد کو بھول گئے جو انبیاء نے ان سے لیا تھا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور ان کی صفات کو بیان کریں گے۔ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ یعنی اے پیارے محمد! آپ ہمیشہ آگاہ ہوتے رہیں گے آپ بھی آگاہ رہیں۔ عَلٰى خَآىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ، الخائنه کا معنی ہے خیانت۔ قتادہ نے کہا: یہ لغت میں جائز ہے اس کی مثال عربوں کا قول ہے قائلةٌ بمعنی قیلولة۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ محذوف کی لغت ہے، تقدیر فرقةٌ خائنة ہے کبھی خائنةٌ واحد کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: رجل نسابة و علامةٌ۔ اس بنا پر خائنة مبالغہ کے لیے ہوگا کہا جاتا ہے: رجل خائنةٌ جب تو کسی کے وصف خیانت میں مبالغہ کرے۔ شاعر نے کہا:

حدثت نفسك بالوفاءِ ولم تكن لِلغَدْرِ خائنةً مغلَّ الإصبعِ(1)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: عَلٰى خَآىِٕنَةٍ کا مطلب ہے معصیت پر (2)۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد جھوٹ اور فجور ہے۔ ان کی خیانت یہ تھی کہ انہوں نے اس عہد کو توڑا جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا اور یہود کا مشرکین کی مدد کرنا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ لڑی تھی جیسے جنگ احزاب وغیرہ اور اس کے علاوہ ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخیاں کرنا تھا۔ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ مگر ان میں سے تھوڑے تھے جنہوں نے خیانت نہیں کی تھی یہ خَآىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ میں ضمیر سے مستثنیٰ متصل ہے۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ اس کے معنی میں دو قول ہیں: یعنی ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے جب تک ان کے اور تمہارے درمیان عہد ہے اور وہ اہل ذمہ ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ

1۔ احکام القرآن للطبری، جلد 6، صفحہ 188
2۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 227

آیت السیف سے منسوخ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس قول سے منسوخ ہے: وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً (الانفال: 58)

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۪ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ۝۱۴ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝۱۵ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَیَهْدِیْهِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۱۶

''اور ان لوگوں سے جنہوں نے کہا: ہم نصرانی ہیں ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ ان سے بھی، سو انہوں نے بھی بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھڑکا دی ان کے درمیان عداوت اور بغض (کی آگ) روز قیامت تک اور آگاہ کر دے گا انہیں اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ اے اہل کتاب! بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں جنہیں تم چھپایا کرتے تھے کتاب سے اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی، دکھاتا ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی سلامتی کی راہیں اور نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے اجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دکھاتا ہے انہیں راہ راست''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ یعنی ہم نے نصاریٰ سے توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا، کیونکہ وہ انجیل میں مکتوب ہے۔ فَنَسُوْا حَظًّا سو انہوں نے بھلا دیا بڑا حصہ اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے یعنی جو انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور انہوں نے اس خواہش نفس اور تحریف کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا سبب بنایا۔ اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ کا معنی اس طرح ہے جیسے تیرا قول ہے: اخذت من زید ثوبه و درهمه، میں نے زید سے کپڑا اور درہم لیا۔ یہ اخفش کا قول ہے۔ الَّذِیْنَ کا مقام اَخَذْنَا کے بعد ہے اور میثاق سے پہلے ہے تقدیر اس طرح ہوگی: اخذنا من الذین قالوا انا نصاری میثاقهم کیونکہ یہ اَخَذْنَا کا مفعول ثانی ہے۔ کوفیوں کے نزدیک اس کی تقدیر اس طرح ہے: ومن الذین قالوا انا نصاری من اخذنا میثاقهم، هم ضمیر کا مرجع من محذوفہ ہے اور پہلے قول کی بنا پر هم ضمیر کا مرجع الَّذِیْنَ ہے۔ اور نحوی علماء اخذنا میثاقهم من الذین قالوا انا نصاری جائز قرار نہیں دیتے اور نہ اَلْیَنَها لبست من الثیاب کو جائز قرار دیتے ہیں تاکہ مضمر ظاہر پر مقدم نہ ہو اور ان کے قول اِنَّا نَصٰرٰی من النصاری نہیں کہا

میں دلیل ہے کہ انہوں نے نصرانیت کو گھڑا تھا اور انہوں نے یہ نام خود رکھا تھا۔ یہ معنی حسن سے مروی ہے(1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ یعنی ہم نے ابھارا۔ بعض نے فرمایا: ہم نے ان کے ساتھ چمٹا دی۔ یہ الفراء سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا، جیسے گوند وغیرہ۔ کہا جاتا ہے: غری بالشی یغری غراً (غین کے فتحہ کے ساتھ مقصور) اور غراء غین کے کسرہ کے ساتھ ممدود جب کوئی کسی کا حریص ہو جائے گویا وہ اس کے ساتھ چمٹ گیا ہے۔ رمانی نے حکایت کیا ہے کہ الاغراء کا معنی بعض کو بعض پر مسلط کرنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الاغراء کا معنی ابھارنا ہے اس کا اصل معنی ملانا ہے کہا جاتا ہے: غریت بالرجل غراً مقصور، ممدود غین کے فتحہ کے ساتھ، جب تو کسی کے ساتھ چمٹ جائے۔ کثیر نے کہا:

إذا قيل مهلا قالت العين بالبكا　　غِرَاء مدّتها حوافِلُ نُهّل

أغْرَيْتُ زيداً بكذا حتى غَرِيَ به۔ اس سے الغراء ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو چمٹایا جاتا ہے۔ پس الاغراء بالشی کا معنی ہے تسلط کی جہت سے کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ چمٹانا ہے۔ أغريت الكلب یعنی میں نے کتے کو شکار پر ابھارا۔ بَيْنَهُمُ، الْعَدَاوَةَ کے لیے ظرف ہے اور البغضاء سے مراد بغض ہے، اس کے ساتھ یہود و نصاریٰ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے(2)۔ سدی اور قتادہ سے مروی ہے کہ بعض بعض کے لیے دشمن ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ نصاریٰ کے افتراق کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ربیع بن انس کا قول ہے، کیونکہ وہ قریب مذکور ہیں، کیونکہ وہ یعقوبیہ، نسطوریہ اور ملکانیہ فرقوں میں بٹ گئے تھے یعنی بعض نے بعض کو کافر کہا(3)۔ نحاس نے کہا: فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الخ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں سے بہتر قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی عداوت اور ان سے بغض رکھنے کا حکم دیا ہر فرقہ کو دوسرے فرقہ سے عداوت کا حکم دیا گیا تھا، کیونکہ وہ کفار ہیں۔ اور وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ یہ انہیں دھمکی ہے یعنی وہ میثاق کو توڑنے کی جزا پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ، الْكِتٰبِ اسم جنس ہے بمعنی الکتب ہے، تمام اہل کتاب مخاطب ہیں۔ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ یعنی من کتبکم یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، آیت رجم اور اصحاب السبت کا واقعہ جنہیں بندروں میں مسخ کر دیا گیا تھا وہ انہیں چھپاتے تھے۔ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ یعنی وہ چھوڑ دیتا ہے اور بیان نہیں فرماتا اس کی نبوت پر جو اس میں حجت ہے اسے بیان کرتا ہے اور اس کی صداقت اور رسالت کی شہادت پر جو دلالت ہے اسے بیان کرتا ہے اور جس چیز کے بیان کی ضرورت نہیں ہوتی اسے وہ چھوڑ دیتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ یعنی بہت سی چیزوں سے درگزر فرماتا ہے اور اس کے متعلق تمہیں خبر نہیں دیتا، ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کے علماء میں سے ایک شخص تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہنے لگا: اے شخص! تو نے ہم سے درگزر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا اور کچھ بیان نہ کیا۔ یہودی نے ارادہ کیا تھا کہ وہ آپ کی کلام میں تناقض ظاہر کرے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ بیان نہ کیا تو وہ اٹھ کر چلا گیا اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میرا خیال ہے

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 186　2۔ احکام القرآن للطبری، جلد 6، صفحہ 190　3۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 186

وہ جو کچھ کہتا ہے اس میں وہ سچا ہے، کیونکہ اس نے اپنی کتاب میں پڑھا ہے کہ وہ اسے بیان نہیں کرتا جو اس سے پوچھتا ہے۔
قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ روشنی۔ بعض علماء نے فرمایا: نور سے مراد اسلام ہے۔ بعض نے فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ زجاج سے مروی ہے (1)۔ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ یعنی قرآن، کیونکہ قرآن احکام کو بیان کرتا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ یعنی اللہ تعالیٰ جسے پسند کرتا ہے۔ سُبُلَ السَّلٰمِ سلامتی کا راستہ جو دار السلام تک پہنچانے والا ہے۔ ہر آفت سے پاک ہے اور ہر خوف سے امن والا ہے اور وہ جنت ہے۔ حسن اور سدی نے کہا: السلام سے مراد اللہ تعالیٰ ہے (2)، معنی ہوگا اللہ کا دین اور وہ اسلام ہے جیسے فرمایا: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: 19)

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ یعنی کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نور اسلام اور ہدایات کی طرف نکالتا ہے۔ بِاِذْنِهٖ اپنی توفیق اور ارادہ سے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

''یقیناً کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن مریم ہے (اے حبیب!) آپ فرمائیے کون قدرت رکھتا ہے اللہ کے حکم میں سے کوئی چیز روک دے (یعنی) اگر وہ ارادہ فرمائے کہ ہلاک کر دے مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو کوئی بھی زمین میں ہے سب کو (تو اسے کون روک سکتا ہے) اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ سورۃ النساء کے آخر میں اس کا بیان گزر چکا ہے، اس کلام کی دلالت میں نصاریٰ کا کفر ثابت ہوا یہ ان کے اس قول کی وجہ سے تھا کہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ یعنی اللہ تعالیٰ تو مسیح بن مریم ہے دین کی جہت سے، کیونکہ اگر انہوں نے یہ حکایت کی جہت سے کہا ہوتا اس بات کا انکار کرتے ہوئے تو وہ کافر نہ ہوتے۔

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا یعنی اللہ کے امر سے۔ يَّمْلِكُ کا معنی يقدر ہے۔ یہ عربوں کے قول: ملكت على فلان امره یعنی میں اس پر قادر ہوا، یعنی کوئی اللہ کے امر کو روکنے پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اگر خدا ہوتے تو وہ اس چیز کو دور کرنے پر قادر ہوتے جو ان پر اترتی اور جو دوسروں پر اترتی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کو موت دی وہ اپنی والدہ سے موت کو دور نہ کر سکے اگر اللہ تعالیٰ انہیں موت دیتا تو کون اس کا دفاع کرتا یا کون اسے رد کر سکتا؟ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مخلوق میں محدود ہیں محصور ہیں ان کو حد اور

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 2، صفحہ 22
2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 187

نہایت نے گھیرا ہوا ہے وہ البیت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور فرمایا: وَمَا بَيْنَهُمَا، وما بينهن نہیں فرمایا کیونکہ دونوعوں اور صنفوں کا ارادہ کیا جیسا کہ راعی نے کہا:

طَرَقَا تتلك هَمَاهِمِی أَقْرِيهما　قُلُصا لَوَاقِحَ كالقِسِی و حُولا (1)

اس نے طرقا کہا: پھر کہا: ھماھی۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔

وَ قَالَتِ الْيَهُودُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۫ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱

''کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں آپ فرمایئے (اگر تم سچے ہو) تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمہیں تمہارے گناہوں پر بلکہ تم بشر ہو اس کی مخلوق سے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالَتِ الْيَهُودُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی ایک قوم کو سزا سے ڈرایا تو انہوں نے کہا: ہم نہیں ڈرتے، کیونکہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نعمان بن اضا، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی آئے انہوں نے آپ سے بات چیت کی اور آپ نے بھی ان سے کلام کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا انہوں نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ہمیں ڈراتے ہیں؟ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں جس طرح نصاریٰ نے کہا تھا پس اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: وَ قَالَتِ الْيَهُودُ الخ (3)۔ انہیں حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عقبہ بن وہب نے کہا: اے یہودیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ وہ رسول اللہ ہیں تم خود ہمارے سامنے ان کی بعثت سے پہلے ان کا تذکرہ کرتے تھے اور ہمارے سامنے ان کی صفات بیان کرتے تھے۔ رافع بن حریملہ اور وہب بن یہوذا نے کہا: ہم نے تو تمہیں یہ نہیں کہا اور نہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی کتاب نازل کی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ الخ۔ سدی نے کہا: یہود کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تیرا بیٹا، بکری، اولاد سے ہے (4)۔ سدی کے علاوہ علماء نے کہا: نصاریٰ نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے ہیں، کیونکہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے

1۔ احکام القرآن للطبری، جلد 6، صفحہ 196　2۔ اسباب النزول، صفحہ 128
3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 197　4۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 188

حکایت ہے کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ کی طرف جا رہا ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم اللہ کے رسل کے بیٹے ہیں یہ مضاف کے حذف کی بنا پر ہے انہوں نے اپنے نفسوں میں فضیلت دیکھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کا رد کیا اور فرمایا: فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ پس وہ دو وجہوں سے خالی نہ تھے یا وہ کہیں کہ وہ ہمیں عذاب دے گا تو انہیں کہا جائے گا پھر تم اس کے بیٹے اور محبوب نہیں ہو، کیونکہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں دیتا جب کہ تم اس کے عذاب کا اقرار کرتے ہو یہ تمہارے جھوٹ پر دلیل ہے۔ اس کو جھگڑے کے وقت برہان الخلف کا نام دیا جاتا ہے۔ یا وہ کہیں کہ وہ ہمیں عذاب نہیں دے گا، تو انہوں نے اسے جھٹلایا جو ان کی کتب میں ہے اور جو ان کے رسول لے کر آئے اور انہوں نے معاصی کو مباح کیا جب کہ وہ اپنے میں سے نافرمانوں کے عذاب کا اعتراف کرنے والے ہیں، اسی وجہ سے ان کی کتب کے احکام لازم کرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: يُعَذِّبُكُمْ کا معنی ہے عذبکم۔ یہ ماضی کے معنی میں ہے یعنی تمہیں کیونکہ بندروں اور خنازیر میں مسخ کیا (1) اور تم سے پہلے یہود و نصاریٰ کو مختلف قسم کے عذاب میں گرفتار کیا وہ بھی تمہاری مثل تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی ایسی چیز سے حجت قائم نہیں کی جو ابھی تک نہیں ہوئی تھی، کیونکہ وہ بعض اوقات کہتے کہ ہم کل عذاب نہیں دیئے جائیں گے بلکہ اس سے حجت پیش کی جس کو وہ جانتے تھے پھر فرمایا: بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ یعنی دوسری مخلوق کی طرح تم بھی بشر ہو وہ تمہاری طاعت اور معصیت پر تمہارا محاسبہ کرے گا اور ہر ایک کو جزا دے گا جس نے جو عمل کیا۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ یہود میں سے جس نے توبہ کی۔ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ جو یہودیت پر مرا۔ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں جو اس سے معارضہ کرے۔ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۝ یعنی آخرت میں بندوں کا عمل اس کی طرف لوٹ جائے گا۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ١٘ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ١ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۠۝

”اے اہل کتاب! بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول صاف بیان کرتا ہے تمہارے لیے (احکام الٰہی) بعد اس کے رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا تا کہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا تھا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا اب تو آ گیا ہے تمہارے پاس خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (2)۔ يُبَيِّنُ لَكُمْ ان کی حجت کو ختم کرنے کے لیے تا کہ کل تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ، فَتْرَةٍ کا معنی ہے سکون، کہا جاتا ہے: فتر الشی، چیز سکون کر گئی۔ بعض علماء نے فرمایا: عَلٰى فَتْرَةٍ انبیاء کے درمیان انقطاعی دور، یہ ابو علی اور اہل علم کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ یہ رمانی نے حکایت کیا ہے۔ فرمایا: اس میں اصل، اس عمل کا انقطاع ہے جس پر پہلے تھا یہ عربوں کے اس قول سے ہے۔ فتر عن عملہ و فترتہ عنہ وہ اپنے عمل سے رک گیا اور میں نے اسے روک دیا۔ اسی سے ہے فتر الماء، جب اس

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 230 2۔ ایضاً

کی گرمی ختم ہو جائے اور ٹھنڈا ہو جائے۔ امراۃ فاترۃ الطرف جس کی نظر ختم ہو جائے۔ فتور البدن کفتور الماء اور سبابہ اور انگوٹھے کا درمیانی حصہ جب تو ان کو کھلا کرے۔ معنی یہ ہے اس سے پہلے کی مدت رسولوں کے لیے گزر گئی، اس فترت کی مدت کی مقدار میں اختلاف ہے۔ محمد بن سعد نے کتاب ''الطبقات'' میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت موسیٰ بن عمران بن مریم علیہما السلام کے درمیان سترہ سو سال کا عرصہ تھا اور ان کے درمیان فترہ نہ تھا ان کے درمیان بنی اسرائیل سے ہزار نبی مبعوث فرمائے اور یہ ان کے علاوہ تھے جو دوسری قوموں سے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پانچ سو انہتر سال کی مدت تھی۔ اس کی ابتدا میں تین انبیاء مبعوث فرمائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ (یٰسین: 14) اور تیسرے جن کے ساتھ دو کو قوت بخشی وہ شمعون تھے، یہ حواریین سے تھے اور فترہ جس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول مبعوث نہیں فرمایا وہ چار سو چونتیس سال کا عرصہ تھا (1)۔ کلبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ السلام کے درمیان پانچ سو انہتر سال کا عرصہ تھا، ان کے درمیان چار انبیاء تھے ایک بنی عبس سے عرب سے تھا وہ خالد بن سنان تھا۔ قشیری نے کہا: اس جیسا حکم ثابت نہیں ہوتا مگر سچی خبر کے ساتھ۔ قتادہ نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ السلام کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ تھا، یہ مقاتل، ضحاک اور وہب بن منبہ کا قول ہے مگر وہب نے بیس سال کا اضافہ کیا ہے، ضحاک سے یہ بھی مروی ہے کہ چار سو تیس سے کچھ زائد سال کا عرصہ تھا۔ ابن سعد نے عکرمہ سے ذکر کیا ہے فرمایا: حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس صدیاں تھیں، تمام لوگ اسلام پر تھے۔ ابن سعد نے کہا: ہمیں محمد بن عمرو بن واقد اسلمی نے کئی راویوں سے روایت کر کے بتایا کہ انہوں نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرون کا وقفہ تھا اور ایک قرن کے سو سال ہوتے ہیں۔ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دس قرون کا عرصہ تھا اور قرون کے سو سال ہوتے ہیں، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ بن عمران کے درمیان دس قرون تھے اور ایک قرن کے سو سال ہوتے ہیں، اس طرح حضرت آدم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کئی صدیاں اور سال تھے۔ اَنْ تَقُوْلُوْا یعنی لئلا یا کراھیۃ ان تقولوا یہ محل نصب میں ہے۔ مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ یعنی ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا نہیں آیا۔ وَّ لَا نَذِیْرٍ یعنی کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اور مِنْۢ بَشِیْرٍ اور لَا نَذِیْرٍ بھی جائز ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عقبہ بن وہب نے یہود سے کہا: اے یہود کے گروہ! اللہ سے ڈرو اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں اور تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہمارے لیے آپ کا ذکر کرتے تھے اور تم ان کا وصف بیان کرتے تھے، پس انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نہ کوئی کتاب نازل کی، نہ ان کے بعد کوئی بشارت دینے والا اور نہ ڈرانے والا بھیجا پس یہ آیت نازل ہوئی وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۠ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس کو رسول بنا کر بھیجنا چاہے اس پر قادر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جس کی اس نے بشارت دی جس سے اس نے ڈرایا اس پر وہ قادر ہے۔

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد 1، صفحہ 53

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ
وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا
الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا
خٰسِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا
مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ
اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَ عَلَى اللّٰهِ
فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا
فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا
نَفْسِيْ وَ اَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ
اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

''جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران اور عطا فرمایا تمہیں جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں۔ اے میری قوم! داخل ہو جاؤ اس پاک زمین میں جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ پیچھے ہٹو، پیٹھ پھیرتے ہوئے ورنہ تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے، کہنے لگے اے موسیٰ! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے اور ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں جب تک وہ نکل نہ جائیں وہاں سے اور اگر وہ نکل جائیں اس سے تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے۔ (اس وقت) کہا دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والے تھے انعام فرمایا اللہ نے جن پر کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایماندار۔ کہنے لگے اے موسیٰ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔ موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! میں مالک نہیں ہوں بجز اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے۔ بس جدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور نافرمان قوم کے درمیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو یہ سرزمین حرام کر دی گئی ہے ان پر چالیس سال تک سرگرداں پھریں گے زمین میں سو نہ غمگین ہوں آپ اس نافرمان قوم (کے انجام) پر''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان ہے کہ ان کے اسلاف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سرکشی کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ اسی طرح انہوں نے حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سرکشی کی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے، یعنی اے ایمان والو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو یاد کرو۔ حضرت عبداللہ بن کثیر سے مروی ہے کہ انہوں نے یا قوم اذکروا (میم کے ضمہ کے ساتھ) پڑھا ہے اسی طرح جو اس کے مشابہ ہیں تقدیر یا ایہا القوم ہے۔ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ انبیاء غیر منصرف ہے، کیونکہ اس میں الف تانیث ہے۔ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا یعنی تم پہلے فرعون کے غلام اور ان کے ہاں مجبور تھے اس کے بعد اب تم اپنے معاملہ کے مالک ہو اس معاملہ میں تم پر کوئی غالب نہیں ہے، اس نے تمہیں غرق سے نجات دی، پس وہ اس وجہ سے بادشاہ ہیں۔

سدی، حسن وغیرہ نے اسی طرح تفسیر کی ہے۔ سدی نے کہا: ان میں سے ہر ایک اپنے نفس، اہل اور مال کا مالک ہوا (1)۔ قتادہ نے کہا: وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا فرمایا ہم بیان کرتے تھے کہ بنی آدم میں سے یہ پہلے تھے جن سے خدمت لی گئی تھی (2)۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ ضعیف ہے، کیونکہ قبطی لوگ بنی اسرائیل سے خدمت لیتے تھے۔ بنی آدم کے امر کا ظاہر یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے مسخر تھے جب سے ان کی نسل بڑھی اور ان کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ تملیک کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے (3)۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے اس نے تمہیں منازل والا بنایا، تم پر بغیر اجازت کے کوئی داخل نہیں ہوتا یہ مفہوم اہل علم کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہیں ہوتا تو وہ اس گھر کا مالک ہے۔ حسن اور زید بن اسلم سے بھی یہ مروی ہے کہ جس کا گھر، بیوی اور خادم ہو وہ مالک ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو کا قول ہے جیسا کہ علم میں ابو عبدالرحمن حبلی سے مروی ہے فرمایا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو سنا جب کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا۔ اس نے کہا: کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہ تھے؟ حضرت عبداللہ نے اسے کہا: کیا تیری بیوی ہے جس کے پاس تو رات گزارتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: کیا تیرے لیے کوئی منزل ہے جس میں تو رہتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ حضرت عبداللہ نے کہا: انت من الاغنیاء تو غنی لوگوں میں سے ہے۔ اس نے کہا: میرا خادم بھی ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: تو ملوک میں سے ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب آدمی پر کفارہ واجب ہوتا ہے اور وہ گھر اور خادم کا مالک ہوتا ہے تو ان دونوں چیزوں کو کفارہ میں بیچا جائے گا اس کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں، کیونکہ وہ رقبہ (غلام) پر قادر ہے اور ملوک روزہ کے ساتھ کفارہ ادا نہیں کر سکتے اور غلام آزاد کرنے سے عاجز تصور نہیں ہوتے (4)۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: ان کو من وسلویٰ کے ساتھ ملوک بنایا اور پتھر سے پانی نکالنے اور بادل سے سایہ کرنے کے ساتھ انہیں ملوک بنایا (5)، یعنی وہ ملوک کی طرح مخدوم تھے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ خادم اور منزل کے ساتھ ملوک بنایا۔ مجاہد، عکرمہ اور حکم بن عیینہ کا یہی قول ہے اور انہوں نے زوج کا اضافہ کیا ہے، اسی طرح زید بن اسلم نے فرمایا: مگر انہوں نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس کا گھر ہو یا فرمایا منزل ہو وہ اس کی طرف پناہ لیتا ہو، بیوی ہو، خادم ہو (6) جو اس کی خدمت کرتا ہو تو وہ ملک ہے۔ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ کہا جاتا ہے: جو غیر سے مستغنی ہو وہ ملک ہے یہ اس طرح ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 190 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 202 — 3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 173
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 588 — 5۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 190 — 6۔ تفسیر ماوردی، جلد 2، صفحہ 25

فرمایا: من اصبح آمنا فی سربہ معافی فی بدنہ ولہ قوت یومہ فکأنما حیزت لہ الدنیا بحذافیرھا (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّاٰتٰىكُمْ یعنی اس نے تمہیں عطا کیا۔ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ⊙ جمہور مفسرین کے قول میں یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنی قوم کو خطاب ہے۔ یہی کلام کی وجہ ہے۔ مجاہد نے کہا: ایتاء سے مراد من و سلویٰ، پتھر سے پانی نکالنا اور بادلوں سے سایہ کرنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ان میں انبیاء کی کثرت تھی، اور وہ آیات جو ان کے پاس آئیں وہ مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا: کھوٹ اور غش سے پاک دل مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: غنائم کا حلال کرنا اور ان سے نفع اٹھانا مراد ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول مردود ہے، کیونکہ مال غنیمت کسی امت کے لیے حلال نہیں تھا، سوائے اس امت محمدیہ کے جیسا کہ صحیح میں ثابت ہے اس کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کلام ہے ان کے نفوس کو مطمئن کرنے کے لیے تاکہ قوت حاصل کریں اور جبارین کی زمین میں داخل ہونے کے امر کو مضبوطی سے پکڑیں اور اس شخص کی طرح ان کا نفوذ ہو جس کو اللہ تعالیٰ عزت دیتا ہے اور اس کی شان کو بلند کرتا ہے۔ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ یعنی تمہارے زمانہ کے لوگ۔ حسن سے مروی ہے، ابن جبیر اور ابو مالک نے کہا: یہ خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہے (2)، یہ ظاہر کلام سے عدول ہے جو مستحسن نہیں ہے، اخبار متفق ہیں کہ دمشق جبارین کا مکان تھا۔ الْمُقَدَّسَةَ اس کا معنی مطھرۃ ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی مبارکہ ہے۔ البرکۃ قحط اور بھوک سے پاک کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ شام کا ملک ہے۔ مجاہد نے کہا: طور اور اس کے اردگرد کا علاقہ ہے۔ حضرت ابن عباس، سدی اور ابن زید نے کہا: یہ اریحاء ہے۔ زجاج نے کہا: دمشق، فلسطین اور اردن کا بعض علاقہ ہے (3)۔ قتادہ کا قول ان تمام کا جامع ہے۔ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی تم پر اس میں داخل ہونا فرض کیا ہے اور تمہارے اس میں داخل ہونے کا وعدہ کیا ہے، تمہارے لیے اس میں ٹھہرنے کا وعدہ کیا ہے، جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو انہیں اہل اریحاء سے جہاد کرنے کا حکم ملا جو فلسطین کے شہروں میں سے ہے تو انہوں نے کہا: ہمیں تو ان شہروں کا علم ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے امر کے ساتھ بارہ نقیب (سردار) بھیجے ہر قبیلہ سے ایک شخص تھا وہ اخبار کو تلاش کرتے تھے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، پس انہوں نے عمالقہ میں جبارین کو دیکھا وہ بڑے خوفناک جسموں والے تھے، حتیٰ کہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ بعض نے ان نقباء کو دیکھا تو انہیں اپنی آستین میں لے لیا جب کہ ایک پھل بھی ساتھ تھا جو اس نے اپنے باغ سے توڑا تھا وہ ان نقباء کو لے کر آیا اور اپنے بادشاہ کے سامنے بکھیر دیا اور کہا: یہ لوگ ہم سے لڑنے کا ارادہ کرتے ہیں، بادشاہ نے انہیں کہا: تم اپنے ساتھی کی طرف لوٹ جاؤ اور انہیں ہماری خبر بتاؤ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: جب وہ لوٹ کر گئے تو انہوں نے اس علاقہ کے انگوروں میں سے ایک گچھا لیا۔ بعض علماء نے کہا: اسے ایک شخص نے اٹھایا۔ بعض نے کہا: اسے بارہ نقباء نے اٹھایا۔

میں کہتا ہوں: یہ اشبہ ہے۔ کہا جاتا ہے: جب وہ جبارین تک پہنچے تو انہوں نے انہیں دیکھا ان میں سے دو آدمی ان کے

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 58۔ ایضاً، ابن ماجہ، حدیث نمبر 4130، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 191

3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 174

ایک آدمی کی آستین میں داخل ہوتے ان کے انگوروں کا گچھا نہ اٹھایا جاتا مگر پانچ آدمی لکڑی میں اٹھاتے تھے اور انار کا دانہ جب وہ اندر سے خالی کیا جاتا تو پانچ یا چار آدمی داخل ہوتے۔ (علامہ آلوسی نے کہا: یہ سب خرافات ہیں)

میں کہتا ہوں: اس میں اور پہلے قول میں تعارض نہیں۔ کیونکہ وہ جابر جس نے انہیں آستین میں لیا تھا، کہا جاتا ہے: گود میں لیا تھا۔ وہ عوج بن عناق تھا۔ وہ سب سے دراز قامت تھا اور بڑے جسم والا تھا جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ تمام لوگوں کا طول ساڑھے چھ ہاتھ تھا۔ کلبی نے کہا: ان میں سے ہر ایک کا طول اسی ہاتھ تھا جب ان نقباء نے خبر پھیلا دی سوائے یوشع اور کالب بن یوقنا کے، تو بنی اسرائیل جہاد سے رک گئے انہیں چالیس سال تیہ میں عذاب دیا گیا یہاں تک کہ نافرمان مر گئے اور ان کی اولاد بڑھی پھر انہوں نے جبارین سے قتال کیا اور وہ ان پر غالب آ گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ یعنی تم میری طاعت سے نہ لوٹو اور جو میں نے تمہیں جبارین سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے اس سے نہ لوٹو۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ کی طاعت سے معصیت کی طرف نہ لوٹو، معنی ایک ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ یعنی بڑے بڑے جسموں والے، لمبے لمبے قدوالے ہیں، یہ پہلے گزر چکا ہے۔ کہا جاتا ہے: نخلة جبارة یعنی طویل کھجور۔ الجبار جو عظمت والا ہو، فقر اور ذلت سے محفوظ ہو۔ زجاج نے کہا: آدمیوں میں جبار اسے کہتے ہیں جو سرکش ہو جو لوگوں پر اپنے ارادہ کے مطابق جبر کرتا ہو۔ اس بنا پر اس کی اصل الاجبار سے ہوگی جس کا معنی مجبور کرنا ہے، کیونکہ وہ اپنے ارادہ کے مطابق دوسروں کو مجبور کرتا ہے اجبرہ اس نے اسے مجبور کیا۔ بعض نے فرمایا: یہ جبر العظم سے مشتق ہے پس اس بنا پر جبار کی اصل اپنے امر کی اصلاح کرنے والا ہوگا پھر ہر اس شخص کے لیے استعمال ہونے لگا جو اپنے لیے نفع حاصل کرتا ہے خواہ حق کے ساتھ ہو یا باطل کے ساتھ ہو۔ بعض نے فرمایا: جبر العظم بھی اکراہ کے معنی کی طرف راجع ہے۔ فراء نے کہا: میں نے فعال، افعل سے نہیں سنا مگر دو حرفوں سے جبار، من اجبر، دراک من ادرک۔ پھر کہا گیا یہ بقایا عاد سے تھے۔ بعض نے فرمایا: یہ عیصو بن اسحاق کی اولاد سے تھے اور یہ روم سے تھے اور ان کے ساتھ عوج اعنق تھا۔ اس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس ہاتھ تھا۔ یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے۔ وہ اپنی کھونٹی سے بادل میں سوراخ کرتا تھا اور اس سے پانی پیتا تھا اور وہ سمندر کی تہہ سے مچھلی پکڑتا تھا اور سورج کے قریب کر کے اسے بھون لیتا تھا اور پھر کھاتا تھا۔ طوفان نوح آیا تو وہ اس کے گھٹنے سے اوپر نہ ہوا تھا۔ اس کی عمر تین ہزار چھ سو سال تھی۔ اس نے جب اتنی بڑی چٹان اکھیڑی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کی مقدار تھی تاکہ وہ ان پر مارے تو اللہ تعالیٰ نے ایک پرندہ بھیجا جس نے اس چٹان کو کاٹ دیا وہ چٹان اس کی گردن پر گری اور اسے گرا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے جب کہ ان کا قد دس ہاتھ تھا ان کا عصا دس ہاتھ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دس ہاتھ اور بلند ہوئے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام عوج کے ٹخنے تک پہنچے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اسے لگا تو وہ مقتول ہو گیا۔ بعض نے کہا: آپ کا عصا اس کے ٹخنے کے نیچے والی رگ پر لگا تو وہ گر گیا اور مر گیا اور وہ مصر کے دریائے نیل پر گرا، ایک سال لوگوں نے اسے بطور پل استعمال کیا۔ اس مفہوم کو مختلف الفاظ کے ساتھ محمد بن اسحاق، طبری اور مکی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ کلبی نے کہا: عوج، ہاروت و ماروت کی اولاد سے تھا جب انہوں نے

عورت سے برائی کی تھی اور وہ عورت حاملہ ہوگئی تھی۔ (ا)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا یعنی ایلیاء کا شہر۔ اور کہا جاتا ہے: اریحاء۔ حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا حتیٰ کہ وہ شہر بغیر قتال کے ہمارے حوالے کر دیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ انہوں نے جبارین کے خوف کی وجہ سے کہا تھا اور انہوں نے نافرمانی کا قصد نہیں کیا تھا، کیونکہ انہوں نے کہا تھا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا: یہ یوشع اور کالب بن یوقن تھے (1)، ابن قانیا بھی کہا جاتا تھا یہ دونوں بارہ نقیبوں میں سے تھے۔ يَخَافُوْنَ یعنی وہ جبارین سے ڈرتے تھے۔ قتادہ نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ ضحاک نے کہا: وہ دونوں افراد جبارین کے شہر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے (2)۔ اس بنا پر يَخَافُوْنَ کا معنی ہوگا وہ عمالقہ سے ڈرتے تھے طبعی حیثیت سے تاکہ وہ ان کے ایمان پر مطلع نہ ہو جائیں اور وہ انہیں فتنہ میں مبتلا کریں لیکن وہ اللہ پر یقین رکھتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ بنی اسرائیل کے ضعف اور ان کی بزدلی کا خوف رکھتے تھے۔ مجاہد اور ابن جبیر نے یُخافون یا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ اس بات کو تقویت دیتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے نہ تھے۔

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا اللہ تعالیٰ نے ان پر اسلام یا یقین اور صلاح کا انعام فرمایا۔ ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ان دونوں نے بنی اسرائیل کو یہ کہا کہ ان کے جسموں کی بڑائی تمہیں خوف میں نہ ڈالے، ان کے دل تمہاری وجہ سے رعب سے بھرے ہوئے ہیں، ان کے اجسام بڑے ہیں اور دل کمزور ہیں، وہ جان چکے تھے کہ جب وہ اس دروازہ سے داخل ہوں گے تو غلبہ انہیں ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان دونوں نے یہ اللہ کے وعدہ پر یقین کی بنا پر کہا تھا پھر ان دونوں نے کہا: وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنے والے ہو کہ وہ تمہاری مدد کرے گا، پھر پہلے قول کی بنا پر کہا گیا کہ جب ان دونوں نے یہ کہا تو بنو اسرائیل نے ان دونوں کو رجم کرنے کا ارادہ کیا، انہوں نے کہا: ہم تمہاری تصدیق کریں اور ہم دس افراد کا قول چھوڑ دیں، پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا یہ قتال سے خالص عناد ہے اور نصرت سے مایوسی ہے۔ پھر وہ رب تبارک و تعالیٰ کی صفت سے جاہل تھے۔ انہوں نے کہا: فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا آنے جانے کے ساتھ وصف بیان کیا، اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے یہ دلیل ہے کہ وہ مشبہہ تھے۔ یہ حسن کے قول کا معنی ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ اس کلام کے معنی میں یہ ظاہر ہے۔ بعض علماء نے کہا: یعنی تیرے رب کا تیری مدد کرنا، ہماری مدد کرنے سے زیادہ احق ہے اور اس کا تیرے ساتھ قتال کرنا۔ اگر تو اس کا رسول ہے۔ ہمارے قتال سے اولیٰ ہے۔ یہ ان کی طرف سے کفر تھا، کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں شک کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنیٰ ہے کہ تو جا اور قتل کر اور تیرا رب تیری مدد

(ا) یہ قول علم کلام کی تحقیقات کے خلاف ہے۔ مترجم

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 193　　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 214

کرے۔ بعض نے کہا: انہوں نے رب سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام لیے تھے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی اطاعت کرتے تھے، بہر حال انہوں نے اپنے قول سے فسق کا ارتکاب کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ یعنی ان پر غمگین نہ ہوں۔ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ ہم یہاں رہیں گے اور ہم قتال نہیں کریں گے، قاعدین حال کی بنا پر جائز ہے، کیونکہ کلام اس سے پہلے مکمل ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اَخِيْ کیونکہ وہ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں صرف اپنے نفس کا مالک ہوں، پھر کلام کی ابتدا فرمائی اور فرمایا: وَ اَخِيْ یعنی میرا بھائی (1) صرف اپنے نفس کا مالک ہے۔ اَخِيْ پہلے قول کی بنا پر نفسی پر عطف کی بنا پر محل نصب میں ہے اور دوسرے قول کی بنا پر محل رفع میں ہے اگر تو چاہے تو ان کے اسم پر عطف کرے اور وہ یا ضمیر ہے یعنی میں اور میرا بھائی ہم صرف اپنے نفسوں کے مالک ہیں اگر تو چاہے تو املك میں جو ضمیر مضمر ہے اس پر عطف کرے گویا فرمایا: لا املك انا واخی الا انفسنا میں اور میرا بھائی صرف اپنے نفسوں کے مالک ہیں۔

فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ کہا جاتا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اور اس قوم کے درمیان جدائی کا سوال کیوں کیا؟ اس کے کئی جوابات ہیں۔ (۱) کیونکہ وہ حق سے بہت دور تھے اور انہوں نے جو عصیاں کا ارتکاب کیا تھا اس کی وجہ سے وہ صواب سے بہت دور چلے گئے تھے، اسی وجہ سے وہ تیہ میں ڈالے گئے (۲) تمیز طلب کرنے کے لیے یعنی ہمیں ان کی جماعت سے علیحدہ کر دے اور ہمیں ان کے ساتھ عقاب میں لاحق نہ کر۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ فرما، یا ہمیں اپنی عصمت کے ساتھ اس نافرمانی سے محفوظ کر لے جس میں تو نے انہیں مبتلا کیا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ (الدخان) يُفْرَقُ بمعنی یقضی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا جب انہیں تیہ میں مار ڈالا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس نے آخرت میں یہ فیصلہ کرنے کا ارادہ فرمایا یعنی ہمیں جنت میں کر دے اور ہمیں ان کے ساتھ آگ میں نہ ڈال، فرق جو احوال میں مباعدہ (دوری) پر دلالت کرتا ہے اس پر شاہد شاعر کا قول ہے:

یا ربّ فافرق بینه و بینی أشدّ ما فرّقتَ بین اثنین

ابن عیینہ نے عمرو بن دینار سے انہوں نے عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فافرق را کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور انہیں تیہ میں چالیس سال سزا دی۔ التیہ کا اصل معنی لغت میں حیرت ہے۔ تاہ یتیہ تیہاً وتوہاً حیران ہونا۔ توهته یا اور واؤ کے ساتھ ہے اور یا زیادہ ہے۔ الارض التيهاء ایسی زمین جس میں ہدایت و راستہ نہ ملے۔ ارض تیہ وتیہاء اس سے شاعر کا قول ہے:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 176، دار الکتب العلمیہ بیروت

تِیہٌ أَتَاوِیَہٌ علی السُّقَّاطِ

ایک اور شاعر نے کہا:

بِتَیْہَاءَ تَفْرٍ والمَطِیُّ کأنّہا   قَطَا الحَزْن قد کانت فِراخا بُیُوضُہا

بنی اسرائیل تھوڑے سے فراسخ چلتے تھے۔ بعض نے فرمایا: چھ فراسخ کی مقدار چلتے تھے، دن اور رات میں۔ صبح وہیں ہوتے تھے جہاں شام کو ہوتے تھے اور وہ شام کو وہاں ہوتے جہاں وہ صبح کو ہوتے تھے وہ چلتے رہتے تھے انہیں قرار نہیں تھا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ان کے ساتھ تھے یا نہیں؟ بعض نے فرمایا: وہ ساتھ نہیں تھے، کیونکہ تیہ سزا تھی اور تیہ کے سال بچھڑے کے ایام کی تعداد کے برابر تھے۔ ہر دن کے مقابلہ میں ایک سال رکھا گیا فرمایا: فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۞ بعض نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کے ساتھ تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر معاملہ آسان کر دیا تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی والا کر دیا تھا۔ اور محرمۃ کا معنی ہے انہیں اس میں داخل ہونے سے روکا گیا تھا جیسے کہا جاتا ہے: حرم اللہ وجھک علی النار۔ اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو آگ سے محفوظ کرے۔ حرمت علیک دخول الدار تجھ پر گھر میں داخلہ ممنوع ہے۔ یہ تحریم منع ہے نہ کہ تحریم شرع یہ اکثر اہل تفسیر سے مروی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

جَالَتْ لتصرعني فقلتُ لها اقصِری   إنّي امرؤٌ صَرْعِی علیكِ حرامُ

یعنی میں شہسوار ہوں مجھے پچھاڑنا ممکن نہیں۔

ابو علی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ تحریم تعبد ہو۔ کہا جاتا ہے: یہ عقلاء کی ایک جماعت کے بارے میں کہنا کیسے جائز ہے کہ وہ چند فرسخ چلیں اور وہ اس سے نکلنے کی راہ نہ پائیں؟ اس کا جواب ابو علی نے یہ دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس زمین کو پھیر دیتا ہو جس پر وہ تھے جب وہ سوتے ہوں اور انہیں وہ اسی جگہ کی طرف لوٹا دیتا ہو جس سے انہوں نے آغاز کیا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بطور معجزہ اشتباہ اور خروج سے مانع اسباب پیدا کر دیئے ہوں۔

اربعین، التیہ کے لیے ظرف زمان ہے۔ یہ حسن اور قتادہ کا قول ہے اور انہوں نے کہا: ان میں سے کوئی وہاں اس عرصہ میں داخل نہ ہوا، اس صورت میں علیھم پر وقف ہوگا۔ ربیع بن انس وغیرہ نے کہا کہ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً تحریم کی ظرف ہے (1)۔ اس بنا پر اربعین سنۃ پر وقف ہوگا پہلی صورت میں معنی ہوگا کہ ان کی اولاد وہاں داخل ہوئی۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور ان میں سے کوئی نہ بچا مگر یوشع اور کالب۔ یوشع ان کی اولاد کے ساتھ اس شہر کی طرف نکلا اور اس شہر کو فتح کیا۔ دوسری صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ چالیس سال بعد جو ان میں سے باقی تھے وہ اس شہر میں داخل ہوئے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام تیہ میں ہی فوت ہو گئے تھے (2)۔ دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یوشع کو نبوت بخشی اور انہیں جبارین سے قتال کرنے کا حکم دیا اس پر سورج کو روک دیا گیا تھا حتیٰ کہ وہ شہر میں داخل

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 195
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 220

ہوئے اس میں وہ جلایا گیا جس کے پاس مال غنیمت پایا گیا تھا پہلے لوگ جب مال غنیمت حاصل کرتے تو آسمان سے ایک سفید آگ نازل ہوتی اور وہ مال غنیمت کو کھا جاتی یہ اس کی قبولیت کی دلیل ہوتی تھی اگر جس مال غنیمت میں خیانت ہوتی تھی تو آگ اس مال کو نہ کھاتی تھی، درندے اور وحشی آتے تھے اور وہ اسے کھاتے تھے پس آگ نازل ہوئی اور اس نے مال غنیمت کو نہ کھایا۔ یوشع نے کہا: تم میں خیانت ہے۔ ہر قبیلہ میری بیعت کرے پس ہر قبیلہ نے اس کی بیعت کی، ان میں سے ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ آپ نے فرمایا: تیرے پاس خیانت کا مال ہے اس نے گائے کے سر کی مقدار سونا نکالا پھر آگ نازل ہوئی اور مال غنیمت کو کھا گئی وہ آگ چاندی کی مثل سفید ہوتی تھی اس کی آواز ہوتی تھی جیسے درخت کی آواز ہوتی ہے اور پرندے کے پروں کی آواز ہوتی ہے اور علماء بیان کرتے ہیں کہ اس ہوا نے اس خیانت کرنے والے اور اس کے مال کو جلا دیا اب اسے غور عاجز کہا جاتا ہے وہ غال (خیانت کرنے والے) کے نام سے پہچانا گیا، اس کا نام عاجز تھا۔

میں کہتا ہوں: اس سے ہم سے پہلے خیانت کرنے والے کی سزا مستفاد ہوتی ہے۔ ہماری ملت میں مال غنیمت کا حکم گزر چکا ہے۔ صحیح حدیث جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے اس میں اس نبی کا اسم اور مال غنیمت کا بیان نہیں ہے، حدیث میں ہے غزا نبیٌ من الانبیاء ایک نبی نے جنگ لڑی۔ اس حدیث کو مسلم نے تخریج کیا ہے اس میں ہے فرمایا: ''انہوں نے حملہ کیا پس وہ اس شہر کے قریب عصر کی نماز کے وقت پہنچے یا اس کے قریب وقت تھا، اس نبی نے سورج کو فرمایا: تو بھی حکم کا پابند ہے اور میں بھی پابند ہوں۔ اے اللہ! تھوڑا سا اسے مجھ پر روک لے پس سورج اس پر روک لیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی۔ فرمایا: انہوں نے مال غنیمت جمع کیا تو آگ اسے کھانے کے لیے نہ آئی اور آگ نے اسے کھانے سے انکار کر دیا اس نبی نے فرمایا: تم میں خیانت ہے ہر قبیلہ سے ایک شخص میری بیعت کرے۔ انہوں نے بیعت کی۔ فرمایا: دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ چمٹ گیا۔ یوشع نے فرمایا: ''تم میں خیانت ہے'' (1)۔ پہلے کی طرح ذکر کیا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اہل اریحاء کے ساتھ جنگ کے وقت سورج کو روکنے اور جمعہ کے دن پچھلے ٹائم فتح کے قریب ہونے، فتح سے پہلے سورج کے غروب ہونے سے حضرت یوشع علیہ السلام کے ڈرنے میں حکمت یہ تھی کہ اگر ان پر سورج نہ روکا گیا تو ہفتہ کی وجہ سے ان پر جنگ حرام ہو جائے گی۔ ان کے دشمن کو ان کی خبر ہو جائے گی پس انہوں نے ان میں تلوار چلائی اور انہیں جڑ سے اکھیڑ دیا۔ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کی نبوت کی علامت تھی اس کے بعد کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر سے ان کی نبوت ثابت ہو چکی تھی۔ واللہ اعلم

حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم سے پہلے کسی امت کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا'' (2)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف اور عجز کو دیکھا پھر ہمارے لیے اسے حلال کر دیا۔ یہ اس شخص کے قول کا رد ہے جو وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ کی تاویل میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد مال غنیمت کو حلال کرنا اور ان سے نفع اٹھانا ہے۔

ان علماء سے جنہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تیہ میں فوت ہوئے تھے ان میں عمرو بن میمون اودی ہے، اس نے حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی زائد ذکر کیا ہے دونوں حضرات تیہ میں کسی غار کی طرف نکلے، حضرت ہارون علیہ السلام کا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، جلد 2، صفحہ 85 2۔ ایضاً

وصال ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں دفن کر دیا اور پھر بنی اسرائیل کی طرف لوٹ آئے۔ انہوں نے کہا: حضرت ہارون کا کیا ہوا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: وہ فوت ہو گئے ہیں۔ بنی اسرائیل نے کہا: تم نے جھوٹ بولا ہے، لیکن تو نے قتل کیا ہے، کیونکہ ہم اس سے محبت کرتے تھے وہ بنی اسرائیل میں محبوب تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ لوگوں کو حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر کی طرف لے چلو، میں انہیں اٹھاؤں گا حتیٰ کہ وہ خود انہیں بتائیں گے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور تو نے اسے قتل نہیں کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر کی طرف لے گئے، پھر ندا دی: اے ہارون! وہ قبر سے نکل آئے جب کہ اپنے سر کو جھاڑ رہے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا میں تمہارا قاتل ہوں؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: نہیں، لیکن میں فوت ہو گیا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اپنی آرام گاہ کی طرف لوٹ جا۔ تو وہ واپس چلے گئے۔ حسن نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیہ میں وصال نہیں فرمایا تھا۔ ان کے علاوہ علماء نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اریحاء فتح کیا تھا اور یوشع لشکر کے مقدمہ پر تھے، پس انہوں نے وہاں کے جابر لوگوں سے قتال کیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ اریحاء میں داخل ہوئے اور وہاں ٹھہرے رہے جتنا کہ اللہ نے ان کا ٹھہرنا چاہا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض فرمائی ان کی قبر کو کوئی نہیں جانتا۔ ثعلبی نے کہا: یہ قول اصح ہے۔

میں کہتا ہوں: مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا جب عزرائیل علیہ السلام آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں طمانچہ مارا اور ان کی آنکھ پھوڑ دی، ملک الموت اپنے رب کی بارگاہ میں لوٹ آئے اور عرض کی: تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو موت کا ارادہ نہیں کرتا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو آنکھ لوٹا دی اور فرمایا: ان کی طرف دوبارہ جاؤ اور انہیں کہو کہ بیل کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھو ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمر ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے پروردگار! پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر موت ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: پھر ابھی موت دے دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ اسے بیت المقدس کے پتھر پھینکنے کی مقدار قریب کر دے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں وہاں ہوتا تو میں تمہیں موسیٰ علیہ السلام کی قبر راستہ کی جانب سرخ ٹیلے کے نیچے دکھاتا'' (1)۔ ہمارے نبی مکرم ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر معلوم تھی آپ نے اس کی جگہ بیان فرمائی۔ اور آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا جیسا کہ حدیث الاسراء میں ہے مگر یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قبر کو آپ کے علاوہ مخلوق سے مخفی رکھا ہو اور لوگوں کے لیے اس کو مشہور نہ کیا ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی عبادت شروع ہو جائے۔ طریق (راستہ) سے مراد بیت المقدس کا راستہ ہے اور طریق کے لفظ کی جگہ جانب الطور کے الفاظ ہیں، علماء نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ملک الموت کو طمانچہ مارنے اور ان کی آنکھ پھوڑنے کی تاویل میں اختلاف کیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ آنکھ خیالی ہے حقیقی نہیں۔ یہ باطل ہے، کیونکہ یہ نظریہ اس طرف لے جاتا ہے کہ انبیاء کرام جو ملائکہ کی صورتیں دیکھتے ہیں ان کی حقیقت نہیں۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 2، صفحہ 267

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ معنوی آنکھ تھی، حجت کے ساتھ اس کو پھوڑا۔ یہ مجاز ہے حقیقت نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو نہیں پہچانا، انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو بغیر اجازت کے ان کے گھر میں داخل ہوا ہے وہ ان کی جان کا ارادہ کرتا ہے پس آپ نے اپنے نفس کا دفاع کیا اور اسے طمانچہ مارا اور اس کی آنکھ پھوڑ دی ہر ممکن کے ساتھ ایسی صورت مدافعت واجب ہے۔ یہ بہتر قول ہے، کیونکہ آنکھ اور طمانچہ میں حقیقت ہے۔ یہ قول امام ابوبکر بن خزیمہ نے کہا: مگر ان پر اعتراض کیا گیا اس قول کی بنا پر جو حدیث میں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ملک الموت جب الله تعالیٰ کی طرف لوٹ کر گئے تو کہا: یا رب! تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو موت کو نہیں چاہتا (1)۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں نہ پہچانا ہوتا تو ملک الموت کا قول سچا نہ ہوگا۔ اس طرح دوسری روایت میں ہے عزرائیل علیہ السلام نے کہا تھا اپنے رب کے حکم کا جواب دو، یہ دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو پہچانا تھا۔ والله اعلم۔

تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت جلد غصہ میں آنے والے تھے، جب وہ غصہ میں ہوتے تھے تو ان کی ٹوپی سے دھواں نکلتا تھا اور ان کے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے تھے۔ سرعت غضب کی وجہ سے انہوں نے ملک الموت کو طمانچہ مارا۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس طرح ہے جس طرح تو نے ملاحظہ کیا، کیونکہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں اس سے کہ ابتداء ان سے حالت رضا اور غضب میں اس کی مثل واقع ہو۔ چوتھا قول یہ ہے اور یہ ان تمام اقوال سے صحیح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو پہچانا تھا کہ وہ ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئے ہیں لیکن وہ پختہ کام کرنے والے کی طرح آئے تھے کہ بغیر تخییر کے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ بات تھی جس پر ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نص قائم فرمائی ہے کہ ''الله تعالیٰ کسی نبی کی روح قبض نہیں فرماتا حتیٰ کہ اسے اختیار دیتا ہے (2)'' جب عزرائیل علیہ السلام اس طریقہ سے ہٹ کر آئے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے تو انہوں نے قوت نفس اور اپنے جذبہ کی وجہ سے جلدی کی اور ادب سکھایا اور اسے طمانچہ مارا اور آنکھ پھوڑ دی۔ یہ ملک الموت کی آزمائش تھی، کیونکہ انہوں نے صراحۃً اختیار کا ذکر نہیں کیا تھا اور اس کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ جب ملک الموت دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہیں زندگی اور موت کے درمیان اختیار دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موت کو اختیار کیا اور حکم الٰہی کو تسلیم کیا۔ الله تعالیٰ اپنے غیب کے ساتھ احکم واعلم ہے۔ یہ قول اصح ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بارے میں کہا گیا ہے۔ مفسرین نے اس کے بارے میں قصص واخبار لکھی ہیں جن کی صحت کے بارے میں الله تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ صحیح میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا: آپ نے موت کو کیسا پایا؟ انہوں نے کہا: ایسی بکری کی طرح جس کی کھال اتاری گئی ہو جب کہ وہ زندہ ہو۔ یہ معنی صحیح ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا: ''موت کے لیے سختیاں ہیں (3)'' جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں بیان کیا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 2، صفحہ 267	2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 2، صفحہ 638، معناً	3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 640

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝ آپ پریشان نہ ہوں۔ الأسی کا معنی حزن وملال ہے۔ آسی یاسٰی اسی یعنی غمگین ہونا۔ شاعر نے کہا:

یقولون لا تھلك أسیً وتجمّل

لوگ کہتے ہیں: غمگین ہو کر ہلاک نہ ہو اور برداشت کر۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝

''اور آپ پڑھ سنایئے انہیں خبر دو فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک جب دونوں نے قربانی دی تو قبول کی گئی ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسروں سے (ان دوسرے نے) کہا: قسم ہے! میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ (پہلے نے) کہا: (تو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے) قبول فرماتا ہے اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں سے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اس آیت کا ماقبل سے تعلق اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات پر تنبیہ ہے کہ یہود کا ظلم کرنا اور ان کا عہود اور مواثیق کو توڑنا ابن آدم کے اپنے بھائی پر ظلم کی طرح ہے معنی یہ ہے کہ اگر انہوں نے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تیرے ساتھ زیادتی کی ہے تو انہوں نے تجھ سے پہلے انبیاء کو قتل کیا ہے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا۔ شر بہت پرانا ہے انہیں یہ قصہ یاد دلایا اور یہ سچا واقعہ ہے جھوٹی احادیث کی طرح نہیں ہے۔ اس میں اسلام کے مخالف کو خاموش کرنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے۔ حضرت آدم کے ان بیٹوں کے بارے اختلاف ہے۔ حسن بصری نے کہا: یہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلب سے نہ تھے، یہ دونوں بنی اسرائیل سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے حسد کو ظاہر کرنے کے لیے مثال بیان فرمائی، ان دونوں کے درمیان جھگڑا تھا، پس ان دونوں نے دو قربانیاں کیں اور قربانیاں صرف بنی اسرائیل میں تھیں۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ وہم ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کا کوئی شخص دفن کرنے کی صورت سے واقف نہ تھا حتیٰ کہ اس نے کوے کی اقتدا کی (1)۔ صحیح یہ ہے کہ وہ دونوں حضرت آدم کی صلب سے تھے۔ یہ جمہور مفسرین کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمرو غیرہما نے یہی کہا ہے، یہ دونوں ہابیل اور قابیل تھے (2)۔ قابیل کی قربانی سنبل کی لکڑیوں کا گٹھا تھا، کیونکہ وہ صاحب زرع (کھیتی باڑی کرنے والا) تھا، اس نے اپنے کھیت سے گھٹیا مال چنا تھا پھر اس میں ایک عمدہ شے پایا تو اسے بھی صاف کر کے کھا لیا اور ہابیل کی قربانی مینڈھا تھا، کیونکہ وہ ریوڑ والا تھا۔ اس نے اپنی بھیڑوں سے ایک عمدہ جانور لیا۔ فَتُقُبِّلَ پس اسے جنت کی طرف اٹھایا گیا وہ جنت میں چرتا رہا حتیٰ کہ اس کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دیا گیا۔ یہ سعید بن جبیر وغیرہ کا قول ہے جب ہابیل کی قربانی قبول کی گئی۔ کیونکہ وہ مومن تھا تو قابیل نے حسد کی بنا پر اسے کہا کیونکہ وہ کافر تھا۔ کیا تو زمین پر چلے گا جب کہ لوگ تجھے مجھ سے افضل دیکھیں گے!

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 178　2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 197

لَاَقْتُلَنَّكَ میں تجھے قتل کردوں گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس قربانی کا سبب یہ تھا کہ حضرت حواء علیہا السلام ہر بطن میں ایک مذکر اور ایک مونث جنم دیتی تھیں مگر حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے یہ ہابیل کے عوض تھے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اس کا نام ہبۃ اللہ ہے، کیونکہ جبرئیل علیہ السلام نے حضرت حوا سے کہا جب انہوں نے اس کو جنم دیا۔ یہ تیرے لیے ہابیل کا بدل ہبۃ اللہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک سوتیس سال تھی جب حضرت شیث علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام ایک بطن کے لڑکے کی دوسرے بطن کی لڑکی سے شادی کرتے تھے۔ کسی کے لیے اس کی جڑواں بہن حلال نہیں تھی قابیل کے ساتھ اس کی خوبصورت بہن پیدا ہوئی جس کا نام اقلیمیا تھا اور ہابیل کے ساتھ بہن پیدا ہوئی وہ ایسی خوبصورت نہ تھی اس کا نام لیوذا تھا جب حضرت آدم علیہ السلام نے ہابیل اور اقلیمیا کا نکاح کرنا چاہا تو قابیل نے کہا: میں اپنی بہن کا زیادہ حق دار ہوں، حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو حکم دیا تو اس نے حکم نہ مانا، حضرت آدم علیہ السلام نے اسے منع کیا تو وہ نہ رکا، انہوں نے قربانی پر اتفاق کر لیا۔ یہ مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں حضرت ابن مسعود بھی ہیں روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اس وقت حاضر تھے۔ واللہ اعلم۔

اس کے متعلق حضرت جعفر صادق سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی بیٹی کا اپنے بیٹے سے نکاح نہیں کرتے تھے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے ایسا کیا ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس سے انحراف نہ کرتے اور حضرت آدم علیہ السلام کا دین ہی نبی کریم ﷺ کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم و حوا کو زمین پر اتارا اور انہیں جمع فرمایا تو حضرت حواء علیہا السلام نے ایک لڑکی کو جنم دیا اس کا نام عناق رکھا اس نے بے حیائی کی، یہ پہلی بے حیائی کرنے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک قاتل کو مسلط کر دیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں حضرت حوا نے قابیل کو جنم دیا پھر ہابیل کو جنم دیا، جب قابیل بالغ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایک مونث جن کو اس کے لیے ظاہر کیا جس کو جمالہ کہا جاتا تھا وہ انسانی شکل میں تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اس کا نکاح قابیل سے کر دو، آپ نے اس کا نکاح قابیل سے کر دیا، جب ہابیل بالغ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ایک انسانی شکل میں حوریہ (حور) اتاری اور اس کے لیے رحم پیدا کیا، اس کا نام بزلۃ تھا جب ہابیل نے اس کی طرف دیکھا تو وہ اس سے محبت کرنے لگا، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ بزلۃ کا نکاح ہابیل سے کر دو، تو حضرت آدم علیہ السلام نے ایسا کر دیا۔ قابیل نے کہا: اے والد محترم! کیا میں اپنے بھائی سے بڑا نہیں ہوں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ قابیل نے کہا: میں اس کا زیادہ حق دار ہوں جو آپ اس کے ساتھ کر رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے کہا: اے بیٹا! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔ فضل اللہ کے دست قدرت میں ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ قابیل نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا نہیں، لیکن آپ نے اسے مجھ پر ترجیح دی ہے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: تم دونوں قربانی دو جس کی قربانی قبول ہوگی وہ اس فضل کا زیادہ حق دار ہوگا۔

میں کہتا ہوں: حضرت جعفر سے یہ قصہ صحیح نہیں ہے۔ اور وہ قول جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک بطن کے لڑکے کا نکاح دوسرے بطن کی لڑکی سے کرتے تھے، یہ درست ہے اور اس پر دلیل یہ ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ

الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً (النساء:1) اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد اور عورتیں (کثیر تعداد میں)۔ یہ نص کی مانند ہے پھر یہ منسوخ ہو گیا، جیسا کہ اس کا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

حضرت حوا نے بیس بطنوں سے چالیس جوڑے جنم دیئے ان میں سے پہلا قابیل تھا اور اس کی جڑواں بہن اقلیمیا تھی اور ان کا آخری عبدالمغیث پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی نسل میں برکت ڈال دی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کا وصال نہ ہوا حتیٰ کہ ان کی اور ان کی اولاد کی اولاد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی اور حضرت جعفر سے جو مروی ہے کہ حضرت حوا نے بیٹی جنم دی اور اس نے بے حیائی کی، پھر کہا گیا: کس کے ساتھ بے حیائی کی؟ کیا جن کے ساتھ جو اس کے پاس آیا؟ اس جیسا قول نقل صحیح کا محتاج ہوتا ہے جو عذر کو قطع کر دے اور نقل صحیح معدوم ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ہابیل کے قول میں اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿﴾ ہے اس سے پہلے کلام محذوف ہے، کیونکہ جب قابیل نے اسے کہا: لَاَقْتُلَنَّكَ میں تجھے ضرور قتل کروں گا، تو ہابیل نے اسے کہا: تو مجھے کیوں قتل کرے گا جب کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا اور اللہ نے میری قربانی قبول کی ہے تو اس میں گناہ نہیں ہے میں نے تقویٰ اختیار کیا اور میں واضح حق پر تھا اور اللہ تعالیٰ متقین سے قبول فرماتا ہے (1)۔ ابن عطیہ نے کہا: تقویٰ سے یہاں مراد شرک سے بچنا ہے۔ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے جس نے شرک سے اجتناب کیا وہ موحد ہے اور اس کے اعمال جن میں اس کی نیت سچی ہے وہ مقبول ہیں، شرک اور گناہوں سے بچنے والے کے لیے بلند درجہ ہے قبولیت اور رحمت کے ساتھ خاتمہ ہے۔ اللہ کے خبر دینے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر رحمت کرنا اور قبول کرنا واجب نہیں۔ حضرت عدی بن ثابت نے کہا: اس امت کے متقی کی قربانی نماز ہے (2)۔

میں کہتا ہوں: یہ عبادات میں سے خاص نوع ہے۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور بندہ کسی ایسی چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کرتا جتنا کہ فرائض ادا کر کے حاصل کرتا ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی قوت سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی قوت بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کی قوت ید بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اس کے پاؤں میں میری قوت آ جاتی ہے جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کروں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے گا تو میں اس کو ضرور پناہ دوں گا اور مجھے کسی چیز سے اتنا تردد نہیں ہوتا جسے میں کرنا چاہتا ہوں جتنا کہ مومن کے نفس سے تردد ہوتا ہے وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی برائیوں کو ناپسند کرتا ہوں'' (3)۔

لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 178 2۔ ایضاً 3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقائق، جلد 2، صفحہ 963

النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

''تو اگر تو بڑھائے میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے (جب بھی) میں نہیں بڑھانے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ میں قتل کروں تجھے، میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو مالک ہے سارے جہانوں کا۔ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھا لے میرا گناہ اور اپنا گناہ تاکہ تو ہو جائے دوزخیوں سے اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ یعنی تو اگر میرے قتل کا قصد کرے گا تو میں تیرے قتل کا قصد نہیں کروں گا، اس کی طرف سے تسلیم کرنا ہے۔ خبر میں ہے ''جب فتنہ ہو تو ابن آدم کے بہتر بیٹے کی طرح ہو جا'' (1)۔ ابو داؤد نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر کوئی مجھ پر میرے گھر میں داخل ہو اور میری طرف وہ اپنا ہاتھ مجھے قتل کرنے کے لیے بڑھائے تو؟ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو آدم کے بیٹوں میں بہتر بیٹے کی طرح ہو جا''۔ پھر یہ آیت تلاوت کی: لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ۔ (2) مجاہد نے کہا: ان پر اس وقت فرض تھا کہ کوئی تلوار نہ سونتے اور نہ روکے اسے جو اسے قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے (3)۔ ہمارے علماء نے فرمایا: یہ بطور تعبد جائز تھا، مگر ہماری شریعت میں بالاجماع دفاع جائز ہے، اس کے وجوب میں اختلاف ہے اور اصح اس کا وجوب ہے، کیونکہ اس میں برائی سے منع کرنا ہے۔ حشویہ میں ایک گروہ ہے جو اس کے لیے دفاع جائز قرار نہیں دیتے جس پر حملہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے حضرت ابوذر کی حدیث سے احتجاج کیا ہے اور علماء نے اس کو فتنہ میں قتال کے ترک پر محمول کیا ہے اور شبہ کے وقت ہاتھ روکنے پر محمول کیا ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں بیان کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو اور جمہور علماء نے کہا: ہابیل، قابیل سے زیادہ طاقتور تھا لیکن وہ قتال سے بچا رہا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ اظہر قول ہے اس سے تائید ملتی ہے کہ قابیل گنہگار تھا کافر نہیں تھا، کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو ہابیل اسے قتل کرنے سے نہ بچتا۔ بچنے کی وجہ یہی ہے کہ بچنے والا کسی موحد کو قتل کرنے سے اجتناب کرتا ہے اور وہ اس پر راضی ہوتا ہے کہ وہ ظلم کرے تاکہ آخرت میں (اسے سزا ملے اور) اسے جزا ملے۔ حضرت عثمان نے یہی کہا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں تیرے قتل کا قصد نہیں کرتا بلکہ میں اپنے نفس کے دفاع کا قصد کرتا ہوں۔ اس بنا پر بعض علماء نے کہا: ہابیل سویا ہوا تھا تو قابیل آیا اور پتھر سے اس کا سر کچل دیا جیسا کہ آگے آئے گا: اور آدمی کا ظالم سے دفاع کرنا جائز ہے اگرچہ وہ دشمن کو دفاع میں قتل بھی کر دے۔

بعض علماء نے فرمایا: اگر تو میرے قتل سے ابتدا کرے گا تو میں تجھے کبھی قتل نہیں کروں گا۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے اگر تو ظلماً میری طرف ہاتھ بڑھائے گا تو میں ظلم کرنے والا نہیں، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی نبی کریم

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 229۔ ایضاً، حدیث نمبر 3715، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 228۔ ایضاً، حدیث نمبر 3714، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 179

صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار۔ جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں۔ کے معنی کی طرح ہے۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! یہ قاتل (اس کے دوزخ میں ہونے کی سمجھ آتی ہے) مقتول کے دوزخ میں ہونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: ''وہ بھی تو اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا حریص تھا'' (1)۔ گویا ہابیل نے ارادہ کیا کہ میں تیرے قتل پر حریص نہیں ہوں مجھے گناہ لاحق ہوتا اگر میں تیرے قتل پر حریص ہوتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ کے ساتھ میرا گناہ بھی اٹھائے۔ بعض نے فرمایا: باثمی کا مطلب ہے میرا وہ گناہ جو میرے ساتھ خاص ہے جس میں مجھ سے کوتاہی ہوئی، یعنی میرے گناہوں میں سے لیا جائے اور تیرے مجھ پر ظلم کرنے کے سبب وہ گناہ تجھ پر ڈالا جائے اور تو اپنے گناہ کے ساتھ میرے گناہ کو اٹھائے اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کرتا ہے ''قیامت کے روز ظالم اور مظلوم کو لایا جائے گا، تو ظالم کی نیکیاں لی جائیں گی اور مظلوم کی نیکیوں میں اضافہ ہو گا حتیٰ کہ انصاف دیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی برائیوں سے لے کر ظالم پر ڈال دی جائیں گی''۔ مسلم نے اس کا مفہوم تخریج کیا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کرتا ہے: وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: 13) اور ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ۔

یہ واضح ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اٹھائے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (النحل: 15) اور کھڑے کر دیئے زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تا کہ زمین ڈولتی نہ رہے تمہارے ساتھ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا (النساء: 176) یعنی لئلا تضلوا پس لا کو حذف کیا گیا۔

میں کہتا ہوں: یہ ضعیف ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''کوئی نفس ظلماً قتل نہیں کیا جائے گا مگر اس کے خون کا بوجھ حضرت آدم کے پہلے بیٹے (قاتل) پر ہوگا، کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کی سنت قائم کی تھی'' (2)۔ اس سے ثابت ہوا کہ قتل کا گناہ حاصل ہے اسی وجہ سے اکثر علماء نے فرمایا: معنی یہ ہے کہ میرے قتل کا گناہ اور تیرا گناہ جو تو نے میرے قتل سے پہلے کیا اس کے ساتھ تو لوٹے گا۔ ثعلبی نے کہا: یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ استفہام ہے یعنی کیا میں ارادہ کرتا ہوں؟ یہ انکار کی جہت پر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ (الشعراء: 22) یعنی او تلک نعمۃٌ یہ اس لیے ہے، کیونکہ قتل کا ارادہ معصیت ہے۔ قشیری نے اس کو حکایت کیا ہے ابو الحسن ابن کیسان سے پوچھا گیا: مومن کیسے ارادہ کرتا ہے کہ اس کا بھائی گناہگار ہو اور وہ دوزخ میں جائے۔ تو ابو الحسن نے کہا: یہ ارادہ اس کی طرف قتل کے لیے ہاتھ بڑھانے کے بعد واقع ہوا۔ معنی یہ ہے کہ تو نے میری طرف مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، میں تجھے اس سے ثواب کے ارادہ سے ضرور روکوں گا۔ ان سے کہا گیا: پھر اس نے باثمی واثمك کیسے کہا؟ اس کا کیا گناہ تھا جب وہ قتل کیا گیا؟ تو ابو الحسن نے کہا: اس کے تین جواب ہیں (۱) تو اٹھائے میرے قتل کا گناہ اور اپنے گناہ کو جس کی وجہ سے اس نے تیری قربانی قبول نہیں کی۔ یہ قول مجاہد

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 9
2۔ صحیح مسلم، کتاب القسامہ، جلد 2، صفحہ 60

سے مروی ہے(1)۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تو اٹھائے میرے قتل کا گناہ اور مجھ پر تجاوز کرنے کا گناہ، کیونکہ وہ تجاوز کرنے کی وجہ سے گناہگار ہوا تھا اگرچہ اس نے (ابھی) قتل بھی نہ کیا تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو گناہگار ہوتا جب وہ اس سے رک گیا تو اس کا گناہ اس کے مخالف کی طرف لوٹا، یہ تیرے اس قول کی مثل ہو گیا۔ المال بینه و بین زید یعنی مال دونوں کے درمیان ہے معنی یہ ہے کہ تو ہمارا گناہ اٹھائے۔ باکا معنی ہے وہ اپنی منزل کی طرف لوٹا۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران:112) یعنی وہ لوٹے۔ سورۂ بقرہ میں اس پر تفصیلاً گفتگو گزر چکی ہے۔

شاعر نے کہا:

أَلَا تَنْتَهِي عَنَّا مُلُوكٌ و تَتَّقِي مَحارِمَنا لا يَبُوءُ الدَّمُ بالدَّمِ

یعنی قصاص میں خون کے ساتھ خون نہیں لوٹتا۔

فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ۔ یہ دلیل ہے کہ وہ اس وقت دونوں مکلف تھے انہیں وعدہ اور وعید لاحق ہوا۔ ہابیل نے اپنے بھائی قابیل سے کہا: فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ قابیل کافر تھا، کیونکہ اَصْحٰبِ النَّارِ کا لفظ قرآن میں جہاں بھی واقع ہوا ہے کفار کے بارے میں واقع ہوا ہے۔ یہ قول یہاں مردود ہے اس بنا پر جو ہم نے اس آیت کی تاویل میں مفسرین سے ذکر کیا ہے۔ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ کا معنی ہے تیرے دوزخ میں ہونے کی مدت۔ واللہ اعلم۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

''پس آسان بنا دیا اس کے لیے اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل سو قتل کر دیا اسے اور ہو گیا سخت نقصان اٹھانے والوں سے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ یعنی اس کے نفس نے اس پر قتل کا معاملہ آسان کر دیا نفس نے اسے تشجیع کی اور اپنے بھائی کو قتل کرنے کی صورت آسان بنا دی۔ کہا جاتا ہے: طاع الشی یطوع یعنی آسان کر دیا، اطاعت کی۔ طوعہ فلان لہ، یعنی اس نے اس کے لیے معاملہ آسان کر دیا۔ ہروی نے کہا: طوعت واطاعت کا ایک معنی ہے۔ کہا جاتا ہے: طاع لہ کذا، جب کوئی کسی کے پاس خوشی سے آئے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے طاوعته نفسه فی قتل اخیه۔ حرف جر کو ہٹا دیا اور قتل اخیه منصوب ہو گیا۔ روایت ہے کہ وہ ناواقف تھا کہ وہ اپنے بھائی کو کیسے قتل کرے۔ ابلیس ایک پرندہ یا کوئی حیوان لے کر آیا اور اس کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا تاکہ قابیل اس کی اقتداء کرے تو قابیل نے بھی ایسا کیا۔ یہ ابن جریج اور مجاہد وغیرہما نے کہا ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود نے کہا: قابیل نے ہابیل کو سویا ہوا پایا تو اس نے پتھر کے ساتھ اس کا سر کچل دیا(2) اور یہ مکہ کے پہاڑ ثور میں ہوا تھا یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ حرا کے عقب میں ہوا۔ محمد بن

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 241 2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 200

جریر طبری نے یہ حکایت کیا ہے امام جعفر صادق نے کہا: بڑی مسجد کی جگہ بصرہ میں ہوا تھا۔ ہابیل کی عمر اس وقت بیس سال تھی جب قابیل نے اسے قتل کیا تھا۔ کہا جاتا ہے: قابیل اپنی طبع کی وجہ سے قتل کو جانتا تھا، کیونکہ انسان اگرچہ قتل کو نہ بھی دیکھے پھر بھی وہ طبعی طور پر اس کو جانتا ہے کہ نفس فانی ہے اور اس کا تلف کرنا ممکن ہے پس اس نے ایک پتھر اٹھایا اور ہندکی زمین میں اسے قتل کر دیا۔ واللہ اعلم

جب اپنے بھائی کو قابیل نے قتل کر دیا تو شرمندہ ہوا اور اس کے سر کے پاس روتے ہوئے بیٹھ گیا، پھر دو کوے آئے وہ آپس میں لڑنے لگے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا پھر اس قاتل کوے نے مقتول کوے کے لیے گڑھا کھودا اور اسے دفن کر دیا، تو قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کے لیے بھی ایسا ہی کیا۔ السوٰۃ سے مراد شرمگاہ ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد مقتول جسم ہے پھر وہ عدن کی زمین کی طرف بھاگ گیا، پھر ابلیس اس کے پاس آیا اور کہا: آگ نے تیرے بھائی کی قربانی کو کھا لیا ہے، کیونکہ وہ آگ کی عبادت کرتا تھا تو بھی آگ کی عبادت کر یہ تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے ہو جائے گی، پس اس نے آگ کے لیے ایک مکان بنایا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے آگ کی عبادت کی۔ واللہ اعلم

حضرت ابن عباس سے مروی ہے جب اس نے قتل کیا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام مکہ میں تھے درخت خشک ہوئے، کھانوں کا ذائقہ بدل گیا، پھل کھٹے ہوئے اور پانی نمکین ہو گیا اور زمین کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: زمین پر کوئی حادثہ ہو گیا ہے وہ ہند میں آئے تو ہابیل کو قابیل قتل کر چکا تھا (1)۔ بعض نے فرمایا: قابیل وہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف لوٹا، جب وہ حضرت آدم کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا: ہابیل کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں نہیں جانتا، گویا تو نے مجھے اس کی حفاظت پر مقرر کیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے کہا: کیا تو نے ایسا کیا ہے؟ اللہ کی قسم! اس کا خون ندا دے رہا ہے۔ اے اللہ! اس زمین پر لعنت کر جس نے ہابیل کے خون کو پیا۔ روایت ہے کہ اس وقت سے زمین خون کو نہیں پیتی، پھر حضرت آدم علیہ السلام سو سال زندہ رہے اور مسکرائے نہیں حتیٰ کہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور کہا: حضرت آدم اللہ نے تجھے سلام کیا اور تجھے ہنسایا۔ یہ مجاہد اور سالم بن ابی الجعد کا قول ہے۔ حضرت آدم کی عمر سے ایک سو تیس سال گزر گئے یہ ہابیل کے قتل کے پانچ سال بعد ہوا تو ان کے لیے ایک چیز پیدا ہوئی اس کی تفسیر ہبۃ اللہ ہے یعنی ہابیل کا بدل (2)۔ مقاتل نے کہا: قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے سے پہلے درندے اور پرندے حضرت آدم علیہ السلام سے انس رکھتے تھے، جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو وہ بھاگ گئے اور پرندے ہوا میں چلے گئے اور وحشی جنگل میں چلے گئے اور درندے پوشیدہ جگہوں میں چھپ گئے۔ روایت ہے کہ حضرت آدم نے کہا: جب حالت تبدیل ہو گئی:

تَغَیَّرَتِ البلادُ ومَنْ علیھا فوجهُ الأرض مُغْبَرٌّ قَبِیحُ
تَغَیَّرَ کُلُّ ذی طَعْمٍ ولونٍ وقلَّ بشاشةُ الوجهُ المَلیحُ

بہت سے اشعار ہیں جن کو ثعلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: ہر شعر بشاشۃ کی نصب کے ساتھ ہے اور بغیر تنوین

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 243 2۔ ایضاً

کے ہے(1)۔ قشیری وغیرہ نے کہا: حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام نے شعر نہیں کہا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء شعر سے نہی میں برابر ہیں لیکن جب ہابیل کو قتل کیا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا مرثیہ کہا، وہ سریانی تھے وہ مرثیہ بھی سریانی زبان میں ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کو اس کی وصیت کی تھی فرمایا: تو میرا وصی ہے، مجھ سے یہ کلام محفوظ کر لے تا کہ وراثت چلتی رہے، پس یہ یعرب بن قحطان کے زمانہ تک محفوظ رہی پھر یعرب نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا اور اسے شعر بنا دیا(2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت انس سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منگل کے دن کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ خون کا دن ہے اس میں حضرت حوا کو حیض آیا اور اس میں ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کیا'' (☆)۔ صحیح مسلم وغیرہ سے حضرت عبداللہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی نفس ظلماً قتل نہیں کیا جاتا مگر اس کے خون کا بوجھ حضرت آدم کے پہلے بیٹے پر ہوتا ہے، کیونکہ اس نے قتل کا آغاز کیا تھا'' (3)۔ یہ تعلیل پر نص ہے، اس اعتبار سے ابلیس پر ہر اس شخص کی معصیت کا بوجھ ہوگا جس نے سجدہ کی نافرمانی کی، اسی طرح جس نے اللہ کے دین میں ایسی بدعت کا آغاز کیا جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اسلام میں کوئی اچھا کام شروع کیا اس کے لیے اس کا اجر ہوگا اور ان لوگوں کا اجر بھی ہوگا جو قیامت تک اس پر عمل کریں گے اور جس نے اسلام میں کوئی برا کام شروع کیا اس کے لیے اس کا گناہ ہوگا اور ان کا گناہ ہوگا جو قیامت تک اس کے مطابق عمل کریں گے'' (ا) یہ خیر و شر میں نص ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف گمراہ ائمہ کا ہے'' (4)۔ یہ تمام صریح ہے اور آیت کے معنی میں صحیح نص ہے۔ یہ اس وقت تک ہے جب تک اس معصیت سے وہ توبہ نہ کرے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام وہ پہلے تھے جنہوں نے اس چیز کے کھانے میں مخالفت کی جس سے منع کیا گیا تھا۔ اور ان پر ان لوگوں کا بوجھ نہ ہوگا جو اس چیز کے کھانے پینے میں نافرمانی کریں گے جس سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے توبہ کر لی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی تھی، پس وہ ایسے ہو گئے جیسے جس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے بھول کر کھایا تھا جیسا کہ صحیح قول ہے، ہم نے سورہ بقرہ میں بیان کر دیا ہے اور بھولنے والا گنہگار نہیں ہوتا اور نہ اس کا مواخذہ کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت حاسد کی حالت کے بیان کو متضمن ہے حتیٰ کہ حسد نے اسے اپنے قریبی رشتہ دار کو اور مہربان شخص کو، اذیت دور کرنے والے کو ہلاک کرنے پر ابھارا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۞ یعنی ان سے ہو گیا جس نے نیکیاں کم کر دیں۔ مجاہد نے کہا: قاتل کا ایک پاؤں اس کی پنڈلی سے ران تک باندھ دیا جاتا ہے اور یہ قیامت تک ایسا ہی رہے گا اور اس کا چہرہ سورج

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 180 2۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 243 3۔ صحیح مسلم، کتاب القسامہ، جلد 2، صفحہ 60
4۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 5، صفحہ 278 ☆ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 3384، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
(ا) ریاض الصالحین، باب فیمن سن سنة حسنة أو سيئة، صفحہ 126، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کی طرح ہوتا ہے سورج جدھر بھی گھومتا ہے گرمیوں میں اس پر آگ کا گھراؤ ہوتا ہے اور سردیوں میں اس پر برف کا گھراؤ ہوتا ہے (1)۔ ابن عطیہ نے کہا: اگر یہ صحیح ہے تو وہ اس گھاٹے سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے ورنہ خسران (گھاٹا) تو دنیا و آخرت کے خسران کو عام ہے (2)۔

میں کہتا ہوں: شاید یہ عقوبت اسے اس قول پر ہو کہ وہ گنہگار تھا، کافر نہ تھا۔ تو معنی ہوگا وہ دنیا میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے تھا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾

''پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا کھودتا تھا زمین کو تاکہ دکھائے اسے کہ کس طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی، کہنے لگا: ہائے افسوس! کیا قاصر رہا میں کہ ہوتا اس کوے کی مانند تو چھپا دیتا لاش اپنے بھائی کی، غرض وہ ہو گیا سخت پچھتانے والوں سے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے وہ آپس میں لڑے حتیٰ کہ ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا پھر گڑھا کھود کر اسے دفن کر دیا (3)۔ ابن آدم پہلا تھا جو قتل کیا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: کوے نے زمین کو اپنی خوراک کے لیے کھودا تاکہ وہ ضرورت کے وقت تک اسے چھپائے رکھے، کیونکہ ایسا کرنا کوے کی عادت ہے پس اس کے ذریعے قابیل اپنے بھائی کو پوشیدہ کرنے پر آگاہ ہو گیا۔ اور روایت ہے کہ قابیل نے جب ہابیل کو قتل کیا تو اسے ایک بوری میں رکھ دیا اور اسے سو سال اپنی گردن میں اٹھائے پھرتا رہا (4)۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔

ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اس نے اسے ایک سال اٹھائے رکھا۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس میں بدبو پیدا ہو گئی وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کرے، یہاں تک کہ اس نے کوے کی اقتدا کی جیسا کہ گزر چکا ہے۔ خبر میں حضرت انس سے مروی ہے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی اولاد پر تین احسان فرمائے تین چیزوں کے بعد، روح نکلنے کے بعد اس میں بدبو کا واقع ہونا، اگر روح نکلنے کے بعد بدبو نہ ہوتی تو کوئی دوست کسی دوست کو دفن نہ کرتا اگر جسم میں کیڑے پیدا نہ ہوتے تو بادشاہ جسموں کو خزانہ کر لیتے اور یہ ان کے لیے دراہم و دنانیر سے بہتر ہوتا اور بڑھاپے کے بعد موت کا احسان فرمایا، آدم بوڑھا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے آپ سے اکتا جاتا ہے اس کے اہل، اس کی اولاد اور اس کے قریبی رشتہ دار اکتا جاتے ہیں، پس موت اس کے لیے زیادہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 180 2۔ ایضاً

3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 237 4۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 201

پردہ کا باعث ہوتی ہے(1)''۔ ایک قوم نے کہا: قابیل دفن کو جانتا تھا لیکن اس نے اسے میدان میں تحقیر کرتے ہوئے چھوڑ دیا، پس اللہ تعالیٰ نے کوا بھیجا وہ ہابیل پر مٹی ڈالنے لگا تا کہ اسے دفن کر دے اس وقت قابیل نے کہا: یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ۝ جب اس نے ہابیل کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرم نوازی دیکھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک کوا مقرر فرمادیا حتیٰ کہ اس نے اسے چھپادیا، یہ شرمندگی توبہ کے طور پر نہ تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ اس کے مفقود ہونے پر شرمندہ ہوا اس کے قتل پر شرمندہ نہ ہوا اگرچہ وہ توبہ کی شروط کو پورا کرنے والا نہ تھا یا وہ شرمندہ ہوا لیکن ہمیشہ کے لیے شرمندہ نہ ہوا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اگر اس کی ندامت قتل پر ہوتی تو یہ اس کی ندامت بطور توبہ ہوتی۔ کہا جاتا ہے حضرت آدم اور حضرت حوا ہابیل کی قبر پر آئے اور کئی دن تک اس پر روتے رہے، پھر قابیل ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا اسے ایک بیل نے سینگ مار کر نیچے گرادیا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ کہا جاتا ہے: حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کے خلاف دعا کی تو زمین اسے نگل گئی۔ کہا جاتا ہے: قابیل، ہابیل کے قتل کے بعد وحشی بن گیا اور اس نے جنگل کو لازم پکڑ لیا۔ وہ صرف وحشی جانور کھاتا تھا جب وہ کسی وحشی پر غالب آتا تو اسے زور سے ضرب لگاتا حتیٰ کہ وہ مرجاتا پھر اسے کھاتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ضرب سے مارا ہوا جانور ہابیل کے وقت سے حرام تھا۔ یہ پہلا شخص تھا جو آدمیوں میں سے آگ کی طرف چلایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَیْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ الآیۃ (حم السجدہ:29)

ابلیس جنوں میں سے کافروں کا سردار ہے اور قابیل انسان میں خطاکاروں کا سردار ہے، جیسا کہ آگے بیان سورۂ حم فصلت میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بعض علماء نے فرمایا: اس وقت میں شرمندگی توبہ نہ تھی۔ اللہ سب کچھ بہتر جانتا ہے اور پختہ کرتا ہے۔

آیت کا ظاہر یہ ہے کہ ہابیل، اولاد آدم سے پہلا میت ہے، اسی وجہ سے چھپانے کا طریقہ مخفی تھا اور اسی طرح طبری نے ابن اسحاق سے حکایت کیا ہے اور انہوں نے بعض اہل علم سے روایت کیا ہے جو پہلے لوگوں کی کتابوں میں ہے۔ اور یبحث کا معنی ہے مٹی کو چونچ سے کریدنا اور اسے اڑانا، اسی وجہ سے سورۂ براءۃ کو البحوث بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس نے منافقین کی تفتیش کی۔ اس سے شاعر کا قول ہے:

إن الناس غطوني تغطيتُ عنهم　　وإن بحثوني كان فيهم مباحثُ

ضرب المثل ہے: لا تکن کالباحث علی الشفرۃ۔

شاعر نے کہا:

فكانت كعَنْزِ السُّوء قامت برجلِها　　إلى مُدْيَة مدفونه تَسْتَثِيرُها

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے کوے کو حکمت کی خاطر بھیجا تا کہ ابن آدم چھپانے کی کیفیت دیکھ لے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ (عبس) کا یہی معنی ہے پس چھپانے میں کوے کا فعل مخلوق میں سنت باقیہ بن گیا اور لوگوں پر

1۔ موسوعہ اطراف الحدیث، جلد 2، صفحہ 332

فرض کفایہ بن گیا جس نے ایسا کر دیا دوسرے لوگوں سے فرض ساقط ہو گیا۔ یہ حکم قریبی رشتہ داروں کے ساتھ خاص ہے، پھر پڑوسیوں کے لیے ہے، پھر تمام مسلمانوں پر ہے۔ رہے کفار تو ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: آپ کا چچا، بوڑھا گمراہ فوت ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم جاؤ اور اپنے باپ کو مٹی میں چھپا دو پھر کچھ بیان نہ کرنا حتیٰ کہ تم میرے پاس آ جاؤ (1)'' میں گیا اسے مٹی میں چھپا دیا پھر آپ کے پاس آیا تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا میں نے غسل کیا اور مجھے دعا دی۔

مسئلہ نمبر 3۔ قبر میں کشادگی اور عمدگی مستحب ہے، کیونکہ ابن ماجہ نے حضرت ہشام بن عامر سے روایت کیا ہے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر کھودو، اسے کھلا کرو اور بہتر کرو (2)۔ ادرع سلمی سے مروی ہے فرمایا میں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے کے لیے آیا وہاں ایک شخص بلند آواز سے قرأت کر رہا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو میں نے کہا: یارسول اللہ! یہ ریاکار ہے پھر وہ شخص مدینہ طیبہ میں فوت ہو گیا لوگ اس کے کفن اور غسل سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اس کی نعش کو اٹھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس پر مہربانی اور نرمی کرو اللہ نے اس پر نرمی فرمائی ہے، کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا تھا'' فرمایا: اس کی قبر کھودی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے لیے قبر کو وسیع کرو اللہ تعالیٰ نے اس پر وسعت فرمائی ہے''۔ کسی صحابی نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ اس پر حزین ہوئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا تھا'' (3)۔ اس حدیث کو انہوں نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے انہوں نے زید بن حباب سے انہوں نے موسیٰ بن عبیدہ سے انہوں نے سعید بن ابی سعید سے روایت کیا ہے۔

ابوعمر بن عبدالبر نے کہا: حضرت ادرع سلمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی ہے، ان سے سعید بن ابی سعید مقبری نے روایت کی ہے، رہا ہشام بن عامر بن امیہ بن حساس بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار انصاری اس کو زمانہ جاہلیت میں شہاب کہا جاتا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام تبدیل کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ہشام رکھا تھا۔ اس کا باپ عامر جنگ احد میں شہید ہوا تھا ہشام بصرہ میں رہا اور وہاں ہی ان کا وصال ہوا یہ کتاب الصحابہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ پھر کہا گیا ہے کہ لحد، شق سے افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کو اختیار کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو اس وقت مدینہ طیبہ میں دو شخص تھے ایک لحد بناتا تھا اور دوسرا لحد نہیں بناتا تھا۔ صحابہ نے مشورہ سے کہا: ان میں سے جو پہلے آئے گا وہ اپنا کام کرے گا، پس وہ پہلے آیا جو لحد بناتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے لحد بنائی گئی (4)۔ امام مالک نے موطا میں ہشام بن عروہ عن ابیہ کے واسطہ سے یہ ذکر کیا ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت انس اور حضرت

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 2، صفحہ 102۔ ایضاً، حدیث نمبر 2799، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 113۔ ایضاً، حدیث نمبر 1548، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 113۔ ایضاً، حدیث 1547، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ موطا امام مالک، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 213

عائشہ سے یہ روایت کیا ہے۔ یہ دو شخص ابو طلحہ اور ابو عبیدہ تھے ابو طلحہ لحد بناتے تھے اور ابو عبیدہ شق بناتے تھے (1)۔ لحد کا مطلب وہ شق ہے جو قبر کی ایک طرف میں بنایا جاتا ہے، اگر زمین سخت ہو اس میں میت کو رکھا جاتا ہے، پھر اس پر کچی اینٹیں لگائی جاتی ہیں، پھر مٹی ڈالی جاتی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنی مرض موت میں فرمایا: میرے لیے لحد بنانا اور کچی اینٹیں لگانا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا تھا (2)۔ مسلم نے اس کو روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمارے لیے لحد ہے اور دوسروں کے لیے شق ہے" (3)۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن ماجہ نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے فرمایا میں حضرت ابن عمر کے ساتھ ایک جنازہ میں آیا جب لحد میں میت کو رکھا گیا تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا: بسم اللہ وفی سبیل اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لحد پر اینٹیں برابر کرنا شروع کیں تو کہا: اللھم اجرھا من الشیطان وعذاب القبر، اللھم جاف الارض عن جنبیھا وصعد روحھا ولقھا منك رضوانا۔ میں نے کہا: اے ابن عمر! کیا تم نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یا تم نے یہ اپنی رائے سے کہا ہے؟ حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا: پھر تو میں اس قول پر قادر ہوں۔ بلکہ میں نے یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے (4)۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی پھر میت کی قبر پر آئے اس کے سر کی جانب سے تین مرتبہ مٹی ڈالی (5)۔ یہ اس آیت کے متعلق احکام تھے۔ یٰوَیْلَتٰۤی اصل میں یا ویلتی تھا پھر یا کو الف سے بدلا گیا۔ حسن نے اصل پر یا سے پڑھا ہے، پہلا قول اصح ہے، کیونکہ ندا میں یا کا حذف اکثر ہے۔ عرب یہ کلمہ ہلاکت کے وقت بولتے ہیں۔ یہ سیبویہ کا قول ہے۔ اصمعی نے کہا: ویلٌ کا معنی بعدٌ ہے۔ حسن نے أَعَجِزْتُ جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے (6)۔ نحاس نے کہا: یہ شاذ لغت ہے۔ کہا جاتا ہے عجزت المرأۃ جب عورت اپنا پچھلا حصہ ڈھانپ دے۔ عجزت عن الشئ عجزاً و معجزۃ و معجزۃً۔ واللہ اعلم

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲

"اسی وجہ سے (حکم) لکھ دیا ہے ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو سوائے قصاص کے اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانوں کو اور جس نے بچالیا کسی جان کو تو گویا بچایا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 113۔ ایضاً، حدیث 1546، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 311
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 112۔ ایضاً، حدیث 1542، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ ایضاً 5۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 113 6۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 181

اس نے تمام لوگوں کو اور بے شک آئے ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ پھر بھی بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد بھی زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ یعنی قاتل کی اس جرأت کی وجہ سے۔ زجاج نے کہا: اس کی جنایت کی وجہ سے، کہا جاتا ہے: اجل الرجل علی اهله شرا، یا جل اجلاً۔ جب کوئی زیادتی کرے مثلاً اخذ، یاخذ اخذاً۔

خنوت نے کہا:

وأهلِ خباءٍ صالحٍ كنتُ بَيْنَهُمْ قد احتربُوا لى عاجلٍ أنا آجِلُه

یعنی میں خیانت کرنے والا ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا: میں ان پر زیادتی کرنے والا ہوں۔ عدی بن زید نے کہا:

أَجْلَ الله قد فَضَّلَكم فَوقَ مَنْ أَحكأ صُلبا بإزارِ

اس کی اصل الجر ہے، اسی سے الاجل مدت ہے، کیونکہ وہ وقت ہوتا ہے جس کی طرف پہلی عقد کھینچی جاتی ہے۔ (۱) سے الاجل نقیض العاجل ہے یعنی متقدم امر اس کی طرف کھینچا جاتا ہے اسی سے اجل بمعنی نعم ہے، کیونکہ یہ انقیاد ہے اس کی طرف جس کی طرف کھینچا گیا ہے اسی سے الاجل، جنگلی گائیوں کا ریوڑ ہے، کیونکہ وہ ایک دوسرے کی طرف کھینچتی ہیں۔ یہ رمانی کا قول ہے یزید بن القعقاع ابو جعفر نے مِنِ اجْل ذالك پڑھا ہے یعنی نون کے کسرہ اور ہمزہ کے حذف کے ساتھ۔ یہ بھی ایک لغت ہے اصل من اجل ذالك ہے ہمزہ کا کسرہ نون کو دیا گیا ہے اور ہمزہ کو حذف کیا گیا ہے۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ کا تعلق مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۞ کے ساتھ ہو اور وقف مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ پر ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مابعد کے متعلق ہو وہ كَتَبْنَا ہے اور مِنْ اَجْلِ کلام کا ابتدا ہے اور اس کی تکمیل مِنَ النّٰدِمِيْنَ ہے۔ یہ اکثر لوگوں کا نظریہ ہے یعنی اس کے سبب ہم نے فرض کیا۔ بنی اسرائیل کو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، ان سے پہلے بھی امتیں گزر چکی تھی ان میں سے کسی نفس کا قتل ممنوع تھا، کیونکہ بنی اسرائیل پہلی امت تھی جن پر لکھی ہوئی نفس کو قتل کرنے کی وعید نازل ہوئی، اس سے پہلے مطلقاً قول تھا پس بنی اسرائیل کی سرکشی اور خونریزی کی وجہ سے کتاب کے ساتھ حکم کو سخت کیا گیا۔

بِغَیْرِ نَفْسٍ یعنی اس نے قتل نہ کیا ہو کہ وہ قتل کا مستحق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمام شرائع میں قتل کو حرام کیا تھا مگر تین صورتوں میں (۱) ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا (۲) احصان کے بعد زنا کرنا (۳) ظلماً کسی نفس کو قتل کرنا۔

اَوْ فَسَادٍ یہاں فساد سے مراد شرک ہے۔ بعض نے فرمایا: ڈاکہ ڈالنا ہے۔ حسن نے او فساداً پڑھا ہے فعل کے حذف کی تقدیر پر جس پر پہلی کلام دلالت کرتی ہے تقدیر عبارت ہے: او احدث فساداً اس پر دلیل یہ ارشاد ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ کیونکہ یہ بہت بڑا فساد ہے۔ عام قراء نے فسادٍ جر کے ساتھ پڑھا ہے او بغیر فسادٍ کے معنی پر ہے۔

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا اس تشبیہ کی ترتیب میں مفسرین کے اقوال میں اضطراب ہے، کیونکہ تمام لوگوں کو قتل کرنے کی سزا ایک قتل کی سزا سے زیادہ ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے کسی نبی کو قتل

کیا یا عادل امام کو قتل کیا گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے اس کو زندہ کیا ان کی مدد ونصرت سے تو اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کیا (1)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے فرمایا: جس نے ایک نفس کو قتل کیا اور اس کی حرمت کو توڑا وہ تمام لوگوں کو قتل کرنے والے کی مثل ہے اور جس نے ایک نفس کے قتل کو ترک کیا اور اس کی حرمت کی حفاظت کی اور الله کے خوف کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا وہ اس کی مانند ہے جس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا (2)۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے گویا مقتول کے پاس اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک شخص کو زندہ کیا اور اسے ہلاکت سے بچایا تو اس نے بچائے گئے شخص کے نزدیک تمام لوگوں کو زندہ کیا (3)۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے جس نے مومن نفس کو جان بوجھ کر قتل کیا الله تعالیٰ نے اس کی جزا جہنم بنائی ہے اور اس پر غضب کیا ہے اور اس پر لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے (4)۔ اگر وہ تمام لوگوں کو قتل کرتا تو اس پر زیادہ نہ کیا جاتا اور جس نے قتل نہیں کیا اس سے تمام لوگ زندہ ہوئے۔ ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے جس نے کسی نفس کو قتل کیا اس پر وہی قصاص لازم ہوتا ہے جو تمام لوگوں کو قتل کرنے والے پر لازم ہوتا ہے فرمایا: وَمَنْ اَحْيَاهَا جس نے اس کو معاف کر دیا جس کا قتل کرنا اس کے لیے واجب تھا۔ یہ حسن کا بھی قول ہے، یعنی قدرت کے بعد معاف کر دینا (5)۔ بعض علماء نے فرمایا: جس نے کسی نفس کو قتل کیا تو تمام مسلمان اس کے خصم ہیں، کیونکہ اس نے تمام کو ہلاک کیا اور جس نے اس کو زندہ کیا گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا، یعنی تمام پر اس کا شکر واجب ہے۔ بعض نے فرمایا: ایک شخص کے قاتل کے گناہ کو تمام لوگوں کے قاتل کا گناہ بنایا، اس کی شان ہے کہ جو چاہے حکم دے۔ بعض نے فرمایا: یہ بنی اسرائیل کے ساتھ مختص ہے ان پر یہ سختی کرنے کے لیے ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: جو کچھ کہا گیا ہے تشبیہ تمام پر واقع ہے ایک شخص کی حرمت کو تار تار کرنے والا تمام لوگوں کی حرمت کو تار تار کرنے والا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دو شخص قسم اٹھائیں کہ وہ ان دو درختوں کے پھلوں سے کچھ نہیں کھائیں گے، پھر ان میں سے ایک درخت کے پھل سے کھالیا اور دوسرے نے دوسرے درخت کے پھل سے کھالیا تو وہ قسم توڑنے کے گناہ میں برابر ہیں (6)۔ بعض علماء نے فرمایا: جس نے ایک شخص کے قتل کو حلال سمجھا اس نے تمام کے قتل کو حلال سمجھا، کیونکہ اس نے شرع کا انکار کیا۔

وَمَنْ اَحْيَاهَا میں تجوز ہے۔ اس سے مراد ہلاکت سے بچانا ہے ورنہ زندہ کرنا حقیقت میں اختراع کے معنی میں ہے اور یہ کام الله تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے یہ احیا، نمرود لعین کے قول کی طرح ہے: انا احی و امیت۔ ترک کو احیا فرمایا پھر بنی اسرائیل کے متعلق الله تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے پاس رسل بینات کے ساتھ آئے اور ان میں اکثر حد سے تجاوز کرنے والے تھے اور الله کے حکم کو چھوڑنے والے تھے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 241 — 2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 242 — 3۔ ایضاً

4۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 243 — 5۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 182 — 6۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 183-182

يُقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں (چن چن کر) قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیئے جائیں یہ تو ان کے لیے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے، مگر جنہوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم قابو پا لو ان پر (ان کو معاف کر دیا جائے گا) اور خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت کے سبب نزول میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ عرنیین کے بارے میں نازل ہوئی۔ ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ ابوداؤد کے ہیں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ عکل قبیلہ یا عرینہ قبیلہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہیں مدینہ طیبہ کی ہوا راس نہ آئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹوں کے پاس جانے کا حکم دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ان کے پیشاب اور ان کے دودھ پئیں، وہ چلے گئے، جب وہ ٹھیک ہو گئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خبر دن کے آغاز میں پہنچی، آپ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے دن چڑھنے کے ساتھ ہی انہیں پکڑ کر لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق حکم دیا تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے اور ان کی آنکھوں میں لوہے کی سلاخیں ڈالی گئیں اور پتھریلے ٹیلے پر ڈالے گئے وہ پانی طلب کرتے رہے لیکن انہیں پانی نہ دیا گیا۔ ابو قلابہ نے کہا: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے چوری کی، قتل کیا اور ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی (1)۔ ایک روایت میں ہے ان کی آنکھوں میں کیل گرم کر کے لگانے کا حکم دیا تو ان کی آنکھوں میں گرم سلاخیں لگائی گئیں اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے اور انہیں داغا نہ گیا (2)۔ ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے پیروں کے نشان دیکھنے والے بھیجے، پس انہیں لایا، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ نازل کیا: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا، الآیۃ (3)۔ ایک روایت میں ہے حضرت انس نے فرمایا: میں نے ان میں سے ایک کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے زمین چاٹ رہا تھا حتیٰ کہ وہ مر گئے (4)۔ بخاری میں ہے حضرت جریر بن عبداللہ نے اپنی حدیث میں فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ایک گروہ میں بھیجا حتیٰ کہ میں نے انہیں پالیا جب کہ وہ اپنے شہر کے قریب پہنچ چکے تھے ہم انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 244　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

حضرت جریر نے کہا: وہ کہتے تھے پانی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: آگ۔ اہل سیرت و تواریخ نے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے چرواہے کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے تھے اور اس کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے تھے حتیٰ کہ وہ مر گیا تھا، اسے مدینہ طیبہ میں مردہ داخل کیا گیا تھا، اس کا نام یسار تھا اور وہ نوبیا تھا۔ یہ مرتدین کا فعل چھ ہجری میں ہوا تھا۔ بعض روایات میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قتل کرنے کے بعد آگ سے جلا دیا تھا(1)۔ حضرت ابن عباس اور ضحاک سے مروی ہے کہ یہ اہل کتاب کی ایک قوم کے سبب نازل ہوئی ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان عہد تھا، انہوں نے عہد کو توڑا تھا اور ڈاکہ ڈالا تھا اور زمین میں فساد برپا کیا تھا(2)۔ مصنف ابی داؤد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مشرکین کے بارے نازل ہوئی ان میں سے جو توبہ کرلے گا اس سے پہلے کہ اس پر قدرت حاصل ہو جائے، اس پر حد قائم کرنے سے مانع نہ ہوگا اس جرم کی وجہ سے جو اس نے کیا تھا(3)۔ جن علماء نے فرمایا یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی وہ عکرمہ اور حسن ہیں۔ یہ ضعیف ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (الانفال: 38) اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد: الاسلام یھدم ما قبلہ (4) (مسلم) اس کا رد کرتا ہے۔ پہلا قول صحیح ہے، کیونکہ احادیث کی نصوص اس کے بارے میں ثابت ہیں۔ امام مالک، امام شافعی، ابوثور اور اصحاب الرائے نے کہا: یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی جو مسلمانوں میں سے نکلیں، ڈاکہ ڈالیں اور زمین میں فساد برپا کریں۔ ابن المنذر نے کہا: امام مالک کا قول صحیح ہے۔ ابوثور نے اس قول کے لیے حجت قائم کرتے ہوئے کہا: اس آیت میں دلیل ہے کہ یہ مشرکوں کے علاوہ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ یہ ارشاد ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ۔ علماء کا اجماع ہے کہ مشرکین جب ہمارے ہاتھوں میں آجائیں اور وہ اسلام قبول کرلیں تو ان کے خون حرام ہوں گے، پس یہ دلیل ہے کہ یہ آیت اہل اسلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ طبری نے بعض اہل علم سے حکایت کیا ہے اس آیت نے نبی کریم ﷺ کے عرنیین کے بارے میں فعل کو منسوخ کر دیا(5)، پس حدود پر امر موقوف ہو گیا۔ محمد بن سیرین نے روایت کیا ہے فرمایا: یہ حدود کے نزول سے پہلے تھا، یعنی حضرت انس کی حدیث۔ ابوداؤد نے یہ ذکر کیا ہے ان میں سے ایک قوم نے کہا: جن میں سے لیث بن سعد بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے عرینہ کے وفد کے ساتھ جو کیا تھا وہ منسوخ ہو گیا، کیونکہ مرتد کا مثلہ جائز نہیں۔ ابوالزناد نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جب اونٹ چوری کرنے والوں کے ہاتھ کاٹے اور ان کی آنکھوں میں آگ سے گرم کرکے سلائیں لگائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر عتاب فرمایا اس بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 249 2۔ ایضاً 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 245-244
4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 76 5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 251

فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا الایۃ۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے (1)۔ ابوالزناد نے کہا: جب مثلہ سے منع کیا گیا تو دوبارہ کبھی ایسا نہ کیا۔ ایک جماعت سے حکایت ہے کہ یہ آیت اس فعل کے لیے ناسخ نہیں، کیونکہ وہ مرتدین کے بارے واقع ہوا خصوصاً صحیح مسلم میں اور کتاب النسائی وغیرہما میں ثابت ہے فرمایا: ان لوگوں کی آنکھوں میں سلائیں پھیریں کیونکہ انہوں نے چرواہے کی آنکھوں میں سلائیں پھیری تھیں (2)۔ یہ قصاص تھا۔ یہ آیت محارب مومن کے بارے میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عمدہ قول ہے۔ امام مالک وامام شافعی کے نظریہ کا بھی یہی معنی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ یہ معلوم ہے کہ کفار کے احکام قدرت کے بعد توبہ کے ساتھ ان سے عقوبت کے زوال میں مختلف نہیں ہوتے جس طرح قدرت سے پہلے ساقط ہوتے ہیں اور مرتد نفس ردت کے ساتھ قتل کا مستحق ہوتا ہے بغیر محاربت کے... اسے نہ جلاوطن کیا جاتا ہے، نہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے ہیں اور نہ اس کا راستہ چھوڑا جاتا ہے بلکہ اسے قتل کیا جاتا ہے اگر وہ اسلام قبول نہ کرے۔ اور اسے سولی پر بھی نہیں چڑھایا جاتا پس یہ دلیل ہے کہ آیت جس پر مشتمل ہے اس سے مراد مرتد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے حق میں فرمایا: قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (الانفال:38) اور محاربین کے بارے میں فرمایا: اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا یہ واضح ہے جو کچھ ہم نے باب کی ابتدا میں ثابت کیا ہے اس میں نہ کوئی اشکال ہے نہ لوم ہے اور نہ عتاب ہے کیونکہ وہ کتاب کا مقتضیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ (بقرہ:194) پس انہوں نے مثلہ کیا تھا تو ان کا مثلہ کیا گیا مگر یہ احتمال ہے کہ عتاب اس وجہ سے ہو۔ اگر صحیح ہے۔ کہ قتل میں زیادتی ہوئی تھی اور وہ سلائیں گرم کر کے ان کی آنکھوں میں ڈالنا تھا اور انہیں پیاسا چھوڑ دینا تھا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔ واللہ اعلم۔

طبری نے سدی سے حکایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کی آنکھوں میں سلائیں نہیں ڈالی تھیں، اس کا ارادہ فرمایا تھا۔ پس اس سے منع کے بارے میں یہ آیت نازل ہوگئی (3)۔ یہ بالکل ضعیف ہے، کیونکہ اخبار ثابت کرتی ہیں کہ سلائیں ان کی آنکھوں میں ڈالی گئی تھیں۔ بخاری میں ہے: سلائیں گرم کی گئیں اور ان کی آنکھوں میں لگائی گئیں (4)۔ علماء کے درمیان اختلاف نہیں کہ اس آیت کا حکم اہل اسلام میں سے محاربین میں مرتب ہے اگرچہ مرتدین یا یہود کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ میں استعارہ اور مجاز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نہ محاربہ کیا جاتا ہے اور نہ اس پر غلبہ پایا جاتا ہے، کیونکہ وہ صفات کمال کا حامل ہے اس کے لیے اضداد و انداد سے تنزیہ واجب ہے معنی یہ ہے کہ وہ اولیاء اللہ سے محاربہ کرتے ہیں۔ اپنے اولیاء کو اپنی ذات سے تعبیر فرمایا ان کی ذات کی بڑائی بیان کرنے کیلئے۔ جس طرح الفقراء الضعفاء کو اپنی ذات سے تعبیر فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (بقرہ:245)

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 244
2۔ صحیح مسلم، کتاب القسامہ، جلد 2، صفحہ 58
3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 252
4۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 1105

یہ فقراء پر مہربانی پر برانگیختہ کرنے کے لیے فرمایا اس کی مثال سنت میں ہے: استطعمتك فلم تُطعِمی (1) میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا تھا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء کا ان کے بارے میں اختلاف ہے جو محاربہ کے اسم کے مستحق ہیں۔ امام مالک نے کہا: ہمارے نزدیک محارب وہ ہے جو لوگوں پر شہر میں یا جنگل میں حملہ کرے اور ان کے نفسوں اور ان کے اموال کی وجہ سے انہیں مشقت میں ڈالے نہ بدلہ کے طور پر ہو، نہ عداوت کے طور پر ہو۔ ابن المنذر نے کہا: اس مسئلہ میں امام مالک سے مختلف اقوال مروی ہیں انہوں نے ایک مرتبہ مصر میں محاربہ کو ثابت کیا اور ایک مرتبہ نفی کی۔ ایک طائفہ نے کہا: اس کا حکم شہر یا گھروں میں، راستوں میں، دیہاتوں میں برابر ہے اور ان کی حدود ایک ہیں۔ یہ امام شافعی، ابوثور کا قول ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اسی سے یہ ہے، کیونکہ تمام پر محاربہ کا اسم واقع ہوتا ہے۔ کتاب عموم پر دلالت کرتی ہے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی قوم کو آیت سے بغیر حجت کے نکالے۔ ایک طائفہ نے کہا: شہر میں محاربہ نہ ہوگا، بلکہ شہر سے باہر ہوگا، یہ سفیان ثوری، اسحاق، نعمان کا قول ہے۔ دھوکہ دینے والا محارب کی طرح ہے دھوکہ دینے والا وہ ہے جو مال حاصل کرنے کے لیے کسی انسان کو قتل کرتا ہے۔ اگر ہتھیار کو نہ لہرایا لیکن اس پر اس کے گھر میں داخل ہوا یا سفر میں اس کو ملا اور اسے زہر کھلا دیا، پھر اسے قتل کیا تو اس کو حداً قتل کیا جائے گا، نہ کہ قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 3۔ محارب کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے، ایک جماعت نے کہا: اس کے فعل کی مقدار اس پر سزا ہوگی۔ جس نے لوگوں کو ڈرایا اور مال لیا تو اس کے ہاتھ اور پاؤں برعکس کاٹے جائیں گے، اگر مال لیا اور قتل کیا تو اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے اور پھر اسے سولی پر لٹکایا جائے گا، جب قتل کرے اور مال نہ لوٹے تو اسے قتل کیا جائے گا اگر نہ مال لوٹا ہو اور نہ قتل کیا ہو تو اسے جلا وطن کیا جائے گا (2)۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔

ابومجلز، نخعی، عطا خراسانی وغیرہم سے مروی ہے امام ابویوسف نے کہا: جب مال بھی لوٹا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو اسے سولی پر لٹکایا جائے گا اور اسے سولی پر قتل کیا جائے گا (3)۔ لیث نے کہا: نیزہ کے ساتھ سولی پر لٹکا ہوا قتل کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جب قتل کرے گا تو اسے قتل کیا جائے گا اور جب مال لے گا اور قتل نہیں کرے گا تو اس کے ہاتھ اور پاؤں برعکس کاٹے جائیں گے جب مال لے گا اور قتل بھی کرے گا تو سلطان کو اس میں اختیار ہو گا اگر چاہے تو اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دے اگر چاہے تو ہاتھ پاؤں نہ کاٹے اور اسے قتل کر دے اور سولی پر لٹکا دے (4)۔ امام ابویوسف نے کہا: ہر صورت میں قتل ہوگا، اسی طرح کا قول اوزاعی کا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: جب مال لوٹے گا تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اسے داغا جائے گا، پھر بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور اسے داغا جائے گا اور اسے چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ یہ جنایت حرابہ کی وجہ سے چوری پر زائد ہے۔ جب قتل کرے گا تو اسے قتل کیا جائے گا، جب مال لوٹے گا اور قتل کرے گا تو اسے قتل کیا جائے گا اور سولی پر لٹکایا جائے گا (5)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، جلد 2، صفحہ 318　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 256

3۔ احکام القرآن للجصاص، جلد 2، صفحہ 409　4۔ ایضاً　5۔ ایضاً

امام شافعی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: تین دن سولی پر لٹکایا جائے گا۔ فرمایا: اگر کوئی شخص آیا ڈرایا دھمکایا اور دشمن کے لیے معاون تھا تو اسے قید کیا جائے گا۔ امام احمد نے فرمایا: اگر قتل کرے گا تو اسے قتل کیا جائے گا اگر مال لے گا تو اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے۔ ایک قوم نے کہا: قتل سے پہلے سولی پر لٹکانا مناسب نہیں اس طرح تو اس کے اور اس کی نماز، کھانے، پینے کے درمیان حائل ہوا جائے گا۔ شافعی سے حکایت کیا گیا ہے کہ سولی پر لٹکا کر قتل کرنا ناپسند سمجھتا ہوں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ سے منع کیا تھا۔ ابوثور نے کہا: ظاہر آیت پر امام کو اختیار دیا گیا ہے اسی طرح مالک نے فرمایا اور یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور یہ سعید بن مسیب، عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، ضحاک، نخعی کا قول ہے، تمام نے فرمایا: امام کو محاربین کے حکم میں اختیار ہے وہ ان پر ان احکام میں سے جو چاہے لگائے جو قتل اور سولی پر لٹکانے، ہاتھ پاؤں کاٹنے اور جلاوطن کرنے میں واجب کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: قرآن میں جہاں ''او'' آیا ہے اس میں اختیار ہے یہ قول ظاہر آیت کے زیادہ قریب ہے اور پہلے قول والے جنہوں نے کہا: ''او'' ترتیب کے لیے ہے اگرچہ ان کا اختلاف ہے۔ مگر تو ان کے اقوال کو پائے گا کہ وہ محارب پر دو حدوں کو جمع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: اسے قتل کیا جائے گا اور اسے سولی پر لٹکایا جائے گا۔ بعض نے کہا: اسے سولی پر لٹکایا جائے گا اور قتل کیا جائے گا۔ بعض نے کہا: اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے اور جلاوطن کیا جائے گا۔ اس طرح نہ آیت ہے اور نہ ''او'' کا معنی لغت میں اس طرح ہے۔ یہ نحاس کا قول ہے۔ پہلے قول والوں نے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے جو طبری نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے محارب کا حکم پوچھا تو جبریل نے کہا: جو لوگوں کو ڈرائے، مال لوٹے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اس کے مال لوٹنے کی وجہ سے اور اس کا پاؤں کاٹا جائے گا اس کے ڈرانے کی وجہ سے اور جو قتل کرے اسے قتل کرو اور جو ان جرموں کو جمع کرے اسے سولی پر لٹکاؤ۔ ابن عطیہ نے کہا: صرف ڈرانے والے کے لیے جلاوطنی باقی ہے (1) اور ڈرانے والا قاتل کے حکم میں ہے لیکن اس کے باوجود اس میں استحسانا امام مالک ہلکا عذاب وعقاب دیکھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ سدی نے کہا: اسے گھوڑوں اور پیدل لوگوں کے ساتھ تلاش کیا جائے گا حتیٰ کہ اسے لایا جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حد قائم کی جائے گی یا وہ طلب کرنے والوں سے دارالسلام سے بھاگ کر نکل جائے۔ حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک اور مالک بن انس، حسن، سدی، ضحاک، قتادہ، سعید بن جبیر، ربیع بن انس اور زہری سے یہ مروی ہے۔ رمانی نے اپنی کتاب میں اس کو بیان کیا ہے۔ امام شافعی سے مروی ہے وہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکالے جائیں گے اور انہیں تلاش کیا جائے گا تا کہ ان پر حدود قائم کی جائیں۔ یہ لیث بن سعد اور زہری کا بھی قول ہے۔ امام مالک نے یہ بھی کہا: اسے شہر سے نکالا جائے گا جس میں اس نے ایسی حرکت کی اور دوسرے شہر کی طرف بھیجا جائے گا اس کو زانی کی طرح قید کیا جائے گا۔ امام مالک نے یہ بھی کہا اور کوفیوں نے کہا: ان کی نفی سے مراد انہیں قید کرنا ہے پس اسے دنیا کی وسعت سے، دنیا کی تنگی کی طرف جلاوطن کیا جائے گا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 185

وہ اس طرح ہو جائے گا گویا جب وہ قید کیا گیا ہے تو زمین سے جلاوطن کیا گیا ہے مگر اپنی قرار گاہ سے۔ انہوں نے بعض قیدیوں کے ان اشعار سے حجت پکڑی ہے:

خرجنا من الدنیا و نحن من اھلِھا فلسنا من الأمواتِ فیھا ولا الأحیَا

إذا جاء نا السَّجَّانُ یوماً لحاجۃٍ عَجِبنا وقلنا جاء ھذا من الدنیَا

مکحول نے حکایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب پہلے شخص ہیں جنہوں نے جیلوں میں قید کیا۔ فرمایا: میں اسے قید رکھوں گا حتی کہ میں اس سے توبہ جان لوں اور میں انہیں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جلاوطن نہیں کروں گا کہ یہ انہیں اذیت دے گا (1)۔ ظاہر یہ ہے کہ الارض سے مراد ایسی زمین ہے جس میں مصیبت نازل ہوتی ہے پہلے زمانہ میں بھی لوگ اس زمین سے اجتناب کرتے تھے جس میں گناہ ہوتے تھے۔ اسی سے حدیث ہے "جو شخص اپنے سینے کے ساتھ مقدس زمین کی طرف جھکا"۔

امام کے لیے مناسب ہے کہ اگر اس محارب کا خوف ہو کہ وہ دوبارہ ڈاکہ اور فساد کی طرف لوٹے گا تو وہ اسے اس شہر میں قید کر دے جس کی طرف جلاوطن کیا گیا ہے اگر یہ خوف نہیں ہے کہ وہ جنایت کی طرف لوٹے گا تو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ امام مالک کا صریح مذہب ہے کہ اسے جلاوطن کیا جائے گا اور جہاں جلاوطن کیا جائے گا وہاں اسے قید کر دیا جائے گا۔ یہ اغلب ہے اس کے بارے میں جس کا دوبارہ ڈاکہ کرنے کا اندیشہ ہو۔ طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور یہ واضح ہے، کیونکہ جس زمین میں مصیبت نازل ہوئی ہے یہ آیت کی نص ہے اور خوف کی بناء پر اس کے بعد اسے قید کیا جائے گا اگر وہ توبہ کر لے اور اس کی حالت بہتر سمجھی جائے تو چھوڑ دیا جائے گا (2)۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ نفی کا معنی ہلاک کرنا ہے اس سے اثبات اور نفی ہے، نفی کا معنی ختم کرنے کے ساتھ ہلاک کرنا ہے۔ اسی سے النفایہ ہے جو ردی مال کے لیے بولا جاتا ہے اسی سے النفی اس پانی کو کہتے ہیں جو ڈول سے نکل جاتا ہے۔

راجز نے کہا:

کَاَنَّ مَتْنَیْہِ من النَّفِیِّ مَوَاقِعُ الطَّیْرِ علی الصُّفِیِّ

مسئلہ نمبر 6۔ ابن خویز منداد نے کہا: محارب جو مال لے گا اس میں نصاب کا اعتبار نہیں ہوگا جس طرح چوری کرنے والے میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس نصاب میں (1/4) دینار کی رعایت رکھی جائے گی۔ ابن عربی نے کہا: امام شافعی اور اصحاب الرائے نے فرمایا: ڈاکو کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر جب وہ اتنا مال لے جس پر چور کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔ امام مالک نے کہا: اس پر محارب کے حکم کے ساتھ حکم لگایا جائے گا۔ یہ صحیح قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر 1/4 دینار کی چوری میں قطع ید مقرر فرمائی اور حرابہ میں کوئی چیز متعین نہیں فرمائی بلکہ محارب کی جزا کا ذکر فرمایا پس یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ ایک دانہ پر بھی محاربہ کی جزا مکمل ہے۔ یہ اصل پر اصل کا قیاس ہے اس میں اختلاف ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 248 2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 185

اعلیٰ کا ادنیٰ کے ساتھ قیاس اور ارفع کا اسفل کے ساتھ قیاس ہے اور یہ عکس القیاس ہے یہ کیسے صحیح ہے کہ محارب و چور پر قیاس کیا جائے وہ چوری مال لیتا ہے اگر محسوس کرے کہ کوئی بیدار ہو گیا ہے تو بھاگ جاتا ہے حتیٰ کہ اگر چور ہتھیار کے ساتھ کسی کے گھر میں داخل ہوا اگر اسے منع کیا جائے یا شور مچایا جائے اور وہ اس پر لڑے تو وہ محارب ہے اس پر محارب کا حکم جاری ہوگا۔ قاضی ابن عربی نے کہا: میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے ایام میں تھا تو ایک شخص ایک چور کو پکڑ کر لے آیا وہ چھری کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تھا وہ گھر کے مالک کے دل پر چھری لے کر اسے روکے رہا جب کہ وہ سویا ہوا تھا اور اس کے ساتھی مال لوٹتے رہے، میں نے ان پر محاربین کا حکم لگایا، یہ اصل دین سے ... پس علم کی بلندی کی طرف بڑھو اور جاہلین کی پستی سے نکلو (1)۔

میں کہتا ہوں: الیفع کا مطلب پہاڑ کی چوٹی ہے اس سے غلام یفعۃ ہے جب بچہ بلوغت کی طرف بلند ہو۔ الحضیض، وادی کی نچلی سطح کو کہتے ہیں، اسی طرح اہل لغت نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حرابہ میں قتل کیا جائے گا جو قتل کرے گا اگرچہ مقتول قاتل کا ہم پلہ نہ بھی ہو۔ امام شافعی کے دو قول ہیں:

(۱) مکافات کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ اس نے قتل کیا ہے پس اس میں مکافات کا اعتبار ہوگا جس طرح قصاص ہے۔ یہ ضعیف قول ہے، کیونکہ قول یہاں صرف قتل پر نہیں ہے وہ فساد عام پر ہے لوگوں کو اس نے ڈرایا اور مال چھینا تھا (2)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا۔ اللہ تعالیٰ نے محارب پر حدود قائم کرنے کا حکم دیا جب دو چیزیں جمع ہیں محاربۃ اور فساد فی الارض اور شریف و ضیع، رفیع و دنی کا فرق نہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ جب ڈاکو نکلیں اور قافلہ سے قتال کریں اور بعض ڈاکو قتل ہو جائیں اور بعض قتل نہ ہوں تو سب کو قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی نے فرمایا: اسے قتل کیا جائے گا جس نے قتل کیا۔ یہ بھی ضعیف ہے، کیونکہ جو جنگ میں حاضر ہوتے ہیں وہ مال غنیمت میں شریک ہوتے ہیں اگرچہ تمام جنگ کرتے نہیں ہیں۔ قتل پر جو معاون ہوتا ہے اس پر بھی اتفاق ہے اور وہ جاسوسی کرنے والا ہے تو محارب اولیٰ اس جرم میں شامل ہوگا (3)۔

مسئلہ نمبر 9۔ جب محارب (ڈاکو) لوگ لوگوں کو ڈرائیں اور ڈاکہ ڈالیں تو انہیں دعوت اسلام دیئے بغیر امام کا انہیں قتل کرنا واجب ہے اور مسلمانوں پر ان کے قتل پر تعاون واجب ہے اور مسلمانوں سے ان کی اذیت روکنا واجب ہے، اگر وہ شکست کھا جائیں تو ان کا پیچھا نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ انہوں نے قتل کیا ہو اور مال لوٹا ہو۔ اگر انہوں نے ایسا کیا ہوگا تو اس کو پکڑنے کے لیے اور جنایت کی حد قائم کرنے کے لیے ان کا پیچھا کیا جائے گا اور زخمیوں کا تعاقب نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ اس نے قتل کیا ہو۔ اگر ڈاکو پکڑے گئے اور ان کے پاس مال تھا جو کسی خاص شخص کا تھا تو وہ مال اسے واپس کیا جائے گا یا اس کے ورثاء کو دیا جائے گا، اگر اس کا مالک نہ ملے تو وہ بیت المال میں رکھا جائے اور جنہوں نے کسی کا مال تلف کیا ہوگا تو وہ اس کے ضامن ہوں گے اور ان کے لیے دیت نہ ہوگی جنہوں نے قتل کیا جب توبہ سے پہلے ان پر قدرت ہو جائے گی اگر وہ توبہ کریں

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 601 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 602 3۔ ایضاً

گے اور توبہ کرتے ہوئے آئیں گے تو یہ صورت ہوگی۔

مسئلہ نمبر 10۔ امام کو ان پر کوئی اختیار نہیں اور ان سے وہ حد ساقط ہوگی جو اللہ کے لیے ان پر تھی۔ وہ آدمیوں کے حقوق کے بدلے پکڑے جائیں گے ان سے نفس اور زخم کا قصاص لیا جائے گا اور ان پر وہ ہوگا جو انہوں نے مال اور خون میں سے ضائع کیا ہوگا وہ مقتول کے اولیاء کے لیے ہوگا۔ ان کے لیے عفو اور ہبہ جائز ہوگا جس طرح محاربین کے علاوہ دوسرے مجرموں کے لیے ہوتا ہے یہ امام مالک، امام شافعی، ابوثور اور اصحاب الرائے کا مذہب ہے۔

جو مال ان کے پاس ہوگا وہ لے لیا جائے گا اور جس کو وہ ہلاک کر چکے ہوں گے اس کی قیمت کی ضمانت دیں گے، کیونکہ یہ غصب ہے اس کی ملکیت ان کے لیے جائز نہیں وہ مال مالکوں کو دیا جائے گا یا امام اپنے پاس رکھے گا حتیٰ کہ وہ اس کا مالک جان لے۔ صحابہ اور تابعین کی ایک قوم نے کہا: مال طلب نہیں کیا جائے گا مگر وہ جو موجود ہوگا اور جو ہلاک ہو چکا ہوگا وہ طلب نہیں کیا جائے گا۔ یہ طبری نے ولید بن مسلم کی روایت سے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل سے یہی ظاہر ہے جو انہوں نے حارثہ بن بدر غدانی سے کیا تھا وہ محارب تھا پھر اس نے پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر لی تھی تو آپ نے اس کے لیے اموال اور خون کے سقوط کی تحریر لکھی (1)۔ ابن خویز منداد نے کہا: محارب کے بارے میں امام مالک سے روایت مختلف ہے جب اس پر حد قائم کی جائے گی اور اس کے لیے مال نہ ہوگا تو کیا جو اس نے لیا تھا اس کا بطور دین پیچھا کیا جائے گا یا ساقط ہو جائے گا جیسے چور سے ساقط ہو جاتا ہے؟ مسلمان اور ذمی اس میں برابر ہیں۔

مسئلہ نمبر 11۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ سلطان اس کا والی ہوتا ہے جس پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ اگر محارب کسی شخص کا بھائی یا باپ ڈاکہ میں قتل کرتا ہے تو خون طلب کرنے والے کے لیے محارب (ڈاکو) کے امر سے کچھ نہیں ہے، ولی کے لیے معاف کرنا جائز نہیں، امام اس پر حد قائم کرے گا۔ علماء نے اس کو اللہ کی حدود کے قائم مقام بنایا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ محاربین کے احکام تھے ہم نے بڑے بڑے احکام جمع کر دیئے اور عجیب اقوال جو اس آیت کی تفسیر میں کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

مسئلہ نمبر 12۔ مجاہد نے کہا: اس آیت میں محاربہ سے مراد زنا اور چوری ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے نبی کی زبان پر بیان فرمایا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور زانی کو کوڑے لگائے جائیں گے اور اسے جلاوطن کیا جائے گا اگر وہ کنوارہ ہوگا، اور زانی کو رجم کیا جائے گا اگر وہ شادی شدہ مسلمان ہوگا۔ اور محارب کے احکام اس آیت میں اس کے مخالف ہیں مگر جو ہتھیار کے لہرانے کے ساتھ لوگوں کو ڈرانے کا ارادہ کرے تاکہ فروج پر غلبہ پائے یہ بہت بڑا ڈاکہ ہے اور مال لینے سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ یہ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا کے معنی میں داخل ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ ہمارے علماء نے فرمایا: چور سے اللہ کی قسم اٹھوائی جائے گی اگر وہ چوری سے باز آجائے گا تو اسے چھوڑ دیا جائے گا اگر وہ انکار کرے گا تو قتل کیا جائے گا، اگر تو نے چور کو قتل کر دیا تو وہ برا مقتول ہے اور اس کا خون رائیگاں ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 186

نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ! بتایئے اگر میرے مال پر تجاوز کیا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس سے اللہ کی قسم لے''۔ اس شخص نے کہا: اگر وہ مجھ سے انکار کریں؟ فرمایا: ''اللہ کی قسم لے''۔ اس نے کہا: اگر وہ مجھ پر انکار کریں؟ فرمایا: ''اللہ کی قسم لے''۔ اس نے کہا: اگر وہ مجھ پر انکار کریں؟ فرمایا: ''تو اس سے لڑ اگر تو قتل ہو جائے گا تو جنت میں ہو گا اور اگر تو اسے قتل کرے گا تو وہ آگ میں ہو گا'' (1)۔ بخاری و مسلم نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے لیکن اس میں قسم کا ذکر نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! بتایئے اگر کوئی شخص میرا مال لینے کے ارادہ سے آئے؟ فرمایا: ''تو اسے اپنا مال نہ دے''۔ اس نے کہا: بتایئے اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ فرمایا: ''تو شہید ہے''۔ اس نے کہا: اگر میں اسے قتل کر دوں؟ فرمایا: ''وہ دوزخ میں ہے''۔ ابن المنذر نے کہا: ہم نے اہل علم کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے وہ چوروں سے لڑنے اور ان سے اپنے نفسوں اور اپنے اموال کا دفاع کرنے کا نظریہ رکھتے تھے۔ یہ حضرت ابن عمر، حسن بصری، ابراہیم نخعی، قتادہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، نعمان کا مذہب ہے۔ عوام اہل علم کا بھی یہی قول ہے کہ ایک شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے نفس، اہل اور مال کے دفاع میں لڑے جب ظلم کا ارادہ کیا گیا ہو۔ یہ ان اخبار کی وجہ سے ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت کو خاص نہیں فرمایا اور نہ کسی حال کو خاص فرمایا ہے، مگر سلطان اگر ظلم کرے تو بھی خروج نہ کرے۔ اہل حدیث کی جماعت کا اجماع ہے کہ اگر اپنے نفس اور مال کا دفاع ممکن نہ ہو مگر سلطان پر خروج کے ساتھ اور اس سے جنگ کے ساتھ تو سلطان سے نہ لڑے اور نہ اس پر خروج کرے۔ یہ ان اخبار کی وجہ سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں جن میں ظلم و جور کے باوجود صبر کا حکم ہے اور ان سے نہ لڑنے اور ان سے خروج نہ کرنے کا حکم ہے جب تک وہ نماز قائم کریں۔

میں کہتا ہوں: ہمارے مذہب میں اختلاف ہے جب کوئی خفیف چیز طلب کی جائے جیسے کپڑا، کھانا وغیرہ تو کیا وہ انہیں دی جائے گی یا ان سے جنگ کی جائے گی؟ یہ اختلاف ایک اصل پر مبنی ہے وہ یہ ہے کیا ان سے قتال کا حکم ہے، کیونکہ یہ برائی کو روکنا ہے یا ضرر کے دفع کرنے کے باب سے ہے؟ اس بنا پر قتال سے پہلے ان کو دعوت دینے میں اختلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا۔ محاربت کی شفاعت اور اس کے ضرر کے عظیم ہونے کی وجہ سے دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے۔ محاربت کا نقصان بہت بڑا ہے، کیونکہ اس میں لوگوں پر کسب کا راستہ مسدود کرنا ہے، کیونکہ اکثر لوگوں کی معیشت تجارت ہوتی ہے اور تجارت کا رکن اور ستون، زمین میں سفر کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (المزمل: 20) جب راستہ پر ڈرایا جائے گا تو لوگ سفر سے رک جائیں گے اور وہ گھروں کو لازم پکڑنے کے محتاج ہوں گے اور تجارت کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اس کی معیشت رک جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ڈاکوؤں پر سخت حدود کو مشروع فرمایا یہ دنیا میں رسوائی ہے تا کہ انہیں برے فعل سے روکا جائے اور تجارت کا باب کھولا جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مباح فرمایا ہے جو تجارت کرنا چاہے اور

1۔ سنن نسائی، کتاب المحاربہ، جلد 2، صفحہ 172

آخرت میں محاربت پر عذاب عظیم کی وعید سنائی ہے یہ معصیت دوسری معصیتوں سے خارج اور مستثنیٰ ہوگی۔ حضرت عبادہ کی حدیث کی وجہ سے جس میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے ان جرموں کا ارتکاب کیا پھر اسے دنیا میں اس کی سزا دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے'' (1)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رسوائی اس کے لیے ہو جس کو سزا دی گئی اور آخرت کا عذاب اس کے لیے ہو جو دنیا میں سزا سے بچ گیا اور یہ گناہ دوسرے گناہوں کے قائم مقام ہو۔ اور مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا جیسا کہ گزر چکا ہے لیکن جتنا گناہ بڑا ہوگا سزا اتنی بڑی ہوگی پھر وہ شفاعت یا قبضہ کے ذریعے وہ نکلے گا پھر یہ وعید، مشیت کے نفاذ کے ساتھ مشروط ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء:48) خوف ان پر وعید کے حساب سے اور معصیت کی برائی کے اعتبار سے ان پر غالب ہوگا۔

مسئلہ نمبر 15۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان توبہ کرنے والوں کی استثنا فرمائی جو قابو پائے جانے سے پہلے توبہ کرلیں اور ان سے اپنے حق کے سقوط کی خبر دی فرمایا: فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ رہا قصاص اور انسانوں کے حقوق تو وہ ساقط نہیں ہوتے۔ اور جو قدرت کے بعد توبہ کرلے آیت کا ظاہر اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کو توبہ نفع نہ دے گی اور اس پر حدود قائم کی جائیں گی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ امام شافعی کا ایک قول ہے کہ ہر حد توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے (2)۔ اس کا صحیح مذہب یہ ہے کہ جس کا تعلق انسانوں کے حقوق سے ہے خواہ وہ قصاص ہو یا کوئی اور ہو قدرت پائے جانے سے پہلے توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ بعض علماء نے فرمایا: استثنا سے مراد مشرک ہے جب وہ قابو پائے جانے سے پہلے توبہ کرے اور ایمان لے آئے، تو اس سے حدود ساقط ہو جائیں گی۔ یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ وہ قدرت پائے جانے کے بعد ایمان لائے گا تو بالاجماع اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ بعض نے فرمایا: محاربین سے حد ساقط نہ ہوگی ان پر قابو پائے جانے کے بعد۔ واللہ اعلم۔ کیونکہ وہ توبہ میں جھوٹ کے ساتھ اور اس میں تصنع کے ساتھ متہم ہیں جب امام کا ہاتھ انہیں پکڑ لے گا یا اس لیے کہ جب ان پر قابو پایا گیا تو وہ ایسے مقام پر ہو گئے کہ انہیں سزا دی جائے اور ان کی توبہ قبول نہ کی جائے جیسا کہ پہلی امتوں میں جو عذاب کے ساتھ متلبس تھا یا وہ غرغرہ کی حالت تک پہنچ گیا ہے پھر اس نے توبہ کی ہے جب قابو پائے جانے سے پہلے توبہ کرلیں تو ان پر کوئی تہمت نہیں ہے یہ اسے نفع بخش ہے جیسا کہ اس کا بیان سورۂ یونس میں آئے گا۔ رہے شرابی، زانی اور چور جب وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور ان سے توبہ معروف ہو جائے پھر انہیں امام کی طرف لے جایا جائے تو امام کے لیے اسے حد لگانا مناسب نہیں۔ اگر انہیں امام کے پاس لے جایا جائے پھر وہ کہیں: ہم نے توبہ کی، تو وہ نہیں چھوڑے جائیں گے وہ اس حالت میں محاربین کی طرح ہیں جب ان پر غلبہ پایا گیا۔ واللہ اعلم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 1004 2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 206

لِيَفْتَدُوا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تاکہ فلاح پاؤ۔ بے شک وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا اگر انہی کی ملکیت میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تاکہ بطور فدیہ دیں اسے (اور نجات پائیں) عذاب سے روز قیامت، نہ قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کے لیے عذاب دردناک ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ وسیلہ سے مراد قربت ہے۔ ابووائل، حسن، مجاہد، قتادہ، عطا، سدی، ابن زید، عبداللہ بن کثیر سے یہ مروی ہے۔ یہ توسلت الیہ سے فعیلۃ کے وزن پر ہے یعنی میں نے اس کا قرب حاصل کیا (1)۔ عنترہ نے کہا:

اِنَّ جال لهم اِليك وسيلة ۔۔۔ أَنْ يأخذوكِ تَكَحَّلِي وتخضبي

وسيلة کی جمع الوسائل ہے شاعر نے کہا:

إذا غَفَلَ الواشون عُدْنا لوصلنا ۔۔۔ وعَادَ التصافي بيننا والوسائلُ

کہا جاتا ہے: اسی سے ہے سِلتُ، أسال یعنی میں نے طلب کیا، وھما یتساولان یعنی ہر ایک اپنے ساتھی سے طلب کرتا ہے۔ اصل معنی طلب کرتا ہے۔ الوسیل سے مراد وہ قربت ہے جس کو طلب کرنا مناسب ہے۔ وسیلۃ، جنت میں ایک درجہ ہے۔ صحیح حدیث میں اس کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ''جس نے میرے لیے وسیلۃ کا سوال کیا اس کے لیے شفاعت ثابت ہے'' (2)۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

''بہت چاہیں گے کہ نکلیں اس آگ سے اور وہ نہیں نکل سکیں گے اس سے اور ان کیلئے عذاب ہوگا ہمیشہ رہنے والا''۔

یزید الفقیر نے کہا: حضرت جابر بن عبداللہ سے کہا گیا: اے اصحاب محمد! تم کہتے ہو کہ ایک قوم آگ سے نکلے گی اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا جابر نے کہا: تم عام کو خاص بناتے ہو اور خاص کو عام بناتے ہو۔ یہ کفار میں خاص ہے میں نے یہ آیت اول سے آخر تک پڑھی یہ کفار میں خاص ہے۔ مُقِيْمٌ اس کا معنی دائم ثابت ہے جو نہ زائل ہوگا نہ پھرے گا۔ شاعر نے کہا:

فإنّ لكم بيومِ الشِّعْبِ مني ۔۔۔ عذاباً دائماً لكم مُقيماً

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 272 ۔ 2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 166

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۹﴾

''اور چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے) کہ کاٹو ان کے ہاتھ بدلہ دینے کے لیے جو انہوں نے کیا اور عبرتناک سزا اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے''۔

اس میں ستائیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں کوشش اور فساد کے ذریعے اموال لینے کا ذکر کیا تو چور کے حکم کا ذکر بغیر حراب (جنگ) کے کیا جیسا کہ اس کا بیان باب کے درمیان آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد چور کا ذکر عورت چور کے ذکر سے پہلے کیا جب کہ زانیہ کا ذکر زانی سے پہلے کیا اس کا بیان آخر میں آئے گا۔ زمانہ جاہلیت میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا زمانہ جاہلیت میں جس نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا وہ ولید بن مغیرہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اسلام میں بھی چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا مردوں میں سے اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چور کے ہاتھ پہلے کاٹنے کا حکم دیا وہ خیار بن عدی بن نوفل بن عبد المناف تھا اور عورتوں میں سے مرۃ بنت سفیان بن عبد الاسد تھی جو بنی مخزوم سے تھی۔ حضرت ابو بکر نے یمنی شخص کا ہاتھ کاٹا جس نے ہار چوری کیا تھا۔ حضرت عمر نے ابن سمرہ کا ہاتھ کاٹا جو عبد الرحمٰن بن سمرہ کا بھائی تھا۔ اس میں اختلاف نہیں آیت کا ظاہر ہر چور میں عام ہے، حالانکہ یہ اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دینار کی چوتھائی میں یا اس سے زائد میں'' (1)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ سے مراد بعض چور ہیں پس چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دینار کی چوتھائی میں یا دینار کی چوتھائی کی قیمت میں۔ یہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز، لیث، امام شافعی، ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک نے فرمایا: دینار کی چوتھائی یا تین دراہم کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا اگر دو درہم چوری کیے جو دینار کی چوتھائی کے برابر ہیں تو ان میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ سامان میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر یہ کہ وہ تین دراہم کو پہنچ جائے خواہ ان کی مالیت کم ہو یا زیادہ ہو (2)۔ امام مالک نے سونا، چاندی میں سے ہر ایک کو اصل بنایا ہے اور سامان کی قیمت دراہم سے لگائی ہے یہ ان کا مشہور قول ہے۔ امام احمد اور اسحاق نے کہا: اگر سونا چوری کیا تو دینار کی چوتھائی کا اعتبار ہوگا اگر سونے، چاندی کے علاوہ کوئی چیز چوری کی تو اس کی قیمت دینار کا چوتھائی یا تین دراہم کے برابر ہوگی تو حکم ثابت ہوگا۔ یہ امام مالک کا دوسرا قول ہے۔ پہلے قول کی حجت حضرت ابن عمر کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے ڈھال چوری کی، اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال کی قیمت لگانے کا حکم دیا، اس کی قیمت تین دراہم سے لگائی گئی (3)۔ امام شافعی نے حضرت عائشہ کی حدیث کو چوتھائی دینار میں اصل بنایا اور سامان کی قیمت کو بھی اس کی طرف لوٹایا نہ کہ تین دراہم کی طرف سونے کے مہنگے اور سستے ہونے کی وجہ سے ابن عمر کی حدیث کو چھوڑ دیا، کیونکہ اس ڈھال میں

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الحدود والقصاص، جلد 3، صفحہ 189
2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 188
3۔ سنن دارقطنی، کتاب الحدود والقصاص، جلد 3، صفحہ 190

صحابہ کا اختلاف دیکھا جس میں رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹا تھا۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں: تین دراہم کی تھی (1)۔ حضرت ابن عباس نے کہا: دس دراہم کی تھی (2)۔ حضرت انس کہتے ہیں: پانچ دراہم کی تھی (3) اور حضرت عائشہ کی حدیث دینار کی چوتھائی میں صحیح ثابت ہے اس میں حضرت عائشہ سے مروی میں کوئی اختلاف نہیں ہے مگر بعض نے اسے موقوف بنایا ہے اور جو علماء آپ کے قول پر اس کے حفظ وعدالت کی وجہ سے عمل کو واجب سمجھتے ہیں وہ اس کو مرفوع کہتے ہیں۔

یہ ابو عمر وغیرہ کا قول ہے اس بنا پر اگر چوری شدہ مال کی قیمت دینار کی چوتھائی کو پہنچ جائے گی تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ اسحاق کا قول ہے۔ ان دو اصلوں پر توقف کر اور یہ دونوں اس باب میں ستون ہیں اور جو کچھ اس کے بارے کہا گیا ہے اس میں سے یہ اصح ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے صاحبین اور ثوری نے کہا: چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دس دراہم (4) میں کیلا یا دینار سونا میں یا وزن کے اعتبار سے جو اس کی مقدار کو پہنچ جائے گی اور ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا حتی کہ وہ آدمی کی ملک سے مال کو نکال لے اور ان کی حجت حضرت ابن عباس کی حدیث ہے فرمایا: وہ ڈھال جس میں نبی کریم ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا (5) اس کی قیمت دس دراہم تھی۔

اس حدیث کو عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا ہے فرمایا: اس وقت ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی۔ ان دونوں احادیث (6) کو دار قطنی وغیرہ نے تخریج کیا ہے۔ اس مسئلہ میں چوتھا قول بھی ہے اسے دار قطنی نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے فرمایا: ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر پانچ دراہم میں (7)۔ یہ سلیمان بن یسار، ابن ابی لیلی اور ابن شبرمہ کا قول ہے حضرت انس بن مالک نے کہا: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک ڈھال میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت پانچ دراہم تھی۔ پانچواں قول یہ ہے کہ ہاتھ چار دراہم یا اس سے زائد میں کاٹا جائے گا۔ یہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے۔

چھٹا قول یہ ہے کہ ایک درہم اور اس سے اوپر میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ عثمان البتی کا قول ہے۔ طبری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے ایک درہم میں ہاتھ کاٹا۔ ساتواں قول یہ ہے کہ آیت کے ظاہر کے مطابق ہر اس چیز کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جس کی قیمت ہوگی یہ خوارج کا قول ہے۔ حسن بصری سے مروی ہے یہ ان سے مروی تین روایات میں سے ایک ہے۔ دوسری روایت اس طرح ہے جس طرح حضرت عمر سے مروی ہے۔ تیسری وہ ہے جس کو قتادہ نے حسن بصری سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم نے قطع ید کا تذکرہ کیا کہ زیاد کے عہد میں کتنے مال پر ہوگا ہماری رائے دو درہموں پر متفق ہوئی۔ یہ اقوال ایک دوسرے کے مقابل ہیں، صحیح وہ ہے جو ہم نے تمہارے لیے ذکر کیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس چور پر لعنت کی ہے جو انڈہ چوری کرتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور

1۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 191-190　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

4۔ احکام القرآن للجصاص، جلد 2، صفحہ 416　5۔ سنن دار قطنی، کتاب الحدود، جلد 3، صفحہ 191

6۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 190　7۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 186

جو رسی چوری کرتا ہے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ ظاہر آیت کے موافق ہے کہ قلیل و کثیر کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا(1)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تحذیر کے طور پر فرمایا کثیر کی جگہ قلیل ذکر کیا جس طرح ترغیب کے لیے کثیر کی جگہ قلیل کا ذکر فرمایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اللہ کی رضا کے لیے مسجد بنائی اگرچہ وہ کونج کے گھونسلے کی مثل ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا'' (2)۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ وجہ آخر سے مجاز ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ جب تھوڑی چیز کی چوری کی وجہ سے تکلیف دیا گیا تو اس نے زیادہ چیز چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ خوبصورت قول اعمش کا ہے۔ بخاری نے اس کو حدیث کے آخر میں تفسیر کے طور پر ذکر فرمایا: وہ لوہے کا انڈا خیال کرتے ہیں اور رسی سے مراد وہ ہے جو درہم کے مساوی ہو۔ میں کہتا ہوں: یہ کشتی کی رسی کی طرح اور اس کے مشابہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ قطع ید اس پر ہوگی جو محفوظ جگہ سے اس چیز کو نکالے گا جس میں قطع ید ہے۔ حسن بن ابی الحسن نے فرمایا: جب کپڑے ایک گھر میں جمع کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا(3)۔ حسن بن ابی الحسن نے ایک دوسرے قول میں دوسرے اہل علم کے قول کی مثل کہا ہے۔ پس صحیح اتفاق ہو گیا۔ الحمدللہ۔

مسئلہ نمبر 3۔ حرز سے مراد وہ جگہ ہے جو لوگوں کے اموال کی حفاظت کے لیے عادۃً بنائی جاتی ہے۔ یہ ہر چیز میں حالت کے مطابق مختلف ہوتی ہے اس کا بیان آگے آئے گا۔ ابن المنذر نے کہا: اس باب میں کوئی خبر ثابت نہیں جس میں اہل علم کی کلام نہ ہو۔ یہ اہل علم کے اجماع کی طرح ہے۔ حسن اور اہل ظاہر سے حکایت کیا گیا ہے کہ وہ حرز کی شرط نہیں لگاتے۔ موطا میں امام مالک نے حضرت عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی حسین المکی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''درختوں پر لٹکے ہوئے پھلوں میں اور پہاڑ کے ذریعے محفوظ کی گئی چیز کی چوری میں قطع ید نہیں پس جب کھلیان میں اسے رکھے تو قطع ید اس میں ہے جو ڈھال کی قیمت کو پہنچے'' (4)۔

ابو عمر نے کہا: یہ حدیث وہ ہے جس کا معنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کے ہم معنی ہے۔ یہ عبداللہ تمام محدثین کے نزدیک ثقہ ہے، امام احمد اس کی تعریف کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت پر لٹکے ہوئے پھلوں کے بارے پوچھا گیا تو فرمایا: ''جو ضرورت میں اس میں سے کچھ توڑے جب کہ وہ اپنا تھیلا نہ بھرے تو اس پر کوئی چیز نہیں ہے اور جو وہاں سے پھل توڑ کر لے گیا اس پر قطع ید ہے اور جس نے اس کے علاوہ کوئی چوری کی اس پر اس کی مثل چٹی ہے اور سزا ہے'' (5)۔ ایک روایت میں عقوبت کی جگہ ''جلدات نکال'' کے الفاظ ہیں۔ عطا نے فرمایا: کوڑے منسوخ کیے گئے اور اس کی جگہ قطع ید کو رکھا گیا۔ ابو عمر نے کہا: دو مثل چٹی کا قول منسوخ ہے، میں کسی فقیہ کو نہیں جانتا جس نے ایسا کہا ہو مگر جو حضرت عمر سے حاطب بن ابی بلتعہ کے آنے کے بارے میں مروی ہے جس کو امام مالک نے تخریج کیا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 1004
2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 275
3۔ بحر الراویۃ، جلد 2، صفحہ 188
4۔ موطا امام مالک، کتاب السرقۃ، صفحہ 689
5۔ سنن نسائی، کتاب قطع السارق، جلد 2، صفحہ 259

ایک روایت امام احمد بن حنبل سے مروی ہے جس پر لوگوں کا نظریہ ہے وہ بالمثل کے ساتھ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (بقرہ:194) تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔

ابوداؤد نے حضرت صفوان بن امیہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میں مسجد میں ایک چادر پر سویا ہوا تھا اس کی قیمت تیس درہم تھی، ایک شخص آیا اس نے آہستہ سے وہ اٹھالی، وہ شخص پکڑا گیا، اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صفوان نے کہا: میں آیا اور عرض کی: حضور! آپ تیس دراہم کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹیں گے، میں اسے وہ بیچتا ہوں اور اس کی قیمت ادھار کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو نے میرے پاس مقدمہ آنے سے پہلے کیوں نہ کیا تھا(1)؟

نظر کی جہت سے اموال تمام مخلوق کے انتفاع کے لیے تیار کیے گئے ہیں، پھر حکمت اولیت جس میں اختصاص کے ساتھ فیصلہ کیا گیا ہے وہ شرعاً ملکیت ہے اور اطماع اس کے متعلق باقی ہیں اور انجام اس پر گھومتے ہیں مروت اور دیانت تھوڑے لوگوں کو روکتی ہے، حفاظت اور حرز بہت سے لوگوں کو روکتی ہے جب مالک اپنی چیز کی حفاظت کرتا ہے تو اس میں حفاظت و حرز جو انسان کے لیے غایت الامکان ہے وہ جمع ہو جاتی ہیں جب ان دونوں کو توڑا جاتا ہے تو جرم بڑا ہوتا ہے اور عقوبت بھی بڑی ہوتی ہے، جب ایک حفاظت توڑی جاتی ہے اور وہ ملک ہے تو ضمانت اور ادب سکھانا واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب ایک جماعت حرز (حفاظت کی جگہ) سے نصاب کے نکالنے پر شریک ہو جائے پھر بعض اس کے نکالنے پر قادر ہوں گے یا نہیں مگر ان کے معاون ہوں گے جب پہلی صورت ہو تو اس میں ہمارے علماء کے دو قول ہیں: ایک میں ہاتھ کاٹا جائے گا، دوسرے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہی قول امام ابوحنیفہ اور شافعی کا ہے فرمایا: یہ دونوں مجتہد فرماتے ہیں مشترک لوگوں کا چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر جب ہر ایک کے حصہ میں نصاب آئے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دینار کی چوتھائی میں یا اس سے زائد''(2)۔ میں ان میں سے ہر ایک نے نصاب چوری نہیں کی پس ان پر قطع ید نہ ہوگی۔ اور ایک روایت میں ہاتھ کاٹنے کی وجہ یہ ہے کہ جنایت میں اشتراک اس کی سزا کو ساقط نہیں کرتا جس طرح قتل میں اشتراک سزا کو ساقط نہیں کرتا۔

ابن عربی نے کہا: ان کے درمیان کتنا ہی قرب ہے کہ ہم خونوں کی حفاظت کے لیے ایک کے بدلے جماعت کو قتل کرتے ہیں تا کہ خون ریزی پر معاون نہ ہو جائیں اسی طرح اموال میں ہے خصوصاً ہم نے امام شافعی کی مدد کی کہ جماعت جب قطع ید میں شریک ہو تو تمام کے ہاتھ کاٹے جائیں گے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

اور اگر دوسری صورت ہو وہ یہ ہے کہ اس کا نکالنا تعاون کے بغیر ممکن ہی نہ ہو تو بالاتفاق تمام کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 247۔ ایضاً، حدیث نمبر 3819، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن دارقطنی، جلد 3، صفحہ 189

یہ ابن عربی نے ذکر کیا ہے(1)۔

مسئلہ نمبر 5۔ اگر چوری میں بہت سے لوگ شریک ہوں مثلاً ایک نقب لگائے دوسرا مال باہر نکالے اگر وہ دونوں معاون ہیں تو دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے اگر ان میں سے کوئی اپنے فعل میں منفرد ہو دونوں میں اتفاق نہ ہو (مثلاً) دوسرا آئے اور مال نکالے تو کسی پر بھی قطع ید نہ ہوگی۔ اگر نقب میں دونوں معاون ہوں اور ایک مال نکالنے میں منفرد ہو تو قطع ید نکالنے والے پر ہوگی۔ امام شافعی نے فرمایا: قطع ید نہیں ہے، کیونکہ اس نے نقب لگائی ہے اور چوری نہیں کی دوسرے نے ایسی حرز سے چوری کی ہے جس کی حرمت ختم ہو چکی تھی۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اگر نقب میں شریک ہوا اور داخل ہوا اور مال اٹھایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا نقب میں اشتراک میں الہ اٹھانا شرط نہیں بلکہ مارنے میں تعاقب ہے جس سے شرکت حاصل ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر دونوں میں سے ایک داخل ہوا اور حرز کے دروازے تک مال باہر نکالا پھر دوسرے نے ہاتھ داخل کیا اور مال لے لیا تو اس پر قطع ید ہوگی، اور پہلے کو سزا دی جائے گی۔ اشہب نے کہا: دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ اگر اس نے حرز سے باہر سامان کو رکھا تو قطع ید اس پر ہوگی نہ کہ اٹھانے والے پر اور اگر نقب کے درمیان میں رکھا اور دوسرے نے وہ اٹھا لیا اور دونوں کے ہاتھ نقب میں اکٹھے تھے تو دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

مسئلہ نمبر 7۔ قبر اور مسجد حرز ہیں کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ اکثر علماء کا نظریہ ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اس پر قطع ید نہیں کیونکہ اس نے غیر حرز سے مال چوری کیا ہے جو تلف کی جگہ پر تھا اس کا کوئی مالک نہیں تھا، کیونکہ میت مالک نہیں ہوتا اور ایسا شخص نہیں ہوتا جو اسے چوری سے منع کرتا، کیونکہ وہاں کوئی رہنے والا نہیں۔ چوری وہاں تصور ہوتی ہے جہاں آنکھوں سے بچا جائے اور لوگوں سے بچا جائے۔ چوری کی نفی پر ماوراء النہر کے علماء نے تائید کی ہے۔ جمہور علماء نے کہا: وہ چور ہے، کیونکہ وہ رات کا لباس پہنتا ہے اور لوگوں سے چھپتا ہے اور ایسے وقت کا قصد کرتا ہے جس میں اسے کوئی دیکھنے والا نہیں اور نہ اس پر کوئی گزرنے والا ہے یہ اس شخص کی مانند ہے جس میں اسے کوئی دیکھنے والا نہیں اور نہ اس پر کوئی گزرنے والا ہے، یہ اس شخص کی مانند ہے جو ایسے وقت میں چوری کرتا ہے جب لوگ عید کے لیے نکلے ہوئے ہیں اور شہر لوگوں سے خالی ہے۔ رہا ان کا قول کہ قبر حرز نہیں ہے یہ باطل ہے، کیونکہ ہر چیز کا حرز اس کے حسب حال پر ہوتا ہے، رہا ان کا قول کہ میت مالک نہیں ہوتا یہ بھی باطل ہے، کیونکہ میت کو برہنہ چھوڑنا جائز نہیں یہ حاجت تقاضا کرتی ہے کہ قبر حرز ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر اس قول سے تنبیہ فرمائی: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ (المرسلات) تاکہ وہ زندگی میں اس زمین میں سکونت اختیار کرے اور مردہ حالت میں اس میں دفن کیا جائے، رہا ان کا قول کہ وہ تلف کی جگہ پر ہے تو وہ چیز جس کو زندہ بھی پہنتا ہے وہ بھی تلف کی جگہ ہوتا ہے اور پہننے کے ساتھ پرانا ہونے کے مقام پر ہوتا ہے(2)۔ مگر ایک امر دوسرے سے جلدی ہوتا ہے۔ ابو داؤد نے حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا: ''تو اس وقت کیسا ہوگا جب لوگوں

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 611
2۔ ایضاً

پر موت آئے گی اور موت اتنی زیادہ ہوگی کہ بندے کے لیے قبر کی جگہ خریدی جائے گی"۔ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تجھے صبر لازم ہے" (1)۔ حماد نے کہا: اسی وجہ سے جنہوں نے کہا کہ قبر سے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہ میت کے پاس میت کے گھر میں داخل ہوا ہے۔

رہی مسجد تو جس نے مسجد کی چٹائی چوری کی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اس کو عیسیٰ نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے کہ اگرچہ مسجد کا دروازہ نہ بھی ہو، انہوں نے اس کو محرز خیال کیا ہے اگر دروازے سے چوری کرے تو بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ابن القاسم سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر دن کے وقت چٹائیاں چوری کیں تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر اس نے رات کو دیوار پھلانگی تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ سحنون سے مروی ہے: اگر اس کی چٹائیاں ایک دوسرے پر سلی ہوئی ہیں تو ہاتھ کاٹا جائے گا ورنہ نہیں کاٹا جائے گا۔ اصبغ نے کہا: مسجد کی چٹائیاں چوری کرنے اور اس کی قندیلیں اور اس کے پتھر چوری کرنے میں ہاتھ کاٹا جائے گا جیسا کہ اگر اس کا دروازہ چوری کیا یا چھت سے لکڑی چوری کی یا وہ لکڑی چوری کی جو مکان کی لکڑیوں کو اٹھاتی ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اشہب نے کتاب محمد میں کہا: مسجد کی چٹائیاں قندیلیں اور پتھر چوری کرنے سے قطع ید نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ علماء کا اختلاف ہے قطع ید کے ساتھ چٹی ہوگی یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ نے کہا: قطع ید اور چٹی کو کسی کے لیے جمع نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جرمانے کا ذکر نہیں کیا (2)۔ امام شافعی نے فرمایا: خواہ خوشحال ہو، خواہ تنگ دست ہو اسے چوری کیے ہوئے مال کی قیمت دینی ہوگی اور وہ اس پر قرض ہوگا جب خوشحال ہوگا تو ادا کرے گا۔ یہ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ رہے ہمارے علماء امام مالک اور ان کے اصحاب تو انہوں نے فرمایا: اگر مال قائم ہے تو وہ لوٹا دے گا اور اگر مال تلف ہو چکا ہے تو پھر اگر خوشحال ہے تو قیمت دے گا اگر تنگ دست ہے تو قرض کی حیثیت سے اس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا اور اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ امام مالک نے زہری سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔

شیخ ابو اسحاق نے فرمایا: بعض علماء نے فرمایا: قطع ید کے ساتھ دین کی حیثیت سے اس کا پیچھا کیا جائے گا خواہ وہ خوشحال ہوگا یا تنگ دست ہوگا۔ فرمایا: یہ بہت سے علماء مدینہ کا قول ہے اور اس کی صحت پر اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ یہ دو حق ہیں جو دو مستحقوں کے لیے ہیں ایک دوسرے کو ساقط نہیں کرے گا جیسے دیت اور کفارہ ہیں پھر فرمایا: میں بھی یہی کہتا ہوں۔ قاضی ابو الحسن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے استدلال کیا ہے: "جب چور پر حد قائم کی جائے گی تو اس پر ضمانت نہ ہوگی" (3)۔ اس نے اسے اپنی کتاب میں اپنی سند میں ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: چٹی کے ساتھ پیچھا کرنا بھی عقوبت ہے اور قطع ید بھی عقوبت ہے اور دو عقوبتیں جمع نہیں ہوتیں۔ قاضی عبدالوہاب نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ صحیح قول امام شافعی اور ان کے موافقین کا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: چور اس مال کی چٹی دے گا جو اس نے چوری کیا خواہ وہ خوشحال ہو یا تنگ دست ہو خواہ

1۔ سنن ابی داود، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 229
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 612
3۔ سنن نسائی، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 262

اس کا ہاتھ کاٹا گیا ہو یا نہ کاٹا گیا ہو (1)، اسی طرح جب ڈاکہ ڈالا تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی جو حد ہے وہ بندوں کے تلف شدہ مال کو ساقط نہیں کرتی اور رہی وہ حدیث جس سے ہمارے علماء نے استدلال کیا ہے: ''جب وہ تنگ دست ہو'' اس میں کوفیوں کی حجت ہے اور یہی طبری کا قول ہے اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کو نسائی اور دارقطنی نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے روایت کیا ہے۔ ابوعمر نے فرمایا: یہ حدیث قوی نہیں اور اس کے ساتھ حجت قائم نہیں ہوتی۔ ابن عربی نے کہا: یہ حدیث باطل ہے۔ طبری نے کہا: قیاس یہ ہے کہ اس پر ہلاک شدہ مال کی چٹی ہو، لیکن ہم نے اس میں اثر کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا۔ ابوعمر نے کہا: ضعیف اثر کی وجہ سے قیاس کا ترک کرنا جائز نہیں، کیونکہ ضعیف کسی حکم کو ثابت نہیں کرتا۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ چور سے چور، چوری کرلے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ ہمارے علماء نے فرمایا: اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور امام شافعی نے فرمایا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ اس نے غیر مالک سے اور غیر حرز سے مال چوری کیا ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: مالک کی حرمت اس مال پر باقی ہے اس سے اس کی حرمت ختم نہیں ہوئی اور چور کا ہاتھ (ملکیت) نہ ہونے کی طرح ہے جس طرح غاصب ہوتا ہے اگر اس سے مال مغصوب چوری کیا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کا حرز حرز نہ ہونے کی طرح بناؤ؟ ہم کہیں گے: حرز قائم ہے اور ملکیت قائم ہے اس میں ملکیت باطل نہ ہوگی، تاکہ وہ ہمیں کہیں کہ حرز باطل کرو (2)۔

مسئلہ نمبر 10۔ اگر مسروقہ مال میں ہاتھ کاٹے جانے کے بعد پھر اگر وہی مال چوری کرے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے؟ اکثر علماء کہتے ہیں: اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (3)۔ قرآن کا عموم اس پر ہاتھ کاٹنے کو ثابت کرتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: قطع ید سے پہلے چور خریدنے یا ہبہ کے ساتھ مسروق مال کا مالک بن جائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا، جب قطع بطور حق اللہ واجب ہے تو اسے کوئی چیز ساقط نہیں کرے گی۔

مسئلہ نمبر 11۔ جمہور علماء نے وَالسَّارِقُ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ سیبویہ نے کہا: اس کا معنی ہے جو تم پر چور مرد اور چور عورت کے متعلق فرض کیا گیا ہے۔ بعض نے فرمایا: ان میں رفع مبتدا کے اعتبار سے ہے اور خبر فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا ہے۔ اس میں معین کا قصد نہیں ہے اگر معین کا قصد ہوتا تو نصب واجب ہوتا۔ تو کہتا ہے: زیداً اضربہ بلکہ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے۔ من سرق فاقطع یدہ، جو چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ زجاج نے کہا: یہ قول مختار ہے۔ السارق نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے تقدیر یہ ہے: اقطعوا السارق والسارقۃ، یہ سیبویہ کا مختار ہے، کیونکہ امر کے ساتھ فعل اولیٰ ہے۔ سیبویہ نے کہا: کلام عرب میں وجہ نصب ہے جیسے تو کہتا ہے: زیداً اضربہ۔ لیکن عام لوگ رفع ہی پڑھتے ہیں۔ سیبویہ نے السَّارِقُ کی نوع کو معین شخص بنایا۔ حضرت ابن مسعود نے پڑھا: والسارقون والسارقات فاقطعوا ایمانھم۔ جماعت کی قرأت کو یہ قول تقویت دیتا ہے۔ السرق والسرقۃ را میں کسرہ کے ساتھ، مسروق چیز کا نام ہے اور سرق یسرق کا مصدر ہے

1۔ احکام القرآن، جلد 2، صفحہ 208　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 613　3۔ ایضاً

فتح کے ساتھ ہے۔ یہ جوہری کا قول ہے۔ اس لفظ کی اصل آنکھوں سے خفیہ کسی چیز کو لینا ہے، اسی سے استرق السمع ہے۔ سارقہ النظر ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: عربوں کے نزدیک سارق وہ ہے جو چھپ کر حرز کی طرف جائے اس سے وہ چیز اٹھائے جو اس کی اپنی نہیں ہے۔ اگر ظاہراً لے تو اسے مختلس، مستلب، منتهب، محترس کہتے ہیں اور جو کسی کے ہاتھ میں ہو اور نہ دے تو غاصب ہے۔

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "براترین چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرتا ہے"۔ صحابہ نے پوچھا: نماز کیسے چوری کرتا ہے؟ فرمایا: "وہ رکوع وسجود مکمل نہیں کرتا" (1)۔ اس کو موطا وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اس کو سارق (چور) کہا ہے اگرچہ یہ سارق نہیں ہے، تو یہ اشتقاق کی حیثیت سے ہے، کیونکہ اس میں غالب طور پر آنکھوں سے چوری نہیں کرتا۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاقْطَعُوْا**، القطع کا معنی ہے علیحدہ کرنا اور زائل کرنا ہے۔ اور قطع ثابت نہ ہوگا مگر ان تمام اوصاف کے جمع ہونے کے ساتھ جو چور میں، چوری شدہ چیز میں اور چوری کی جگہ میں اور چوری کی جگہ کی صفت میں معتبر ہیں۔ چور میں پانچ اوصاف معتبر ہیں: بالغ ہونا، عاقل ہونا، چوری کی گئی چیز کا مالک نہ ہونا اور اس کو اس پر ولایت نہ ہو۔ غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر وہ اپنے مالک کا مال چوری کرے، اسی طرح مالک کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر وہ غلام کا مال لے لے۔ ان میں کسی حال میں قطع ید نہیں ہے، کیونکہ غلام اور اس کا مال مالک کے لیے ہے اور اپنے غلام کا مال لینے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ اس نے اپنا مال لیا ہے اور غلام کے قطع ید کا سقوط اجماع صحابہ سے ہے اور خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب کے قول سے ہے۔

حضرت عمر نے کہا تھا: تمہارے غلام نے تمہارا مال چوری کیا ہے۔ دار قطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بھاگنے والے غلام پر قطع ید نہیں جب وہ چوری کرے اور نہ ذمی پر قطع ید ہے" (2)۔ فرمایا: اس حدیث کو فہد بن سلیمان کے علاوہ کسی نے مرفوع نہیں بیان کیا۔ صواب یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب غلام چوری کرے تو اس کو بیچ دو اگرچہ نیس درہم میں ہو" (3)۔

یہ حدیث ابو بکر بن ابی شیبہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہمیں اسامہ نے بیان کیا، انہوں نے ابو عوانہ سے روایت کیا انہوں نے عمر بن ابی سلمہ سے روایت کیا، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا۔ ابن ماجہ نے کہا: ہمیں جبارہ بن مغلس نے بیان کیا، انہوں نے ہمیں حجاج بن تمیم نے بیان کیا، انہوں نے میمون بن مہران سے۔ انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ ایک خمس کے غلام نے خمس سے چوری کی، مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ نہ کاٹا۔ اور فرمایا: **مال اللہ سرق بعضہ بعضا** (4)۔ اللہ کا مال ہے بعض نے بعض کی چوری کی۔ جبارہ بن مغلس متروک ہے، ابو زرعہ رازی نے کہا بچے اور مجنون پر قطع ید نہیں۔ ذمی، مجاہد اور حربی پر

1۔ موطا امام مالک، کتاب الصلوٰۃ، صفحہ 153
2۔ سنن دار قطنی، جلد 3، صفحہ 86
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، صفحہ 189
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، صفحہ 189

واجب ہے جب وہ امان کے ساتھ داخل ہو۔

اور چوری شدہ چیز میں چار اوصاف معتبر ہیں: نصاب اس پر گفتگو گزر چکی ہے، وہ چیز کسی کی ملکیت ہو اور اس کا بیچنا جائز ہو اگر اس کا بیچنا جائز نہ ہو اور اس سے آدمی مال دار نہ ہوتا ہو جیسے شراب، خنزیر ان میں بالاتفاق قطع ید نہیں ہے، مگر امام مالک اور ابن القاسم کے نزدیک چھوٹا آزاد آدمی چوری کیا گیا تو اس میں قطع ید ہو گی۔ بعض نے فرمایا: اس پر قطع ید نہ ہو گی۔ یہی قول امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا ہے، کیونکہ وہ مال نہیں ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: وہ تو بڑا مال ہے چور کا ہاتھ مال کی وجہ سے نہیں کاٹا جاتا بلکہ نفوس کے ساتھ اس کے تعلق کی وجہ سے کاٹا جاتا ہے اور آزاد کے ساتھ نفوس کا تعلق، غلام سے زیادہ ہوتا ہے۔ اگر وہ ان چیزوں سے ہو جن کا مالک ہونا جائز ہے اور اس کا بیچنا جائز نہ ہو جیسے کتا جس کے رکھنے کی اجازت دی گئی ہے اور قربانی کا گوشت اس میں ابن القاسم اور اشہب میں اختلاف ہے۔

ابن القاسم نے کہا: کتا چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اشہب نے کہا: یہ اس کتے کے بارے میں ہے جس کا رکھنا منع ہے۔ رہا وہ کتا جس کے رکھنے کی اجازت ہے اس کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ فرمایا: جس نے قربانی کا گوشت چوری کیا یا اس کی کھال چوری کی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا جب کہ اس کی قیمت تین دراہم ہو۔ ابن حبیب نے کہا: اصبغ نے کہا: اگر ذبح سے پہلے قربانی چوری کی تو ہاتھ کاٹا جائے گا، اگر ذبح کے بعد چوری کی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اگر وہ ایسی چیز ہو جس کی اصل کا بنانا اور اس کا بیچنا جائز ہو اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا گیا جس کا استعمال جائز نہیں جیسے طنبور اور مزمار، کنگ وغیرہ آلات لہو تو اس میں دیکھا جائے گا اگر اس کی صورت کے فساد اور اس کی منفعت کے چلے جانے کے بعد چار دینار قیمت باقی رہتی ہے یا اس سے زائد باقی رہتی ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یہی حکم سونے اور چاندی کے برتنوں کا ہے جن کا استعمال جائز نہیں اور ان کے توڑنے کا حکم دیا جاتا ہے ان میں جو سونا چاندی ہے اس کی قیمت لگائی جائے گی نہ کہ ان کی صنعت کی۔ اسی طرح سونے اور چاندی کی صلیب اور ناپاک تیل کا حکم ہے اگر اس کی قیمت نجاست پر نصاب کو پہنچے تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تیسرا وصف یہ ہے کہ اس میں چور کی ملکیت نہ ہو۔ مثلاً جو اپنی رہن شدہ چیز کو چوری کرے یا جو اس نے اجرت پر طلب کی ہے اس کو چوری کر لیا۔ اور نہ اس میں شبہ ملک ہو۔ ہمارے علماء کا شبہ ملک کی رعایت میں اختلاف ہے جیسے کوئی شخص مال غنیمت سے چوری کرے یا بیت المال سے چوری کرے، کیونکہ اس میں اس کا حصہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے خمس سے ایک خود چوری کیا تھا، تو آپ نے اس پر قطع ید کا فیصلہ نہ فرمایا۔ فرمایا: اس میں اس کا حصہ ہے۔ یہی مذہب ہے جماعت علماء کا بیت المال کے بارے میں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس پر قطع ید ہے انہوں نے آیت سرقہ کے لفظ کے عموم کا اعتبار کیا ہے۔ چوری شدہ چیز ایسی ہو جس کا چوری کرنا صحیح ہو جیسے چھوٹا غلام، بڑا عجمی، کیونکہ جس کا چوری کرنا صحیح نہیں جیسے فصیح غلام تو اس میں قطع ید نہیں ہے۔

وہ جگہ جہاں سے چوری کی گئی ہو اس میں ایک وصف معتبر ہے اور وہ حرز ہو اس چوری شدہ چیز کی مثل کے لیے۔ اس میں بہر حال قول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کے لیے مکان معروف ہو وہ مکان اس کے لیے حرز ہے۔ ہر وہ چیز جس کے ساتھ محافظ ہے تو

اس کا محافظ اس کا حرز ہے۔ گھر، مکانات، دوکانیں اس چیز کے لیے حرز ہیں جو ان میں ہے خواہ ان کے مالک حاضر ہوں یا نہ ہوں۔ اسی طرح بیت المال، مسلمانوں کی جماعت کے لیے حرز ہے چور اس میں کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا اگرچہ وہ چوری سے پہلے ان لوگوں سے ہے جس کو امام کے لیے دینا جائز ہے، ہر مسلمان کا حق عطیہ سے متعین ہوتا ہے، کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ امام کے لیے تمام مال کو مصالح کی وجوہ میں سے ایک وجہ میں خرچ کرنا جائز ہے اور اسے لوگوں میں تقسیم کرنا ضروری نہیں ہوتا یا اس کے لیے جائز ہوتا ہے کہ وہ ایک شہر میں خرچ کرے اور دوسرے میں نہ کرے، ایک قوم کو نہ دے اور دوسری قوم کو دے۔ اس تقدیر میں کہ یہ چور ان لوگوں میں سے ہے جن کا اس میں کوئی حق نہیں ہے، اسی طرح مال غنیمت بھی دو حیثیتوں سے خالی نہیں ہوتا تقسیم کے ساتھ متعین ہوتا ہے وہ وہ ہے جو ہم نے بیت المال کے بارے میں ذکر کیا یا صرف لینے سے متعین ہو جاتا ہے جو جنگ میں حاضر ہوتا ہے، پس اس میں رعایت رکھی جائے گی جو اس نے چوری کی اگر اس نے اپنے حق سے زیادہ چوری کی تو ہاتھ کاٹا جائے گا ورنہ نہیں۔

مسئلہ نمبر 14۔ جانوروں کی پیٹھیں اس مال کے حرز ہیں جو ان پر لادا گیا ہے اور دوکانوں کے صحن اس چیز کے لیے حرز ہیں جو ان میں رکھی گئی ہیں بیچنے کی جگہ میں اگرچہ وہاں دکان نہ بھی ہو، خواہ اس کے پاس اس کا مالک ہو یا نہ ہو، رات کو چوری کی گئی ہو یا دن کو۔ اسی طرح بازار میں بکریوں کے ٹھہرنے کی جگہ خواہ وہ باندھی ہوئی ہو یا باندھی ہوئی نہ ہو اور جانور اپنے باڑوں میں محفوظ ہوتے ہیں خواہ ان کے مالک پاس ہوں یا نہ ہوں۔ اگر سواری مسجد کے دروازے یا بازار میں ہو تو وہ محرز نہ ہوگی مگر یہ کہ اس کے ساتھ محافظ ہوں۔ جس نے اپنے صحن میں سواری کو باندھا یا جانوروں کے لیے کوئی باڑا بنایا تو وہ ان کے لیے حرز ہوگا اور کشتی میں جو کچھ ہے کشتی اس کے لیے حرز ہے خواہ چل رہی ہو یا باندھی ہوئی ہو اگر کشتی چوری کی گئی تو اس کا حکم جانور والا ہے اگر وہ کھلی ہو تو وہ محرزۃ (محفوظ) نہیں ہے اگر اس کے مالک نے اسے کسی جگہ باندھا ہو اور اس کو اس میں ٹھہرایا ہو اور اسے باندھا ہو تو وہ محفوظ ہے، اسی طرح اگر اس کے ساتھ کوئی ہے تو وہ کشتی جہاں بھی ہے محفوظ ہے جیسے جانور مسجد کے دروازے پر ہو اور اس کے ساتھ محافظ ہو مگر یہ کہ وہ کشتی کو اپنے سفر میں کسی جگہ اتاریں اور پھر اسے باندھ دیں تو وہ جگہ اسکے لیے حرز ہوگی اس کے ساتھ ملک ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 15۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایک گھر میں رہنے والے لوگ جیسے ہوٹل جس میں ہر شخص علیحدہ اپنے کمرے میں رہتا ہے، تو جو ان میں سے کسی کے کمرے سے چوری کرے گا جب وہ مال لے کر گھر کے صحن میں آ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اگرچہ وہ اسے لے کر اپنے کمرے میں داخل نہیں ہوا ہے اور نہ اس کے ساتھ ہوٹل سے باہر نکلا ہے۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جو ہوٹل کے صحن سے کوئی چیز چوری کرے گا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگرچہ وہ اپنے کمرے میں لے گیا ہو یا اسے ہوٹل سے باہر لے گیا ہو، کیونکہ ہوٹل کا صحن تمام کے لیے بیع وشراء کے لیے مباح ہے مگر یہ کہ سواری اپنے مربط میں ہو یا جو اس کے مشابہ مال محفوظ جگہ پر ہو تو اس کے چوری کرنے پر سزا ہوگی۔

مسئلہ نمبر 16۔ والدین بیٹے کا مال چوری کر لیں تو ان کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے(1)'' اور بیٹا والدین کا مال چوری کرے گا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، کیونکہ اس کے لیے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہ قول ابن وہب اور اشہب کا ہے، کیونکہ بیٹا عادۃ باپ کے مال میں بڑھتا ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ غلام کا ہاتھ آقا کے مال کی وجہ سے نہیں کاٹا جاتا پس باپ کے مال کو چوری کرنے سے بیٹے کا ہاتھ نہ کاٹنا اولیٰ ہے اور دادا کے چوری کرنے میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور ابن القاسم نے کہا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اشہب نے کہا: کاٹا جائے گا۔ امام مالک کا قول اصح ہے، کیونکہ وہ بھی باپ ہے۔

امام مالک نے فرمایا: میرے نزدیک محبوب یہ ہے کہ باپ اور ماں کی طرف سے نانا، دادا کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگرچہ ان کا نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ ابن القاسم اور اشہب نے کہا: ان کے علاوہ رشتہ داروں کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ذوی المحارم مثلاً پھوپھی، خالہ، بہن وغیرہم میں سے کسی پر قطع ید نہیں ہے۔ ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق نے کہا: ان میں سے جو چوری کرے گا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ابوثور نے کہا: ہر چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا جس نے اتنی مقدار چوری کی جس کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جاتا ہے مگر یہ کہ وہ کسی چیز پر جمع ہو جائیں تو اجماع کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 17۔ قرآن چوری کرنے والے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام ابو یوسف اور ابوثور نے کہا: اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا جب اس کی قیمت اتنی ہو کہ جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ ابن القاسم نے بھی یہی کہا ہے۔ نعمان نے کہا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جو قرآن چوری کرے گا(2)۔ ابن المنذر نے کہا: قرآن چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور جیب کترے کے بارے میں اختلاف ہے جو جیب سے پیسے جیب کو کاٹ کر نکال لیتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا جس نے جیب کے اندر سے یا باہر سے کاٹا۔ یہ امام مالک، اوزاعی، ابوثور اور یعقوب کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام محمد بن حسن اور اسحاق نے فرمایا: اگر دراہم آستیں (جیب) کے ظاہر میں تھے پھر چور نے اس آستین کو کاٹ کر انہیں چوری کر لیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر آستین کے اندر دراہم تھے اس نے ہاتھ اندر داخل کر کے چوری کیے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 18۔ سفر میں قطع ید کے بارے میں اختلاف ہے اور دار الحرب میں حدود قائم کرنے میں اختلاف ہے۔ امام مالک، لیث بن سعد نے کہا: دار الحرب میں بھی حدود قائم کی جائیں گی۔ دار الحرب اور دار الاسلام میں کوئی فرق نہیں۔ اوزاعی نے کہا: جو لشکر کا امیر ہے اگرچہ وہ کسی شہر کا امیر نہیں ہے وہ قطع ید کے علاوہ حدود کو اپنے لشکر میں قائم کرے گا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جب لشکر دار الحرب میں جنگ لڑ رہا ہو اور ان کا کوئی امیر ہو تو وہ اپنے لشکر میں حدود کو قائم نہیں کرے گا مگر یہ کہ مصر، شام یا عراق یا اس کے مشابہ کسی مملکت کا امام ہو تو وہ لشکر میں حدود قائم کرے گا۔ اوزاعی اور اس کے ہم نظریہ علماء نے حضرت جنادہ بن ابی امیہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے فرمایا: ہم بسر بن ارطاۃ کے ساتھ سمندر میں تھے ایک چور کو لایا گیا جس کو مصدر کہا جاتا تھا اس نے بختی اونٹنی چوری کی تھی، اس نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ''جنگ میں ہاتھ نہیں کاٹے جائیں

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، صفحہ 167
2۔ اختلاف ائمۃ العلماء، جلد 2، صفحہ 278

گے (1)"۔ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹتا۔ اس بسر کے بارے میں کہا جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا اس کی حضرت علی اور ان کے اصحاب کے متعلق بری اخبار ہیں۔ یہ وہ شخص ہے جس نے حضرت عبداللہ بن عباس کے دو بچے ذبح کیے تھے، ان کی والدہ کی عقل ضائع ہو گئی تھی اور وہ بے چاری گھومتی رہتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف بد دعا کی کہ اللہ اس کی عمر زیادہ کرے اور اس کی عقل ضائع ہو جائے، تو اسی طرح ہوا۔ یحیٰی بن معین نے کہا: بسر بن ارطاۃ برا شخص تھا۔ جس نے قطع ید کا کہا ہے انہوں نے قرآن کے عموم سے استدلال کیا ہے اور وہ صحیح ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور جنہوں نے دار الحرب میں قطع ید سے منع کیا ہے ان کی بہترین حجت یہ ہے کہ اس کا شرک سے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو گا۔

مسئلہ نمبر 19۔ جب ہاتھ پاؤں کاٹا جائے گا تو کہاں تک کاٹا جائے گا؟ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ ہاتھ کلائی تک اور پاؤں مفصل (جوڑ) تک کاٹا جائے گا، کاٹنے کے بعد پنڈلی کو داغ دیا جائے گا (2)۔ بعض نے فرمایا: کہنی تک کاٹا جائے گا۔ بعض نے کہا: کندھے تک کاٹا جائے گا، کیونکہ ہاتھ کا اسم اس کو شامل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پاؤں قدم کے نصف سے کاٹا جائے گا اور ایڑی کو چھوڑ دیا جائے گا یہی امام احمد اور ابوثور کا قول ہے۔

ابن المنذر نے کہا: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا پھر فرمایا: "اس کو داغ دو" (3)، اس کی سند میں کلام ہے۔ امام شافعی، ابوثور وغیرہما کے نزدیک داغنا مستحب ہے۔ یہ احسن ہے اور زخم ٹھیک ہونے کے زیادہ قریب ہے اور تلف سے بعید ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ پہلے دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا پھر دوبارہ اگر چوری کرے تو اختلاف ہے امام مالک، اہل مدینہ، امام شافعی اور ابوثور وغیرہم نے کہا: بایاں پاؤں کاٹا جائے گا، پھر اگر تیسری مرتبہ چوری کرے گا تو بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا پھر چوتھی مرتبہ چوری کرے گا تو دایاں پاؤں کاٹا جائے گا پھر اگر پانچویں مرتبہ چوری کرے گا تو اسے تعزیر لگائی جائے گی اور قید کر دیا جائے گا۔ ابو مصعب نے کہا: چوتھی مرتبہ کے بعد قتل کیا جائے گا، انہوں نے نسائی کی حدیث سے حجت پکڑی ہے جو انہوں نے حضرت حارث بن حاطب سے روایت کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو قتل کر دو"۔ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس نے چوری کی ہے۔ فرمایا: "اسے قتل کر دو" لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس نے چوری کی ہے۔ فرمایا: "اس کا ہاتھ کاٹ دو"۔ پھر اس نے چوری کی تو اس کا پاؤں کاٹا گیا پھر اس نے حضرت ابوبکر کے عہد میں چوری کی حتیٰ کہ اس کے تمام ہاتھ پاؤں کاٹے گئے پھر اس نے پانچویں مرتبہ چوری کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو زیادہ جانتے تھے جب آپ نے کہا تھا کہ اسے قتل کر دو، پھر اسے قریش کے جوانوں کی طرف بھیجا تا کہ وہ اسے قتل کر دیں، ان میں حضرت عبداللہ بن زبیر بھی تھے وہ امارت کو پسند کرتے تھے انہوں نے کہا: تم مجھے اپنے اوپر امیر بناؤ تو لوگوں نے انہیں امیر بنا دیا، پس جب حضرت عبداللہ نے مارا تو لوگوں نے بھی

1۔ جامع ترمذی، کتاب الحدود، جلد 1، صفحہ 175
2۔ اختلاف ائمۃ العلماء، جلد 2، صفحہ 283
3۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 422

اسے مارا حتیٰ کہ انہوں نے اسے قتل کر دیا(1)۔ اور حضرت جابر کی حدیث سے حجت پکڑی کہ نبی کریم ﷺ نے پانچویں مرتبہ چوری کرنے والے کے لیے حکم دیا فرمایا: ”اسے قتل کر دو“۔ حضرت جابر نے کہا: ہم اسے لے کر چلے اور ہم نے اسے قتل کر دیا پھر ہم نے اسے گھسیٹا اور اسے کنویں میں پھینک دیا اور ہم نے اس پر پتھر پھینکے(2)۔

ابوداؤد نے اسے روایت کیا ہے اور نسائی نے اسے نقل کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث منکر ہے، ایک راوی قوی نہیں ہے اور میں اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں جانتا۔ ابن المنذر نے کہا: حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ہاتھ کے بعد ہاتھ اور پاؤں کے بعد پاؤں کاٹا۔ بعض نے فرمایا: دوسری مرتبہ بایاں پاؤں کاٹا جائے گا پھر اس کے بعد قطع نہیں ہے پھر اگر چوری کرے گا تو تعزیر دی جائے گی اور قید کیا جائے گا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور زہری، حماد بن ابی سلیمان اور امام احمد بن حنبل کا یہی قول ہے(3)۔ ازہری نے کہا: ہمیں سنت نہیں پہنچی مگر ہاتھ اور پاؤں کا کاٹنا۔ عطا نے کہا: خاص دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور پھر کوئی عضو نہیں کاٹا جائے گا۔ یہ ابن عربی نے ذکر کیا ہے۔ فرمایا: رہا عطا کا قول صحابہ کرام نے اس سے پہلے اس کے خلاف کیا ہے(4)۔

مسئلہ نمبر 21۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ حاکم چور کا دایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دے اور اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ قتادہ نے کہا: اس پر حد قائم کی جائے گی اور اس پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے جب کاٹنے والا غلطی کرے اور اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دے۔ اصحاب الرائے بھی استحسانا یہی کہتے ہیں۔ ابوثور نے کہا: کاٹنے والے پر دیت ہے، کیونکہ اس نے خطا کی، اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جاتا لیکن اجماع کی وجہ سے پھر اس کا دایاں ہاتھ کاٹنا ممنوع ہے۔ ابن المنذر نے کہا: چور کا بایاں ہاتھ کاٹنا دو معنوں میں سے ایک سے خالی نہ ہوگا یا تو کاٹنے والا جان بوجھ کر بایاں ہاتھ کاٹ دے گا اس صورت میں اس پر قصاص ہوگا یا خطاء کاٹے گا تو اس کی دیت کاٹنے والے کی عاقلہ (خاندان) پر ہوگی اور چور کا دایاں ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے اس کو کسی زیادتی کرنے والے کی زیادتی اور کسی خطا کرنے والے کی خطا کی وجہ سے زائل کرنا درست نہیں۔ ثوری نے کہا: جس سے دائیں ہاتھ میں قصاص لیتا تھا اسی نے بایاں ہاتھ آگے کر دیا اور اسے کاٹ دیا گیا، فرمایا: اس کا دایاں ہاتھ بھی کاٹا جائے گا۔ ابن المنذر نے کہا: یہ صحیح ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: جب وہ ٹھیک ہوگا تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا یہ اس لیے ہے کہ اس نے خود اپنا بایاں ہاتھ تلف کیا ہے اور کاٹنے والے پر اصحاب الرائے کے قول میں کوئی چیز واجب نہیں۔ امام شافعی کے قول کے قیاس میں قاطع پر کوئی چیز نہیں اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا جب وہ ٹھیک ہوگا۔ قتادہ اور شعبی نے کہا: کاٹنے والے پر کوئی چیز نہیں اور چور کا جو ہاتھ کاٹا گیا ہے وہ کافی ہے۔

مسئلہ نمبر 22۔ چور کا ہاتھ کاٹ کر اس کے گلے میں لٹکانے کے متعلق پوچھا: کیا یہ سنت سے ہے؟ انہوں نے کہا:

1۔ سنن نسائی، کتاب قطع السارق، جلد 2، صفحہ 261
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 249
3۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 189
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 618

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا، پھر آپ نے اس کا ہاتھ گلے میں لٹکانے کا حکم دیا۔ اس حدیث (1) کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ابوداؤد اور نسائی نے بھی تخریج کی ہے۔

مسئلہ نمبر 23۔ جب چوری کی حد ثابت ہوئی پھر چور نے کسی کو قتل کر دیا، امام مالک نے فرمایا: قتل کیا جائے گا اور قطع ید اس میں داخل ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا: ہاتھ کاٹا جائے گا اور قتل کیا جائے گا، کیوں کہ دونوں دو مستحقوں کے حق ہیں ان میں سے ہر ایک کے لیے حق کو پورا کرنا واجب ہے۔ یہ صحیح ہے ان شاء اللہ تعالیٰ، یہ ابن عربی کا اختیار ہے (2)۔

مسئلہ نمبر 24۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَیْدِیَهُمَا فرمایا یدیھما نہیں فرمایا۔ اس میں علماء لغت نے کلام کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: فقہاء نے ان پر حسن ظن کرتے ہوئے ان کی متابعت کی ہے۔ خلیل بن احمد اور فراء نے کہا: ہر چیز جو انسان کی تخلیق سے پائی جاتی ہے جب تثنیہ کی طرف مضاف کی جاتی ہے تو جمع ذکر کی جاتی ہے تو کہتا ہے: ھشمت رؤوسھما، أشبعت بطونھما۔ قرآن کریم میں ہے: اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (التحریم: 4) اسی وجہ سے یہاں فرمایا: فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا، یدیھما نہیں فرمایا۔ یعنی اس کا دایاں ہاتھ کاٹو۔ لغت میں فاقطعوا ایدیھما جائز ہے۔ یہ اصل ہے شاعر نے دونوں لغتوں کو جمع کیا ہے:

مَهْمَهَيْنِ قَذَفَيْنِ مَرَّتَيْنِ ظُهراهما مِثْلُ ظُهورِ التُّرْسَيْنِ

بعض علماء نے فرمایا: یہ ایسا کیا گیا: کیونکہ مشکل نہیں۔ سیبویہ نے کہا: جب منفرد ہو تو کبھی جمع ذکر کیا جاتا ہے جب اس سے مراد تثنیہ ہو۔ عربوں سے حکایت ہے وضعا رحالھما اس سے مراد رحلی راحلتیھما ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس بنا پر ہے کہ صرف دایاں ہاتھ ہی کاٹا جائے گا، لیکن حقیقۃً ایسا نہیں بلکہ ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے۔ اَیْدِیَهُمَا کا قول چار کی طرف لوٹے گا یہ تثنیہ میں جمع ہے یہ دونوں تثنیہ ہیں۔ اس کی فصاحت پر کلام آگے آئے گی، اگر فاقطعوا ایدیھم ہوتا تو کوئی وجہ ہوتی کیونکہ السَّارِقُ اور السَّارِقَةُ کے خاص دو شخص مراد نہیں بلکہ اسم جنس مراد ہے جو لاتعداد کو شامل ہے (3)۔

مسئلہ نمبر 25۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا یہ مفعول لاجلہ ہے۔ اگر تو چاہے تو مصدر بنا دے اسی طرح نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ہے۔ کہا جاتا ہے: نکلت بہ، جب تو اس کو وہ سزا دے جو اس فعل پر واجب ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ اس پر غلبہ پایا جا سکتا ہے۔ حَكِیْمٌ ۝ اس کے ہر فعل میں حکمت ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ یہ شرط اور جواب شرط فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ہے اور مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ کا معنی ہے چوری کے بعد، اللہ تعالیٰ توبہ کی صورت میں اس سے تجاوز فرمائے گا۔ قطع ید توبہ سے ساقط نہ ہوگی۔ عطا اور ایک جماعت نے کہا: چوری پر قدرت پائے جانے سے پہلے چور توبہ کرے تو توبہ سے قطع ید ساقط ہو جائے گی۔ یہ بعض شوافع نے کہا اور اس کو امام شافعی کی طرف منسوب کیا ہے اور اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ کے ساتھ اس کا تعلق جوڑا ہے۔ یہ وجوب سے استثنا ہے، پس تمام حدود کو اس پر محمول کرنا واجب ہے۔ ہمارے علماء

1۔ جامع ترمذی، کتاب الحدود، جلد 1، صفحہ 175 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 618 3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 616

نے کہا: یہی ہماری دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محارب کی حد کا ذکر کیا تو فرمایا: اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ۔ اور اس پر چور کی حد کو معطوف کیا اور فرمایا: فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ۔ اگر یہ حکم میں محارب کی طرح ہوتا تو ان کے درمیان حکم مختلف نہ ہوتا (1)۔

ابن عربی نے کہا: اے معشر شافعیہ، سبحان اللہ! کہاں دقائق فقہیہ اور حکم شرعیہ جن کو تم مسائل کے غوامض سے استنباط کرتے ہو؟ کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ محارب خود رائے ہوتا ہے اپنے ہتھیار کے ساتھ تجاوز کرتا ہے، جس کو روندنے کے لیے امام گھوڑے اور اونٹ دوڑانے کا محتاج ہوتا ہے، اسے اس حالت پر اتارتے ہوئے توبہ کے ساتھ اس کی جزا کیسے ساقط کرے گا، جس طرح کافر کے تمام گناہ معاف کیے جاتے ہیں اسے اسلام کی الفت دلانے کے لیے۔ رہا چور اور زانی وہ دونوں مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتے ہیں امام کے حکم کے تحت ہوتے ہیں کون ہے وہ جو ان سے وہ حکم ساقط کرے جو ان پر ثابت ہو چکا ہے؟ یہ کہنا کیسے جائز ہے کہ محارب پر قیاس کیا جائے گا حالانکہ ان کے درمیان حکمت اور حالت جدا جدا ہے۔

اے محققین کے گروہ تم جیسے لوگوں کے لیے یہ مناسب نہیں جب ثابت ہو گیا کہ حد توبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہے تو توبہ مقبول ہے اور قطع ید اس کا کفارہ ہے۔

وَ اَصْلَحَ یعنی جیسے چوری سے توبہ کی اسی طرح ہر گناہ سے توبہ کرے۔ بعض نے فرمایا: وَ اَصْلَحَ کا مطلب ہے اس نے معصیت کو کلیۃً ترک کر دیا اور جس نے زنا کے ساتھ چوری کو ترک کیا اور نصرانیت کے ساتھ یہودیت کو ترک کیا تو یہ توبہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کی نسبت ہو تو اس کا معنی ہے اللہ بندے کو توبہ کی توفیق دیتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

مسئلہ نمبر 27۔ کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے السَّارِقَةُ سے پہلے اس آیت میں السَّارِقُ کا ذکر فرمایا ہے اور آیت زنا میں زانیہ کا لفظ زانی سے پہلے ذکر کیا اس میں حکمت کیا ہے؟ جواباً یہ کہا جائے گا جب مال کی محبت مردوں پر زیادہ غالب ہوتی ہے اور لطف اندوز ہونے کی شہوت عورتوں پر غالب ہوتی ہے اسی وجہ سے دونوں جگہ اس انداز میں ذکر کیا۔ یہ ایک وجہ ہے عورت میں، جس کا بیان سورۃ النور میں آئے گا کہ زانی سے پہلے اس کا ذکر کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے چوری کی حد قطع ید فرمائی تاکہ مال کو شامل ہو اور زنا کی حد ذکر کا قطع کرنا نہیں فرمایا، حالانکہ برائی اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کی تین وجوہ ہیں (۱) چور کے لیے اس کی مثل ہاتھ موجود ہے جو کاٹا گیا ہے اگر ایک کاٹا گیا ہے تو دوسرا اس کا بدل موجود ہے جب کہ زانی کے لیے اس کی مثل ذکر نہیں ہے جب وہ کاٹا جائے گا تو اس کا بدل نہیں ہے (۲) حد، محدود وغیرہ کو روکنے کے لیے ہوتی ہے، چوری میں ہاتھ کاٹنا ظاہر ہے اور زنا میں ذکر کاٹنا باطن ہے (۳) ذکر کے کاٹنے میں نسل کا ابطال ہے اور قطع ید میں نسل کا ابطال نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 614

''کیا تو نہیں جانتا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی، زمین کی سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کو خطاب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اور کسی کے درمیان قرابت نہیں جو باہمی محبت کو ثابت کرے حتیٰ کہ کوئی یہ کہے: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں حد ہر اس شخص پر قائم کی جائے گی جو حد کے موجب کا ارتکاب کرے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ جو چاہے حکم کرے اسی وجہ سے محارب اور سارق غیر محارب کے درمیان فرق کیا۔ اس آیت کی نظائر پہلے گزر چکی ہیں اور ان میں کلام بھی تفصیلاً ہو چکی ہے پس اعادہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ واللہ الموفق۔ یہ احکام تھے جو آیت سرقہ کے متعلق تھے۔ واللہ اعلم۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۴۱

''اے رسول! نہ غمگین کریں آپ کو وہ جو تیز رفتار ہیں کفر میں ان لوگوں سے جنہوں نے کہا: ہم ایمان لائے (صرف) اپنے منہ سے حالانکہ نہیں ایمان لائے تھے ان کے دل اور ان لوگوں سے جو یہودی ہیں جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے وہ جاسوس ہیں دوسری قوم کے جو نہیں آئی آپ کے پاس بدل دیتے ہیں اللہ کی باتوں کو اس کے صحیح موقعوں سے کہتے ہیں اگر تمہیں دیا جائے یہ حکم تو مان لو اسے اور اگر نہ دیا جائے تمہیں یہ حکم تو بچو اور جس کو ارادہ فرمائے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت رکھتا تو اس کے لیے اللہ سے کسی چیز کی یہ وہی لوگ ہیں کہ نہیں ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پاک کرے ان کے دلوں کو ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ اس آیت کے سبب نزول میں تین اقوال ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے بارے نازل ہوئی ایک قریظی نے نضیری کو قتل کر دیا۔ بنو نضیر جب بنی قریظہ کا قتل کرتے تو وہ انہیں قصاص نہ دیتے بلکہ وہ انہیں دیت دیتے تھے جیسا کہ آگے بیان آئے گا پس وہ فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرظی اور نضیری کے درمیان برابری کا فیصلہ کیا، بنو نضیر کو یہ اچھا نہ لگا اور انہوں نے اسے قبول نہ کیا(1)۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ ابولبابہ کے بارے میں نازل ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو انہوں نے خیانت کی جب اس نے ان کی طرف ذبح کا اشارہ کیا(2)۔

بعض علماء نے فرمایا: یہ یہودی مرد عورت کے زنا اور رجم کے قصہ میں نازل ہوئی۔ یہ اصح قول ہے۔ اس کو ائمہ حدیث امام مالک، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد نے کہا: حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ''تم میرے پاس دو شخص اپنے میں سے پیش کرو جو زیادہ علم والے ہوں'' تو وہ صوریا کے بیٹوں کو لائے آپ نے ان سے اللہ کے واسطہ سے سوال کیا: ''تم تورات میں ان کے امر کو کیسے پاتے ہو'' انہوں نے کہا: ہم تورات میں پاتے ہیں کہ جب چار آدمی گواہی دیں کہ انہوں نے اس کا ذکر اس کی فرج میں اس طرح دیکھا ہے جیسے سرمہ دانی میں سرچو ہوتا ہے تو انہیں رجم کیا جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر تمہیں ان کو رجم کرنے سے کیا مانع ہے'' انہوں نے کہا: ہمارا سلطان چلا گیا ہے پس ہم قتل کو ناپسند کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کو بلایا وہ آئے۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے اس کا ذکر اس کی فرج میں سرمہ دانی میں سرچو کی طرح دیکھا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کا حکم دیا(3)۔

صحیحین کے علاوہ میں شعبی سے مروی ہے انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے فرمایا: اہل فدک میں سے ایک شخص نے زنا کیا، تو اہل فدک نے مدینہ کے یہود کی طرف لکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھو اگر وہ تمہیں کوڑوں کا حکم دے تو اسے قبول کرو اور اگر وہ تمہیں رجم کا حکم دے تو اسے قبول نہ کرو، انہوں نے مسئلہ پوچھا تو آپ نے ابن صوریا کو بلایا وہ ان کا عالم تھا اور وہ کانا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا: ''میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں تم اپنی کتاب میں زنا کی حد کیسے پاتے ہو''۔ ابن صوریا نے کہا: چونکہ آپ نے اللہ کے واسطہ سے سوال کیا ہے ہم تورات میں یہ پاتے ہیں کہ دیکھنا زنا ہے، گلے ملنا زنا ہے، بوسہ دینا زنا ہے، اگر چار آدمی گواہی دیں کہ انہوں نے اس کا ذکر اس کی فرج میں سرمہ دانی میں سرچو کی طرح دیکھا ہے تو رجم واجب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اسی طرح ہے، صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازب سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی گزارا گیا اس کا منہ کالا کیا گیا تھا اور کوڑے لگائے گئے تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا فرمایا: ''کیا تم زانی کی حد اپنی کتاب میں اس طرح پاتے ہو؟'' انہوں نے کہا: ہاں، پھر آپ نے ان کے ایک عالم کو بلایا فرمایا: ''میں تجھ سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اس طرح پاتے ہو''، اس نے کہا: نہیں اگر آپ نے مجھے اللہ کا واسطہ نہ دیا ہوتا تو میں تجھے نہ بتاتا۔ ہم اس کی سزا رجم پاتے ہیں لیکن زنا ہمارے اشراف میں بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ جب ہم کسی شریف کو پکڑتے تھے تو چھوڑ دیتے تھے اور جب کسی کمزور کو پکڑتے تھے تو اس پر حد قائم کرتے تھے۔ ہم نے کہا: آؤ ہم ایک

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 211 2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 210

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 256۔ ایضاً، حدیث نمبر 3862، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

چیز پر جمع ہو جائیں کہ ہم شریف اور وضیع پر حد قائم کریں گے پھر ہم نے رجم کی جگہ منہ کالا کرنا اور کوڑے لگانا شروع کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! میں پہلا ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جب کہ وہ اسے ختم کر چکے تھے۔ اس کے متعلق رجم کا حکم دیا تو اللہ تعالیٰ نے یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَ مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ نازل فرمایا۔ انہوں نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پس جاؤ اگر وہ تمہیں منہ کالا کرنے اور کوڑوں کا حکم دیں تو قبول کرلو اگر وہ تمہیں رجم کا فتویٰ دیں تو اسے چھوڑ دو پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝ ۔ وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ ۔ وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ یہ تمام کفار کے بارے میں ہے (1)۔ اس روایت میں اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزارا گیا اور حضرت ابن عمر کی حدیث میں ہے ایک یہودی رد اور ایک یہودی عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے حتی کہ یہود کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم تورات میں زانی کی کیا سزا پاتے ہو'' (2)۔ (الحدیث)

ایک روایت میں ہے یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کو لے کر آئے جنہوں نے زنا کیا تھا، اور ابوداؤد کی کتاب میں حضرت ابن عمر کی حدیث میں ہے ان کا ایک گروہ آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے قف وادی کی طرف بلایا آپ ان کے پاس بیت المدراس میں آئے، انہوں نے پوچھا: اے ابوالقاسم! ہمارے ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا ہے ہمارے درمیان فیصلہ فرمایئے (3)۔ ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے بہت عمدہ ذکر کی ہے، انہوں نے کہا: یہود کے ایک مرد اور عورت نے زنا کیا وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے: ہمیں اس نبی کے پاس لے جائیں، کیونکہ وہ نبی تخفیفات کے ساتھ مبعوث ہوا ہے، اگر تو وہ رجم سے کم کا فتویٰ دے تو ہم اسے قبول کرلیں گے اور اس کے ساتھ ہم اللہ کی بارگاہ میں حجت پیش کریں گے ہم کہیں گے: تیرے انبیاء میں سے ایک نبی نے فتویٰ دیا ہے۔ فرمایا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جب کہ آپ مسجد میں صحابہ میں بیٹھے تھے انہوں نے عرض کی اے ابا قاسم! آپ ایسے مرد اور عورت کے بارے کیا کہتے ہیں جنہوں نے بدکاری کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کلام نہ کی حتی کہ بیت المدراس میں آئے، پس آپ دروازے پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: میں تمہیں اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تم تورات میں زانی کی کیا سزا پاتے ہو جب کہ وہ شادی شدہ ہو؟'' انہوں نے کہا: اس کا منہ کالا کیا جائے گا اس مرد اور عورت کو گدھے پر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے بٹھایا جائے گا اور انہیں شہر کا چکر لگوایا جائے گا۔ ان میں سے ایک نوجوان خاموش تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خاموش دیکھا تو اس سے پھر اللہ کا واسطہ دے کر سوال کیا۔ تو اس نے کہا: جب آپ اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں تو ہم تورات میں رجم پاتے ہیں۔ یہاں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 70 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 254 3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 255

تک حدیث کو چلایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تورات کے مطابق فیصلہ کروں گا" پس آپ نے رجم کرنے کا حکم دیا(1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ یہود نے نبی کریم ﷺ سے فیصلہ کروایا تو آپ ﷺ نے تورات کے مطابق فیصلہ کیا اور اس کو صوریا کے بیٹوں کی طرف منسوب کیا۔ آپ نے یہود کی شہادت سنی اور اس کے مطابق عمل کیا۔ اسلام، احصان میں شرط نہیں۔ یہ چار مسائل ہیں: جب ذمی لوگ امام کے پاس فیصلہ لے آئیں اگر انہوں نے کوئی ظلم وزیادتی کی ہے یا غصب کیا ہے تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور انہیں اس ظلم وزیادتی سے منع کرے گا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر ایسا مسئلہ نہ ہو تو امام کو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اور فیصلہ نہ کرنے کا بھی اختیار ہے۔ یہ امام مالک اور امام شافعی کا نظریہ ہے لیکن امام مالک ان سے اعراض کو اولیٰ سمجھتے ہیں اگر وہ فیصلہ کرے گا تو اسلام کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ امام شافعی نے فرمایا: حدود میں ان کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ہر حال میں ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ یہی زہری، عمر بن عبد العزیز اور حکم کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے یہی امام شافعی کا ایک قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** کہ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا۔ اس کا مزید بیان آگے آئے گا۔ امام مالک نے اس ارشاد سے حجت پکڑی ہے: **فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ**۔ یہ تخییر میں نص ہے۔ ابن القاسم نے فرمایا: جب ان کے بشپ اور زنا کرنے والے آئیں تو حاکم کو اختیار ہے، کیونکہ حکم کا نافذ کرنا بشپ کا حق ہے۔ اور مخالف کہتا ہے بشپ کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ ابن عربی نے کہا: یہ قول اصح ہے، کیونکہ دو مسلمان اگر اپنے درمیان کسی کو حکم بنا دیں تو اس کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے، حاکم کی رضا کا اعتبار نہیں کیا جاتا، پس کتابی اس کے اولیٰ مستحق ہیں۔ عیسیٰ نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے وہ اہل ذمہ نہ ہوں بلکہ وہ اہل حرب ہوں۔ ابن عربی نے کہا ہے: وہ جو عیسیٰ نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے اور انہوں نے یہ اس روایت سے لیا ہے جو طبری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ دو زنا کرنے والے اہل خیبر یا فدک سے تھے وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے والے تھے، زانیہ کا نام بسرہ تھا اور انہوں نے مدینہ کے یہود کی طرف پیغام بھیجا کہ تم حضرت محمد ﷺ سے اس کے متعلق پوچھو۔ اگر وہ تمہیں بغیر رجم کے فیصلہ سنائیں تو وہ قبول کرلو اور اگر وہ تمہیں رجم کا فیصلہ سنائیں تو اس سے اجتناب کرو(2)۔ ابن عربی نے کہا: اگر یہ صحیح ہوتا تو ان کا زانیوں کو لانا اور ان کا سوال کرنا عہد و امان ہوتا اگر عہد اور ذمہ نہ ہوتا تو ان کے متعلق آپ کو رکنے کا حکم ہوتا اور ان میں عدل کا حکم ہوتا ہے، پس عیسیٰ کی روایت کے لیے کوئی جہت نہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی: **سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ**۔(3) جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے، وہ جاسوس ہیں دوسری قوم کے جو نہیں آئی آپ کے پاس۔

جب نبی کریم ﷺ کو انہوں نے حکم بنایا تو آپ کا فیصلہ ان میں نافذ ہوگا ان کے لیے رجوع کی گنجائش نہیں پس جو کسی کو دین میں حکم بناتا ہے تو یہ مسئلہ بنتا ہے(4)۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 255 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 621 3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 622 4۔ ایضاً

مسئلہ نمبر 3۔ اس کی اصل یہ آیت ہے۔ امام مالک نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی کو حکم بنالے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا اگر وہ قاضی کے پاس فیصلہ جائے گا تو وہ اسے قائم رکھے گا مگر یہ کہ وہ فیصلہ صراحۃً ظلم ہو (1)۔ سحنون نے کہا: اگر قاضی اسے درست دیکھے گا تو وہ اسے قائم رکھے گا (2)۔ ابن عربی نے کہا: یہ اموال اور ان حقوق میں ہوگا جو طالب کے ساتھ خاص ہیں رہی حدود تو اس میں حکم کا فیصلہ نہ ہوگا مگر سلطان کا فیصلہ نافذ ہوگا، ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ حق جس کے ساتھ دو جھگڑے والے خاص ہیں اس میں تحکیم جائز ہے اور محکم کی اس میں تحکیم نافذ ہوگی (3)، اس کی تحقیق یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان تحکیم وہ ان کا حق ہے حاکم کا حق نہیں ہے مگر تحکیم کی اجازت، ولایت کے قاعدہ کو ختم کرنا ہے اور یہ لوگوں کو لڑانے تک پہنچنے والا ہے جس طرح گدھے لڑتے ہیں، کسی فاصل کا ہونا ضروری ہے، شرع نے والی کو قائم کرنے حکم دیا تا کہ جنگ کا قاعدہ ختم ہو جائے اور والی سے تخفیف کرتے ہوئے تحکیم میں اجازت دی گئی اور لوگوں کو مقدمہ لے جانے کی مشقت میں تخفیف کی خاطر تحکیم کی اجازت دی گئی تا کہ دونوں مصلحتیں مکمل ہو جائیں اور فائدہ حاصل ہو جائے۔

امام شافعی وغیرہ نے کہا: تحکیم جائز ہے اور یہی فتویٰ ہے (4)۔ بعض علماء نے کہا: یہود پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کی کتاب کے حکم کو قائم کرنا تھا، کیونکہ انہوں نے اس میں تحریف کی تھی اور اس کو چھپا دیا تھا اور ان پر عمل ترک کر دیا تھا۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا: اے اللہ! میں تیرے امر کو پہلا زندہ کرنے والا ہوں جب کہ وہ (یہود) اسے مردہ کر چکے تھے (5)'' یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اسی وجہ سے آپ نے صوریا کے بیٹوں سے تورات کے حکم کے متعلق پوچھا اور آپ نے اس سے قسم طلب کی۔ حدود میں کفار کے اقوال اور ان پر ان کی شہادت بالاجماع غیر مقبول ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بطریق الزام یہ فیصلہ کیا جس کا انہوں نے التزام کیا ہوا تھا اور اس پر عمل پیرا تھے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ علم کے طریق کا حصول وحی کے ساتھ ہوا تھا اور اس پر عمل پیرا تھے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ علم کے طریق کا حصول وحی کے ساتھ ہو یا اللہ تعالیٰ نے صوریا کے بیٹوں کی تصدیق آپ کے دل میں ڈال دی ہو یہ فیصلہ آپ نے ان کے قول پر نہ فرمایا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیان فرمایا اور رجم کی مشروعیت کی خبر دی اس کا آغاز اس وقت سے ہے، پس تورات کا حکم جو آپ نے قائم فرمایا اس سے یہ فائدہ ملتا ہے اور آپ نے بیان فرمایا کہ یہ شریعت کا حکم ہے اور تورات اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء میں سے تھے۔ حضرت ابوہریرہ نے آپ سے روایت کیا ہے'' میں اس کے مطابق فیصلہ کروں گا جو تورات میں ہے'' (6)۔

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور علماء ذمی کی شہادت کو رد کرتے ہیں، کیونکہ وہ شہادت کا اہل نہیں اس کی شہادت نہ کافر کے مخالف قبول ہوگی اور نہ مسلمان کے مخالف مقبول ہوگی۔ اور تابعین وغیرہم کی ایک جماعت نے ان کی شہادت قبول کی ہے جب کوئی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 622 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، صفحہ 187 6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 255

مسلمان گواہ موجود نہ ہو اس کا بیان سورہ کے آخر میں آئے گا۔ اگر کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شہادت پر فیصلہ کیا تھا اور زانیوں کو رجم کیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ان پر نافذ ہوا جو آپ نے جانا کہ یہ تورات کا حکم ہے اور ان پر اس کے مطابق عمل کرنے کو لازم کیا جس کے مطابق بنی اسرائیل عمل کرتے تھے یہ ان پر حجت کو لازم کرنے کے لیے تھا اور ان کی تحریف اور تبدیلی کے اظہار کے لیے تھا آپ نافذ کرنے والے تھے نہ کہ فیصلہ کرنے والے تھے۔ یہ پہلی تاویل پر ہے اور جو احتمال ذکر کیا گیا ہے اس تاویل پر ہے اس صورت میں یہ اس واقعہ کے ساتھ خاص ہوگا، کیونکہ صدر اول میں کوئی ایسا نہیں سنا گیا جس نے ان کی شہادت قبول کی ہو۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَحْزُنْكَ نافع نے یا کے ضمہ اور زا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے یا کے فتحہ اور زاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ الحُزن اور الحَزن، سرور (خوشی) کی ضد ہے حَزِن الرجلُ فھو حَزِن و حزین و احزنہ غیرہ و حزنہ۔ اسی طرح اَسْلَکَہ اور سَلَکَہ ہے۔ محزون اس پر بنایا گیا ہے۔ یزیدی نے کہا: حزنہ قریش کی لغت ہے احزنہ تمیم کی لغت ہے دونوں طرح پڑھا گیا ہے احتزن و تحزن کا ایک ہی معنی ہے۔ آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا ہے یعنی کفر کی طرف ان کی جلدی سے پریشان نہ ہوں اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف تمہاری مدد کا وعدہ کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ یہ منافق ہیں۔ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے جیسا کہ ان کی زبانیں ایمان کا اقرار کر رہی ہیں۔ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا یہود مدینہ۔ یہاں کلام مکمل ہے، پھر آغاز کیا فرمایا: سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ یعنی وہ جاسوسی کرنے والے ہیں اس کی مثل ہے طوافون علیکم بعض نے فرمایا: کلام کی ابتدا مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سے ہے یعنی یہود میں سے ایک قوم ہے جو جھوٹ سنتے ہیں یعنی اپنے رؤسا کے جھوٹ کو قبول کرتے ہیں، یعنی تورات میں جو وہ تحریف بیان کرتے ہیں اسے قبول کرتے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ آپ کا کلام سنتے ہیں تاکہ آپ پر جھوٹ بولیں۔ ان میں کچھ ایسے لوگ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے تھے پھر عام لوگوں کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ لکھتے تھے، ان کے سامنے آپ کی توہین کرتے تھے۔ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ کا یہ معنی ہے منافقین میں ایسے لوگ تھے جو ایسا کرتے تھے۔ فراء نے کہا: سماعین اور طوافین جائز ہے جیسے فرمایا: ملعونین اینما ثقفوا اور اسی طرح فرمایا: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۝ (طور) پھر فرمایا فٰكِهِيْنَ، اٰخِذِيْنَ۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جاسوس کا اس آیت میں ذکر کیا سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے تعرض نہیں فرمایا، حالانکہ آپ کو ان کے متعلق علم تھا، کیونکہ اس وقت احکام پختہ نہیں ہوتے تھے اور اسلام کو قوت حاصل نہ تھی جاسوس کا حکم سورۃ الممتحنہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ وہ آپ سے کلام کو سمجھنے کے بعد دوسری

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 192

تاویلیں کرتے ہیں، حالانکہ اس محمل کو جانتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے اور احکام کو بیان فرمایا ہے۔ پس انہوں نے کہا: شریعت رجم کا ترک ہے اور انہوں نے رجم کا بدل چالیس کوڑے بنا دیئے یہ اللہ کے حکم میں تبدیلی تھی۔

یُحَرِّفُوْنَ، سَمّٰعُوْنَ کی صفت ہے یَاْتُوْكَ میں جو ضمیر ہے اس سے حال نہیں ہے، کیونکہ جب وہ نہ آئے تو نہ سنا۔ تحریف یہ ہے کہ وہ موجود ہو، سنے پھر تبدیلی کرے۔ تبدیلی کرنے والے بعض یہود تھے سب نہیں تھے۔ اسی وجہ سے مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا کا معنی فریق سماعون زیادہ درست ہے۔ یَقُوْلُوْنَ یہ یُحَرِّفُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے۔ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کوڑوں کا قول لائیں تو قبول کرو ورنہ نہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ۔ فتنہ سے مراد دنیا میں اس کی گمراہی اور آخرت میں سزا ہے (2)۔ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا تو تو اسے نفع نہیں پہنچائے گا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان ہے کہ اس نے ان پر کفر کا فیصلہ کر دیا ہے۔ یہ آیت دلیل ہے کہ ضلال، اللہ کی مشیت سے ہے۔ ان لوگوں کا رد ہے جو اس کے خلاف کہتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے یعنی ان کے دلوں پر مہر لگانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا جس طرح اس نے مومنین کو ثواب دینے کے لیے مومنین کے دلوں کو پاک کیا ہے۔ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ بعض علماء نے فرمایا: ان کی یہ رسوائی تھی جب انہوں نے رجم کا انکار کیا پھر تورات لائی گئی اور اس میں رجم کا حکم پایا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: دنیا میں ان کی رسوائی یہ ہے کہ ان سے جزیہ لیا گیا اور ذلت ان پر مسلط کی گئی۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

"قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو، بڑے حرام خور ہیں تو اگر وہ آئیں آپ کے پاس تو چاہے فیصلہ فرمایئے ان کے درمیان یا منہ پھیر لیجئے ان سے (آپ کو اختیار ہے) اور اگر آپ منہ پھیر لیں ان سے تو نہ نقصان پہنچا سکیں گے آپ کو کچھ بھی۔ اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمایئے ان میں انصاف سے بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ تاکید اور تفخیم کے لیے مکرر ذکر کیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ یعنی کثرت سے رشوت کھاتے ہیں۔ سحت کا لغوی معنی ہلاکت اور شدت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ (طٰہٰ: 61) وہ تمہارا نام ونشان مٹا دے گا کسی عذاب سے۔

فرزدق نے کہا:

1۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 256 2۔ ایضاً

وعَضُّ زمان یا بنَ مَرْوان لم یَدَعْ مِن المال إلّا مُسْحَتاً أو مُجَلَّفُ

اس طرح روایت ہے۔ أو مُجَلَّفُ مرفوع ہے معنی پر عطف کی بنا پر، کیونکہ لم یدع کا معنی ہے لم یبق حالق (مونڈنے والے) کو کہا جاتا ہے: اسحت یعنی اس نے اسے جڑ سے اکھیڑ دیا حرام مال کو سحت کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ نیکیوں کا صفایا کر دیتا ہے اور انہیں کلیۃً ختم کر دیتا ہے۔ فراء نے کہا: اس کی اصل کلب الجوع ہے کہا جاتا ہے: رجل مسحوت المعدة۔ یعنی جس کا معدہ ہی نہ ہو۔ گویا وہ رشوت لینے والا ہے اور حرص کی وجہ سے حرام کھانے والا ہے جو اسے دیا جاتا ہے، اس شخص کی مانند ہے جو حرص کی وجہ معدہ ہی نہیں رکھتا۔ حرام کو سحت کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ انسان کی مروت کو ختم کر دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول اولیٰ ہے، کیونکہ دین کے جانے کے ساتھ مروّت بھی چلی جاتی ہے اس کی مروّت نہیں جس کا دین نہیں۔ حضرت ابن مسعود وغیرہ نے کہا: السحت سے مراد رشوت ہے (1)۔ حضرت عمر بن خطاب نے کہا: حاکم کی رشوت سحت سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''ہر وہ گوشت جو السحت سے پیدا ہوتا ہے آگ اس کی مستحق ہے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم السحت کیا ہے؟ فرمایا: فیصلہ میں رشوت لینا'' (2)۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے فرمایا: السحت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی کوئی حاجت پوری کرے، پھر وہ اسے ہدیہ دے تو وہ اسے قبول کر لے۔ ابن خویز منداد نے کہا: السحت یہ ہے کہ آدمی اپنے مرتبہ کی وجہ سے مال کھائے۔ یہ اس طرح ہے کہ سلطان کی بارگاہ میں مرتبہ ہو، پھر کوئی انسان اس سے حاجت طلب کرے تو وہ اس کی حاجت پوری نہ کرے مگر رشوت لے کر۔ سلف صالحین کا کوئی اختلاف نہیں کہ کسی کے حق کو باطل کرنے کے لیے رشوت لینا جائز نہیں اس پر رشوت لینا سخت حرام ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب حاکم رشوت لے گا تو وہ اسی وقت معزول ہو جائے گا اگرچہ اسے معزول نہ بھی کیا جائے اور رشوت لینے کے بعد اس کا ہر فیصلہ باطل ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اختلاف کرنا جائز نہیں ان شاء اللہ، کیونکہ رشوت لینا فسق ہے اور فاسق کا فیصلہ جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے'' (3)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: سحت سے مراد رشوت، کاہن کی کمائی اور فیصلہ پر مال لینا ہے (4)۔ وہب بن منبہ سے مروی ہے ان سے پوچھا گیا: کیا رشوت ہر چیز میں حرام ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں رشوت وہ ناپسندیدہ ہے جو تو اس لیے دے تاکہ تجھے وہ مل جائے جو تیری نہیں ہے یا تو اس حق کو دور کرنے کے لیے دے جو تجھ پر لازم ہے، لیکن جو رشوت تو اپنے دین، اپنے خون اور اپنے مال کو بچانے کے لیے دے وہ حرام نہیں۔ ابو اللیث سمرقندی نے کہا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں کوئی حرج نہیں کہ آدمی اپنے نفس اور اپنے مال کی حفاظت کے لیے دے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ مروی ہے وہ حبشہ میں تھے تو انہوں نے دو دینار رشوت دیئے اور فرمایا: گناہ رشوت لینے والے پر ہے نہ کہ دینے والے پر۔ مہدوی نے کہا: جس نے حجام (پچھنے لگانے والا) کی کمائی کے ساتھ سحت کا ذکر کیا اس کا مطلب ہے کہ رشوت لینے والے کی مروءت کو ختم کر دیتا ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 288
2۔ ایضاً
3۔ جامع ترمذی، کتاب الاحکام، جلد 1، صفحہ 159۔ ایضاً، ابن ماجہ، حدیث 2303، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ تفسیر طبری، جلد 8، صفحہ 289

میں کہتا ہوں: حجام (پچھنے لگانے والا) کی کمائی پاک ہے جس نے کوئی پاک چیز لی اس کی مروت ساقط نہیں ہوتی اور اس کا مرتبہ کم نہیں ہوتا۔ امام مالک نے حمید الطویل سے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے اور ابوطیبہ نے آپ ﷺ کو پچھنے لگائے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک صاع کھجور دینے کا حکم دیا تھا اور اس کے مالکوں کو اس کے خراج میں کمی کرنے کی سفارش کی تھی (1)۔ ابن عبدالبر نے کہا: یہ دلیل ہے کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی پاک ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے نہ ثمن بنایا، جعل (انعام) بنایا نہ کسی باطل چیز کا عوض بنایا۔ حضرت انس کی حدیث اس حدیث کے لیے ناسخ ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے خون کی کمائی کو حرام قرار دیا اور پچھنے لگانے والے کے اجارہ سے جو مکروہ فرمایا اس کے لیے بھی ناسخ ہے۔ بخاری، ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگوانے والے کو اجرت دی، اگر یہ حرام ہوتی تو آپ اسے عطا نہ فرماتے (2)۔ السُّحت اور السُّحُت دونوں لغتیں ہیں اور دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ابوعمرو، ابن کثیر اور کسائی نے دونوں ضموں کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے صرف سین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ عباس بن فضل نے خارجہ بن مصعب سے انہوں نے نافع سے اَكّٰلُوْنَ لِلسَّحْتِ سین کے فتحہ اور حا کے سکون کے ساتھ روایت کیا ہے۔ زجاج نے کہا: سحتہ کا معنی تھوڑا تھوڑا لے جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخییر ہے۔ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے اس کا معنی گزر چکا ہے کہ وہ ایسے لوگ تھے جن سے معاہدہ تھا، ذمی نہیں تھے۔ نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ آئے تو یہود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ ہم پر کفار کے درمیان فیصلہ کرنا واجب نہیں جب کہ وہ ذمی نہ ہوں بلکہ فیصلہ کرنا جائز ہے اگر ہم چاہیں۔ رہے اہل ذمہ تو کیا ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے جب وہ ہمارے پاس معاملہ لے آئیں؟ اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں: اگر تو کسی ذمی کا مسلمان سے جھگڑا ہے تو فیصلہ کرنا واجب ہے۔ مہدوی نے کہا: علماء کا اجماع ہے کہ حاکم پر واجب ہے کہ وہ مسلمان ذمی کے درمیان فیصلہ کرے اور دو ذمیوں کا فیصلہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: آیت محکمہ ہے اور حاکم کو اختیار دیا گیا ہے، یہ نخعی اور شعبی وغیرہما سے مروی ہے (3)، یہ امام مالک اور امام شافعی وغیرہما کا مذہب ہے (4)۔ مگر امام مالک سے مروی ہے کہ زنا میں اہل کتاب پر حد قائم نہیں کی جائے گی، اگر مسلمان نے ذمیہ سے زنا کیا تو اسے حد لگائی جائے گی اور عورت پر حد نہ ہوگی۔ اگر دونوں زنا کرنے والے ذمی ہوں تو دونوں پر حد نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: انہیں کوڑے لگائیں جائیں گے اور انہیں رجم نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی، امام ابویوسف اور ابوثور وغیرہم نے کہا: ان دونوں پر حد ہوگی اگر وہ ہمارے فیصلہ پر راضی ہو کر آئیں۔

ابن خویز منداد نے کہا: جب وہ ایک دوسرے پر تعدی کریں تو امام انہیں نہیں بلائے گا اور خصم کو امام کی مجلس میں حاضر نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ اس معاملہ کا تعلق ایسے مظالم سے ہو جن کی وجہ سے فساد پھیلتا ہو جیسے قتل ہے اور منازل کا چھیننا وغیرہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 1، صفحہ 283 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 2، صفحہ 130۔ ایضاً، حدیث 2969، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 258 4۔ احکام القرآن للجصاص، جلد 2، صفحہ 436

ہے، رہے قرض، طلاق اور باقی تمام معاملات تو ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جائے گا مگر ان کی باہمی رضامندی کے ساتھ۔ قاضی کو اختیار ہے کہ وہ ان کا فیصلہ نہ کرے اور انہیں ان کے حکام کی طرف لوٹا دے۔ اگر وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا تو اسلام کے قانون کے مطابق فیصلہ کرے گا اور رہا مسلمانوں کے قانون پر انہیں مجبور کرنا جن کی وجہ سے انتشار پھیلتا ہو تو ہمارے اور ان کے معاہدہ کے فساد پر نہیں ہے بلکہ فساد کو ان سے اور دوسرے لوگوں سے دور کرنا واجب ہے، کیونکہ اس میں ان کے اموال اور خون کی حفاظت ہے، شاید ان کے دین میں اس کی اباحت ہو لیکن اس سے ہمارے درمیان انتشار پھیلتا ہو۔ اسی وجہ سے ہم نے انہیں سر عام شراب بیچنے سے منع کیا اور زنا اور دوسری برائیوں کے اظہار سے منع کیا تا کہ ان کے ذریعے مسلمانوں کے بے وقوف لوگ خراب نہ ہوں۔ رہا وہ حکم جو ان کے دین کے متعلق ہے مثلاً طلاق، زنا وغیرہ ان پر لازم نہیں کہ وہ ہمارے دین کی پیروی کریں ایسی صورت میں ان کے احکام کو نقصان دینا اور ان کی ملت کو تبدیل کرنا ہے، لیکن دیون اور معاملات اس طرح نہیں ہیں، کیونکہ ان میں مظالم اور قطع فساد کی وجہ ہے۔ واللہ اعلم۔

آیت میں ایک دوسرا قول بھی ہے وہ جو حضرت عمر بن عبد العزیز اور نخعی سے مروی ہے کہ مذکورہ تخییر اس ارشاد سے منسوخ ہے: وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ حاکم پر واجب ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ یہ عطاء خراسانی، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے، عکرمہ سے مروی ہے فرمایا: فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ کو دوسری آیت وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ نے منسوخ کر دیا۔ مجاہد نے کہا: سورۃ المائدہ سے صرف دو آیتیں منسوخ ہیں۔ ایک یہ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ اس کو وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ نے منسوخ کر دیا اور دوسری یہ آیت لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ اس کو فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (توبہ: 5) نے منسوخ کر دیا۔

زہری نے کہا: سنت گزر چکی ہے کہ اہل کتاب اپنے حقوق اور مواریث میں اپنے علماء کی طرف لوٹائے جائیں لیکن اگر وہ اللہ کے فیصلہ میں رغبت کرتے ہوئے آئیں تو ان کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ سمرقندی نے کہا: یہ قول امام ابو حنیفہ کے قول کے موافق ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب تک وہ ہمارے فیصلہ پر راضی نہ ہوں۔ نحاس نے ''الناسخ والمنسوخ'' میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ منسوخ ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ آئے تو آغاز میں یہ حکم نازل ہوا، اس وقت مدینہ میں یہود بہت تھے۔ ان کی اصلاح اسی میں تھی کہ انہیں اپنے علماء کی طرف لوٹایا جائے جب اسلام طاقتور ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ اور زہری، حضرت عمر بن عبد العزیز اور سدی کا قول ہے۔ یہ امام شافعی کے قول سے صحیح یہی ہے انہوں نے کتاب الجزیہ میں فرمایا: حاکم کو کوئی اختیار نہیں جب وہ اس کے پاس اپنا فیصلہ لے آئیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ۝ (توبہ) یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں۔

نحاس نے کہا: یہ احتجاجات میں صحیح ترین ہے، کیونکہ جب وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ کے ارشاد کا یہ معنی ہو کہ ان پر مسلمان کے احکام

جاری ہوں گے تو واجب ہے کہ انہیں ان کے احکام کی طرف نہ لوٹایا جائے اور یہ واجب ہے تو آیت منسوخ ہوئی۔ یہی امام ابو حنیفہ، امام زفر، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ جب اہل کتاب امام کے پاس فیصلہ لے آئیں تو اسے ان سے اعراض کرنا جائز نہیں، مگر امام ابوحنیفہ نے فرمایا: عورت اور اس کا خاوند آئیں تو ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے اگر صرف عورت آئے اور اس کا خاوند نہ ہو تو ان کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

باقی علماء نے کہا: فیصلہ کیا جائے گا۔ پس اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ آیت منسوخ ہے جب کہ اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابن عباس کی توقیف اس میں ثابت ہے اگر حضرت ابن عباس سے حدیث مروی نہ ہوتی تو پھر ثابت ہوتا کہ یہ منسوخ ہے، کیونکہ علماء کا اجماع ہے کہ جب وہ امام کے پاس فیصلہ لے آئیں تو اس کے لیے ہے کہ وہ ان کے درمیان غور کرنے کے بعد ان کے درمیان غور کرے اگر وہ ان کے درمیان کوئی صحیح فیصلہ کرنے والا پائے تو اس کے پاس بھیج دے ورنہ ان سے اعراض نہ کرے بعض علماء کے نزدیک وہ فرض کا تارک ہوگا اور ایسا کام کرنے والا ہوگا جو اس کے لیے حلال اور جائز نہیں تھا۔ نحاس نے کہا: جنہوں نے کہا: یہ آیت منسوخ ہے ان کا ایک دوسرا قول بھی ہے۔ بعض نے کہا: امام پر واجب ہے جب وہ اہل کتاب سے ایک کی حدود میں سے کسی حد کو جانے تو اسے قائم کرے اگرچہ وہ اس کے پاس فیصلہ نہ بھی لے آئیں۔ ان علماء نے وَ اَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سے حجت پکڑی ہے کہ دو احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں جب وہ آپ کے پاس فیصلہ لے آئیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں اگرچہ وہ آپ کے پاس فیصلہ نہ بھی لائیں جب کہ آپ ان سے مسئلہ خود جان لیں۔ انہوں نے کہا: ہم نے کتاب و سنت میں پایا ہے کہ ان پر حد قائم کی جائے گی اگرچہ وہ ہمارے پاس فیصلہ نہ بھی لائیں۔ کتاب اللہ میں ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ (النساء: 135) اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے محض اللہ کے لیے۔

اور سنت میں حضرت براء بن عازب کی حدیث ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی گزرا جس کو کوڑے لگائے گئے تھے اور منہ کالا کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا تمہارے ہاں زنا کرنے والے کی یہی حد ہے؟'' انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علماء میں سے ایک شخص کو بلایا فرمایا: ''میں تجھ سے اللہ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں'' کیا تم میں زنا کرنے والے کی یہی حد ہے'' اس نے کہا: نہیں (1)۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

نحاس نے کہا: انہوں نے حجت پکڑی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کا فیصلہ فرمایا وہ ان کے پاس فیصلہ نہیں لائے تھے۔ اس حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمر کی حدیث میں ہے کہ یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔ اس کو کہا جائے گا: امام مالک کی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ جنہوں نے زنا کیا تھا وہ فیصلہ پر راضی ہوئے تھے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کیا تھا۔ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: جنہوں نے حضرت براء کی حدیث سے حجت پکڑی ہے اگر وہ غور کرتے تو اس سے حجت نہ پکڑتے، کیونکہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اِنۡ اُوۡتِيۡتُمۡ هٰذَا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، صفحہ 187

فَخُذُوۡهُ وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡتَوۡهُ فَاحۡذَرُوۡا کی تفسیر ہے اس نے کہا: اگر وہ تمہیں کوڑوں کا اور منہ کالا کرنے کا فتوی دیں تو اسے قبول کرلو، اگر وہ رجم کا فیصلہ کریں تو اجتناب کرو۔ یہ دلیل ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا تھا۔ یہ حضرت ابن عمر کی حدیث میں واضح ہے اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ابن عمر کی حدیث میں نہیں ہے کہ زانیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا تھا اور وہ آپ کے فیصلے سے راضی نہیں ہوئے تھے۔ اسے کہا جائے گا کہ زانی کی حد، اللہ کے حقوق میں سے ہے حاکم پر اس کا قائم کرنا لازم ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہود کے لیے حاکم تھا جو ان کے درمیان فیصلہ کرتا تھا اور ان پر حدود کو قائم کرتا تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا تھا۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنۡ حَکَمۡتَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِالۡقِسۡطِ۔ نسائی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: قریظہ اور نضیر دو قبائل تھے۔ نضیر، قریظہ سے زیادہ معزز تھا، جب قریظہ کا کوئی شخص بنی نضیر کا کوئی شخص قتل کر دیتا تو اس کے بدلے اسے قتل کیا جاتا اور جب بنی نضیر کا کوئی شخص بنی قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ سو وسق کھجور دیت دیتا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو بنی نضیر کے ایک شخص نے بنو قریظہ کا ایک شخص قتل کر دیا۔ انہوں نے کہا: اپنا آدمی ہمیں دو تا کہ ہم اسے قتل کر دیں۔ انہوں نے کہا: ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی: وَ اِنۡ حَکَمۡتَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِالۡقِسۡطِ۔ یعنی نفس کے بدلے نفس ہوگا اور یہ نازل ہوا (1) اَفَحُکۡمَ الۡجَاہِلِیَّۃِ یَبۡغُوۡنَ۔

وَ کَیۡفَ یُحَکِّمُوۡنَکَ وَ عِنۡدَہُمُ التَّوۡرٰىۃُ فِیۡہَا حُکۡمُ اللّٰہِ ثُمَّ یَتَوَلَّوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِکَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۳﴾

''اور کیسے منصف بناتے ہیں آپ کو حالانکہ ان کے پاس تورات ہے اس میں اللہ کا حکم ہے پھر وہ منہ پھیرتے ہیں (اس سے) اس کے بعد بھی اور نہیں ہیں وہ ایماندار''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ کَیۡفَ یُحَکِّمُوۡنَکَ وَ عِنۡدَہُمُ التَّوۡرٰىۃُ فِیۡہَا حُکۡمُ اللّٰہِ۔ حسن نے فرمایا: اس سے مراد رجم ہے۔ قتادہ نے کہا: قصاص ہے (2)۔ کہا جاتا ہے: فِیۡہَا حُکۡمُ اللّٰہِ کا قول دلالت کرتا ہے کہ وہ منسوخ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے ابو علی نے کہا: ہاں اگر یہ منسوخ ہوتا تو نسخ کے بعد اس پر انہ حکم اللہ (یہ اللہ کا حکم ہے) کا اطلاق نہ ہوتا جیسا کہ شراب کی تحلیل یا ہفتہ کی تحریم پر اللہ کا حکم ہونے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ وَ مَاۤ اُولٰٓئِکَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۳﴾ یعنی تیرے حکم سے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ابو علی نے کہا: جس نے اللہ کے حکم کے علاوہ کو طلب کیا جب کہ وہ اس سے راضی نہیں تو وہ کافر ہے یہی یہود کی حالت تھی۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىۃَ فِیۡہَا ہُدًی وَّ نُوۡرٌ ۚ یَحۡکُمُ بِہَا النَّبِیُّوۡنَ الَّذِیۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَ الۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ کِتٰبِ اللّٰہِ وَ کَانُوۡا عَلَیۡہِ شُہَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَ اخۡشَوۡنِ وَ لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ وَ مَنۡ لَّمۡ

1۔ سنن نسائی، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 239 2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 214

یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

"بے شک اتاری ہم نے تورات، اس میں ہدایت اور نور ہے حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء جو (ہمارے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے اور علماء اس واسطے کہ محافظ ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے اور وہ تھے اس پر گواہ، پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کرو مجھ سے اور نہ بیچا کرو میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت سے اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے نازل فرمایا اللہ نے تو وہی لوگ کافر ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ یعنی بیان اور روشنی اور تعریف کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں۔ هُدًى محل رفع میں ہے مبتدا کی حیثیت سے اور نُوْرٌ اس پر معطوف ہے۔ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا۔ بعض علماء نے فرمایا: النَّبِيُّوْنَ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کو جمع کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد ہر وہ نبی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات کی اقامت کے ساتھ مبعوث کیا گیا تھا۔ یہود نے کہا: انبیاء یہود تھے۔ نصاریٰ نے کہا: انبیاء نصاریٰ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا جھوٹ بیان فرمایا۔ اَسْلَمُوْا کا معنی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک انہوں نے تورات کی تصدیق کی اور ان کے درمیان ہزار نبی تھے۔ کہا جاتا ہے: چار ہزار نبی تھے۔ کہا جاتا ہے: اس سے بھی زیادہ تھے، وہ تورات میں جو احکام تھے اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ بعض نے فرمایا: اَسْلَمُوْا کا معنی ہے انہوں نے اللہ کے امر کی اطاعت کی جس کے ساتھ وہ بھیجے گئے تھے۔ بعض نے فرمایا: وہ انبیاء اس کے مطابق فیصلے کرتے رہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے، معنی ایک ہی ہے۔ لِلَّذِيْنَ هَادُوْا یہ علی الذین ھادوا کے معنی میں ہے لام بمعنی علی ہے، بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے اس کے مطابق وہ انبیاء فیصلے کرتے رہے جو فرمانبردار تھے یہود کے حق میں تھے اور جو ان کے خلاف تھے۔ پس علیھم حذف کیا گیا ہے۔ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا یہاں مدح کے معنی میں نعت ہے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں ہے۔

هَادُوْا یعنی انہوں نے کفر سے توبہ کی (2)۔ بعض نے فرمایا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی ہم نے تورات کو نازل کیا اس میں ہدایت اور نور ہے یہود کے لیے، اس کے مطابق حکم دیتے رہے انبیاء اور اللہ والے اور علماء۔ یعنی اس کے مطابق اللہ والے فیصلے کرتے رہے یہ وہ لوگ تھے جو لوگوں کو اپنے علم کے ذریعے چلاتے تھے اور بڑے بڑے مسائل سے پہلے چھوٹے چھوٹے مسائل کے ساتھ ان کی تربیت کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے۔ آل عمران میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔

ابورزین نے کہا: الرَّبّٰنِيُّوْنَ سے مراد علماء، حکماء اور احبار ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس سے مراد فقہاء ہیں۔ الحِبر اور الحَبر عالم آدمی کو کہتے ہیں۔ یہ التحبیر سے ماخوذ ہے جس کا معنی التحسین ہے۔ فھم یحبرون العلم یعنی وہ علم کو بیان کرتے ہیں اور اس کو مزین کرتے ہیں وھو محبر فی صدورھم اور وہ ان کے سینوں میں مزین ہے۔ مجاہد نے کہا:

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 214 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 215

الرَّبّٰنِيُّوْنَ، علماء سے بلند مرتبہ ہوتے ہیں (1)۔ اس پر الف لام مبالغہ کے لیے ہے۔ جوہری نے کہا: الحِبر اور الحَبر کا ایک معنی ہے۔ یہود کے علماء۔ اور کسرہ کے ساتھ افصح ہے، کیونکہ اس کی جمع افعال کے وزن پر آتی ہے، مفعول کے وزن پر نہیں آتی۔ فراء نے کہا: حِبر کسرہ کے ساتھ عالم کو کہا جاتا ہے۔ ثوری نے کہا: میں نے فراء سے پوچھا حَبر کو حَبر کیوں کہا جاتا ہے؟ انہوں نے کہا: عالم کو حَبر اور حِبر کہا جاتا ہے مراد مداد الحبر ہے یعنی عالم کی سیاہی ہے، پھر مداد کو حذف کیا گیا جیسا کہ فرمایا: وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) یعنی اهل القریة۔ فرمایا: میں نے اصمعی سے پوچھا انہوں نے فرمایا: یہ درست نہیں ہے۔ حبر کو حَبر اس کی تاثیر کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: علی اسنانه حبر۔ یعنی اس کے دانتوں پر زردی یا سیاہی ہے۔ ابو العباس نے کہا: حَبر وہ ہے جس کے ساتھ حَبر لکھتا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ وہ تحقیق کرتا ہے۔ ابو عبید نے کہا: میرے نزدیک احبار کا واحد حَبر ہے اس کا معنی ہے جو کلام کی تحبیر، علم کی معرفت و تحسین کو جانتا ہے۔ انہوں نے کہا: تمام محدثین اسی طرح خیال کرتے ہیں یعنی فتح کے ساتھ۔ حبر جس کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور اس کی جگہ المِحبرة ہے یعنی دواۃ۔ حبر کا معنی اثر ہے اور اس کی جمع حبور ہے۔ یہ یعقوب سے مروی ہے۔

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ یعنی اس کو علم ودیعت کیا گیا۔ الباء، الربانین اور الاحبار کے متعلق ہے گویا فرمایا: علماء جو محافظ ٹھہرائے گئے۔ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ یعنی وہ کتاب پر گواہ ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ نبی کریم کے حکم پر گواہ ہیں کہ یہ تورات میں ہے (2)۔ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ یعنی حضرت محمد ﷺ کی شان کے اظہار میں لوگوں سے نہ ڈرو اور رجم کے اظہار میں وَاخْشَوْنِ بلکہ اس کے چھپانے میں مجھ سے ڈرو۔ یہ خطاب یہود کے علماء کے لیے ہے اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے واجب حق کو چھپایا اور اسے ظاہر نہ کیا۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا کا معنی تفصیلاً گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝۴۴، کافرون، ظالمون اور فاسقون یہ سب کفار کے حق میں نازل ہوئے۔ یہ صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے جو حضرت براء سے مروی ہے۔ یہ پہلے گزر چکی ہے۔ رہا مسلمان تو وہ کافر نہیں ہوتا اگرچہ وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس میں اضمار ہے یعنی جو قرآن کو رد کرتے ہوئے اللہ کے نازل شدہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اور رسول اللہ ﷺ کے قول کے انکار کی وجہ سے اللہ کے نازل شدہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے۔ یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: اس پر یہ آیت عام ہے۔ حضرت ابن مسعود اور حسن نے فرمایا: یہ ہر اس شخص کو عام ہے جو مسلمان، یہود اور کفار میں سے اللہ کے نازل شدہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا یعنی وہ یہ اعتقاد رکھتا ہو اور قرآن کے فیصلہ کے خلاف کرنا حلال سمجھتا ہو، مگر وہ شخص جس نے ایسا کیا لیکن یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ وہ حرام کا ارتکاب کر رہا ہے تو وہ فاسق مسلمانوں میں سے ہے اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو اسے عذاب دے چاہے تو اسے معاف کر دے۔ حضرت ابن عباس نے ایک روایت میں فرمایا: جس نے اللہ کے نازل شدہ کے مطابق فیصلہ نہیں کیا اس

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 215
2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 216

نے ایسا فعل کیا جو کفار کے افعال کے مشابہ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جو اللہ نے تمام نازل کیا اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہ کافر ہے اور جس نے توحید کا فیصلہ کیا اور بعض شرائع کا فیصلہ نہ کیا تو وہ اس آیت میں داخل نہیں صحیح پہلا قول ہے مگر شعبی نے کہا: یہ یہود کے ساتھ خاص ہے۔ نحاس نے اس کو اختیار کیا فرمایا: اس پر تین چیزیں دلالت کرتی ہیں (۱) یہود کا پہلے لِلَّذِیۡنَ هَادُوۡا میں ذکر کیا گیا ضمیر کا مرجع وہ ہیں (۲) کلام کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اس کے بعد وَ كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ ہے، یہ ضمیر بالاجماع یہود کی طرف راجع ہے، نیز یہود وہ ہیں جنہوں نے رجم اور قصاص کا انکار کیا۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے: من جب مجازاۃ کے لیے ہو تو عامۃ ہوتا ہے مگر جب اس کی تخصیص پر کوئی دلیل واقع ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں من بمعنی الذی ہے اس کی ہم نے ادلہ ذکر کی ہیں۔ یہود وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل شدہ کے مطابق فیصلہ نہ کیا یہ لوگ کافر ہیں، یہ عمدہ ہے اس میں سے جو کچھ اس کے بارے کہا گیا ہے۔

روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت حذیفہ سے ان آیات کے بارے میں پوچھا گیا: کیا یہ بنی اسرائیل کے بارے میں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں ان کے حق میں ہیں لیکن تم ان کے راستہ پر برابر چلو گے جس طرح جوتا، جوتے کے برابر ہوتا ہے۔ بعض نے فرمایا: الکافرون مسلمانوں کے لیے الظالمون، یہود کے لیے ہے اور الفاسقون نصاریٰ کے لیے ہے۔ یہ ابوبکر بن عربی کا اختیار ہے (1)۔ فرمایا: کیونکہ یہ آیات کا ظاہر ہے۔ یہ حضرت ابن عباس، حضرت جابر بن زید، ابن ابی زائدہ، ابن شبرمہ اور شعبی کا مختار قول ہے۔ طاؤس وغیرہ نے کہا: کفر صرف ملت اسلامیہ (2) سے انکار نہیں ہوتا بلکہ کفر کے مراتب ہیں، کفر مختلف ہوتا ہے اگر وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے جو اس کے پاس ہے اس بنا پر کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے پس وہ اس کو تبدیل کرتا ہے جو موجب کفر ہے۔ اگر وہ خواہش نفس اور معصیت کی بنا پر ایسا فیصلہ کرتا ہے تو وہ گناہ ہے اس کی مغفرت ہوسکتی ہے یہ اہل سنت کی اصل پر ہے کہ گناہگاروں کی مغفرت ہے۔ قشیری نے کہا: خوارج کا مسلک یہ ہے کہ جو رشوت لے اور اللہ کے حکم کے علاوہ فیصلہ کرے وہ کافر ہے۔ یہ قول حسن اور سدی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ حسن نے یہ بھی کہا: اللہ تعالیٰ نے حکام سے تین عہد لیے ہیں (۱) وہ خواہش کی پیروی نہیں کریں گے (۲) وہ لوگوں سے نہیں ڈریں گے اور اس سے ڈریں گے (۳) اللہ تعالیٰ کی آیات کے عوض تھوڑی سی قیمت نہیں لیں گے۔

وَ كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَاۤ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَالۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ وَالۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝

''اور ہم نے لکھ دیا تھا یہود کے لیے تورات میں (یہ حکم) کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے لیے قصاص، تو جو شخص معاف کردے بدلا تو یہ معافی کفارہ بن جائے گی اس کے گناہوں کا اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 305 2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 306

جسے اتارا اللہ نے تو وہی لوگ ظالم ہیں"۔

اس آیت میں تیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے تورات میں نفسوں کے درمیان برابری کی ہے۔ پس یہود نے اس کی مخالفت کی اور گمراہ ہوئے۔ نضیری کی دیت زیادہ کر دی تھی اور نضیری کو، قرظی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا تھا اور قرظی کو نضیری کے بدلے قتل کیا جاتا، جب اسلام آیا تو اس مسئلہ میں بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا آپ نے برابری کا حکم فرمایا۔ بنو نضیر نے کہا: آپ نے ہمارا مرتبہ کم کر دیا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ كَتَبْنَا کا معنی ہے ہم نے فرض کیا۔ یہ پہلے گزر چکا ہے ان کی شریعت میں قصاص یا معافی تھی، ان میں دیت نہیں تھی جیسا کہ سورۃ البقرہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور دوسرے علماء نے اس آیت کی بنا پر فرمایا کہ مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا، کیونکہ نفس کے بدلے نفس ہے (1)۔ سورۂ بقرہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کسی چیز کے ساتھ خاص کیا تھا؟ فرمایا: نہیں مگر جو اس میں ہے، انہوں نے اپنی تلوار کی نیام سے ایک تحریر نکالی اس میں یہ تھا۔ مومنین کے خون برابر ہیں غیر مسلموں پر ان کا غلبہ ہے کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور کسی ذمی کو اس کے عہد میں قتل نہیں کیا جائے گا (ا)۔ نیز یہ آیت یہود کے رد کے لیے ہے کہ وہ قبائل میں فرق کرتے تھے وہ ایک قبیلہ سے ایک شخص کے بدلے ایک شخص کو پکڑتے تھے اور دوسرے قبیلہ سے دو شخصوں کے بدلے ایک شخص کو پکڑتے تھے۔ شافعی علماء نے کہا: یہ ہم سے پہلے کی شریعت کی خبر ہے (2) اور ہم سے پہلے کی شریعت ہمارے لیے شریعت نہیں۔ سورۂ بقرہ میں ان کے رد میں اتنا کلام گزر چکا ہے جو کافی ہے، وہاں مطالعہ کریں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ یہ اہل تورات پر فرض تھا وہ ایک ملت ہیں اور ان کے لیے ذمی لوگ اس طرح نہیں تھے جس طرح مسلمانوں کے لیے ذمی لوگ ہیں، کیونکہ جزیہ، فئی اور غنیمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو عطا فرمائی اس امت سے پہلے فئی کسی کے لیے نہ تھا۔ پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا، پس اس آیت نے حکم کو بنی اسرائیل پر ثابت کیا، کیونکہ ان کے خون برابر تھے۔ یہ ہم میں سے کسی کے قول کی طرح ہے کہ مسلمانوں کے برابر ہیں کہ نفس کے بدلے نفس ہے، کیونکہ وہ ایک معین قوم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ان لوگوں میں حکم ہے کہ ان کے نفس کے بدلے نفس ہے پس اس آیت کے حکم سے اہل قرآن پر یہ کہنا ثابت ہوتا ہے کہ ان کے لیے آپس میں معاملہ اس طرح ہوگا نفس کے بدلے نفس۔ قرآن میں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ ملت کے اختلاف کے باوجود نفس کے بدلے نفس ہوگا۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 225 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 627

(ا) سنن ابی داؤد، باب ایقاد المسلم بالکافر، حدیث نمبر 3927، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 2۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب نے کہا: جب کسی کو زخمی کیا جائے گا یا کان یا ہاتھ کاٹا جائے گا اور پھر اسے قتل کیا جائے گا تو ایسا کرنے والے کے ساتھ بھی ایسا کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ پس جو کچھ اس نے کیا اس کے ساتھ وہی کیا جائے گا اس سے وہ لیا جائے گا جو اس نے لیا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اگر تو نے اس سے مثلہ کا قصد کیا تھا تو اس کا بھی مثلہ کیا جائے گا اگر لڑائی کے دوران ناک، کان کٹ گئے تو قاتل کو تلوار کے ذریعے قتل کیا جائے گا (1)۔ وہ یہ مثلہ کے بارے میں ثابت کرتے ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے عرنیین کی آنکھوں میں لوہے کی سلائیں پھیری تھیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ۔ نافع، عاصم، اعمش اور حمزہ نے تمام میں نصب پڑھی ہے اور ان کی تخفیف جائز ہے اور تمام کو عطف اور ابتدا کی وجہ سے رفع جائز ہے۔ ابن کثیر، ابن عامر، ابوعمرو اور ابوجعفر نے الجروح کے علاوہ سب کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے (2)۔ کسائی اور ابوعبید وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ (3)۔ تمام میں رفع پڑھتے تھے۔ ابوعبید نے کہا: ہمیں حجاج نے بتایا انہوں نے ہارون سے انہوں نے عباد بن کثیر سے انہوں نے عقیل سے انہوں نے زہری سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ پڑھا۔ رفع تین جہات سے ہے: مبتدا اور خبر کی جہت سے اس معنی پر کہ ان کا عطف اَنَّ النَّفْسَ کے مقام پر ہے، کیونکہ معنی یہ ہے کہ ہم نے کہا النَّفْسُ بِالنَّفْسِ۔ تیسری وجہ زجاج نے کہا: فی النفس میں مضمر پر عطف کی بنا پر ہوگا، کیونکہ النَّفْسَ میں ضمیر محل رفع میں ہے، کیونکہ تقدیر یہ ہے ان النفس ھی ماخوذۃ بالنفس پس اسماء ہی پر معطوف ہیں۔ ابن المنذر نے کہا: جس نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس نے اس کو کلام کا آغاز بنایا ہے یعنی یہ مسلمانوں میں حکم ہے۔ یہ اصح قول ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی قرأت ہے وَ الْعَيْنُ بِالْعَيْنِ اسی طرح مابعد کے کلمات میں خطاب مسلمانوں کو ہے اس کا انہیں حکم دیا گیا ہے جنہوں نے رفع کے ساتھ جروح کو خاص کیا ہے انہوں نے اس کا ماقبل سے تعلق نہیں جوڑا اور اس سے نئی کلام شروع کی ہے گویا اس کا خاص طور پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے اور اس کا ماقبل ان کی طرف متوجہ نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ آیت قصاص کے جاری ہونے پر دلالت کرتی ہے اور ابن شبرمہ نے اَلْعَيْنَ بِالْعَيْنِ کے عموم کے ساتھ تعلق قائم کیا ہے کہ دائیں آنکھ، بائیں آنکھ کے بدلے میں پھوڑی جائے گی اس طرح اس کا عکس ہوگا اور انہوں نے اس کو دائیں اور بائیں ہاتھ میں جاری کیا، انہوں نے کہا: سامنے والے دانت کو داڑھ کے بدلے میں اور داڑھ کو سامنے والے دانت کے بدلے میں توڑا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عام ہے: وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ۔ اور جنہوں نے اس کی مخالفت کی ہے وہ امت کے علماء ہیں وہ کہتے ہیں: دائیں آنکھ، دائیں آنکھ کے بدلے میں پھوڑی جائے گی اگر وہ موجود ہوگی، رضا کے ساتھ بائیں آنکھ کی طرف تجاوز نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے لیے یہ بیان کرتا ہے کہ اَلْعَيْنَ بِالْعَيْنِ سے مراد مجرم سے پوری مماثلت

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 625 2۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 217 3۔ سنن ابی داود، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 197

لینا ہے دوسری چیز کی طرف تعدی جائز نہیں جس طرح پاؤں سے ہاتھ کی طرف تعدی جائز نہیں اس میں کوئی شک نہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کا اجماع ہے کہ جب وہ دونوں خطاءً ضائع کی جائیں گی تو ان میں دیت ہوگی، اور ایک آنکھ میں نصف دیت ہوگی (1)، اور کالے شخص کی آنکھ جب پھوڑی جائے گی تو اس میں کامل دیت ہوگی (2) یہ حضرت عمر اور حضرت عثمان سے مروی ہے یہی قول عبدالملک بن مروان، زہری، قتادہ، مالک، لیث بن سعد، احمد اور اسحاق کا ہے۔ بعض نے فرمایا: نصف دیت ہوگی۔ یہ حضرت عبداللہ بن مغفل، مسروق، نخعی سے مروی ہے۔ یہی قول ثوری، شافعی اور نعمان کا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: ہم بھی یہی قول کرتے ہیں، کیونکہ حدیث میں ہے "دونوں آنکھوں کو ضائع کرنے میں دیت ہے" (3)۔ معقول بھی اسی طرح ہے کیونکہ ایک آنکھ میں نصف دیت ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ ظاہر قیاس ہے، لیکن علماء نے کہا: کانے شخص کی منفعت ایک آنکھ کے ساتھ سلامت شخص کی منفعت کی طرح ہے پس اس پر دیت بھی اس کے مطابق ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ کانے شخص کے بارے میں اختلاف ہے جب اس کی صحیح آنکھ پھوڑ دی گئی۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی سے مروی ہے کہ اس پر قصاص نہیں اس پر دیت کامل ہے (4)۔ یہی قول عطا، سعید بن مسیب اور امام احمد بن حنبل کا ہے۔ امام مالک نے کہا: اگر وہ چاہے تو قصاص لے اور اسے اندھا کر دے اگر چاہے تو پوری دیت لے لے (کانے کی آنکھ کی دیت)۔ نخعی نے کہا: اگر چاہے تو قصاص لے لے، اگر چاہے تو نصف دیت لے لے (5)۔ امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور ثوری نے کہا: اس پر قصاص ہے۔ یہ حضرت علی سے بھی مروی ہے یہ حضرت مسروق، ابن سیرین اور ابن معقل کا قول ہے۔ ابن المنذر اور ابن عربی نے اس کو اختیار کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں آنکھوں میں دیت رکھی ہے اور ایک آنکھ میں نصف دیت رکھی ہے (6)۔ صحیح آنکھ والے اور کانے کے درمیان قصاص دوسرے لوگوں کے مابین قصاص کی ہیئت پر ہوگا۔ امام احمد بن حنبل کا قول یہ ہے کہ اس سے قصاص میں بعض کے بدلے میں تمام آنکھ لینا ہے اور یہ مساوات نہیں ہے اور جو حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی سے اس کے بارے میں مروی ہے امام احمد نے اس سے استدلال کیا ہے اور امام مالک کا متمسک یہ ہے کہ دلائل جب متعارض ہوں تو جس پر جنایت کی گئی ہے اسے اختیار دیا جائے گا۔ ابن عربی نے کہا: قرآن کے عموم کو لینا اولیٰ ہے، کیونکہ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ محفوظ و قبول ہے (7)۔

مسئلہ نمبر 7۔ کانے کی اس آنکھ کے بارے میں اختلاف ہے جس کے ساتھ وہ دیکھتا نہیں ہے۔ حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ اس میں سو دینار ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ اس میں آنکھ کی دیت کا تہائی ہے۔ اسحاق نے بھی یہی کہا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس میں نصف دیت ہے، مسروق، زہری، امام مالک، امام شافعی، ابوثور، نعمان نے کہا: اس میں قاضی کا فیصلہ ہے۔ ابن المنذر نے کہا: ہم بھی یہی کہتے ہیں، کیونکہ جو کچھ اس کے بارے میں کہا گیا ہے وہ کم از کم ہے۔

1۔ مصنف عبد الرزاق، کتاب الدیۃ، جلد 9، صفحہ 222
2۔ ایضاً، جلد 9، صفحہ 225
3۔ سنن نسائی، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 251
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 629
5۔ ایضاً
6۔ مصنف عبد الرزاق، کتاب الدیات، جلد 9، صفحہ 222
7۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 629

مسئلہ نمبر 8۔ نظر کو ضائع کر دیا جب کہ آنکھ کے ڈھیلے باقی ہیں تو پوری دیت ہوگی اس میں اعمش و اخفش برابر ہیں۔ ایک آنکھ کی نظر ضائع کرنے میں نصف دیت ہے۔ ابن المنذر نے کہا: وہ بہتر ہے جو حضرت علی بن ابی طالب نے کہا ہے، انہوں نے صحیح آنکھ کو ڈھانپنے کا حکم دیا ایک شخص کو انڈا دیا وہ اسے لے کر گیا اور پیچھے وہ دیکھتا رہا حتی کہ اس کی نظر کی انتہا ہوگئی پھر آپ نے اس جگہ ایک خط کھینچنے کا حکم دیا پھر دوسری آنکھ کو ڈھانپنے کا حکم دیا اور صحیح آنکھ کھولی گئی، ایک شخص کو انڈا دیا وہ اسے لے کر گیا وہ اسے دیکھتا رہا حتی کہ اس کی نظر کی انتہا ہوگئی وہاں بھی خط کھینچنے کا حکم دیا پھر دوسری جگہ اس کے ساتھ ایسا کیا گیا تو برابر پایا گیا۔ پس اس کی آنکھ میں سے جتنی نظر کم ہوگئی تھی اتنا دوسرے کے مال سے دیا (1)۔ یہ امام شافعی کے مذہب پر ہے یہ ہمارے علماء کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بعض آنکھ پھوڑنے میں قصاص نہیں، کیونکہ اس کا پورا کرنا ممکن نہیں آنکھ میں قصاص کی کیفیت اس طرح ہوگی کہ شیشہ گرم کیا جائے گا، پھر دوسری آنکھ پر روئی رکھی جائے گی، پھر وہ شیشہ اس آنکھ کے قریب رکھا جائے گا حتی کہ اس کی پتلی بہ جائے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کو مہدوی اور ابن ربی نے ذکر کیا ہے (2)، آنکھ کی پلکوں میں اختلاف ہے، حضرت زید بن ثابت نے کہا: اس میں چوتھائی دیت ہے (3)، یہ شعبی، حسن، قتادہ، ابو ہاشم، ثوری، شافعی اور اصحاب الرائے کا قول ہے۔ شعبی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اوپر والی پلکوں میں تہائی دیت ہے اور نیچے والی میں 2/3 (دو تہائی) دیت ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ناک کو جب اصل سے کاٹ دیا جائے تو دیت ہے'' (4)۔ ابن المنذر نے کہا: اس قول پر اہل علم کا اجماع ہے۔ ناک میں قصاص اس صورت میں ہے جب جنایت عمداً ہو تو تمام اعضاء کی طرح قصاص ہوگا جیسا کہ کتاب اللہ کا ارشاد ہے۔ ناک توڑنے میں اختلاف ہے۔ امام مالک عمداً ایسے کرنے میں قصاص کا نظریہ رکھتے ہیں اور خطاء میں اجتہاد کا نظریہ رکھتے ہیں۔ ابن نافع نے روایت کیا ہے کہ ناک کے لیے دیت نہیں حتیٰ کہ وہ اسے اصل سے ختم کر دے۔ ابو اسحاق تونسی نے کہا: یہ شاذ ہے، پہلا قول معروف ہے جب ہم معروف قول پر تفریع کریں گے تو بعض بینی میں اس کے حساب سے دیت ہوگی۔ ابن المنذر نے کہا: ناک میں سے جو کاٹا جائے گا اس کے حساب سے دیت ہوگی۔ یہ حضرت عمر بن عبد العزیز اور شعبی سے مروی ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

ابو عمر نے کہا: ناک کی بینی میں اختلاف ہے جب کاٹی جائے اور ناک اصل سے نہ کاٹے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا کہ اس میں مکمل دیت ہے پھر اگر اس کے بعد اس میں سے کوئی چیز کاٹی گئی تو اس میں قاضی کا فیصلہ ہوگا۔ امام مالک نے فرمایا: ناک میں اس صورت میں دیت ہے جب کہ اس کی بینی کاٹی جائے یہ ہڈی سے کم ہے۔ ابن القاسم نے کہا: جو ہڈی سے بینی کاٹی جائے یا ہڈی سے ناک اصل سے کاٹ دی جائے آنکھوں کے نیچے سے تو اس میں دیت

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الدیات، جلد 8، صفحہ 87

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 628

3۔ مصنف عبد الرزاق، جلد 9، صفحہ 218

4۔ سنن ابی داؤد، جلد 9، صفحہ 230۔ ایضاً، حدیث نمبر 3955، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہوگی جیسے حشفہ (ذکر کا اگلا حصہ) میں دیت ہے۔ ذکر اصل سے کاٹنے میں دیت ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ ابن القاسم نے کہا: ناک چیری گئی یا توڑی گئی پھر وہ ٹیڑی ٹھیک ہوگئی تو اس میں اجتہاد ہے اس میں معلوم دیت نہیں ہے، اگر وہ بالکل صحیح لگ گئی تو اس میں کچھ نہیں۔ فرمایا: ناک میں کچھ نہیں ہے جب وہ چھیدی گئی، پھر وہ صحیح ٹھیک لگ گئی تو وہ موضحہ زخم کی طرح ہے اگر غلط ٹھیک ہوئی تو اس میں دیت ہوگی، کیونکہ اس میں سنت موجود ہے ناک چھیدنے میں کوئی اثر نہیں۔ فرمایا: ناک علیحدہ ہڈی ہے اس میں موضحہ نہیں ہے۔

امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا: اس میں جائفہ نہیں ہے۔ علماء کے نزدیک جائفہ زخم اس میں ہوتا ہے جس میں جوف (خلا) ہو۔ اور المارن (ناک بینی) اس جگہ کو کہتے ہیں جو ناک میں سے نرم ہوتی ہے، اسی طرح خلیل وغیرہ نے کہا۔ ابو عمر نے کہا: روثت سے مراد بینی ہے اور ارنب سے مراد اس کی طرف ہے۔ بعض نے فرمایا: ارنبۃ، الروثۃ اور العرتمۃ ناک کی طرف کو کہتے ہیں اس پر امام مالک، امام شافعی اور کوفی علماء کا نظریہ ہے۔ اور سونگھنے کی قوت جب کم ہوجائے یا ختم ہوجائے تو قاضی کا فیصلہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الْأُذُنَ بِالْأُذُنِ۔ ہمارے علماء نے فرمایا: جس نے کسی کے دونوں کان کاٹ دیئے تو اس پر قاضی کا فیصلہ ہوگا، دیت اس پر قوت سماعت ضائع کرنے پر ہے اس کے نقصان میں اسی طرح قیاس کیا جائے گا جس طرح آنکھ میں قیاس کیا جاتا ہے۔ ایک کان کے ضائع کرنے میں نصف دیت ہے اور اگرچہ وہ صرف اسی کان سے سنتا ہو، بخلاف کانی آنکھ کے اس میں کامل دیت ہے۔ اشہب نے کہا: اگر کان کا مسئلہ ہو تو اس کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا تو دونوں کانوں سے جتنا سنتا ہے اتنا ہی اگر ایک کان سے سنتا ہے تو وہ میرے نزدیک آنکھ کی طرح ہے اگر سننے میں شک ہو تو مختلف جگہوں سے آواز دے کر تجربہ کیا جائے گا اس سے قیاس کیا جائے گا اگر برابر ہو یا قریب قریب ہوں تو اسے اتنا دیا جائے گا جتنا اس کی قوت سماعت کو ضائع کیا گیا اور اس پر اس سے قسم اٹھائی جائے گی۔ اشہب نے کہا: درمیانہ درجہ کی قوت سماعت کا اندازہ لگایا جائے اگر آزمایا جائے اور اس کا قول مختلف ہو تو اس کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا۔ عیسیٰ بن دینار نے کہا: جب اس کا قول مختلف ہوگا تو اس کے لیے کم از کم دیت ہوگی قسم کے ساتھ۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ۔ ابن المنذر نے کہا: رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے دانت کا قصاص لیا اور فرمایا: کتاب اللہ میں قصاص (کا حکم) ہے رسول اللہ ﷺ سے حدیث مروی ہے فرمایا: ''دانت میں پانچ اونٹ ہیں'' (1)۔ ابن المنذر نے کہا: ہم ظاہر حدیث کے مطابق کہتے ہیں ثنایا دانتوں کو انیاب، اضراس رباعیات دانتوں پر کوئی فضیلت نہیں، کیونکہ تمام ظاہر حدیث میں داخل ہیں اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ جنہوں نے ظاہر حدیث کو لیا انہوں نے کسی دانت کو دوسرے دانت پر کوئی فضیلت نہیں دی۔ ان علماء میں عروہ بن زبیر، طاؤس، زہری، قتادہ، امام

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، صفحہ 194۔ ایضاً، حدیث نمبر 2640، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
ایضاً، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 3954، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مالک، ثوری، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، نعمان اور ابن الحسن ہیں۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عباس اور حضرت معاویہ سے مروی ہے۔ اس میں دوسرا قول یہ ہے ہم نے حضرت عمر بن خطاب سے اس کو روایت کیا انہوں نے سامنے والے دانتوں میں پانچ فرائض کا فیصلہ فرمایا یہ پچاس دینار ہیں اور ہر فریضہ کی قیمت دس دینار ہے اور داڑھوں میں ایک ایک اونٹ کا فیصلہ کیا۔ عطا کہتے ہیں: دانتوں، رباعیات، تابین میں پانچ پانچ اونٹ ہیں اور باقی میں دو دو اونٹ ہیں اوپر والے اور نیچے والے دانت برابر ہیں، داڑھیں برابر ہیں۔

ابوعمر نے کہا: موطا میں امام مالک نے جو یحییٰ بن سعید نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے داڑھوں میں ایک ایک اونٹ کا فیصلہ کیا ہے تو اس کا مطلب ہے داڑھیں بیس ہیں، دانت بارہ ہیں۔ چار ثنایا ہیں، چار رباعیات ہیں، چار انیاب ہیں۔ حضرت عمر کے قول پر دیت اسی اونٹ ہوں گے، دانتوں میں پانچ پانچ اونٹ ہیں، داڑھوں میں ایک ایک اونٹ ہے۔ حضرت معاویہ کے قول پر داڑھوں اور دانتوں میں پانچ پانچ اونٹ ہیں اس طرح دیت ایک سو ساٹھ اونٹ ہو جائے گی۔ سعید بن مسیب کے قول پر داڑھوں میں دو دو اونٹ ہیں یہ بیس داڑھیں ہیں ان کے لیے چالیس اونٹ واجب ہوں گے۔ دانتوں میں پانچ پانچ اونٹ ہیں، یہ ساٹھ اونٹ ہو جائیں گے یہ سو اونٹوں کا تمہ ہے یہ اونٹوں سے کامل دیت ہے۔ علماء کے درمیان اختلاف داڑھوں میں ہے نہ کہ دانتوں میں ہے۔ ابوعمر نے کہا: صحابہ اور تابعین میں سے علماء کا اختلاف دانتوں کی دیت میں ہے۔ ایک دوسرے پر ان کی تفضیل بھی بہت زیادہ ہے۔

حجت، امام مالک، ابوحنیفہ اور ثوری کے نظریہ کے ساتھ قائم ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اونٹوں میں سے پانچ دانت کی دیت ہیں (1)'' اور داڑھ بھی دانتوں میں سے دانت ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انگلیاں برابر ہیں، دانت برابر ہیں، ثنیہ اور داڑھ برابر ہیں، یہ اور یہ برابر ہیں'' (2)۔ یہ نص ہے جسے ابو داؤد نے تخریج کیا ہے۔ ابو داؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کو برابر لیا (3)۔ ابوعمر نے کہا: ان آثار پر فقہاء اور جمہور اہل علم کا نظریہ ہے کہ دیت میں انگلیاں تمام برابر ہیں دیت میں، تمام دانت برابر ہیں، ثنایا اور داڑھیں، انیاب، ان میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں جیسا کہ عمرو بن حزم کی کتاب میں ہے۔ ثوری نے ازہر بن محارب سے روایت کیا ہے فرمایا: شریح کے پاس دو شخص جھگڑا لے کر آئے ایک نے دوسرے کے ثنیہ کو مارا تھا اور دوسرے نے اس کی داڑھ پر مارا تھا، شریح نے کہا: ثنیہ اور اس کا جمال، داڑھ اور اس کی منفعت دانت کے بدلے دانت ہے۔ ابوعمر نے کہا: آج تمام شہروں میں اسی پر عمل ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اگر کسی کا کسی نے دانت پر مارا اور وہ سیاہ ہو گیا تو اس میں پوری دیت ہو گی، یہ امام مالک، لیث بن سعد کے نزدیک ہے اور امام ابوحنیفہ نے یہی کہا ہے (4)۔ حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا گیا ہے اور یہی سعید بن

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، صفحہ 194۔ ایضاً، حدیث نمبر 2639، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 271۔ ایضاً، حدیث نمبر 3952، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ ایضاً

4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 629

مسیب، زہری، حسن، ابن سیرین اور شریح کا قول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ اس میں دیت کا ثلث 1/3 ہے (1)۔ یہی قول احمد اور اسحاق کا ہے۔ امام شافعی اور ابوثور نے کہا: اس میں قاضی کا فیصلہ ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ خلاف ہے اس لیے اتفاق کی طرف رجوع کیا جائے گا، اگر اس کا سیاہ ہونا اس کی منفعت کو بھی ضائع کر چکا ہے اور صرف اس کی صورت باقی ہے جیسے شل ہاتھ ہوتا ہے اور اندھی آنکھ ہوتی ہے، دیت کے وجوب میں کوئی اختلاف نہیں پھر اگر اس کی منفعت میں سے کچھ باقی ہو یا کل منفعت باقی ہو تو منفعت میں سے جتنی کمی ہوئی ہے حکومت اتنی مقدار ثابت کرے گی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو اس میں ثلث دیت مروی ہے وہ فقہ اور سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے (2)۔

مسئلہ نمبر 15۔ بچے کے دانت اکھیڑنے میں اختلاف ہے جب کہ وہ دودھ والے دانت گرنے سے پہلے ہو۔ امام مالک، امام شافعی اور اصحاب الرائے کہتے ہیں: جب بچے کا دانت اکھیڑا جائے گا اور وہ پھر پیدا ہو جائے گا تو اکھیڑنے والے پر کچھ نہ ہوگا مگر امام مالک اور امام شافعی نے کہا: جب وہ اس سے لمبائی میں کم پیدا ہو جو اس کے قریب والا ہے تو جتنا کم ہے اس کی مقدار اس سے چٹی وصول کی جائے گی۔ ایک جماعت نے کہا: اس میں قاضی فیصلہ کرے گا، یہی شعبی سے مروی ہے اور یہی نعمان کا قول ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اس وقت تک تاخیر کی جائے گی یہاں تک کہ اہل معرفت کہیں کہ اب دانت نہیں اگے گا، جب ایسا ہوگا تو اس میں دیت کی مکمل مقدار ہوگی جیسا کہ ظاہر حدیث ہے۔ اگر وہ اگ آئے گا تو چٹی واپس کر دی جائے گی۔ اکثر اہل علم فرماتے ہیں ایک سال تک تاخیر کی جائے گی۔ یہ حضرت علی، حضرت زید، حضرت عمر بن عبدالعزیز، شریح نخعی اور قتادہ، امام مالک، اصحاب الرائے سے مروی ہے۔ امام شافعی نے اس کے لیے کوئی مدت متعین نہیں کی۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب بڑے شخص کا دانت اکھیڑا گیا، پھر اس کی دیت لی گئی، پھر وہ دانت اگ آیا تو امام مالک نے کہا: جو اس سے لیا گیا تھا وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ کوفیوں نے کہا: جب دانت اگ آئے گا تو اسے دیت واپس کی جائے گی (3)۔ امام شافعی کے دو قول ہیں: واپس کی جائے گی اور واپس نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ اس کا اگنا عادۃً جاری نہیں ہے اور نادر کے ساتھ حکم ثابت نہیں ہوتا یہ ہمارے علماء کا قول ہے۔ کوفیوں نے اس سے دلیل پکڑی ہے کہ اس کا عوض اگ آیا ہے، پس دیت واپس کی جائے گی اس کی اصل چھوٹے کا دانت ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس پر اگر کسی دوسرے محرم نے جنایت کی حالانکہ وہ صحیح پیدا ہو چکا تھا تو اس میں مکمل چٹی ہوگی۔ ابن المنذر نے کہا: یہ اصح قول ہے، کیونکہ ان سے ہر ایک دانت کو اکھیڑنے والا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دانت میں پانچ اونٹوں کا فیصلہ فرمایا (4)۔

مسئلہ نمبر 17۔ اگر کسی آدمی نے کسی کا دانت اکھیڑ دیا، پھر اس نے دانت والے کو دانت لوٹا دیا، پھر وہ لگ گیا تو اس میں ہمارے نزدیک کچھ نہیں ہے (5)۔ امام شافعی نے فرمایا: اس کے لیے دانت کو لوٹانا جائز نہیں، کیونکہ وہ نجس ہے۔ یہ ابن

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الدیات، جلد 8، صفحہ 91
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 629
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 629
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، صفحہ 194
5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 629

مسیب اور عطا کا قول ہے۔ اگر وہ اسے لوٹا دے اور اس نے اس کے ساتھ نمازیں پڑھیں تو وہ ہر نماز کا اعادہ کرے جو اس نے اس کے ساتھ پڑھی تھیں کیونکہ وہ دانت مردار تھا، اسی طرح اگر کسی کا کان کاٹا گیا پھر خون کی حرارت کی وجہ سے وہ لوٹ گیا اور چمٹ گیا۔ عطا نے کہا: سلطان اسے اس کے اکھیڑنے پر مجبور کرے، کیونکہ وہ مردار اس نے چمٹایا ہے (1)۔ ابن عربی نے کہا: یہ غلط ہے، وہ شخص جاہل رہا جس پر یہ مخفی رہا کہ اس کا دوبارہ اس صورت میں لوٹنا اس حکم کے ساتھ لوٹنے کا موجب نہیں، کیونکہ نجاست انفصال کی وجہ سے تھی اور وہ متصل لوٹ گیا اور احکام شریعت اعیان کے لیے صفات نہیں بلکہ یہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف لوٹتے ہیں اور ان کے متعلق اس کے خبر دینے کی طرف لوٹتے ہیں (2)۔

میں کہتا ہوں: جو ابن عربی نے عطا سے حکایت کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے وہ ابن المنذر نے ان سے روایت کیا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اس دانت میں اختلاف ہے جو قصاصاً اکھیڑا گیا پھر وہ اسی جگہ لوٹا دیا گیا اور وہ اگ آیا۔ عطا خرسانی اور عطا بن ابی رباح نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ ثوری، احمد اور اسحاق نے کہا: اسے اکھیڑا جائے گا، کیونکہ قصاص عیب کے لیے ہوتا ہے۔ امام شافعی نے کہا: اس پر دوبارہ لگانا جائز نہیں، کیونکہ وہ نجس ہے سلطان اسے اکھیڑنے پر مجبور کرے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اگر اس کے لیے زائد دانت ہو اور وہ اکھیڑ دیا گیا تو اس میں قاضی کا فیصلہ ہوگا، فقہاء الامصار کا یہی قول ہے۔ حضرت زید بن ثابت نے کہا: اس میں دیت کا تہائی ہے۔ ابن عربی نے کہا: تقدیر میں اس کی کوئی دلیل نہیں پس فیصلہ زیادہ عدل ہے (3)۔ ابن المنذر نے کہا: جو حضرت زید سے روایت کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: دانت جب اس کا بعض توڑا جائے گا تو مالک کو اس کے حساب سے دیا جائے گا (4)۔ یہ امام مالک اور امام شافعی وغیرہ کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: جو اللہ تعالیٰ نے بطور نص اعضاء ذکر فرمائے وہ تو یہاں تک ختم ہو گئے اور ہونٹوں اور زبان کا ذکر نہیں فرمایا۔

مسئلہ نمبر 19۔ جمہور علماء نے فرمایا: ہونٹوں میں دیت ہے اور ہر ایک ہونٹ میں نصف دیت ہے اوپر والے کو نیچے والے پر کوئی فضیلت نہیں۔ حضرت زید بن ثابت، سعید بن مسیب اور زہری سے مروی ہے کہ اوپر والے ہونٹ میں ثلث 1/3 دیت ہے اور نیچے والے ہونٹ میں 2/3 دو ثلث دیت ہے ابن المنذر نے کہا: میں پہلے قول کا قائل ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''ہونٹوں میں دیت ہے (5)''۔ نیز دونوں ہاتھوں میں دیت ہے اور ان کے منافع مختلف ہیں اور ہونٹوں میں سے جتنا کاٹا جائے گا اس کے حساب سے دیت ہوگی۔ رہی زبان تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''زبان میں دیت ہے (6)'' اس قول پر اہل مدینہ، اہل کوفہ، اصحاب حدیث اور اہل الرائے میں سے اہل علم کا اجماع ہے، یہ ابن المنذر نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اس شخص کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے جو کسی کی زبان پر جنایت کرتا ہے اور اس کی زبان میں

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 630	2۔ ایضاً	3۔ ایضاً
4۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الدیات، جلد 8، صفحہ 91	5۔ موطا امام مالک، کتاب العقول، صفحہ 671	6۔ ایضاً

سے کچھ کاٹ دیتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ بعض کلام نہیں کر سکتا ہے۔ اکثر اہل علم نے کہا: اٹھائیس حروف ہیں جتنے وہ ادا نہیں کر سکتا اس کی مقدار کو دیکھا جائے گا اس کے مطابق دیت ہوگی، اگر وہ بالکل کلام نہیں کر سکتا تو اس میں مکمل دیت ہوگی یہ امام مالک، امام شافعی، احمد، اسحاق اور اصحاب الرائے کا قول ہے۔ امام مالک نے کہا: زبان میں قصاص نہیں، کیونکہ قصاص کو پوری طرح حاصل کرنا ممکن نہیں اگر ممکن ہو تو قصاص اصل ہے(1)۔

مسئلہ نمبر 21۔ گونگے کی زبان کاٹ دی گئی ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ شعبی، امام مالک، اہل مدینہ، اہل عراق، امام شافعی، ابوثور، نعمان اور ان کے ساتھیوں نے کہا: اس میں فیصلہ ہے(2)۔ ابن المنذر نے کہا: اس میں دو پختہ قول ہیں (۱) نخعی کا قول ہے کہ اس میں دیت ہے(3) (۲) قتادہ کا قول ہے کہ اس میں دیت کا تہائی ہے۔ ابن المنذر نے کہا: پہلا قول اصح ہے، کیونکہ جو اس کے متعلق کہا گیا ہے وہ کم از کم ہے۔ ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے اعضاء کا ذکر فرمایا اور باقی کو ان پر قیاس کے لیے چھوڑ دیا۔ ہر عضو میں قصاص ہوتا ہے جب قصاص لینا ممکن ہو اور اس پر موت کا اندیشہ نہ ہو، اسی طرح ہر عضو جس کی منفعت باطل ہو اور اس کی صورت باقی ہو تو اس میں قصاص نہیں ہے اس میں دیت ہے، کیونکہ اس میں قصاص ممکن نہیں(4)۔

مسئلہ نمبر 22۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ زخموں میں قصاص ہے سورۃ البقرہ میں یہ گزر چکا ہے اس میں قصاص نہیں جس میں جسم کے ضیاع کا اندیشہ ہو اور جو قصاص تک نہ پہنچتا ہو مگر یہ کہ مارنے والا خطا کرے یا زیادتی یا کمی کر دے۔ جان بوجھ کر زخم لگانے کی وجہ سے قصاص ہوگا اگر ممکن ہو۔ یہ تمام قتل عمد میں ہے، رہا خطا تو اس میں دیت ہوتی ہے اسی طرح خطاءً زخم لگا تو اس میں دیت ہوگی۔ صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ ربیع کی بہن ام حارثہ نے ایک انسان کو زخمی کر دیا اور وہ جھگڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قصاص ہوگا، قصاص ہوگا''۔ ام الربیع نے کہا: یا رسول اللہ! کیا فلانہ سے قصاص لیا جائے گا؟ اللہ کی قسم! ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سبحان اللہ! اے ام الربیع! کتاب اللہ کا حکم قصاص ہے''۔ ام الربیع نے کہا: نہیں اللہ کی قسم اس سے کبھی قصاص نہیں لیا جائے گا۔ وہ یہی کہتی رہی حتی کہ انہوں نے دیت قبول کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم اٹھا دیں تو اللہ تعالیٰ اسے پورا فرما دیتا ہے''(5)۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں زخمی عورت جاریہ تھی اور زخم اس کے دانت کا توڑنا تھا۔ نسائی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ ان کی پھوپھی نے جاریہ کا دانت توڑ دیا تو اللہ کے نبی نے قصاص کا فیصلہ کیا، ان کے بھائی انس بن نضر نے کہا: کیا فلانی کا دانت توڑا جائے گا؟ نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ فرمایا: پہلے اس کے اہل سے وہ عفو اور دیت کا سوال کر رہے تھے جب اس کے بھائی انس کے چچا نے قسم اٹھائی۔ جنگ احد میں یہ شہید ہوئے تھے۔ تو قوم معاف کرنے پر راضی ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 630　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 631　　5۔ صحیح مسلم، کتاب القسامہ، جلد 2، صفحہ 59

ہوتے ہیں اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم اٹھائیں تو اللہ اسے پورا کر دیتا ہے"۔ ابوداؤد نے اس کو تخریج کیا ہے میں نے امام احمد بن حنبل کو سنا ان سے پوچھا گیا: دانت کا کیسے قصاص لیا جائے گا؟۔ انہوں نے کہا: ٹھنڈا کیا جائے گا (1)۔

میں کہتا ہوں: دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے ان میں سے ہر ایک نے قسم اٹھائی ہو اور اللہ نے ان کی قسم پوری کی ہو۔ اس میں کرامات اولیاء کا ثبوت ہے جیسا کہ اس کا بیان حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اولیاء کی کرامات پر ایمان لانے پر ثابت رکھے اور بغیر محنت اور فتنہ ان کی لڑی میں پرو دے۔

مسئلہ نمبر 23۔ علماء کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ یہ عمداً ہو تو پھر ہے، جس نے عمداً کسی کا دانت توڑ دیا تو حضرت انس کی حدیث کے مطابق اس میں قصاص ہے (2)۔ باقی جسم کی ہڈیوں میں علماء کا اختلاف ہے جب وہ عمداً توڑی گئی ہو۔ امام مالک نے فرمایا: جسم کی تمام ہڈیوں میں قصاص ہے مگر جو نفس کو ضائع کر دے مثلاً ران، صلب، دماغ کا زخم منقلہ (جو ہڈی منتقل کر دے) ہاشمہ (جو ہڈی توڑ دے) ان میں دیت ہے۔ کوفیوں نے کہا: سوائے دانت کے کسی ہڈی میں قصاص نہیں ہے جو توڑی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ۔ یہ لیث اور امام شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی نے کہا: کبھی توڑنا، توڑنے کی طرح نہیں ہو سکتا پس یہ ممنوع ہے۔ طحاوی نے کہا: علماء کا اتفاق ہے کہ سر کی ہڈی میں قصاص نہیں ہے، اسی طرح تمام ہڈیوں میں قصاص نہیں ہے۔ امام مالک کی حجت دانت میں حضرت انس کی حدیث ہے، اسی طرح تمام ہڈیوں کا حکم ہے سوائے ایک ہڈی کے علماء کا اجماع ہے کہ اس میں قصاص نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں نفس کے ضیاع کا اندیشہ ہے۔ ابن المنذر نے کہا: جس نے کہا ہڈی میں قصاص نہیں وہ حدیث کی مخالفت کرنے والا ہے اور نظر کی طرف خروج خبر کے ہوتے ہوئے جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس پر فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (بقرہ: 194) اور یہ ارشاد: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (النحل: 126) دلالت کرتا ہے اور جس پر علماء کا اجماع ہے وہ ان آیات میں داخل نہیں۔ (وباللہ التوفیق)

مسئلہ نمبر 24۔ ابو عبید نے کہا: نبی کریم ﷺ کی موضحہ کے بارے میں حدیث ہے (ا) اور دوسرے زخموں کے بارے میں غیر سے مروی ہے۔ اصمعی وغیرہ نے کہا: اس کی کلام کا بعض، بعض میں داخل ہے۔ زخموں میں سے پہلا حارصہ زخم ہے جو جلد کو تھوڑا سا چیر دیتا ہے، اسی سے ہے حرص القصار الثوب ہے جس کا معنی اس نے کپڑے کو چیر دیا اس کو الحرصہ بھی کہا جاتا ہے، پھر الباضعۃ ہے جو جلد کے بعد گوشت کو کاٹ دیتا ہے پھر المتلاحمہ ہے جو صرف جلد میں لگتا ہے اور اس جھلی تک نہیں پہنچتا جو گوشت اور ہڈی کے درمیان ہوتی ہے۔ واقدی نے کہا: یہ ہمارے نزدیک الملطی ہے۔ دوسروں نے کہا: یہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 275 2۔ صحیح بخاری، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 1018

(ا) سنن ابن ماجہ، باب الموضحۃ، حدیث نمبر 2644، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

الملطاۃ ہے فرمایا: یہ وہ ہے جس کے بارے میں حدیث ہے: یُقْضٰی فِی الْمِلْطَاۃِ بِدَمِهَا پھر الموضحۃ زخم ہے یہ وہ زخم ہے جس سے ہڈی بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ ابو عبید نے کہا: زخموں میں قصاص نہیں ہے مگر صرف موضحہ میں، کیونکہ اس کے علاوہ کے لیے کوئی حد نہیں ہے۔ دوسرے زخموں میں دیت ہے پھر الھاشمۃ ہے جو ہڈی کو توڑ دیتا ہے پھر المنقلۃ ہے جو ہڈی کو توڑ دیتا ہے۔

پھر الآمۃ ہے اس کو المامومۃ بھی کہا جاتا ہے یہ وہ ہے جو دماغ تک پہنچتا ہے۔ ابو عبید نے کہا: یقضی فی الملطاۃ بدمھا جب زخم لگانے والا زخم لگائے گا تو اس پر زخمی کے لیے زخم لگانے کے وقت فیصلہ کیا جائے گا اور اس میں تاخیر نہیں کی جائے گی۔ اور فرمایا: اور ہمارے نزدیک تمام زخموں میں تاخیر کی جائے گی حتی کہ اس کے انجام کو دیکھا جائے گا پھر اس وقت اس میں حکم لگایا جائے گا۔ ابو عبید نے کہا: ہمارے نزدیک تمام زخموں میں تاخیر کی جائے گی۔ ہمیں ہشیم نے بتایا انہوں نے حصین سے روایت کیا فرمایا: حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: موضحہ سے جو کم زخم ہے وہ خدوش ہے اور اس میں صلح ہے(1)۔ حسن بصری نے کہا: موضحہ سے کم میں قصاص نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا: موضحہ سے کم میں یعنی ملطی، دامیہ، باضعہ میں قصاص ہے اسی طرح کوفیوں نے کہا: اور انہوں نے سمحاق کا اضافہ کیا ہے۔ یہ ابن المنذر نے حکایت کیا ہے۔ ابو عبید نے کہا: الدامیۃ وہ زخم ہے جس سے خون نکلے۔ الدامعہ وہ ہے جس سے خون بہے۔

موضحہ سے کم میں قصاص نہیں۔ جوہری نے کہا: دامیہ وہ زخم ہے جس سے خون نہیں بہتا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: دامیہ وہ ہے جس سے خون بہتا ہے موضحہ کے بعد قصاص نہیں ہے ہاشمہ ہڈی کے لیے ہے اور منقلۃ میں خاص اختلاف ہے۔ الامہ جو دماغ تک پہنچتا ہے۔ دامغۃ جو دماغ کے پردے کو پھاڑنے والا ہے اور جسم کے ہاشمۃ زخم میں قصاص ہے مگر جو مخوف ہو جیسے ران وغیرہ کا زخم رہا، ھاشمۃ الراس (سر کا زخم)۔ تو ابن القاسم نے کہا: اس میں قصاص نہیں ہے، کیونکہ وہ ضروری طور پر منقلہ ہو جاتا ہے۔ اشہب نے کہا: اس میں قصاص ہے مگر یہ ہے وہ منقلہ ہو جائے جس میں قصاص نہیں ہے۔ رہے اطراف تو تمام جوڑوں میں قصاص ہے مگر ان میں سے جس سے نفس کے ضیاع کا خدشہ ہو۔ جوڑوں سے مراد ناک کی بینی کا بعض، کانوں کا بعض، ذکر کا بعض، پلکوں کا بعض، ہونٹوں کا بعض ہے، کیونکہ یہ تقدیر کو قبول کرتے ہیں۔

زبان کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ہڈیوں کو توڑنے میں قصاص ہے مگر جو انسان کو تلف کرنے والی ہوں جیسے سینے، گردن، پیٹھ، ران وغیرہ کی ہڈیاں۔ بازو کی ہڈی توڑنے میں قصاص ہے۔ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے اس شخص کی ران توڑنے کا فیصلہ فرمایا جس نے کسی کی ران توڑی تھی۔ عبدالعزیز بن عبداللہ بن خالد بن اسید نے مکہ میں اسی طرح کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسا کیا تھا یہ امام مالک کا مذہب ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ فرمایا: علماء کے نزدیک اس پر اجماع ہے اور ہمارے شہروں میں اس شخص کے بارے میں معمول یہ ہے جو کسی کو مارتا ہے پھر ہاتھ سے اس کی ہڈی کو توڑ دیتا ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 25۔ علماء نے فرمایا: سر میں زخم اور بدن میں زخم جو ہوتے ہیں ان میں اہل علم کا اجماع ہے کہ موضحہ سے کم

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الدیات، جلد 8، صفحہ 83

میں چٹی ہے جیسا کہ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے اور اس چٹی میں اختلاف ہے۔ موضحہ سے جو کم زخم ہیں وہ پانچ ہیں:۔ دامیہ، دامعۃ، باضعہ، متلاحمہ اور السمحاق۔ امام مالک، امام شافعی، احمد اور اسحاق اور اصحاب الرائے نے کہا: دامیۃ میں قاضی کا فیصلہ ہے اور باضعہ میں فیصلہ ہے اور متلاحمہ میں بھی فیصلہ ہے۔ عبدالرزاق نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے فرمایا: دامیۃ میں اونٹ ہے، باضعۃ میں دو اونٹ ہیں، متلاحمۃ میں تین اونٹ ہیں، سمحاق میں چار اونٹ ہیں، موضحۃ میں پانچ اونٹ ہیں، ہاشمۃ میں دس اونٹ ہیں، منقلۃ میں پندرہ اونٹ ہیں، مامومۃ میں دیت کا تہائی ہے اور جو شخص جو کسی کو مارتا ہے حتی کہ اس کی عقل ضائع ہو جائے تو اس میں پوری دیت ہے یا وہ اسے مارے حتی کہ اس کے ناک سے آواز نکل جائے اور بات نہ سمجھ سکے تو اس میں پوری دیت ہوگی یا آنکھ کی پلکوں میں دیت کا چوتھائی ہے اور پستان کے منہ میں چوتھائی دیت ہے (1)۔ ابن المنذر نے کہا: حضرت علی سے سمحاق (وہ زخم جو ہڈی اور گوشت کے درمیانی جھلی تک پہنچ جائے) میں زید کے قول کی مثل مروی ہے۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ان میں موضحہ کا نصف ہے۔ حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز اور نخعی نے کہا: اس میں فیصلہ ہوگا (2)، اسی طرح امام مالک، امام شافعی اور احمد نے کہا ہے۔ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ موضحۃ میں پانچ اونٹ ہیں جیسا کہ عمرو بن حزم کی حدیث میں ہے اس میں موضحہ میں پانچ اونٹ ہیں۔ اور اہل علم کا اجماع ہے کہ موضحہ سر اور چہرے میں ہوگا اور چہرے کے موضحہ کو سر کے موضحہ پر فضیلت میں اختلاف ہے (3)۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ دونوں برابر ہیں ان کے قول کے مطابق تابعین کی ایک جماعت نے کہا ہے اور یہی امام شافعی اور اسحاق کا قول ہے۔ سعید بن مسیب سے چہرے کے موضحہ کی سر کے موضحہ پر دوگنا دیت مروی ہے۔ احمد نے کہا: چہرے کا موضحہ اس لائق ہے کہ اس میں زیادہ دیت رکھی جائے۔ امام مالک نے کہا: المامومہ، المنقلہ اور الموضحہ صرف سر اور چہرے میں ہوتے ہیں اور مامومہ خاص سر میں ہوتا ہے جب وہ دماغ تک پہنچ جائے۔ فرمایا: موضحہ وہ ہوتا ہے جو سر کی کھوپڑی میں ہوتا ہے اور جو اس سے نیچے ہے وہ گردن سے ہے اور وہ موضحہ نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا: ناک سر میں سے نہیں ہے اس میں موضحہ نہیں ہے اسی طرح نیچے جو ٹھوڑی پر زخم ہے اس میں موضحہ نہیں ہے۔ جو سر اور چہرہ کے علاوہ موضحہ ہے اس میں اختلاف ہے۔ اشہب اور ابن القاسم نے کہا: جسم کے موضحہ، منقلہ، مامومۃ میں اجتہاد ہے اس میں مخصوص چٹی نہیں ہے۔ ابن المنذر نے کہا: یہ امام مالک، ثوری، امام شافعی، احمد، اسحاق کا قول ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ عطا خراسانی سے مروی ہے کہ موضحہ جب انسان کے جسم میں ہو تو اس میں پچیس دینار ہیں ابو عمر نے کہا: امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا اتفاق ہے کہ جس نے کسی کو دو مامومہ اور دو موضحہ یا تین مامومۃ یا موضحات لگائے یا ایک ضرب میں اس سے زیادہ زخم لگائے اگر وہ پھٹ کر ایک زخم بن گئے ہوں تو ان تمام میں ایک کامل دیت ہوگی۔ رہا ہاشمۃ (زخم) ہمارے نزدیک اس میں دیت نہیں بلکہ فیصلہ ہے۔

ابن المنذر نے کہا: میں نے مدنی علماء کی کتب میں ہاشمۃ کا ذکر نہیں پایا بلکہ امام مالک نے اس شخص کے بارے میں کہا جس نے کسی کا ناک توڑ دیا اگر وہ خطأ تھا تو اس میں اجتہاد ہے۔ حسن بصری نے کہا: ہاشمۃ میں کوئی چیز مقرر نہیں۔ ابوثور نے کہا: اگر ان

1۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب العقول، جلد 9، صفحہ 207 2۔ ایضاً، صفحہ 206 3۔ ایضاً

میں اختلاف ہو تو اس میں فیصلہ ہے۔ ابن المنذر نے کہا: نظر اس پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اس میں نہ سنت ہے اور نہ اجماع۔ قاضی ابوالولید الباجی نے کہا: اس میں وہی ہوگا جو موضحہ میں ہوتا ہے، اگر منقلہ بن جائے تو پندرہ اونٹ ہیں، اگر مامومہ بن جائے تو تہائی دیت ہے، ہم نے اکثر علماء کو پایا اور ہمیں اہل علم کی رائے پہنچی وہ ہاشمۃ میں دس اونٹ مقرر کرتے ہیں۔ ہم نے یہ قول حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا۔ یہی قتادہ اور عبید اللہ بن الحسن اور امام شافعی کا قول ہے۔ ثوری اور اصحاب الرائے نے کہا: اس میں ہزار درہم ہے اور ان کی مراد دیت کا دسواں ہے۔ رہا منقلہ تو ابن المنذر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: "منقلہ میں پندرہ اونٹ ہیں (1)" اس قول پر علماء کا اجماع ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اہل علم نے کہا: منقلہ وہ ہے جس سے ہڈیاں منتقل ہو جاتی ہیں۔ امام مالک اور امام شافعی، احمد اور اصحاب الرائے نے کہا۔ یہی قتادہ اور ابن شبرمہ کا قول ہے کہ منقلہ میں قصاص نہیں ہے، ہم نے حضرت ابن زبیر سے روایت کیا۔ ان سے ثابت نہیں ہے۔ کہ انہوں نے منقلہ کا قصاص لیا۔

ابن المنذر نے کہا: پہلا قول اولیٰ ہے، کیونکہ میں کسی ایک کو نہیں جانتا جو اس میں مخالفت کرتا ہو۔ رہا مامومۃ تو ابن المنذر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: "مامومۃ میں دیت کا تہائی ہے" (2)۔ اس پر علماء کا اجماع ہے سوائے مکحول کے کسی کو نہیں جانتا جس نے اس میں مخالفت کی ہو۔ مکحول نے کہا: جب مامومۃ عمداً ہو تو اس میں دو تہائی دیت ہے، جب خطأً ہو تو اس میں ایک تہائی دیت ہے۔ یہ شاذ قول ہے۔ میں بھی پہلے قول کے مطابق کہتا ہوں: مامومۃ میں قصاص کے بارے میں اختلاف ہے اکثر اہل علم نے فرمایا: اس میں قصاص نہیں ہے۔ حضرت ابن زبیر سے مروی ہے کہ انہوں مامومۃ کا قصاص لیا تو لوگوں نے اس پر انکار کیا۔ عطا نے کہا: ہم نے کوئی ایسا آدمی نہیں جانا جس نے حضرت ابن زبیر سے پہلے قصاص لیا ہو۔ رہا جائفہ تو اس میں دیت کا تہائی ہے جیسا کہ عمرو بن حزم کی حدیث ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں سوائے اس روایت کے جو مکحول سے مروی ہے انہوں نے کہا: جب یہ عمداً ہو تو اس میں دو تہائی دیت ہے، اگر خطا ہو تو ایک تہائی دیت ہے۔ جائفہ وہ ہے جو جوف تک پھٹ جائے اگر چہ سوئی کے داخل ہونے جتنا ہو اگر دو جہتوں سے آر پار ہو جائے تو وہ دو جائفے شمار ہوں گے اس میں دو تہائی دیت ہے۔ اشہب نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق نے آر پار ہونے والے جائفہ کی دیت، دو جائفہ کے برابر فرمائی۔ عطا، امام مالک، امام شافعی اور اصحاب الرائے کہتے ہیں: جائفہ میں قصاص نہیں ہے۔ ابن المنذر نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں۔

مسئلہ نمبر 26۔ اللطمہ (طمانچہ) اور اس کے مشابہ کے قصاص کے بارے اختلاف ہے۔ بخاری نے حضرت ابوبکر، حضرت علی حضرت ابن زبیر اور حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے طمانچہ کا قصاص لیا (3)۔ حضرت عثمان اور حضرت خالد بن ولید سے اسی کی مثل مروی ہے۔ یہ شعبی اور اہل حدیث کی جماعت کا قول ہے۔ لیث نے کہا: اگر طمانچہ آنکھ میں ہو تو اس میں قصاص نہیں کیونکہ آنکھ کے ضیاع کا اندیشہ ہے اور سلطان اس کو سزا دے۔ اگر رخسار پر ہو تو اس میں قصاص ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: طمانچہ میں قصاص نہیں ہے۔ حسن اور قتادہ سے یہ مروی ہے اور امام مالک، کوفیوں اور امام

1۔ مصنف عبد الرزاق، کتاب العقول، جلد 9، صفحہ 214
2۔ موطا امام مالک، کتاب العقول، صفحہ 668
3۔ صحیح بخاری، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 1018

شافعی کا یہی قول ہے۔ امام مالک نے اس میں حجت پکڑتے ہوئے کہا: مریض، کمزور کا طمانچہ قوی کے طمانچہ کی طرح نہیں ہے۔ کالے غلام کو ایک عظیم شخص کی مثل طمانچہ نہیں مارا جائے گا، ان میں اجتہاد ہے، کیونکہ ہم طمانچہ کی مقدار سے ناواقف ہیں۔

مسئلہ نمبر 27۔ کوڑے مارنے کی وجہ سے قصاص میں اختلاف ہے۔ لیث اور حسن نے کہا: اس سے قصاص لیا جائے گا اور تعدی کے لیے اس پر زیادہ بھی کیا جائے گا۔ ابن القاسم نے کہا: اس سے قصاص لیا جائے گا اور کوفیوں اور امام شافعی کے نزدیک قصاص نہیں لیا جائے گا مگر یہ کہ وہ اسے زخمی کر دے۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر کوڑے نے زخمی کر دیا تو اس میں فیصلہ ہوگا۔ ابن المنذر نے کہا: کوڑے یا لاٹھی یا پتھر میں سے جو لگا اور وہ عمداً تھا تو اس میں قصاص ہے۔ یہ اصحاب الحدیث کی ایک جماعت کا قول ہے۔ بخاری میں ہے حضرت عمر نے درہ مارنے کی وجہ سے قصاص لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین کوڑوں کی وجہ سے قصاص لیا شریح نے کوڑے اور خموش (خراش) کی وجہ سے قصاص لیا (1)۔

ابن بطال نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر والوں کو دوائی پلانے کی حدیث اس کے لیے حجت ہے جس نے کہا: ہر تکلیف میں قصاص ہے اگرچہ زخمی نہ بھی ہو۔

مسئلہ نمبر 28۔ عورتوں کے زخموں کی دیت میں اختلاف ہے۔ مؤطا میں ہے امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: مرد کی دیت کے تہائی تک تو عورت کی دیت برابر ہے، عورت کی انگلی، مرد کی انگلی کی طرح ہے، اور اس کا دانت مرد کے دانت کی طرح ہے، اس کا موضحہ، مرد کے موضحہ کی طرح ہے، اس کا منقلہ مرد کے منقلہ کی طرح ہے (2)۔ ابن بکیر نے کہا: امام مالک نے کہا: جب کوئی ایسی جنایت عورت پر کی جائے جو مرد کی دیت کی تہائی تک پہنچ جائے تو وہ مرد کی دیت سے نصف ہوگی (3)۔ ابن المنذر نے کہا: ہم نے یہ قول حضرت عمر اور حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے۔ اور سعید بن مسیب، عمر بن عبدالعزیز، حضرت عروہ بن زبیر، زہری، قتادہ، ابن ہرمز، امام مالک، امام احمد بن حنبل، عبدالملک بن الماجشون کا بھی یہی قول ہے۔ ایک جماعت نے کہا: عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے خواہ وہ زیادہ ہو یا کم ہو، ہم نے یہ قول حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے (4)۔ ثوری، شافعی، ابوثور، نعمان اور ان کے شاگردوں نے بھی یہی کہا ہے انہوں نے یہ حجت پکڑی ہے کہ کثیر دیت پر جب اجماع ہے تو قلیل بھی اس کی مثل ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 29۔ قاضی عبدالوہاب نے کہا ہر وہ عضو جس میں صرف جمال ہے منفعت کوئی نہیں ہے تو اس میں فیصلہ ہوگا جیسے ابرو، داڑھی کے بالوں کا ضائع کر دینا، سر کے بالوں کو ضائع کر دینا، مرد کے پستان وغیرہ۔ اور فیصلہ کا طریقہ یہ ہوگا کہ جس پر جنایت کی گئی ہے اس کی قیمت لگائی جائے گی قیمت میں سے جتنی کم ہوگی وہ دیت کی جزا ہوگی خواہ وہ کہیں تک پہنچ جائے۔ یہ ابن المنذر نے اہل علم سے حکایت کیا ہے۔ فرمایا: اس میں اہل معرفت میں سے دو ثقہ آدمیوں کا قول قبول کیا جائے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدیات، جلد 2، صفحہ 1018
2۔ موطا امام مالک، کتاب العقول، صفحہ 670
2۔ ایضاً
4۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الدیات، جلد 8، صفحہ 96

گا۔ بعض علماء نے فرمایا: ایک عادل شخص کا قول قبول کیا جائے گا۔ واللہ سبحانہ اللہ علم۔

یہ زخموں اور اعضاء کے تمام احکام تھے جو اس آیت کے معنی کے ضمن میں تھے، اکتفا کرنے والے کے لیے یہ کافی ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دینے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 30۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ شرط اور جواب شرط ہے یعنی جس نے قصاص کو معاف کر دیا تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا یعنی معاف کرنے والے کے لیے (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: زخمی کرنے والے کے لیے کفارہ ہوگا اور اس سے آخرت میں جنایت کا مواخذہ نہ ہوگا، کیونکہ وہ اس مقام پر کھڑا ہوگا کہ اس سے حق لیا جائے گا اور اس پر معاف کرنے والے کا اجر ہوگا۔ حضرت ابن عباس نے یہ دو قول ذکر کیے ہیں: پہلا قول اکثر صحابہ اور بعد والے لوگوں کا ہے۔ دوسرا قول حضرت ابن عباس اور مجاہد سے مروی ہے اور ابراہیم نخعی اور شعبی سے اس کے خلاف مروی ہے۔ پہلا قول اظہر ہے، کیونکہ ضمیر عائد مذکور کی طرف لوٹتی ہے اور وہ ''من'' ہے۔ حضرت ابو درداء نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے ''جس مسلمان کو جسم میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے پھر وہ اسے معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیتا ہے'' (2)۔ ابن عربی نے کہا: جو کہتا ہے جب مجروح (زخمی) زخمی کرنے والے کو معاف کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا اس پر کوئی دلیل قائم نہیں، پس اس کا کوئی معنی نہیں (3)۔

وَ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ ۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

''اور ہم نے پیچھے بھیجا ان کے نقش قدم پر عیسیٰ بن مریم کو تصدیق کرنے والا جو اس کے سامنے موجود تھا یعنی تورات اور ہم نے دی اسے انجیل اس میں ہدایت اور نور تھا اور تصدیق کرنے والی تھی جو اس سے پہلے تھا یعنی تورات اور (یہ انجیل) ہدایت اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لیے۔ اور ضرور فیصلہ کیا کریں انجیل والے اس کے مطابق جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس میں اور جو فیصلہ نہ کریں اس کے مطابق جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو وہ لوگ فاسق ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ یعنی ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انبیاء کرام کے پیچھے بھیجا۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی تورات۔ تورات کو انہوں نے حق دیکھا اور اس پر عمل کے وجوب کو دیکھا حتی کہ ناسخ آ گیا۔

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 218　2۔ جامع ترمذی، کتاب الدیات، جلد 1، صفحہ 167

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 632

مُصَدِّقًا عیسیٰ سے حال کی بنا پر منصوب ہے۔ فِيْهِ هُدًى مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ نُوْرٌ، هُدًى پر معطوف ہے مُصَدِّقًا اس میں دو وجہیں ہیں یہ بھی جائز ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہو اور پہلے مُصَدِّقًا پر معطوف ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ الْاِنْجِيْلَ سے حال ہو۔ تقدیر اس طرح ہوگی: وآتیناہ الانجیل مستقرا فیہ ھدیٰ و نور و مصدقاً۔

هُدًى وَّمَوْعِظَةً یہ مُصَدِّقًا پر عطف ہے یعنی ھادیاً و واعظاً۔ لِّلْمُتَّقِيْنَ خصوصی طور پر متقین کا ذکر کیا، کیونکہ وہی ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان کا رفع فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ پر معطوف ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ۔ اعمش اور حمزہ نے فعل کی نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ لام، لام (1) کی ہے اور باقی قراء نے امر کی بنا پر جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ پہلی صورت میں لام وَاٰتَيْنٰهُ کے متعلق ہوگا پس وقف جائز نہ ہوگا، یعنی ہم نے اسے انجیل عطا کی تا کہ انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اس میں اتارا اور جنہوں نے امر کی بنا پر پڑھا ہے تو وہ اس قول کی طرح ہے وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ یہ حکم نئے سرے سے لازم کیا گیا تھا اس سے آغاز کیا گیا تھا یعنی تا کہ انجیل والے اس وقت اس کے مطابق فیصلہ کریں، لیکن اب یہ منسوخ ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ اب بھی نصاریٰ کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم ہے، کیونکہ انجیل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے وجوب کا ذکر ہے، نسخ فروع میں متصور ہوتا ہے اصول میں نہیں ہوتا۔ مکی نے کہا: اختیار جزم ہے، کیونکہ جماعت کا خیال یہی ہے بعد والی وعید اور تہدید اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اہل انجیل کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ لازم کیا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: میرے نزدیک درست یہ ہے کہ یہ دونوں قرائتیں عمدہ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے وہ اس لیے ہے تا کہ اس پر عمل کیا جائے، اس میں جو احکام ہیں ان پر عمل کا حکم دیا، پس دونوں صحیح ہیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ
لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

"(اے حبیب) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے (آسمانی) کتاب ہے اور (یہ قرآن) محافظ ہے اس پر تو آپ فیصلہ فرماویں ان کے درمیان اس سے جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے، ہر ایک کے لیے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تم (سب کو) ایک

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 219

ہی امت لیکن آزمانا چاہتا ہے تمہیں اس چیز میں جو اس نے دی ہے تم کو۔ تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں، اللہ کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم سب نے پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ یہ خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور الْكِتٰبَ سے مراد قرآن ہے(1)۔ بِالْحَقِّ سے مراد امر حق ہے۔ مُصَدِّقًا حال ہے۔ لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ یعنی جنس کتاب سے۔ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ یعنی اس پر بلند۔ یہ اس کی تاویل پر دلیل ہے جو کثرت ثواب میں تفضیل کا قول کرتا ہے جیسا کہ سورۂ فاتحہ میں اشارہ گزر چکا ہے۔ شرح السنۃ میں ابن حصار کا یہی اختیار ہے۔ اور ہم نے یہ سب کچھ اپنی کتاب "شرح الاسماء الحسنیٰ" میں ذکر کیا ہے۔ الحمدللہ۔

قتادہ نے کہا: المهیمن کا معنی شاہد (گواہ) ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی حفاظت کرنے والا ہے(2)۔ حسن نے کہا: اس کا معنی تصدیق کرنے والا ہے۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

إنّ الکتاب مُهیمن لِنبیّنا والحق یعرفهٗ ذووالألباب

حضرت ابن عباس نے کہا: مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ یعنی اس پر امین بنایا گیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: قرآن پہلی کتب کا امین ہے۔ یہ حضرت ابن عباس اور حسن سے بھی مروی ہے۔ المهیمن الامین۔ مبرد نے کہا: اس کی اصل مؤیمن ہے ہمزہ کو ھا سے بدل دیا گیا ہے جس طرح ارقت الماء میں هرقت بولا جاتا ہے۔ یہ زجاج اور ابوعلی نے بھی کہا ہے۔ بعض نے فرمایا: هیمن، یهیمن، هیمنه کا معنی ہے وہ امین تھا۔ جوہری نے کہا: اس کا معنی ہے غیر کو خوف سے امن دینا۔ اصل میں أأمن فهو مؤامن (دو ہمزوں کے ساتھ) پھر دو ہمزوں کے اجتماع کو ناپسند کرنے کی وجہ سے دوسرے ہمزہ کو یا سے بدلا گیا ہے۔ پس یہ مؤیمن بن گیا ہے پھر پہلے ہمزہ کو ھا سے بدلا دیا گیا جیسے انہوں نے کہا: هراق الماء وأراقه۔ کہا جاتا ہے: هیمن علی الشیٔ یهیمن جب کوئی کسی شے کی حفاظت کرنے والا ہو فهو مهیمنٌ ابوعبید سے مروی ہے: مجاہد اور ابن محیصن نے مهیمنا علیه میم کی فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مجاہد نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے محافظ ہیں(3)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ حکم کو واجب کرتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ میں جو تخییر تھی اس کے لیے ناسخ ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ وجوب نہیں ہے معنی یہ ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کرو اگر تم چاہو، کیونکہ ہم پر اہل کتاب کے درمیان فیصلہ کرنا واجب نہیں جب وہ ذمی نہ ہوں۔ اور اہل ذمہ میں تردد ہے، اس میں کلام گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے مخلوق کے درمیان فیصلہ کرو۔ یہ آپ پر واجب تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ یعنی جو تمہارے پاس حق آچکا ہے اس پر ان کی خواہشات اور ان کے مراد کے مطابق عمل نہ کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو احکام بیان فرمائے ہیں ان کے مطابق فیصلہ کرنے کو ترک نہ کرو۔

اَهْوَآءَ جمع ہے هوی کی اور اس کی جمع اهویة نہیں بنائی جاتی۔ سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خواہشات کی پیروی سے منع فرمایا۔ یہ اس شخص کے قول کے بطلان پر دلیل ہے جو کہتا ہے: جو اہل کتاب کے شراب کو

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 219 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 220 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 320

تلف کرے گا اس پر شراب کی قیمت لگائی جائے گی، کیونکہ ان کے لیے مال ہے پس ضائع کرنے والے پر ضمانت ہوگی۔ یہ ضائع کرنے والے پر اس کی ضمانت کا واجب کرنا یہود کی خواہشات کے مطابق فیصلہ کرنے کے مترادف ہے اور ہمیں اس کے خلاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عَمَّا جَآءَكَ کا معنی ہے عن ما جاءك۔ یعنی جو تیرے پاس آیا اس پر۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا یہ پہلی شریعتوں سے تعلق نہ ہونے پر دلیل ہے۔ الشرعة اور الشریعة سے مراد وہ راستہ جو نجات کی طرف پہنچا دے اور لغت میں شریعت سے مراد وہ راستہ ہے جس کے ذریعے پانی تک پہنچا جائے اور الشریعة وہ دین جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے شروع کیا۔ شرع لهم یشرع شرعا اس کا معنی ہے سن۔ سنت قائم کرنا۔ الشارع بڑے راستہ کو کہتے ہیں۔ الشرعة وتر کو بھی کہتے ہیں۔ جمع شِرَعٌ و شِرَعٌ و شراع جمع الجمع ہے۔ ابو عبید سے مروی ہے یہ مشترک ہے۔ المنهاج وہ راستہ جو مستمر ہو، النهج و المنهج کا معنی ہے واضح۔ راجز نے کہا:

مَن یكُ ذَاشَكٍّ فهذا فَلْجٌ ماءٌ رَوَاءٌ و طریق نَهَجُ

ابو العباس محمد بن یزید نے کہا: الشریعة، راستہ کا آغاز، المنهاج (1)، متواتر راستہ حضرت ابن عباس اور حسن وغیرہما سے مروی ہے شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا سنت اور راستہ (2)۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اس نے تورات کو تورات والوں کے لیے اور انجیل کو انجیل والوں کے لیے اور قرآن کو قرآن والوں کے لیے بنایا۔ یہ شرائع اور عبادات میں ہے۔ اصل توحید میں کوئی اختلاف نہیں ہے یہی معنی قتادہ سے مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: الشرعة اور المنهاج سے مراد حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین ہے اس کے ساتھ باقی تمام ادیان کو منسوخ کر دیا گیا (3)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہاری شریعت کو ایک بنا دیتا اور تم حق پر ہوتے پھر بیان فرمایا کہ اختلاف سے مراد ایک قوم کا ایمان اور ایک قوم کا کفر ہے۔ لٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ کلام میں حذف ہے اس کے ساتھ لام کی متعلق ہے یعنی اس نے تمہاری شرائع کو مختلف بنایا تاکہ وہ تمہیں آزمائے۔ ابتلا کا معنی اختبار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ یعنی طاعات کی طرف جلدی کرو۔ یہ دلیل ہے کہ واجبات کو مقدم کرنا، ان کی تاخیر سے افضل ہے۔ یہ تمام عبادات میں حکم ہے مگر نماز کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا خیال ہے کہ اس کی تاخیر اولیٰ ہے اور آیت کا عموم اس کے خلاف دلیل ہے۔ الکیا نے یہ کہا ہے اس میں دلیل ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا، افطار سے افضل ہے۔ یہ تمام سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ جس میں تم نے اختلاف کیا، اور شکوک زائل ہوں گے۔

وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝

1۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 220 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 323 3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 322

”اور یہ کہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور آپ ہوشیار رہیں ان سے کہ کہیں برگشتہ نہ کردیں آپ کو اس کے کچھ حصہ سے جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ بے شک ارادہ کرلیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ سزا دے انہیں ان کے بعض گناہوں کی اور بے شک بہت لوگ نافرمان ہیں“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اس پر کلام گزر چکی ہے اور یہ تخییر کے لیے ناسخ ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ ایک عریض دعویٰ ہے، کیونکہ نسخ کی چار شرائط ہیں، ایک ان میں سے متقدم و متاخر کی تاریخ کا معلوم ہونا ہے اور یہ شرط ان دو آیتوں میں مجہول ہے پس یہ دعویٰ کرنا ممتنع ہے کہ ایک دوسری کے لیے ناسخ ہے، پس حکم اپنے حال پر باقی ہے(1)۔

میں کہتا ہوں: ہم نے ابو جعفر نحاس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت نزول میں متاخر ہے پس یہ آیت ناسخ ہے مگر یہ کہ کلام میں ان شئت مقدر کیا جائے، کیونکہ اس کی تخییر کا ذکر گزر چکا ہے اور کلام کے آخر سے تخییر کو حذف کیا گیا، کیونکہ پہلی کلام اس پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ یہ اس پر معطوف ہے، تخییر کا حکم، معطوف علیہ کے حکم کی طرح ہے۔ یہ دونوں شریک ہیں، دوسرا پہلے سے جدا نہیں ہے، کیونکہ اس کا کوئی معنی نہیں ہے اور یہ صحیح نہیں ہے پس وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے قول کا وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اور فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ پر معطوف ہونا ضروری ہے۔ پس وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کا معنی یہ ہے کہ آپ اس کے مطابق فیصلہ کریں اگر آپ فیصلہ کریں اور حکم کرنا اختیار کریں یہ سب محکم ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ ناسخ منسوخ کے ساتھ معطوف علیہ کی حیثیت سے مرتب نہیں ہوتا۔ پس اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے تخییر محکم ہے، منسوخ نہیں ہے، یہ مکی نے کہا ہے۔ وَ اَنِ احْكُمْ الکتاب پر عطف کی وجہ سے محل نصب میں ہے یعنی ہم نے تیری طرف نازل کیا کہ تم ان کے درمیان فیصلہ کرواسکیں اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا۔ یعنی اللہ کے حکم سے جو اس نے آپ کی طرف اپنی کتاب میں اتارا۔ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ، وَ احْذَرْهُمْ میں ھا اور میم سے (ان) بدل اشتمال ہے یا مفعول لاجلہ ہے یعنی آپ کو برگشتہ کرنے کی وجہ سے۔ ابن اسحاق سے مروی ہے حضرت ابن عباس نے کہا: یہود کے چند علماء جن میں ابن صوریا، کعب بن اسد، ابن صلوبا اور شاس بن عدی بھی تھے یہ جمع ہوئے اور کہا: ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس چلیں شاید ہم انہیں ان کے دین سے برگشتہ کردیں وہ بشر ہی تو ہے۔ وہ آپ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے علماء ہیں اگر ہم آپ کی اتباع کریں گے تو کوئی یہودی ہماری مخالفت نہیں کرے گا ہمارا ایک قوم کے ساتھ تنازع ہے ہم آپ کے پاس فیصلہ لے آئیں گے آپ ہمارے حق میں فیصلہ کردینا حتیٰ کہ ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے (2)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انکار کردیا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور فتنہ کی اصل اختیار ہے جیسا کہ گزر چکا ہے پھر اس کا معنی مختلف ہے پس یہاں يَفْتِنُوْكَ کا معنی ہے وہ آپ کو روکیں گے اور تمہیں دور کریں گے۔ الفتنہ بمعنی الشرک ہوگا اسی سے ہے وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ: 217) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (بقرہ: 193) کبھی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 632
2۔ معالم التنزیل، جلد 2، صفحہ 266

الفتنۃ بمعنی العبرۃ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الممتحنہ: 5) ہمیں نہ بنادے فتنہ کافروں کے لیے۔

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ (یونس) اور ہمیں نہ بنادے فتنہ ظالم قوم کے لیے۔

اور کبھی الفتنۃ کا معنی راستہ سے روکنا ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ اور وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ تاکید کے لیے ہے یا یہ احوال اور احکام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ہر ایک کے متعلق آپ اس کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نسیان کے جواز پر دلیل ہے، کیونکہ فرمایا: اَنْ يَّفْتِنُوْكَ یہ نسیان سے ہوگا عمداً نہیں ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: خطاب تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ کا غیر ہے۔ اس کا بیان سورۃ الانعام میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ کا معنی ہے عن کل ما أنزل اللہ الیك۔ بعض کا لفظ کل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

أو يَعْتَبِطْ بعضَ النُّفوسِ حِمامُها

أو يَرْتَبِطْ بھی مروی ہے کل النفوس کا ارادہ کیا ہے۔ اسی پر محمول کیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو: لِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ (الزخرف: 63)

ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ بعض اس آیت میں اپنی حالت پر ہے۔ اس سے مراد رجم ہے یا حکم سے مراد وہ ہے جس کا یہود نے ارادہ کیا تھا انہوں نے کل سے برگشتہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ تَوَلَّوْا یعنی اگر وہ تیرے حکم کا انکار کریں یا اس سے اعراض کریں۔ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جلاوطنی، جزیہ اور قتل کا عذاب دے گا۔ اسی طرح ہوا تھا۔ فرمایا: (بِبَعْضِ) بعض کے ساتھ سزا ان کی تباہی کے لیے کافی تھی۔ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اس سے مراد یہود ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

"تو کیا وہ جاہلیت کے زمانہ کے فیصلے چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے اس قوم کے نزدیک جو یقین رکھتی ہے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ، اَفَحُكْمَ پر نصب يَبْغُوْنَ کی وجہ سے ہے معنی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ شریف کا حکم، وضیع (گھٹیا) کے حکم کے خلاف کرتے تھے جیسا کہ کئی جگہ گزر چکا ہے۔ یہود ضعیف اور فقراء پر حدود قائم کرتے تھے اور طاقتور اغنیاء پر حدود قائم نہیں کرتے تھے، پس وہ اس فعل میں جاہلیت کے مشابہ تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ سفیان بن عیینہ نے ابن ابی نجیح سے انہوں نے طاؤس سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: جب ان

سے اس شخص کے بارے پوچھا گیا کہ وہ اپنی بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دیتا ہے تو وہ یہ آیت پڑھتے تھے: اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ۔ طاؤس کہتے تھے: کسی کے لیے جائز نہیں کہ بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دے، اگر وہ ایسا کرے گا تو نافذ نہ ہوگا اور فسخ ہوگا۔ اہل ظاہر نے یہی کہا ہے۔ امام احمد بن حنبل سے اسی طرح مروی ہے۔

ثوری، ابن المبارک اور اسحاق نے اس کو مکروہ کہا ہے، اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا اور رد نہیں کیا جائے گا۔ امام مالک، ثوری، لیث، امام شافعی اور اصحاب الرائے نے اس کی اجازت دی ہے اور انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق کے فعل سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ کو دوسروں سے زیادہ دیا تھا اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد: فارجعه (اس بیٹے سے واپس لے لے) اور فاشهد على هذا غيري میرے علاوہ کسی دوسرے کو گواہ بنا۔ سے استدلال کیا ہے اور پہلے مسلک کے علماء نے نبی کریم ﷺ نے بشیر کو جو فرمایا تھا اس سے استدلال کیا ہے آپ نے فرمایا تھا: ''اس کے علاوہ تیری اولاد ہے'' اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: ''کیا تو نے سب کو اس طرح ہبہ کیا ہے'' اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: ''پھر مجھے گواہ نہ بنا میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا''۔ ایک روایت میں ہے ''میں گواہ نہیں بنتا مگر صرف حق پر''۔ علماء نے فرمایا: جو ظلم اور غیر حق ہو وہ باطل ہے جو جائز نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ''اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنا'' یہ شہادت کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس سے زجر کیا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کو جور کہا ہے اور اس میں گواہ بننے سے اجتناب کیا ہے پس مسلمانوں میں کسی کو اس پر گواہ بنانا بھی ممکن نہیں۔ رہا حضرت ابو بکر کا فعل، تو وہ نبی کریم ﷺ کے قول کے معارض نہیں ہو سکتا شاید انہوں نے اپنی دوسری اولاد کو عطیہ دیا ہو جو اس کے برابر ہو۔

اگر کہا جائے کہ اصل انسان کا اپنے مال میں مطلقاً تصرف کرنا ہے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا اصل کلی اور معینہ واقعہ اس اصل کے مخالف ہے ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے جیسے عموم اور خصوص ہوتا ہے اصول میں ہے کہ صحیح خاص پر عام کی بنا ہے، پھر یہ اس نافرمانی کا باعث ہوتا ہے جو بہت بڑا گناہ ہے اور یہ حرام ہے اور جو حرام تک لے جائے وہ ممنوع ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو''۔ نعمان نے کہا: میرے باپ نے رجوع کیا اور وہ صدقہ لوٹا دیا۔ اور صدقہ کو باپ بالاتفاق واپس نہیں کر سکتا اور فارجعه کا ارشاد فاردده کے معنی پر محمول ہے اور فسخ میں لوٹانا ظاہر ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے وہ رد ہے یعنی مردود اور منسوخ ہے'' یہ ظاہر اور قوی ہے اور منع میں واضح ترجیح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن وثاب اور نخعی نے کہا: اَفَحُكْمُ کو رفع يَبْغُوْنَ کے معنی کی بنا پر ہے ضمیر کو حذف کیا گیا جس طرح ابو النجم نے اپنے قول میں حذف کیا ہے:

قد أصبحت أمُّ الخيارِ تدَّعِي عليَّ ذنبًا كلُّه لم أصْنَعِ

كله کو رفع کے ساتھ روایت کیا گیا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہونا بھی جائز ہے افحكم الجاهلية حكم يبغونه پھر موصوف کو حذف کیا گیا۔

حسن، قتادہ، اعرج اور اعمش نے أَفَحُكْمَ کو حا اور کاف کے نصب اور میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ جماعت کی قرأت کے معنی کی طرف راجع ہے، کیونکہ نفس حکم مراد نہیں ہے اس سے مراد حکم ہے گویا فرمایا: أفحکم حکم الجاهلیة یبغون کبھی حکم اور حاکم لغت میں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں وہ اس سے مراد کاہن اور دوسرے جاہلیت کے حکام لیتے ہیں حکم سے مراد عموم اور جنس ہے، کیونکہ اس سے متعین حاکم مراد نہیں لیا گیا۔ مضاف کا جنس واقع ہونا جائز ہے جیسا کہ ان کے قول میں جائز ہے: منعت مصر اردبها وشبهه۔

ابن عامر نے تبغون تا کے ساتھ اور باقی قراء نے یا کے ساتھ پڑھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۞ یہ انکار کی جہت سے استفہام ہے یعنی لا احد احسن۔ یہ مبتدا خبر ہے حکما پر نصب بیان کی بنا پر ہے۔ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ یعنی عند قوم یوقنون۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞

''اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست (مددگار) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جس نے دوست بنایا انہیں تم میں سے، سو وہ انہیں میں سے ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ یہ تَتَّخِذُوا کے دونوں مفعول ہیں یہ شرعاً تعلقات ختم کرنے پر دلیل ہے اس کا بیان سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے، پھر کہا گیا ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں یعنی اے وہ لوگو! جو ظاہراً ایمان لائے وہ مشرکین سے دوستی رکھتے تھے اور انہیں مسلمانوں کے راز بتاتے تھے۔ بعض نے فرمایا: یہ ابولبابۃ کے بارے میں نازل ہوئی جب مسلمان خوفزدہ ہوئے تھے حتیٰ کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ یہود و نصاریٰ سے دوستی لگالیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ حضرت عبادہ بن صامت، عبد اللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی پھر حضرت عبادہ نے تو یہود کی دوستی سے برات کرلی اور ابن ابی نے اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ اس نے کہا: مجھے گردش کا خوف ہے۔

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ یہ مبتدا خبر ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ شرع ان کی آپس میں موالات کو ثابت کرتی ہے حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ یعنی جو تم میں سے مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرے گا۔ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس کا حکم ان کے حکم کی طرح ہے۔ یہ مرتد سے مسلمان کے میراث بانٹنے کے اثبات کو مانع ہے جس نے ان سے دوستی کی تھی وہ ابن ابی تھا پھر یہ حکم قطع دوستی کا قیامت تک باقی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ہود: 113) اور مت جھکو ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ورنہ چھوئے گی تمہیں بھی آگ اور آل عمران میں فرمایا: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

(آل عمران: 28) وہ منافق جو بناتے ہیں کافروں کو (اپنا) دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (آل عمران: 118) اس پر کلام گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ یہ شرط اور جواب شرط ہیں، یعنی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی جس طرح انہوں نے مخالفت کی اور اس سے دشمنی واجب ہے جس طرح ان سے دشمنی واجب ہے اس کے لیے آگ واجب ہے جس طرح ان کے لیے واجب ہے، پس وہ ان سے ہو گیا۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآىِٕرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ؕ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

''سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں یہود و نصاریٰ کی طرف، کہتے ہیں: ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے۔ وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ (تمہیں) دیدے فتح کامل یا (ظاہر کر دے کامیابی کی) کوئی بات اپنی طرف سے تو پھر ہو جائیں گے اس پر جو انہوں نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں نادم۔ اور (اس وقت) کہیں گے ایمان والے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قسمیں اٹھائی تھیں اللہ کی سخت سے سخت کہ وہ یقیناً تمہارے ساتھ ہیں؟ اکارت کیے گئے ان کے اعمال اور ہو گئے وہ (سراسر) نقصان اٹھانے والے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مرض سے مراد شک اور نفاق ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے اس سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی ہیں۔ يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ یعنی وہ ان کی محبت و معاونت میں جلدی کرتے ہیں۔ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآىِٕرَةٌ۔ کہتے ہیں: ہمیں اندیشہ ہے ہم پر کوئی گردش زمانہ آئے خواہ وہ قحط کی صورت میں آئے تو وہ یہود ہمیں نوازیں گے نہیں اور وہ ہم پر مہربانی نہیں کریں گے یا ایسی صورت ہو جائے کہ یہود مسلمانوں پر غالب آ جائیں تو معاملہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رہے گا نہیں، اس لیے ہم یہود سے رشتہ الفت رکھتے ہیں۔ یہ قول معنی کے زیادہ قریب ہے گویا یہ دارت تدور سے ہے یعنی ہمیں گردش زمانہ کا اندیشہ ہے اس پر یہ قول دلالت کرتا ہے: فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ۔ شاعر نے کہا:

يَرُدّ　عنك　القَدَرَ　المقدورا　　و　دائراتِ　الدهر　أن　تَدورا

یعنی گردش زمانہ ایک قوم سے دوسری قوم کی طرف پھر گئی۔ الفتح کے معنی میں اختلاف ہے الفتح کا معنی فیصلہ اور حکم بھی ہے۔ یہ قتادہ وغیرہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ کا فیصلہ آیا تو بنی قریظہ کے جنگ جوؤں کو قتل کر دیا گیا ان کی

عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا اور بنی نضیر کو جلاوطن کیا گیا۔ ابوعلی نے کہا: یہ مسلمانوں کو مشرکین کے شہروں کی فتح عطا کرنا ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ۔ سدی نے کہا: اس سے مراد جزیہ ہے۔ حسن نے کہا: منافقین کے امر کا اظہار کرنا اور ان کے نام بتانا اور ان کے قتل کا حکم دینا مراد ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: شادابی اور خوشحالی کا مسلمان کے لیے اظہار ہے۔ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ یعنی وہ کفار سے دوستی کرنے پر شرمندہ ہوں گے جو وہ مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد دیکھیں گے اور جب وہ موت کو دیکھیں گے اور انہیں عذاب کی بشارت دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا سے مراد اہل مدینہ اور اہل شام ہیں۔ یقول بغیر واؤ کے پڑھا ہے ابو عمرو اور ابن ابی اسحاق نے ویقول واؤ کے ساتھ اور اَنْ يَّاْتِيَ پر عطف کی بنا پر نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اکثر نحویوں کے نزدیک ہے تقدیر اس طرح ہے: فعسی اللہ أن یاتی بالفتح وأن یقول۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ معنی پر عطف ہے، کیونکہ عسی أن یاتی بالفتح کا معنی ہے وعسی أن یاتی اللہ بالفتح، کیونکہ عسی زید أن یاتی و یقوم عمرو۔ جائز نہیں ہے، کیونکہ معنی صحیح نہیں ہے تا جب تو کہتا ہے: وعسی زید أن یقوم عمرو لیکن اگر تو کہتا ہے: عسی أن یقوم زید و یاتی عمرو تو یہ عمدہ تھا اور جب تو اَنْ يَّاْتِيَ میں تقدیم کو مقدر کرتا تو اچھا ہوتا، کیونکہ تقدیر اس طرح ہوگی: عسی أن یاتی و عسی أن یقوم اور یہ اس قول کے باب سے ہوگا:

ورأیت زوجك فی الوغی مُتقلِّدا سیفاً ورُمحا

اس سے تیسرا قول بھی ہے کہ تو اسے الفتح پر عطف کرے جیسا کہ شاعر نے کہا:

لَلُبسُ عَباءۃٍ وتَقَرَّ عینی

اور اَنْ يَّاْتِيَ کو اسم جلالت سے بدل بنانا بھی جائز ہے تقدیر اس طرح ہوگی: عسی أن یاتی اللہ ویقول الذین آمنوا اور کوفیوں نے وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا پہلے سے منقطع کر کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اَهٰۤؤُلَآءِ منافقین کی طرف اشارہ ہے۔ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ انہوں نے قسمیں اٹھائیں اور قسموں میں سختی پیدا کی۔ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ یعنی وہ کہتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اِنَّهُمْ، اَقْسَمُوْا کی وجہ سے منصوب ہو، یعنی مومنوں نے یہود کو توبیخ کی جہت سے کہا: کیا انہوں نے سخت سے سخت قسمیں اٹھائیں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تمہاری مدد کریں گے؟ یہ بھی احتمال ہے کہ مومنین ایک دوسرے کے معاون ہوں گے یعنی یہ قسمیں اٹھاتے ہیں کہ وہ مومن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آج ان کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ یعنی ان کا نفاق باطل ہے۔ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ یعنی ثواب میں گھاٹا پانے والے ہیں۔ بعض نے فرمایا: انہوں نے یہود کی دوستی میں خسارہ اٹھایا اور یہود کے قتل اور ان کے جلاوطن کیے جانے کے بعد انہیں کوئی ثمرہ نہ ملا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

"اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے (تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے، جو نرم ہوں گے ایمانداروں کے لیے، بہت سخت ہوں گے کافروں پر، جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے یہ محض اللہ کا فضل (وکرم) ہے نوازتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ شرط اور جواب شرط فَسَوۡفَ الخ ہے اہل مدینہ اور شام کی قرأت میں من یرتدد یعنی دو دالوں کے ساتھ ہے اور باقی قراء نے مَنۡ یَّرۡتَدَّ پڑھا ہے۔ یہ قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز میں سے ہے، کیونکہ اس نے ان کے ارتداد کی خبر دی اور یہ آپ کے عہد میں نہ تھا اور یہ غیب تھا۔ جو آپ نے خبر دی وہ مدت کے بعد ہوا تھا اور اہل ردت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو عرب مرتد ہو گئے سوائے تین مساجد کے لوگوں کے۔ مسجد مدینہ، مسجد مکہ اور مسجد جوائی اور ان کی ردت دو قسم کی تھی، ایک قسم وہ تھی جنہوں نے پوری شریعت کو پھینک دیا تھا اور اس سے نکل گئے تھے۔ دوسری قسم وہ تھی جنہوں نے زکوٰۃ کے وجوب کو تسلیم نہیں کیا تھا اور اس کے علاوہ اسلام کے احکام کا اعتراف کیا تھا، انہوں نے کہا: ہم نماز، روزہ کریں گے اور زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا اور حضرت خالد بن ولید کو لشکر کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا پس انہوں نے ان سے قتال کیا اور انہیں قیدی بنایا جیسا کہ ان کی اخبار سے مشہور ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّہُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗۤ، یُّحِبُّہُمۡ محل نعت میں ہے۔ یہ حسن، قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔ یہ حضرت ابوبکر اور ان کے ساتھیوں کے بارے نازل ہوئی۔ سدی نے کہا: یہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض نے فرمایا: یہ ایسی قوم کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت موجود نہیں تھی حضرت ابوبکر نے اہل ردت سے ایسی قوم کے ساتھ مل کر جہاد کیا جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود نہ تھے اور وہ یمن کے قبائل ہیں کندہ، بجیلہ اور اشجع۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اشعریین کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس کے تھوڑے عرصہ بعد اشعریین کی کشتیاں آئیں اور سمندری راستہ سے یمن کے قبائل آئے ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام میں آزمائش تھی۔ عراق کی اکثر فتوحات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یمنی قبائل کے ہاتھوں ہوئیں (1)۔ جو اس آیت کے نزول میں کہا گیا ہے یہ اس میں سے اصح ہے۔ واللہ اعلم

حاکم ابو عبد اللہ نے مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف اشارہ فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو فرمایا: یہ اس کی قوم ہے (2)۔ قشیری نے کہا: ابو الحسن کے متبعین اس کی قوم سے

1۔ نوادر الاصول، صفحہ 253 2۔ مستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 313

ہیں، کیونکہ ہر جگہ جہاں قوم کو اس کے نبی کی طرف مضاف کیا گیا ہے اس سے مراد اس کے متبعین ہیں۔

مسئلہ نمبر3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اَذِلَّةٍ قوم کی صفت ہے اسی طرح اَعِزَّةٍ بھی صفت ہے یعنی وہ مومنین سے نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ دابة ذلول جو آسانی سے مطیع بنایا گیا ہو۔ الذل میں سے کسی شے کا دخل نہیں اور وہ کافروں پر بڑے سخت ہیں اور ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ مومنین کے لیے اس طرح ہیں جس طرح باپ، بیٹے کے لیے ہوتا ہے اور سردار، غلام کے لیے ہوتا ہے، وہ کفار پر اس طرح شدید ہیں جیسے شیر اپنے شکار کے لیے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: 29)

یہ بھی جائز ہے کہ اَذِلَّةٍ کی نصب حال کی بنا پر ہو یعنی یُحبھم و یحبّونه فی هذه الحال اس سے پہلے اللہ کا اپنے بندے سے محبت کرنا اور بندوں کا اللہ سے محبت کرنے کا معنی گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وہ صفت کی جگہ میں ہے۔ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ یعنی وہ منافقین کے برعکس ہیں جو گردش زمانہ سے ڈرتے ہیں۔ اس سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی امامت کے ثبوت پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جہاد کیا اور آپ کے بعد مرتدین سے قتال کیا پس معلوم ہوا کہ جن میں یہ صفات ہوں وہ اللہ کے ولی ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت عام ہے ہر اس شخص کو شامل ہے جو قیامت تک کفار سے جہاد کرے گا۔ واللہ اعلم

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یہ مبتدا خبر ہیں۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾ یعنی وسیع فضل والا ہے اپنی مخلوق کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾

''تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (پاک) ہے اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وہ بارگاہ الٰہی میں جھکنے والے ہیں''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا: عبد اللہ بن سلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہماری قوم قریظہ اور نضیر نے ہمیں چھوڑ دیا ہے اور انہوں نے قسمیں اٹھائیں ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ ہم مجلس نہیں ہوں گے۔ اور ہم دور رہنے کی وجہ سے آپ کے اصحاب سے بھی مجلس نہیں کر سکتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عبد اللہ بن سلام نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنین کے مددگار رہنے پر راضی ہیں (1)۔ وَالَّذِيْنَ یہ تمام مومنین کو شامل ہے۔ ابوجعفر محمد بن علی بن حسنین بن علی بن ابی طالب سے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ الخ کا معنی پوچھا گیا: کیا اس سے مراد حضرت علی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 47

رضی اللہ عنہ ہیں؟ فرمایا: علی بھی مومنین میں سے ہیں۔ یہ قول دلیل ہے کہ یہ تمام مومنین کے لیے ہے۔

نحاس نے کہا: یہ واضح قول ہے، کیونکہ الذین جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: یہ حضرت ابوبکر کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی، یہ مجاہد اور سدی کا قول ہے۔ اس قول پر برانگیختہ کیا ہے الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ نے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک سائل نے مسجد نبوی میں سوال کیا تو اسے کسی نے کوئی چیز عطا نہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں رکوع میں تھے اور آپ کے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی تھی آپ نے ہاتھ سے سائل کی طرف اشارہ کیا حتیٰ کہ اس نے وہ انگوٹھی لے لی۔ الکیا طبری نے کہا: یہ دلیل ہے کہ عمل قلیل سے نماز باطل نہیں ہوتی، کیونکہ رکوع میں انگوٹھی کا صدقہ کرنا یہ نماز میں عمل کیا اور اس سے حضرت علی کی نماز باطل نہ ہوئی اور يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ یہ دلالت کرتا ہے کہ نفلی صدقہ کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رکوع میں انگوٹھی کو صدقہ کیا یہ اس ارشاد کی مثل ہے وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (الروم) فرض اور نفل ایک نظم میں ہیں پس زکوٰۃ کا اسم فرض اور نفل کو شامل ہے جیسے صدقہ کا اسم، نماز کا اسم فرض اور نفل کو شامل ہے۔

میں کہتا ہوں: اس جگہ زکوٰۃ سے مراد انگوٹھی صدقہ کرنا ہے اور انگوٹھی صدقہ کرنے پر زکوٰۃ کے لفظ کا حمل، اس میں بعد ہے کیونکہ زکوٰۃ کا لفظ مختص ہے زکوٰۃ کے ساتھ جو فرض ہے اس کا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اس سے پہلے يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ بھی ہے جو قرینہ ہے کہ اس سے مراد یہاں زکوٰۃ ہے۔ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کا معنی ہے وہ نماز کو اپنے حقوق کے ساتھ ان کے اوقات میں ادا کرتے ہیں۔ یہاں مراد فرضی نماز ہے۔ پھر فرمایا: وَهُمْ رٰكِعُوْنَ یعنی نفل ادا کرتے ہیں۔ بعض نے فرمایا: رکوع کا علیحدہ ذکر شرف کے اظہار کے لیے ہے۔ بعض نے فرمایا: مومنین اس آیت کے نزول کے وقت ایسی حالت میں تھے کہ بعض نماز کو مکمل کرنے والے تھے اور بعض رکوع میں تھے۔ ابن خویز منداد نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ نماز میں تھوڑے سے عمل کے جواز کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اور یہ مدح کے طور پر ذکر ہے مدح کے باب میں کم از کم یہ ہے کہ وہ مباح ہو(1)۔ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سائل کو عطا فرمایا جب کہ آپ نماز میں تھے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ نفلی نماز ہو اور یہ فرض نماز میں مکروہ ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مدح دونوں حالتوں کے اجتماع پر متوجہ ہو گویا اس کا وصف بیان کیا گیا ہے جو نماز اور زکوٰۃ کے وجوب کا اعتقاد رکھتا ہے پس نماز کو رکوع سے تعبیر فرمایا اور وجوب کے اعتقاد کو فعل سے تعبیر فرمایا جیسے تو کہتا ہے: المسلمون هم المصلون تو یہ ارادہ نہیں کرتا کہ اس حال میں وہ نماز پڑھ رہے تھے مدح حالت نماز کو متوجہ نہیں بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو یہ فعل کرتا ہے اور اس کا اعتقاد رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ع

”اور (یاد رکھو) جس نے مددگار بنایا اللہ کو اور اس کے رسول کریم کو اور ایمان والوں کو (تو وہ اللہ کے گروہ سے

1۔ احکام القرآن للجصاص

ہیں اور) بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی جس نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے والی کے حکم کی پیروی کی وہ اللہ کا گروہ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قیام، رسول اللہ ﷺ اور مومنین کی نصرت کو مددگار بنایا۔ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ حسن نے کہا: حزب اللہ سے مراد اللہ کا لشکر ہے۔ ان کے علاوہ نے کہا: وہ اللہ کے انصار ہیں۔ شاعر نے کہا: کیف أضوی و بِلال حِزبی

یعنی میں کیسے کمزور سمجھا جاتا ہوں جب کہ بلال میرا مددگار ہے۔

مومنین اللہ کا حزب ہیں یقیناً وہ یہود پر غالب آئے انہیں قیدی بنا کر قتل کر کے اور جلاوطن کر کے اور جزیہ لگا کر۔ احزب لوگوں کا گروہ، اس کا اصل معنی النائبہ مصیبت زدہ لوگ مصیبت پر جمع ہوتے ہیں۔ حزب الرجل سے مراد اس کے اصحاب ہیں الحزب سے مراد ورد بھی ہے اسی سے حدیث ہے: فمن فاته حزبه من اللیل (1) جس سے رات کا وظیفہ او ورد رہ جائے۔ قد حزبت القرآن میں نے قرآن کا ورد کیا۔ الحزب سے مراد گروہ بھی ہے۔ تحزبوا کا معنی ہے جمع ہوئے۔ الاحزاب وہ گروہ جو انبیاء کے ساتھ جنگ کرنے پر جمع ہوئے۔ حزبه امر اس کو کوئی حادثہ پہنچا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

"اے ایمان والو! مت بناؤ ان لوگوں کو جنہوں نے بنا رکھا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور کفار سے (اپنے) دوست اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اگر ہو تم ایماندار"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہود اور مشرکین مسلمانوں پر ہنستے تھے جب مسلمان سجدہ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا، الهزأ کا معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ۔ ابو عمرو اور کسائی نے جر کے ساتھ پڑھا ہے اس معنی میں من الکفار۔ کسائی نے کہا: حضرت ابی کے نسخہ میں من الکفار تھا اور یہاں "من" جنس کے بیان کے لیے ہے۔ نصب زیادہ واضح ہے یہ نحاس کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ قریب ترین عامل پر معطوف ہے اور وہ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ہے پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ یہود و مشرکین کو اپنا مددگار بنائیں اور انہیں بتایا کہ دونوں فریق مومنین کے دین کو مزاق اور کھیل بناتے ہیں، اور جنہوں نے نصب پڑھی ہے انہوں نے الذین پر عطف کیا ہے جو لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا میں ہے یعنی ان کو اور ان کو دوست نہ بناؤ اور اس قرأت میں الهزء اور اللعب سے موصوف یہود

1۔ سنن ابی داؤد، باب نام عن حزبہ، حدیث نمبر 1118، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایضاً سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی من نام عن حزبہ من اللیل، حدیث نمبر 1332، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہیں کوئی دوسرا نہیں اور جن کو دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے وہ یہود و مشرکین ہیں اور دونوں قرأت میں جر کے ساتھ ہیں ھزء اور لعب سے موصوف ہیں۔ مکی نے کہا: نصب پر جماعت کا اتفاق نہ ہوتا تو میں جر کو اختیار کرتا، کیونکہ اعراب میں معنی میں تفسیر اور معطوف علیہ سے قرب میں یہ قوی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے مشرکین و منافقین کو مددگار نہ بناؤ اس کی دلیل یہ ہے اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (بقرہ:14) اور مشرکین تمام کفار ہیں لیکن کفار کا لفظ غالب طور پر مشرکین کے لیے بولا جاتا ہے اس لیے اہل کتاب کا ذکر کافروں سے علیحدہ کیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن خویز منداد نے کہا: یہ آیت اس ارشاد لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست (و مددگار) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (آل عمران:118) نہ بناؤ اپنا راز دار غیروں کو۔

منع اپنے ضمن میں مشرکین کی تائید، ان کی مدد وغیرہ کو شامل ہے۔ حضرت جابر نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب احد کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا تو یہود کی ایک قوم آئی اور کہا: ہم آپ کے پاس چلیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم اپنے معاملہ میں مشرکین سے مدد حاصل نہیں کرتے''۔ یہ مذہب شافعی میں سے صحیح ہے۔ امام ابو حنیفہ نے مشرکین کے خلاف یہود سے مدد لینے کو مسلمانوں کے لیے جائز قرار دیا ہے اور کتاب اللہ اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے نیز حدیث میں بھی ایسا موجود ہے۔ واللہ اعلم (1)

وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ۝۵۸

''جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی آذان دیتے ہو) تو وہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشہ یہ (حماقت) اس لیے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے''۔

اس میں بارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ الکلبی نے کہا: جب موذن اذان دیتا اور مسلمان نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہود کہتے: وہ کھڑے ہوئے کبھی کھڑے نہ ہوں، وہ ہنستے تھے جب مسلمان رکوع اور سجدہ کرتے تھے وہ اذان کے بارے میں کہتے: انہوں نے یہ بدعت نکالی ہے، ہم نے گزشتہ قوموں میں ایسی چیز نہیں سنی، یہ تیرے لیے قافلہ کے چیخنے کی طرح چیخنا کہاں سے آیا ہے، یہ کتنی قبیح آواز ہے اور یہ معاملہ کتنا برا ہے(2)۔ بعض علماء نے کہا: جب موذن نماز کے لیے اذان دیتا تھا تو وہ آپس میں ہنستے تھے اور بطور استہزا اشارے کرتے تھے اور مسلمانوں کو بے وقوف اور جاہل قرار دیتے تھے اور لوگوں کو اس سے نفرت دلاتے تھے اور نماز کی طرف بلانے والے سے دور کرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ نماز کی طرف دعوت دینے والے کو نماز کے ساتھ استہزا اور مذاق کرنے والے کی طرح دیکھتے تھے، کیونکہ وہ نماز کی قدر و منزلت سے ناواقف تھے پس یہ آیت نازل ہوئی اور یہ ارشاد نازل ہوا: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (حم السجدہ:33)

1۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 85　2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 48

النداء کا معنی بلند آواز سے پکارنا ہے اس کو ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے جیسے الدعاء، الرغاء، ناداہ، منادا ۃ و نداء اس کا معنی ہے اس نے اسے آواز دی۔ تنادوا یعنی ایک دوسرے کو پکارا۔ تنادوا کا معنی ہے وہ مجلس میں بیٹھے۔ ناداہ اس نے اسے مجلس میں بٹھایا۔ قرآن میں اذان کا ذکر صرف اسی جگہ ہے لیکن سورۂ جمعہ میں بطور اختصاص ذکر کیا گیا ہے۔(1)

مسئلہ نمبر2۔ علماء نے فرمایا: ہجرت سے پہلے مکہ میں اذان نہیں تھی وہ اس طرح آواز دیتے تھے الصلوٰۃ جامعۃ۔ جب نبی کریم ﷺ نے ہجرت کی اور قبلہ، کعبہ کی طرف پھیرا گیا تو اذان کا حکم دیا گیا اور الصلوٰۃ جامعۃ کی صدا کسی ایسے امر کے لیے باقی رہی جو پیش آجاتا۔ نبی کریم ﷺ کو اذان کے امر نے پریشان کیا حتیٰ کہ حضرت عبد اللہ بن زید اور حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابو بکر صدیق کو خواب میں اذان دکھائی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات آسمان میں اذان سنی تھی (2)۔ حضرت عبد اللہ بن زید خزرجی انصاری اور حضرت عمر بن خطاب کے خواب مشہور ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن زید نے نبی کریم ﷺ کو اس کے متعلق رات کو ہی بتا دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھنے کے بعد کہا: جب صبح ہوگی تو آپ کو بتاؤں گا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی جس طرح آج اذان دی جاتی ہے۔

حضرت بلال نے صبح کی اذان میں یہ زیادتی کی الصلوٰۃ خیر من النوم۔ رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ کو قائم رکھا اور یہ انصاری کے خواب میں نہیں تھے۔ ابن سعد نے یہ حضرت ابن عمر سے ذکر کیا ہے (3)۔ دارقطنی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کو اذان خواب میں دکھائی گئی انہوں نے اس کے متعلق نبی کریم ﷺ کو آگاہ کیا۔ نبی کریم ﷺ نے انصاری کے خبر دینے سے پہلے حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا تھا۔ یہ انہوں نے اپنی کتاب "المدبج" میں نبی کریم ﷺ کی حدیث میں ذکر کیا ہے جو انہوں نے حضرت ابو بکر سے روایت کی ہے اور حضرت ابو بکر کی حدیث میں جو انہوں نے ان سے روایت کی ہے۔

مسئلہ نمبر3۔ اذان اور اقامت کے وجوب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک اور ان کے اصحاب کے نزدیک اذان مساجد میں جماعت کے لیے واجب ہے جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ موطا میں امام مالک نے اس پر نص قائم کی ہے۔ امام مالک کے متاخرین اصحاب میں اختلاف ہے ان کے دو قول ہیں (۱) شہر اور جو قصبہ شہر کی طرح ہے ان پر اس کا ادا کرنا سنت مؤکدہ واجب علی الکفایہ ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ فرض علی الکفایہ ہے۔ اسی طرح اصحاب شافعی کا اختلاف ہے۔ طبری نے امام مالک سے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر شہر والے اذان جان بوجھ کر چھوڑ دیں تو وہ نماز کا اعادہ کریں۔ ابو عمر نے کہا: میں شہر والوں پر اذان کے وجوب پر کوئی اختلاف نہیں جانتا ہوں، کیونکہ اذان دار الاسلام اور دار الکفر کے درمیان جدائی اور تفریق کرنے والی علامت ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر کو بھیجتے تھے تو اسے فرماتے تھے: "جب تم اذان سنو تو رک جاؤ اور جب تم اذان نہ سنو تو حملہ کر دو" اور صحیح مسلم میں ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ طلوع فجر کے وقت حملہ کرتے تھے جب اذان سن لیتے تو حملہ نہ کرتے تھے ورنہ حملہ کر دیتے تھے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی 2۔ طبرانی، الاوسط، حدیث نمبر 9243

3۔ ابن ماجہ، کتاب الاذان والسنۃ فیہ، حدیث نمبر 698، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عطا، مجاہد، اوزاعی اور داؤد نے کہا: اذان فرض ہے انہوں نے فرض کفایہ نہیں کہا۔ طبری نے کہا: اذان سنت ہے، واجب نہیں ہے، انہوں نے اشہب عن مالک کے سلسلہ سے یہ روایت کیا ہے اگر مسافر جان بوجھ کر اذان چھوڑ دے تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے۔ کوفیوں نے مکروہ کہا ہے کہ مسافر بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھے انہوں نے کہا: رہا شہر میں رہنے والا تو اس کے لیے اذان اور اقامت کہنا مستحب ہے اگر لوگوں کی اذان اور اقامت کو کافی سمجھا تو بھی جائز ہوگا۔ ثوری نے کہا: سفر میں اذان کے قائم مقام اقامت ہو جاتی ہے اگر تو چاہے تو اذان دے اور اقامت بھی کہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: مسافر اذان دے، کیونکہ حضرت مالک بن حویرث کی حدیث اس پر دلیل ہے(1)۔ داؤد نے کہا: اذان اور اقامت ہر مسافر پر واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مالک بن حویرث کو اور ان کے ساتھی کو فرمایا: ”جب تم دونوں سفر میں ہو تو اذان دو اور تکبیر کہو اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرائے“۔ اس کو بخاری نے نقل کیا ہے اور یہ اہل ظاہر کا قول ہے۔ ابن المنذر نے کہا: یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مالک بن حویرث اور اس کے چچا کے بیٹے کو کہا: ”جب تم سفر میں ہو تو اذان دو اور تکبیر کہو اور تم میں سے بڑا امامت کرائے“(2)، ابن المنذر نے کہا: اذان اور اقامت سفر و حضر میں ہر جماعت پر واجب ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اذان کا حکم دیا اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

ابو عمر نے کہا: امام شافعی، امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب، ثوری، احمد، اسحاق، ابوثور اور طبری کا اتفاق ہے کہ مسافر جب جان بوجھ کر یا بھول کر اذان ترک کر دے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح ان کے نزدیک حکم ہے جب اقامت کو ترک کر دیں اقامت ترک کرنے میں زیادہ کراہت ہے۔ امام شافعی نے حجت پکڑی ہے کہ اذان واجب نہیں اور نہ نماز کے فرائض میں سے فرض ہے، کیونکہ مزدلفہ اور عرفہ میں نمازوں کے جمع کرنے کے وقت ایک نماز کے لیے اذان ساقط ہو جاتی ہے۔ امام مالک کا مذہب سفر میں اذان کے بارے میں امام شافعی کے مذہب کی طرح ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام مالک اور امام شافعی اور ان کے اصحاب کا اتفاق ہے کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ ہیں اور تکبیر (اقامت) کے کلمات ایک ایک مرتبہ ہیں مگر امام شافعی پہلی تکبیر کو چار مرتبہ کہتے ہیں۔ یہ حضرت ابومحذورہ کی حدیث میں ثقہ راویوں سے محفوظ ہے اور حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں بھی اسی طرح ہے(3) فرمایا: یہ ایسی زیادتی ہے جس کا قبول کرنا واجب ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ اہل مکہ کی اذان ہمیشہ حضرت ابومحذورہ کی آل میں رہی، اسی طرح ان کے زمانہ تک ہے۔ ان کے اصحاب نے کہا: اب بھی ان کے نزدیک اسی طرح ہے۔ اور امام مالک کا جو نظریہ ہے وہ حضرت ابومحذورہ کی اذان میں اور حضرت عبداللہ بن زید کی اذان میں احادیث صحاح میں موجود ہے ان کے نزدیک مدینہ طیبہ میں آل سعد قرظی میں ابھی تک موجود ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا اذان میں ترجیع پر اتفاق ہے اور یہ موذن کا اشهد ان لا اله الا الله دو مرتبہ کہنا اور اشهد ان محمدا رسول الله دو مرتبہ کہنا ہے۔ پھر دو دو مرتبہ آواز کو بلند اور لمبا کر کے کہنا ہے۔ امام مالک، امام شافعی کا اقامت میں کوئی اختلاف نہیں مگر قد قامت الصلوٰۃ میں اختلاف ہے۔ امام مالک اس کو ایک مرتبہ کہتے ہیں اور امام

1۔ الاستذکار، جلد 4، صفحہ 80　　2۔ ایضاً　　3۔ سنن ابی داود، باب کیف الاذان، حدیث نمبر 421، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

شافعی دو مرتبہ کہتے ہیں: اکثر علماء کی رائے امام شافعی کے قول پر ہے، آثار بھی اس کے متعلق مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ، ثوری اور حسن بن حی نے کہا: اذان اور اقامت دونوں کے کلمات دو دو مرتبہ کہنے ہیں ان کے نزدیک ابتدا میں تکبیر اور اذان میں اللہ اکبر چار چار مرتبہ ہے۔ ان علماء کے نزدیک اذان میں ترجیع (ایک مرتبہ کلمہ شہادت کہنا اور دوبارہ بلند آواز سے کہنا) نہیں ہے ان کی حجت حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی حدیث ہے فرمایا: ہمیں اصحاب محمد نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن زید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا ہے گویا ایک شخص کھڑا ہے اور اس پر دو سبز چادریں ہیں وہ دیوار کے ایک کونے پر کھڑا ہے اس نے اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہے اور اقامت کے کلمات بھی دو دو مرتبہ کہے اور اذان اور اقامت کے درمیان وہ بیٹھا حضرت بلال نے اس کو سنا اور کھڑے ہوئے دو دو مرتبہ اذان کے کلمات کہے اور پھر تھوڑا سا بیٹھے اور پھر اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہے۔ اس حدیث کو اعمش وغیرہ نے حضرت عمرو بن مرۃ سے انہوں نے ابن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے یہی تابعین اور فقہاء عراق کا قول ہے (1)۔ ابو اسحاق سبیعی نے کہا: اصحاب حضرت علی او حضرت عبداللہ اذان اور اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے یہ کوفیوں کی اذان ہے۔

نسل در نسل یہ طریقہ چلا آرہا ہے جیسا کہ حجازیوں میں متوارث ہے ان کی اذان میں تکبیر چار مرتبہ ہے جیسا کہ مکیوں کے ہاں ہے پھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ایک مرتبہ ہے اور اشهد ان محمد رسول الله ایک مرتبہ ہے پھر حی علی الصلوٰۃ ایک مرتبہ ہے پھر حی علی الفلاح ایک مرتبہ ہے پھر موذن آواز کو اونچا کر کے کلمہ شہادت کہے اور اشهد ان لا اله الا الله آگے مکمل اذان کہے آخر تک دو دو مرتبہ۔ ابو عمر نے کہا: امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، داؤد بن علی، محمد بن جریر طبری کا خیال ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس کے مطابق اذان و اقامت جائز ہے انہوں نے اس کو اباحت اور تخییر پر محمول کیا ہے انہوں نے فرمایا: ہر صورت جائز ہے، کیونکہ ہر صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ان کے صحابہ نے اس پر عمل کیا ہے جو چاہے اذان کی ابتدا میں اللہ اکبر دو مرتبہ کہے اور جو چاہے یہ چار مرتبہ کہے، جو چاہے ترجیع کرے اور جو چاہے ترجیع نہ کرے، جو چاہے اقامت دو مرتبہ کہے، جو چاہے ایک مرتبہ کہے سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے کلمات کے یہ ہر حال میں دو دو مرتبہ کہے (2)۔

مسئلہ نمبر 5۔ صبح کی نماز کے لیے تثویب میں اختلاف ہے اور تثویب سے مراد موذن کا قول ہے الصلوٰۃ خیر من النوم۔ امام مالک، ثوری اور لیث نے کہا: صبح کی اذان میں موذن حی علی الفلاح دو مرتبہ کہنے کے بعد دو مرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہے یہ امام شافعی کا عراق میں قول تھا اور مصر میں یہ ہے کہ یہ نہ کہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: اگر چاہے تو اذان سے فارغ ہونے کے بعد یہ کہے، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ کلمہ نفس اذان سے ہے اور فجر کی نماز میں لوگوں کا یہی معمول ہے۔ ابو عمر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت ابو محذورہ کو حکم دیا کہ وہ صبح کی اذان میں

1۔ الاستذکار، جلد 4، صفحہ 14 2۔ شرح معانی الآثار میں اس پر مفصل بحث موجود ہے۔

الصلوٰۃ خیر من النوم کہے۔ ان سے حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں مروی ہے(1)۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا سنت سے ہے۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ یہ کہتے تھے۔ رہا موطا میں امام مالک کا قول کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ موذن حضرت عمر کو صبح کی نماز کے متعلق آگاہ کرنے کے لیے آیا تو اس نے آپ کو سویا ہوا پایا، موذن نے کہا: الصلوٰۃ خیر من النوم تو حضرت عمر نے کہا: یہ صبح کی اذان میں کہا کرو، میں یہ نہیں جانتا کہ یہ حضرت عمر سے اس جہت سے مروی ہے کہ اس سے حجت پکڑی جائے اور اس کی صحت کو جانا جائے اس میں ہشام بن عروہ کی حدیث ہے جو ایک شخص سے مروی ہے جسے اسماعیل کہا جاتا ہے میں اس کو جانتا ہوں۔

ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں عبدہ بن سلیمان نے بیان کیا انہوں نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے ایک شخص سے روایت کیا جس کو اسماعیل کہا جاتا ہے اس نے کہا: موذن آیا اس نے حضرت عمر کو صبح کی نماز کے متعلق آگاہ کیا، اس نے کہا: الصلوٰۃ خیر من النوم، حضرت عمر کو اس پر تعجب ہوا، حضرت عمر نے موذن کو کہا: اس کو اپنی اذان میں رکھ۔ ابو عمر نے کہا: میرے نزدیک اس میں معنی یہ ہے کہ انہوں نے موذن کو کہا: صبح کی اذان اس قول کی جگہ ہے یہ اس کا مقام نہیں ہے گویا حضرت عمر نے امیر کے دروازے پر اس سے دوسری ندا کو ناپسند کیا جیسا کہ امراء نے بعد میں اس کو ایجاد کر لیا۔ ابو عمر نے کہا: مجھے اس تاویل پر ایک مخصوص وجہ نے ابھارا اگرچہ خبر کا ظاہر اس کے خلاف ہے، کیونکہ صبح کی نماز میں تثویب علماء کے نزدیک مشہور ہے اور عام لوگ یہ خیال کریں گے کہ حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ناواقف تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں حضرت بلال کو اور مکہ میں حضرت ابو محذورہ کو اس کا حکم دیا تھا یہ حضرت بلال اور حضرت ابو محذورہ کی اذان میں محفوظ اور معروف ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صبح کی نماز کے لیے اذان دی جاتی تھی۔ یہ علماء کے نزدیک مشہور ہے۔ وکیع نے سفیان سے انہوں نے عمران بن مسلم سے انہوں حضرت سوید بن غفلہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے مؤذن کی طرف پیغام بھیجا کہ جب تو حی علی الفلاح پر پہنچے تو پھر کہہ الصلوٰۃ خیر من النوم کیونکہ یہ حضرت بلال کی اذان ہے اور یہ معلوم ہے کہ حضرت بلال نے حضرت عمر کے لیے اذان نہیں دی تھی اور نہ رسول اللہ کے بعد انہوں نے اس کو سنا تھا مگر ایک مرتبہ جب وہ شام میں داخل ہوئے تھے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ سنت یہ ہے کہ اذان وقت داخل ہونے کے بعد دی جائے گی سوائے فجر کی اذان کے۔ فجر کی اذان امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق اور ابو ثور کے قول میں طلوع فجر سے پہلے دی جائے گی ان کی حجت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ حضرت بلال رات کو اذان دیتے ہیں تم (اس وقت) کھاؤ پیو حتی کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اذان دے۔ امام ابو حنیفہ، ثوری اور امام محمد بن حسن نے کہا: صبح کی نماز کے لیے اذان اس کے وقت کے داخل ہونے کے وقت دی جائے گی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک بن حویرث اور اس کے ساتھی کو فرمایا: ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہنا اور اقامت کہنا اور تم میں سے بڑا امامت کرائے'' اور ان علماء نے بقیہ نمازوں پر اس کو قیاس کیا ہے۔ اہل حدیث کہتے

1۔ سنن ابی داود، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف الاذان، حدیث نمبر 422، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہیں: جب مسجد کے لیے دو موذن ہوں تو ایک طلوع فجر سے پہلے اذان دے اور دوسرا طلوع فجر کے بعد اذان دے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اس میں اختلاف ہے کہ موذن جو اذان دیتا ہے تکبیر اس کے علاوہ کوئی اور کہے۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت محمد بن عبداللہ بن زید عن ابیہ کے سلسلہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا، کیونکہ انہوں نے خواب میں اذان دیکھی تھی کہ وہ حضرت بلال کو اذان کے کلمات سکھائیں۔ حضرت بلال نے اذان دی پھر حضرت عبداللہ بن زید کو اقامت کہنے کا حکم دیا تو اس نے اقامت کہی (1)۔ ثوری، امام شافعی اور لیث نے کہا: جو اذان دے وہی اقامت کہے، کیونکہ عبدالرحمن بن زیاد بن انعم کی حدیث ہے جو انہوں نے زیاد بن نعیم سے انہوں نے حضرت زیاد بن حرث صدائی سے روایت کی ہے، فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب صبح کا آغاز ہوا تو آپ نے مجھے اذان دینے کا حکم دیا میں نے اذان کہی پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت بلال اقامت کہنے کے لیے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”(تمہارے بھائی) صدائی نے اذان دی ہے جو اذان دے وہی اقامت کہے“ (2)۔ ابو عمر نے کہا: عبدالرحمن بن زیاد افریقی ہے اکثر علماء اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں، یہ حدیث ان کے علاوہ کسی سے مروی نہیں ہے، پہلی حدیث سند کے اعتبار سے احسن ہے۔ اگر افریقی کی حدیث صحیح ہو، کیونکہ بعض اہل علم نے ان کی توثیق کی ہے اور ان کی تعریف کی ہے تو اس کا قول اولی ہے، کیونکہ اختلاف کے موقع میں وہ نص ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن زید کا واقعہ جو حضرت بلال کے ساتھ ہوا اس سے یہ موخر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری امر کی اتباع اولی ہے۔ نیز میں پسند کرتا ہوں کہ جب موذن ایک متعین ہو تو وہی تکبیر کہے، اگر کسی دوسرے نے اقامت کہہ دی تو نماز بالاجماع ہو جائے گی۔

مسئلہ نمبر 8۔ موذن کے لیے حکم ہے کہ وہ اذان کو آہستہ آہستہ دے اور اس میں راگ نہ لگائے جس طرح آج اکثر جہلاء کرتے ہیں بلکہ اکثر لوگوں نے اسے گانے اور راگ سے بھی آگے نکال دیا ہے۔ اس میں کئی ترجیعات کرتے ہیں اور کثرت سے تقطیعات کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے دارقطنی نے ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس کے سلسلہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موذن تھا جو اذان میں گانے کی طرز لگاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ”اذان آسان نرم ہے جب تیری اذان آسان نرم ہو تو فبہا ورنہ تو اذان نہ دے“۔ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک موذن قبلہ کی طرف منہ کرے اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے وقت دائیں بائیں اپنے سر کو پھیرے یہ اکثر اہل علم کے نزدیک ہے۔ امام احمد نے فرمایا: اپنے سر کو نہ پھیرے مگر یہ کہ وہ منارہ میں ہو اور وہ لوگوں کو آواز سنانا چاہتا ہو یہی اسحاق کا قول ہے۔ افضل یہ ہے کہ موذن باوضو اذان دے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اذان سننے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ شہادتیں کے آخر تک اذان کے کلمات کو دوہرائے اگر مکمل اذان کے کلمات دوہرائے تو بھی جائز ہے، کیونکہ حضرت ابو سعید کی حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عمر بن

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الرجل یوذن ویقیم آخر، حدیث نمبر 430، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابن ماجہ، باب السنۃ فی الاذان، حدیث نمبر 708، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خطاب سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب موذن اللہ اکبر، اللہ اکبر کہے، تو تم میں سے ہر سننے والا شخص کہے: اللہ اکبر، اللہ اکبر پھر موذن اشھد أن لا الہ إلا اللہ کہے تو وہ بھی اشھد أن لا الہ إلا اللہ کہے پھر موذن اشھد أن محمدا رسول اللہ کہے تو وہ بھی کہے اشھد أن محمدا رسول اللہ پھر موذن حی علی الصلوٰۃ کہے تو سننے والا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے پھر موذن حی علی الفلاح کہے تو وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے پھر وہ اللہ اکبر، اللہ اکبر کہے تو وہ بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہے پھر موذن لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو وہ بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے۔ دل سے جو یہ کہے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس کے متعلق حضرت سعد بن ابی وقاص نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے کہا جب وہ موذن کو سنے اشھد أن لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وأن محمداً عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا و بمحمد رسولاً وبالاسلام دینا تو اس کے پہلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اذان اور موذن کی فضیلت: اس کے متعلق بہت سے صحیح آثار مروی ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جس کو مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ کر کے بھاگتا ہے اس کی باآواز بلند ہوا خارج ہو رہی ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ اذان نہیں سنتا''۔ تیرے لیے یہ کافی ہے کہ اذان اسلام کا شعار ہے، ایمان پر علامت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، رہا موذن تو مسلم نے حضرت معاویہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے روز سب سے لمبی گردنوں والے موذن ہوں گے، یہ اس دن کی ہولناکی سے امن کی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم۔ عرب گردن کی طوالت سے مراد قوم کا معزز و معتبر شخص لیتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا:

طوال أَنْضِيَةِ الأَعْنَاقِ واللِّمَمِ

مؤطا میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''موذن کی اذان کو جن وانس اور جو چیز بھی سنتی ہے وہ قیامت کے روز اس کے لیے گواہی دے گی'' اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ثواب کی نیت سے سات سال اذان دی اس کے لیے آگ سے برأت لکھی جاتی ہے'' (1)۔ اس میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے بارہ سال اذان دی اس کے لیے جنت واجب ہوگی اور اس کے لیے اذان کے عوض ہر روز ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ہر اقامت کی وجہ سے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں'' (2)۔ ابو حاتم نے کہا: یہ سند منکر ہے اور حدیث صحیح ہے حضرت عثمان بن ابی العاص سے مروی ہے فرمایا: ''مجھے جو آخری وصیت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ میں کوئی ایسا موذن نہ لوں جو اذان پر اجرت لے (3)۔ یہ حدیث ثابت ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اذان پر اجرت لینے میں علماء کا اختلاف ہے، قاسم بن عبد الرحمٰن اور اصحاب الرائے نے اس کو مکروہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاذان، حدیث نمبر 718، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ ایضاً، حدیث نمبر 719
3۔ سنن ابن ماجہ، باب السنۃ فی الاذان، حدیث نمبر 705، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کہا ہے اور امام مالک نے اس میں رخصت دی ہے، فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام اوزاعی نے کہا: یہ مکروہ ہے اور بیت المال سے اس کی اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: موذن کو وظیفہ خمس کے خمس سے یعنی نبی کریم ﷺ کے حصہ سے دیا جائے گا۔ ابن المنذر نے کہا: اذان پر اجرت لینا جائز نہیں۔ ہمارے علماء نے اجرت لینے پر حضرت ابو محذورہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس میں نظر ہے اس حدیث کو نسائی اور ابن ماجہ وغیرہما نے روایت کیا ہے فرمایا: میں ایک جماعت کے ساتھ نکلا ہم کسی راستہ میں تھے تو رسول اللہ ﷺ کے موذن نے آپ ﷺ کے سامنے اذان دی، ہم نے موذن کی آواز سنی جب کہ ہم اس سے اعراض کرنے والے تھے، ہم اس کا مذاق اڑاتے ہوئے چیخے۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو آپ نے کچھ لوگوں کو ہماری طرف بھیجا آپ ﷺ کے سامنے انہوں نے ہمیں بٹھا دیا آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم میں سے کون تھا جس کی میں نے بلند آواز سنی'' تمام لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا اور سچی بات کہی۔ آپ ﷺ نے سب کو جانے کی اجازت دے دی اور مجھے روک لیا آپ نے مجھے فرمایا: ''تم اٹھو اور اذان دو'' میں اٹھا تو میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے امر سے کوئی چیز زیادہ ناپسندیدہ نہ تھی اور جس کا مجھے آپ نے حکم دیا تھا اس سے زیادہ ناگوار امر نہ تھا، میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا تو خود رسول اللہ ﷺ نے مجھے اذان کے کلمات سکھائے فرمایا: ''کہو اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد أن لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمداً رسول اللہ، اشھد أن محمداً رسول اللہ پھر مجھے فرمایا: اپنی آواز کو بلند کر اور لمبا کر کے کہہ اشھد أن لا الہ الا اللہ، اشھد أن لا الہ الا اللہ، اشھد أنّ محمدا رسول اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح حی علی الفلاح، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔ پھر مجھے بلایا جب میں نے اذان مکمل کر لی آپ نے مجھے ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی پھر آپ نے حضرت ابو محذورہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھا، پھر اسے اس کے چہرے پر گزارا پھر اس کے سینہ پر گزارا پھر جگر پر گزارا حتی کہ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ حضرت ابو محذورہ کی ناف تک پہنچ گیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تیرے لیے برکت دے، اللہ تیرے لیے برکت دے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے مکہ میں اذان دینے کا حکم فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تجھے حکم دیا'' تو میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کے لیے جو کراہیت تھی وہ سب ختم ہو گئی اور اس کی جگہ رسول اللہ ﷺ کی محبت پیدا ہو گئی میں مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے عامل عتاب بن اسید کے پاس آیا میں نے رسول اللہ ﷺ کے امر سے ان کے ساتھ نماز کے لیے اذان دی (1)۔ یہ ابن ماجہ کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ یعنی یہ عقل سے محروم ہیں جو عقل قبائح سے منع کرتی ہے، گویا یہ ان کی طرح ہیں جن کے پاس عقل نہیں ہوتی۔ روایت ہے کہ ایک نصرانی تھا جو مدینہ طیبہ میں رہتا تھا جب اس نے موذن کو اشھد ان محمدا رسول اللہ کہتے سنا تو اس نے کہا: حرق الکاذب جھوٹا آگ سے جلایا گیا۔ پس اس عیسائی کے گھر میں آگ کا ایک شعلہ گرا جب کہ وہ سویا ہوا تھا اس شعلہ نے اس کے گھر اور اس کافر کو جلا دیا۔ یہ مخلوق کے لیے عبرت تھی۔

1۔ سنن ابی داود، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف الاذان، حدیث نمبر 422، 425، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

آزمائش کلام کے سپرد کی گئی ہے کبھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ انہیں ڈھیل دی جاتی تھی حتی کہ انہیں فتح ہوتی تھی پس اس کے بعد ان کو موخر نہیں کیا جائے گا، یہ ابن عربی نے ذکر کیا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۞ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۞

''آپ فرمایئے: اہل کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اتارا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے تم میں سے فاسق ہیں۔ آپ (انہیں) فرمایئے: کیا میں آگاہ کروں تمہیں کہ کون برا ہے ان سے باعتبار جزا کے اللہ کے نزدیک؟ وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی وہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہ راست سے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہود کا ایک گروہ آیا، جن میں ابو یاسر بن اخطب اور رافع بن ابی رافع بھی تھا نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ آپ کن رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں یہ آیت پڑھی: اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۞ (بقرہ) جب آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا تو یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے کہا: بخدا ہم کوئی ایسے دین والے نہیں جانتے جو دنیا و آخرت میں تم سے زیادہ کم حصہ والے ہوں اور تمہارے دین سے برا دین نہیں جانتے تو یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی یہ اس آیت کے ساتھ متصل ہے جس میں انہوں نے اذان کا انکار کیا تھا۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی شہادت کی جامع ہے اور اس کے دین کے نہ ہونے کو بیان کرنے والی ہے جو انبیاء کے درمیان فرق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا دین نہیں جو تمام انبیاء پر ایمان لاتا ہے اور تا میں لام کو ادغام کرنا جائز ہے ان کے قرب کی وجہ سے تَنْقِمُوْنَ کا معنی ہے تم ناراض ہوتے ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے تم ناپسند کرتے ہو۔ بعض نے فرمایا: تم انکار کرتے ہو۔ یہ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ کہا جاتا ہے: نقم من کذا، ینقِمُ، نقم ینقم۔ پہلا مادہ زیادہ ہے۔ عبداللہ بن قیس نے کہا:

مَا نَقَمُوا من بنی اُمَيَّةَ اِلَّا أنهم يحلمون اِن غَضِبُوا

قرآن میں ہے: وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ (البروج: 8) کہا جاتا ہے: نقمت علی الرجل فانا ناقم جب تو کسی پر ناراض ہو کر کہا جاتا ہے: ما نقمت علیہ الاحسان۔ کسائی نے کہا: نقمت قاف کے کسرہ کے ساتھ ایک لغت ہے نقمت الامر و نقمته جب تو کسی کو ناپسند کرے۔ انتقم الله منه الله نے اس سے انتقام لیا، اسے سزا دی، اس سے اسم النقمة ہے اس کی جمع نقمات اور نقم ہے جیسے کلمة کی جمع کلمات اور کلم ہے اگر تو چاہے تو قاف کو ساکن کر دے اور اس کی حرکت نون کی طرف منتقل کر دے اور تو کہے: نقمة اور جمع نقم جیسے نعمة جمع نعم۔

اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ یہ محل نصب میں ہے اس کا ناصب تَنْقِمُوْنَ ہے اور تَنْقِمُوْنَ بمعنی تعیبون (تم عیب لگاتے ہو) ہے یعنی کیا تم ہمیں عیب لگاتے ہو بجز اس کے کہ ہم الله پر ایمان لائے، حالانکہ تم جانتے ہو کہ ہم حق پر ہیں۔ (1)

وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۞ یعنی تم میں سے اکثر ایمان کو ترک کیے ہوئے ہو اور الله کے امر کی پیروی سے نکلے ہوئے ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اس کہنے والے کے قول کی مثل ہے ھل تنقم منی إلا انی عفیف وانك فاجر تو مجھے عیب نہیں لگا رہا مگر اس لیے کہ میں پاک دامن ہوں اور تو فاجر ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے، کیونکہ اکثر تم میں سے فاسق ہیں اس وجہ سے ہمیں عیب لگاتے ہو۔

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ یعنی میں تمہیں اس سے بھی برے لوگوں کے متعلق آگاہ کروں جو تمہیں عیب لگاتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے برا جو مکروہ چیز تم ہمارے لیے ارادہ کرتے ہو، یہ ان کے قول کا جواب ہے جو انہوں نے کہا تھا: ہم کوئی تمہارے دین سے برا دین نہیں جانتے۔

مَثُوْبَةً بیان کے اعتبار سے منصوب ہے اس کی اصل مفعولة ہے واؤ کی حرکت تا کو دی گئی، پھر واؤ ساکن ہو گئی اور اس کے بعد واؤ ساکن ہے پس ایک واؤ کو حذف کر دیا گیا جیسے مقولہ، مجوزہ، مضوفہ، مصدر کے معنی پر ہے جیسے شاعر نے کہا:

وكنتُ إذا جارِي دَعَا لِمَضُوفَةٍ أُشَمِّرُ حتى يَنْصُفَ السَّاقَ مِئْزَرِي

بعض علماء نے فرمایا: مفعلة جیسے تیرا قول: مكرمة، معقلة۔

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ، مَنْ یہ محل رفع میں ہے جیسے فرمایا: بشر من ذالكم النار۔ تقدیر عبارت ہے: ھو من لعن من لعنه الله۔ یہ بھی جائز ہے کہ محل نصب میں ہو، معنی یہ ہوگا: ھل انبئكم بمن لعنه الله۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ شر سے بدل کی بنا پر محل جر میں ہو تقدیر یوں ہوگی: ھل أنبئكم بمن لعنه الله۔ اس سے مراد یہود ہیں (2): الطَّاغُوْتَ کے متعلق قول گزر چکا ہے یعنی جنہوں نے پوجا کی شیطان کی۔ فراء کے نزدیک موصول محذوف ہے۔ بصریوں نے کہا: موصول کا حذف جائز نہیں ہے معنی یہ ہے: من لعنه الله وعبد الطاغوت۔

ابن وثاب اور نخعی نے أنبئكم تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ نے عبد الطاغوت با کے ضمہ اور تا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اس کو فعل کے وزن پر اسم بنایا جیسے عضد یہ مبالغہ اور کثرت کے لیے وزن ہے جیسے یقظ، تدس، حذر اصل میں یہ

1۔ المحرر الوجیز 2۔ تفسیر بغوی

صفت ہے اسی سے نابغہ کا شعر ہے:

مِنْ وَحْشِ وَجْرَةَ مَوْشِی أَكَارِعُه طَاوِي الْمَصِيرِ كَسيف الصَّيْقَل الفَرد

را کے ضمہ کے ساتھ اور اس کو نصب جعل کی وجہ سے ہے یعنی جعل منهم عبدا للطاغوت عبد کو الطاغوت کی طرف مضاف کیا اور اسے جر دی اور جعل بمعنی خلق ہے۔ اس کا معنی ہے وجعل منهم من يبالغ في عبادة الطاغوت۔ باقی قراء نے با اور تا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور انہوں نے عبد کو فعل ماضی بنایا ہے اور غضب اور لعن فعل ماضی پر عطف کیا ہے۔ معنی یہ ہے: من لعنه الله ومن عبد الطاغوت۔ یا جعل کی وجہ سے منصوب ہے یعنی جعل منهم القردة والخنازير وعبد الطاغوت، لفظ من پر حمل کرنے کی وجہ سے عبد میں ضمیر واحد ذکر کی۔ حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود نے عبدوا الطاغوت پڑھا ہے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے۔

حضرت ابن عباس نے عبد الطاغوت پڑھا ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ عبد کی جمع ہو جیسے کہا جاتا ہے: رَهْن و رُهُن، سَقْف و سُقُف اور عباد کی جمع ہونا بھی جائز ہے جیسے کہا جاتا ہے: مثال ومثل۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ عبید کی جمع ہو جیسے رغیف و رغف۔ یہ عابد کی جمع ہونا بھی جائز ہے جیسے نازل کی جمع نزل ہے معنی ہے شیطان کے خادم، حضرت ابن عباس سے عبد الطاغوت بھی مروی ہے اس کو عابد کی جمع بنایا ہے جیسے کہا جاتا ہے: شاهد کی جمع شهد، غائب کی جمع غیب، ابی واقد سے مروی ہے عباد الطاغوت مبالغہ کے لیے۔ یہ عابد کی جمع بھی ہے جیسے عامل کی جمع عمال ہے اور ضارب کی جمع ضراب ہے۔ محبوب نے ذکر کیا ہے کہ بصریوں نے عباد الطاغوت پڑھا ہے یہ بھی عابد کی جمع ہے جیسے قائم کی جمع قیام ہے یہ بھی جائز ہے کہ عبد کی جمع ہو (1) اور ابوجعفر رؤاسی نے عبد الطاغوت پڑھا ہے یہ مفعول کی بنا پر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: عبد الطاغوت فيهم، عون عقیلی اور ابن بریدہ نے عابد الطاغوت مفرد پڑھا ہے یہ جماعت کی تعبیر کے لیے ہے۔ حضرت ابن مسعود نے عبد الطاغوت پڑھا ہے اور حضرت ابی نے عبدت الطاغوت پڑھا ہے یہ جماعت کی تانیث کی بنا پر پڑھا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالَتِ الْأَعْرَابُ (الحجرات: 14) عبید بن عمیر نے اعبد الطاغوت پڑھا ہے جیسے کلب کی جمع اکلب آتی ہے یہ کل بارہ وجوہات قرأت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا کیونکہ ان کا مکان دوزخ ہے، رہے مومنین ان کے مکان میں کوئی شر نہیں ہے۔ زجاج نے کہا: اولئك شر مكانا على قولكم۔ تمہارے قول پر برے ٹھکانے والے ہیں۔ نحاس نے کہا: جو اس آیت کے متعلق کہا گیا ہے اس میں سے بہتر یہ قول ہے اولئك لعنهم الله شر مكانا في الآخرة من مكانكم في الدنيا لما لحقكم من الشر۔ دنیا میں جو تمہیں شر لاحق ہے اس کی بنسبت آخرت میں ان کا درجہ بہت برا ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: اولئك الذين لعنهم شر مكانا من الذين نقموا عليكم یعنی ان کا درجہ ان سے برا ہوگا جنہوں نے تم پر عیب لگایا۔ بعض نے فرمایا: اولئك الذين نقموا عليكم شر مكانا من الذين لعنهم الله۔ یعنی جن پر اللہ نے لعنت کی ان سے ان کا برا درجہ ہوگا

1۔ المحرر الوجیز

جنہوں نے تم پر عیب لگایا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے انہیں کہا: یا اخوة القردة والخنازیر اے بندروں اور خنازیر کے بھائیو! تو انہوں نے رسوائی کی وجہ سے سر جھکا لیے (1)۔ اس کے متعلق شاعر نے کہا:

فلعنةُ الله علی الیھودِ إنَّ الیھودَ إخوةُ القُرودِ

وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا یَكْتُمُوْنَ ۝ وَ تَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْ لَا یَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ۝

''جب آتے ہیں تمہارے پاس تو کہتے ہیں: ہم ایمان لا چکے حالانکہ وہ (یہاں) داخل بھی ہوئے کفر کے ساتھ اور وہ نکلے بھی کفر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپا رہے تھے اور آپ دیکھتے ہیں بہتوں کو ان میں سے کہ بڑے تیز رفتار ہیں گناہ اور زیادتی کرنے میں اور حرام خوری میں بے شک یہ بہت ہی برے کام کرتے رہے ہیں۔ کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بے شک بہت برے ہیں وہ کرتوت جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا یہ منافقین کی صفت ہے معنی ہے کہ جو کچھ انہوں نے سنا اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ وہ کافر ہوتے ہوئے داخل ہوئے کافر ہوتے ہوئے خارج ہوئے (2) وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا یَكْتُمُوْنَ ۝ یعنی ان کے نفاق کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد یہود ہیں جنہوں نے کہا تھا: تم اس پر ایمان لاؤ جو ایمان والوں پر نازل کیا گیا، دن کے آغاز کے وقت جب تم مدینہ میں داخل ہو اور دن کے آخر میں انکار کرو، جب تم گھروں کو لوٹ کر آؤ (3)۔ اس پر دلیل یہود کا پہلے ذکر ہے اور بعد میں بھی ان کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یعنی یہود میں سے بہتوں کو تو دیکھتا ہے۔ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ گناہ اور ظلم میں جلدی کرتے ہیں اور حرام خوری میں جلدی کرتے ہیں۔ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ لَا یَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ، لَوْ لَا بمعنی افلا ہے یَنْهٰىهُمْ یعنی انہیں روکتے نہیں ہیں۔ الرَّبّٰنِیُّوْنَ، نصرانیوں کے علماء، الْاَحْبَارُ یہود کے علماء۔ یہ حسن کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ سب یہود میں ہے، کیونکہ یہ آیات ان کے متعلق ہیں پھر ان کے علماء کو توبیخ فرمائی، کیونکہ انہوں نے برائی سے منع کرنا ترک کیا۔ فرمایا: لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ۝ جیسے انہیں توبیخ فرمائی جو گناہ میں جلدی کرتے ہیں فرمایا: لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ یہ آیت دلیل ہے کہ برائی سے منع نہ کرنے والا بھی برائی کرنے والے کی طرح ہے۔ اس آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرنے کی وجہ

1۔ تفسیر کشاف 2۔ المحرر الوجیز 3۔ تفسیر بغوی

سے علماء کو توبیخ ہے۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران میں یہ مفہوم گزر چکا ہے۔ سفیان بن عیینہ نے روایت کیا ہے فرمایا سفیان بن سعید نے مسعر سے روایت کیا ہے فرمایا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک فرشتہ کو ایک شہر کے برباد کرنے کا حکم ملا، اس نے عرض کی: یا رب! اس میں فلاں عابد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اس سے ہلاکت کا آغاز کر، کیونکہ احکام شریعت کی کھلی خلاف ورزی دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ بھی کبھی نہیں بدلا تھا۔ صحیح ترمذی میں ہے کہ لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ تمام کو سزا دے دے جو اس کے پاس ہوں (1)۔ الصنع بمعنی العمل ہے مگر یہ جودت کا تقاضا کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے سیف صنیع جب اس کا کام اچھا کیا گیا ہو۔

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ یُنْفِقُ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ؕ وَ اَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ؕ كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ۝

''اور کہا یہود نے کہ اللہ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے جکڑے جائیں گے ان کے ہاتھ اور پھٹکار ہو ان پر بوجہ اس (گستاخانہ) قول کے بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب سے سرکشی اور انکار میں اور ہم نے ڈال دی ہے ان میں دشمنی اور بغض روز قیامت تک جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بجھا دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اور یہ کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فسادیوں کو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ عکرمہ نے کہا: یہ جملہ فخاص بن عازوراء (لعنہ اللہ) اور اس کے ساتھیوں نے کہا تھا ان کے بہت سے اموال تھے جب انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا تو ان کا مال کم ہو گیا انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ بخیل ہے، اس کا ہاتھ ہمیں عطا کرنے سے باندھا ہوا ہے۔ یہ آیت ان کے بعض لوگوں میں خاص ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جو ایک قوم نے یہ کہا اور باقی لوگوں نے اس کا انکار نہ کیا تو وہ تمام برابر ہو گئے گویا سب نے یہ کہا (2)؛ حسن نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہمیں عذاب دینے سے روکا گیا ہے۔ بعض نے فرمایا: جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و فاقہ اور مال کی قلت میں دیکھا اور انہوں نے مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (بقرہ:245) کا ارشاد سنا اور انہوں نے دیکھا کہ حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دیات میں مدد طلب کرتے ہیں تو انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا الہ فقیر ہے، کبھی انہوں نے کہا: بخیل ہے۔ ان کے قول یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ کا یہی معنی ہے یہ بطور تمثیل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (الاسراء:29)

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ المائدہ، حدیث نمبر 2983، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر بغوی

بخیل کو جَعْدُ الانامل اور مقبوض الکف اور کَزّ الاصابع اور مغلول الید کہا جاتا ہے شاعر نے کہا:

كانت خُراسان أرضا إذْ يَزِيدُبها ... وكلُّ باب من الخيرات مفتوح

فاستبدلت بعده جَعْداً أنامله ... كأنَّما وجهه بالخلِّ منضوح

عرب کلام میں الید کا لفظ کبھی کام کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے ارشاد ہے: خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا (ص:44) یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے، کبھی نعمت کے لیے استعمال ہوتا ہے، عرب کہتے ہیں: کم یدلی عند فلان یعنی میرے کتنے احسانات اس پر ہیں کبھی یہ قوت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْاَیْدِ (ص:17) یعنی ذا القوۃ۔ کبھی ملک اور قدرت کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران:73) کبھی صلہ کے معنی میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا (یٰسین:71) یعنی مما عملنا نحن اور فرمایا: اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (بقرہ:237) یعنی وہ جس کے لیے نکاح کی گرہ ہے، کبھی تائید اور نصرت کے معنی میں ہوتا ہے، اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ید اللہ مع القاضی حتی یقضی والقاسم حتی یقسم اللہ کی تائید و نصرت قاضی کے ساتھ ہوتی ہے حتی کہ وہ فیصلہ کرلے اور قاسم کے ساتھ ہوتی ہے حتی کہ وہ تقسیم کرے۔ کبھی فعل کی مخبر عنہ کی طرف اضافت کے لیے ہوتا ہے اس کو تشریف و تکریم دینے کے لیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (ص:75) اس کو کام کرنے کے معنی پر محمول کرنا جائز نہیں کیونکہ باری تعالیٰ واحد ہے اس پر بعضیت جائز نہیں اور اسے قوت، ملک، نعمت، صلہ پر محمول کرنا درست نہیں، کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے ولی آدم اور اس کے دشمن ابلیس کے درمیان اشتراک واقع ہوگا اور جو اس نے اس پر تفضیل ذکر کی ہے وہ باطل ہو جائے گی، کیونکہ تخصیص کا معنی باطل ہو جائے گا اور صرف یہ باقی رہ جائے گا کہ اسے دو صفتوں پر محمول کیا جائے جن کا تعلق حضرت آدم اور ابلیس کی تخلیق کے ساتھ ہے حضرت آدم کو شرف دینے کے لیے جب کہ ابلیس تخلیق میں ایسا نہیں اور یہ تعلق ایسا ہے جیسے مقدور کے ساتھ قدرت کا تعلق ہوتا ہے نہ کہ مباشرت کے طریق سے اور نہ مماست (چھونا) کے طریق سے ہے اس کی مثل وہ ہے جو روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا، اس سے اہل جنت کے لیے دار الکرامۃ اپنے ہاتھ سے لگایا۔ اس کے علاوہ صفت کا تعلق اپنے مقتضا سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا یا پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ضمہ کو حذف کیا گیا یعنی آخرت میں باندھے ہوں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان پر بددعا ہو۔ اسی طرح لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ہے اس سے مقصود ہمیں تعلیم دینا ہے جیسا کہ فرمایا: لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ (الفتح:27) ہمیں استثنا سکھائی جس طرح ہمیں ابولہب پر بددعا سکھائی تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِيْ لَهَبٍ۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ساری مخلوق سے زیادہ بخیل ہیں ہر یہودی تجھے لئیم اور کمینہ نظر آئے گا اس قول کی بنا پر کلام میں واو کا اضمار ہوگا یعنی انہوں نے کہا: يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۚ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ، اللعن کا معنی دور کرنا ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ مبتدا خبر ہیں یعنی اس کی نعمت تو پھیلی ہوئی ہے الید بمعنی نعمت ہے۔ بعض

نے کہا: یہ غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ پس اللہ کی نعمتیں شمار سے زیادہ ہیں پھر یہ کیسے ہوگا کہ اس کی دو نعمتیں پھیلی ہوئی ہیں؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جنس کا تثنیہ ہو، مفرد کا تثنیہ نہ ہو۔ پس یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: مثل المنافق کالشاۃ العائرۃ بین الغنمین کی طرح ہے۔ ایک جنس دنیا کی نعمت ہے اور دوسری جنت، آخرت کی نعمت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد دنیا کی ظاہری اور باطنی نعمت ہے جیسے فرمایا: وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً (لقمان: 20) (1) اور تمام کر دی ہیں اس نے تم پر ہر قسم کی نعمتیں ظاہری بھی اور باطنی بھی۔

حضرت ابن عباس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: نعمت ظاہرۃ سے مراد تیری خوبصورت تخلیق ہے اور نعمت باطنہ سے مراد اس کا تیرے برے اعمال پر پردہ ڈالنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: دو نعمتوں سے مراد بارش اور نباتات ہیں جن کے ساتھ اور جن سے نعمت میسر آتی ہے۔ بعض نے فرمایا: نعمت مبالغہ کے لیے ہے جیسے عرب کہتے ہیں: لبیک وسعد یک، صرف دو مرتبہ پر اکتفا کا ارادہ نہیں ہے، کبھی قائل کہتا ہے: مالی بھذ الامر ید یعنی مجھے اس معاملہ کی قوت نہیں۔ سدی نے کہا: یداہ کا معنی اس کی ثواب اور عقاب کی قوتیں ہیں بخلاف اس کے جو یہود نے کہا: بے شک اس کا ہاتھ ان کو عذاب دینے سے بند ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں دن، رات کا خرچ کرنا اس میں کمی نہیں کرتا۔ بتاؤ جو اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے خرچ کیا ہے اس نے اس میں کچھ کمی نہیں کی جو اس کے دائیں ہاتھ میں ہے''۔ فرمایا: ''اس کا عرش پانی پر ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں موت ہے وہ بلند کرتا ہے اور نیچے کرتا ہے''۔ السح سے مراد کثرت سے بہانا ہے یغیض کا معنی کم کرنا ہے اس حدیث کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَ اللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ (بقرہ: 245) رہی یہ آیت تو حضرت ابن مسعود کی قرأت میں بل یداہ بسطان ہے، یہ اخفش نے حکایت کیا ہے انہوں نے کہا: کہا جاتا ہے: ید بسطۃ یعنی کھلا ہاتھ۔ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس آیت میں الید سے مراد قدرت ہو یعنی اس کی قدرت شامل ہے اگر چاہے تو وسیع کر دے اگر چاہے تو تنگ کر دے۔ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ۔ لام قسم ہے۔

مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اس میں ما موصولہ ہے یعنی الذی انزل الیک۔

طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا یعنی جب قرآن سے کوئی چیز نازل ہوتی ہے تو وہ انکار کرتے ہیں اور ان کا کفر زیادہ ہوا۔ وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ مجاہد نے کہا: یعنی یہود و نصاریٰ کے درمیان، کیونکہ اس سے پہلے فرمایا: لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم نے یہود کے گروہوں کے درمیان عداوت و بغض ڈال دیا جیسا کہ فرمایا: تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (الحشر: 14) پس یہودی آپس میں بغض رکھتے ہیں متفق نہیں ہیں۔ وہ لوگوں سے اللہ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ بغض رکھنے والے ہیں۔ كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اس سے مراد یہود ہیں۔ كُلَّمَاۤ ظرف ہے یعنی وہ جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر رازی ایضاً المحرر الوجیز

ان کی جمعیت کو بکھیر دیا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہود نے جب فساد کیا اور کتاب اللہ (تورات) کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو بھیجا پھر انہوں نے فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بطرس رومی کو بھیجا، پھر انہوں نے فساد برپا کیا تو اس پر مجوسیوں کو مسلط کیا پھر انہوں نے فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان پر غالب کیا، جب بھی ان کا معاملہ قائم ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا، جب بھی انہوں نے آگ جلائی یعنی شر کو ابھارا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جنگ مسلط کرنے کے لیے جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بجھا دیا ان پر جبر فرمایا اور ان کے معاملہ کو کمزور کر دیا، آگ کا ذکر مستعار ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل کیا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو یہودی مجوسیوں کے ماتحت تھے، پھر فرمایا: وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا یعنی وہ اسلام کے ابطال کے لیے کوشش کرتے ہیں یہ بہت بڑا فساد ہے۔ واللہ اعلم۔

بعض علماء نے فرمایا: آگ سے مراد غضب کی آگ ہے یعنی جب انہوں نے اپنے نفسوں میں غضب کی آگ جلائی اور اپنے بدنوں اور قوت نفس کے ساتھ غضب کی آگ کی گرمی کو جمع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو بجھا دیا حتی کہ وہ کمزور ہو گئے یہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو رعب کے ساتھ مدد دی۔ (1)

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا أُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

''اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو ہم ضرور دور کر دیتے ان سے ان کی برائیاں اور ہم ضرور داخل کرتے انہیں نعمت کے باغوں میں۔ اور اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انہیں حتی کہ) وہ کھاتے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی ان میں ایک جماعت اعتدال پسند بھی ہے اور اکثر ان میں سے بہت برا ہے جو کر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتٰبِ أَنَّ محل رفع میں ہے، اسی طرح وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرٰىةَ ہے۔ اٰمَنُوْا تصدیق کی۔ وَاتَّقَوْا شرک اور گناہوں سے اجتناب کیا۔ لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ لام، لو کا جواب ہے۔ لَكَفَّرْنَا کا مطلب ہے ہم نے ڈھانپ دیا۔ یہ پہلے گزر چکا ہے تورات اور انجیل کو قائم کرنے کا مطلب ہے ان کے مقتضیٰ کے مطابق عمل کرنا اور ان میں تحریف و تبدیلی نہ کرنا یہ مفہوم سورۂ بقرہ میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ وَمَا أُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ یعنی قرآن۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد ان کے انبیاء کی کتب ہیں (2)۔ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا: اس سے مراد بارش اور نبات ہیں یہ دلیل ہے کہ وہ قحط میں مبتلا تھے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم ان کے رزق میں

1۔ تفسیر طبری
2۔ تفسیر بغوی

وسعت پیدا کرتے اور وہ متواتر کھاتے رہتے۔ فوق اور تحت کا ذکر دنیا کے جو خزانے ان پر کھولے جائیں گے ان میں مبالغہ کے اظہار کے لیے ہے۔ اس آیت کی مثال وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (طلاق) اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کا راستہ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۝ (الجن) اگر وہ ثابت قدم رہیں راہ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے کثیر پانی سے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف:96) اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی۔

اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو رزق کے اسباب میں سے بنایا ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے اور مزید کا وعدہ ہے اس شخص کے لیے جس نے شکر ادا کیا۔ فرمایا: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم:7) اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید دوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ان میں سے بعض اعتدال پسند ہیں وہ ان میں سے ایمان لانے والے ہیں جیسے نجاشی، سلمان اور عبد اللہ بن سلام۔ یہ اعتدال پسند تھے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد کے بارے میں صرف وہ کہا ہے جو ان کی شان کے لائق ہیں۔ بعض علماء نے کہا: اقتصاد سے مراد وہ قوم لی ہے جو ایمان نہیں لائے تھے لیکن وہ اذیت دینے والے اور استہزا کرنے والے نہ تھے۔ واللہ اعلم۔

الاقتصاد سے مراد عمل میں اعتدال ہے۔ یہ القصد سے ہے القصد کا معنی ہے کسی چیز کو کرنا تو کہتا ہے: قصدته وقصدت له، وقصدت اليه اس کا معنی ہے میں نے اس کا قصد کیا۔ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی بہت برا ہے جو انہوں نے کیا ہے انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا، کتب میں تحریف کی اور حرام کھایا۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

''اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے یقیناً اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافروں کی قوم کو''۔

اس میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے تبلیغ کو ظاہر کرو، کیونکہ اسلام کے آغاز میں مشرکین کے خوف سے آپ تبلیغ مخفی طریقہ سے کرتے تھے پھر اس آیت میں

تبلیغ کے اظہار کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کیا کہ وہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کیا اور فرمایا: ہم اللہ تعالیٰ کی سرأ عبادت نہیں کریں گے، اس کے بارے میں یہ نازل ہوئی: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (الانفال) اے نبی مکرم! کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں مومنوں سے۔

یہ آیت ان کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے امر میں سے کوئی چیز تقیۃً چھپائی ہے۔ یہ آیت ان کے قول کے بطلان پر دلالت کر رہی ہے اور یہ رافضی لوگ ہیں۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر دین میں سے کوئی چیز کسی سے خفیہ نہیں کہی، کیونکہ بلّغ کا معنی ہے جو آپ کی طرف اتارا گیا ہے اس تمام کو ظاہراً پہنچاؤ۔ اگر یہ نہ ہوتا تو وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ میں کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے حضرت زینب بنت جحش کے معاملہ کے بارے میں جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ صحیح قول عموم کا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا معنی ہے اس تمام کو پہنچائیں جو آپ کی طرف اتارا گیا ہے اگر آپ اس میں سے کچھ چھپائیں گے تو آپ نے نہیں پہنچایا اللہ کا پیغام۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی گئی ہے اور آپ کی امت کے اہل علم حضرات کی تادیب ہے کہ وہ امر شریعت میں سے کچھ نہ چھپائیں۔ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔

صحیح مسلم میں مسروق نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو تجھے یہ بیان کرے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی میں سے کوئی چیز چھپائی تو اس نے جھوٹ بولا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ، الآیہ۔ اللہ تعالیٰ رسوا کرے رافضیوں کو جنہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی میں سے کوئی چیز چھپائی ہے جس کی لوگوں کو حاجت تھی۔ (2)

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود خبر دی کہ آپ معصوم ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے عصمت کی ضمانت دی، پس یہ جائز نہیں کہ اس نے کوئی ایسی چیز ترک کی ہو جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو۔ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے، ایک اعرابی آیا اس نے اپنی تلوار سونت لی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا: تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "اللہ"۔ اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی، اس نے اپنا سر درخت پر مارا حتی کہ اس کا دماغ بکھر گیا۔ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ قاضی عیاض نے کتاب الشفاء میں یہ ذکر کیا ہے فرمایا: یہ واقعہ صحیح میں روایت کیا گیا ہے۔ غورث بن حارث تھا جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا تھا، پھر وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ کر آیا اور کہا: میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص سے ہو کر آیا ہوں جو تمام لوگوں سے بہتر ہے۔ اس سورت میں اس معنی میں کلام اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ (المائدہ: 11) کے قول کے تحت تفصیلاً گزر چکی ہے اور سورۃ النساء میں بھی صلاۃ خوف کے ذکر میں۔

1۔ تفسیر بغوی　2۔ احکام القرآن للکیا الطبری

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں شرکت کی ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسی وادی میں پایا جس میں بہت زیادہ کانٹوں والے درخت تھے۔ رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے نیچے اترے اور اپنی تلوار اس کی ٹہنی سے لٹکا دی فرمایا: لوگ وادی میں بکھر گئے تا کہ سایہ حاصل کریں۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص میرے پاس آیا جب کہ میں سویا ہوا تھا اس نے تلوار پکڑ لی، میں بیدار ہوا تو وہ میرے سر پر کھڑا تھا میں نے محسوس نہ کیا مگر وہ تلوار سونتے ہوئے تھا''۔ اس نے مجھے کہا: تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ فرمایا: میں نے کہا: ''اللہ''۔ فرمایا: اس نے تلوار نیام میں ڈال لی، یہ ہے وہ شخص جو بیٹھا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس پر کچھ تعرض نہ فرمایا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ نے مجھے رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا تو میں کچھ تنگ دل ہوا اور میں جانتا تھا کہ لوگوں میں سے کچھ میری تکذیب کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی'' (1)۔ حضرت ابو طالب ہر روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بنی ہاشم کے چند لوگ بھیجتے تھے جو آپ کی حفاظت کرتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے میرے چچا! اللہ نے مجھے جن و انس کی اذیت سے محفوظ فرمایا ہے، مجھے ان حفاظت کرنے والوں کی ضرورت نہیں۔ میں کہتا ہوں: یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ مکہ تھا اور یہ آیت مکی ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے پہلے گزر چکا ہے کہ بالاجماع یہ سورہ مدنی ہے۔ اور اس سورہ کے مدنی ہونے پر دلیل وہ حدیث ہے جو مسلم نے صحیح میں حضرت عائشہ سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ آئے تو ایک رات جاگتے رہے اور فرمایا: ''کاش میرے اصحاب میں سے کوئی نیک صالح شخص اس رات کو میری حفاظت کرتا''۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اسی اثنا میں ہم نے ہتھیار کی آواز سنی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے''؟ اس نے کہا: حضرت سعد بن ابی وقاص۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''تم کیسے آئے ہو؟'' اس نے کہا: میرے دل میں آپ کے متعلق خوف واقع ہوا میں اس لیے آیا ہوں تا کہ آپ کی حفاظت کروں۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی اور سو گئے۔

صحیح کے علاوہ میں ہے حضرت عائشہ نے فرمایا: ہم اسی اثنا میں تھے کہ ہتھیار کی آواز سنی گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: سعد اور حذیفہ، ہم آپ کی حفاظت کرنے کے لیے آئے ہیں حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کے خراٹے کی آواز سنی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے چمڑے کے قبہ سے اپنا سر باہر نکالا اور فرمایا: ''اے لوگو! واپس چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمائی ہے''۔

اہل مدینہ نے رسالاتہ یعنی جمع پڑھا ہے۔ اور ابو عمرو اور اہل کوفہ نے رسالتہ واحد پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: دونوں قرأتیں بہتر ہیں اور جمع زیادہ واضح ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ پر تھوڑی تھوڑی وحی نازل ہوتی تھی پھر آپ اسے بیان کرتے تھے، افراد، کثرت پر دلالت کرتا ہے یہ مصدر کی طرح ہے اور مصدر کا اکثر کلام میں جمع اور تثنیہ نہیں بنایا جاتا، کیونکہ وہ اپنے لفظ کے ساتھ اپنی نوع پر دلالت کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم: 34) اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 51

اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کی راہنمائی نہیں فرماتا۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: آپ تبلیغ کر دیں، رہی ہدایت تو وہ ہمارے ذمہ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

''آپ فرمایئے اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے سرکشی اور انکار میں، پس آپ نہ افسوس کریں قوم کفار پر''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہود کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: کیا آپ تسلیم نہیں کرتے کہ تورات اللہ کی طرف سے حق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں نہیں''، یہود نے کہا: ہم اس تورات پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے علاوہ کا انکار کرتے ہیں، پس یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم دین میں سے کسی چیز پر نہیں ہو حتی کہ ان دونوں کتابوں میں ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور ان پر عمل کرو۔ ابو علی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ حکم تورات و انجیل کے نسخ سے پہلے ہو۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا۔

یعنی وہ رب کی طرف سے نازل شدہ کا انکار کرتے ہیں اور کفر پر کفر میں بڑھتے جاتے ہیں۔ الطغیان کا معنی ظلم اور غلو میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔ ظلم میں سے کچھ چھوٹا ہوتا ہے، کچھ بڑا ہوتا ہے پس جو چھوٹے ظلم سے تجاوز کرتا ہے اس نے حد سے تجاوز کیا اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ (العلق) یعنی حق سے خروج میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ یعنی آپ ان کافروں پر افسوس نہ کریں۔ اسی یأسی أسی کا معنی ہے غمگین ہونا۔ شاعر نے کہا:

وَانْحَلبتْ عيناه من فرطِ الأسى فرط غم سے ان کی آنکھیں بہہ پڑیں۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان اور تسلی دینے کے لیے مطلق غمگین ہونے سے نہی نہیں ہے، کیونکہ انسان اس پر قادر نہیں ہوتا بلکہ یہ تسلی دینا ہے اور حزن کی وجہ سے تعرض سے نہی ہے۔ یہ مفہوم سورۂ آل عمران کے آخر میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـُٔوْنَ وَ النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

''بے شک جولوگ ایمان لائے اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصرانی جو بھی (ان میں سے ایمان لایا) اللہ پر اور روز قیامت پر اور نیک عمل کیے تو نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

اس آیت پر پہلے کلام گزر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وَالَّذِيْنَ هَادُوْا یہ معطوف ہے، اسی طرح الصّٰبِـُٔوْنَ، هَادُوْا کی ضمیر پر معطوف ہے۔ یہ کسائی اور اخفش کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: میں نے زجاج کو یہ کہتے سنا، اس کے سامنے اخفش اور کسائی کا قول ذکر کیا گیا تھا یہ دو جہتوں سے غلط ہے ایک یہ کہ ضمیر مرفوع پر عطف قبیح ہوتا ہے حتی کہ پہلے ضمیر کی تاکید لگائی جائے۔ دوسری یہ کہ معطوف، معطوف علیہ کا شریک ہوتا ہے معنی یہ ہو جائے گا کہ صائبین یہودیت میں داخل ہیں اور یہ محال ہے۔ فراء نے کہا: الصّٰبِـُٔوْنَ میں رفع جائز ہے، کیونکہ ان ضعیف عامل ہے یہ صرف اسم میں عمل کرتا ہے خبر میں عمل نہیں کرتا اور الذین میں یہاں اعراب واضح نہیں ہے پس ایک جہت پر دونوں امر جاری ہیں۔ پس صائبین پر رفع اصل کلام کی طرف رجوع کے اعتبار سے جائز ہے۔ زجاج نے کہا: جس میں اعراب ظاہر ہوتا ہے اور جس میں اعراب ظاہر نہیں ہوتا ان کی جہت ایک ہے۔ خلیل اور سیبویہ نے کہا: رفع، تقدیم و تاخیر پر محمول ہے تقدیر یوں ہوگی: ان الذین آمنوا والذین ھادوا من آمن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحاً فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون والصابئون اسی طرح نصاری ہے۔ سیبویہ نے اس کی مثال اس شعر سے دی ہے:

وإلاَّ فاعلموا أَنَّا وانتم بُغَاه ما بَقِينَا في شِقَاقِ

ضابئ برجمی نے کہا:

فمن يكُ أمسى بالمدينة رَحْلُه فإنّي وَقَيَّارٌ بها لَغَرِيبُ

بعض علماء نے فرمایا: ان بمعنی نعم ہے الصابئون مبتدا کی حیثیت سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے، کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کر رہا ہے پس اس تقدیر پر عطف کلام کے مکمل ہونے اور اسم اور خبر کے مکمل ہونے کے بعد ہوگا۔ قیس رقیات کہا:

بَكَرَ العواذِلُ في الصَّبا ح يَلُمْنَنِي وألُومُهُنَّهْ

وَيَقُلْنَ شَيْبٌ قد عَلَا كَ وقد كَبِرت فقلت إنَّهْ

اخفش نے کہا: انہ بمعنی نعم ہے اور اس کے آخر میں ہا سکتہ کے لیے ہے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝

''بے شک ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے بھیجے تھے ان کی طرف رسول جب کبھی آیا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم لے کر جسے ناپسند کیا ان کے نفسوں نے تو (انبیاء کے) ایک گروہ کو تو انہوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا''۔

یہ آیت سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ مِيْثَاقَ کا معنی یہ ہے کہ وہ عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور ان احکام کی پیروی کریں جن کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ ان کافروں پر غمگین نہ ہوں ہم نے ان کا عذر ختم کر دیا ہے ہم نے ان کی طرف رسل کو بھیجا انہوں نے عہود کو توڑا، یہ اس کی طرف راجع ہے جس کے ساتھ سورۃ کا آغاز کیا گیا تھا اور وہ یہ قول ہے: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔

كُلَّمَا جَآءَهُمْ، هُمْ ضمیر کا مرجع یہود ہیں۔ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ یعنی جو ان کی خواہشات کے مطابق نہ تھا فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ یعنی ایک فریق کو جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کیا جن کو انہوں نے جھٹلایا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان جیسے دوسرے انبیاء کرام ہیں اور انہوں نے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ وغیرہما کو قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے يَّقْتُلُوْنَ۝ مضارع کا صیغہ ذکر فرمایا تو یہ آیت کے قافیہ کو ملانے کے لیے ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اصل میں اس طرح تھا فَرِيْقًا كَذَّبُوْا، وفريقاً قتلوا و فريقا يكذبون و فريقا يقتلون۔ یہ عربوں کی عادت اور طریقہ ہے پھر مختصر کر دیا۔ بعض نے فرمایا: فريقا كذبوا لم يقتلوهم و فريقا قتلوا فكذبوا اور يَّقْتُلُوْنَ۔ فریق کی نعت ہے۔ واللہ اعلم

وَ حَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۝

''اور یہ فرض کر لیا کہ نہیں ہو گا (انہیں) عذاب تو اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے پھر نظر رحمت فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر پھر وہ اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے بہت ان میں سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو وہ کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ حَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ یعنی ان لوگوں نے گمان کیا جن سے میثاق لیا گیا تھا کہ اللہ کی طرف سے ان پر کوئی آزمائش اور ابتلا نہ ہو گی انہیں اپنے قول سے دھوکا ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرزند اور اس کے چہیتے ہیں اور انہوں نے طویل مدت مہلت ملنے کی وجہ سے دھوکا کھایا۔ ابو عمرو اور حمزہ اور کسائی نے (تكون) رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ رفع اس بنا پر ہے کہ حسب بمعنی علم اور تیقن ہے اور ان مخففہ ہے اور لا کا دخول، تخفیف کے عوض ہے ضمیر کو حذف کیا گیا ہے، کیونکہ انہوں نے ناپسند کیا کہ اس سے فعل متصل ہو اور اس کے حکم سے نہیں ہے کہ اس پر داخل ہو پس ان کے درمیان لا کا فاصلہ کر دیا۔ اور جنہوں نے نصب پڑھی ہے انہوں نے ان کو ناصبہ بنایا ہے اور حسب کو اپنے باب پر باقی رکھا ہے۔ سیبویہ نے کہا: حسبت الا يقول ذالك یعنی حسبت انه قال ذالك اگر تو چاہے تو یقول کو نصب دے دے نحاس نے کہا: نحویوں کے نزدیک حسب اور اس کے اخوات میں رفع عمدہ ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

أَلَا زعمت بَسْبَاسَةُ اليوم أنَّنِي ... كَبِرتُ وأَلَّا يَشْهَدُ اللَّهو أمثالي

رفع عمدہ ہے، کیونکہ حسب اور اس کے اخوات، علم کے قائم مقام ہیں کیونکہ وہ ثابت چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَعَمُوْا وہ ہدایت سے اندھے ہو گئے۔ صَمُّوْا حق سننے سے بہرے ہو گئے، کیونکہ جو انہوں نے دیکھا اور انہوں نے سنا اس سے نفع نہ اٹھایا۔ ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اس کلام میں اضمار ہے یعنی ان پر آزمائش واقع ہوئی تو انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی ان سے قحط کو دور کر دیا یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر نظر رحمت فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ اللہ ان پر نظر کرم فرمائے گا اگر وہ ایمان لے آئیں گے۔ یہ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرمائے گا اگر وہ ایمان لے آئیں گے اور تصدیق کریں گے یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے حقیقۃً توبہ کی۔ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کے لیے حق واضح ہونے کے بعد بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہوئے۔

كَثِيْرٌ کا رفع واؤ جمع سے بدل ہونے کی بنا پر ہے۔ اخفش سعید نے کہا: جیسے تو کہتا ہے: رایت قومك ثلثیھم اگر تو چاہے تو مبتدا مضمر مان لے یعنی العمی والصم کثیر منھم۔ اگر تو چاہے تو تقدیر یوں کرے: العمی والصم منھم کثیر۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کی لغت پر ہے جو کہتے ہیں: أکلونی البراغیث۔ اس بنا پر شاعر نے کہا:

ولکن دِیَافِیٌّ أبوہ وأمُّہ بِحَوْرَانَ یَعْصِرْنَ السَّلِیطَ أقارِبُہ

(اس شعر میں أقاربہ فاعل ہے پھر بھی یعصرن جمع مونث کا صیغہ ذکر ہوا ہے)

اسی طرح ہے وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۗ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (الانبیاء: 3) اور غیر قرآن میں کثیراً پر نصب بھی جائز ہے یہ محذوف مصدر کی صفت ہوگا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

"بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہی تو ہے حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے، اے بنی اسرائیل! عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ یہ یعقوبیہ فرقہ کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک قطعی حجت کے ساتھ ان کا رد کیا جس کا وہ خود اقرار کرتے تھے فرمایا: مسیح نے خود کہا: اے بنی اسرائیل! عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے یعنی جب مسیح علیہ السلام خود کہتے ہیں: یا رب! یا اللہ! تو وہ کیسے اپنی ذات کو پکار رہے ہیں اور کیسے اپنی ذات سے سوال کر رہے ہیں یہ محال ہے۔ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ بعض علماء نے فرمایا: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ اللہ کی طرف سے نئی کلام ہے۔ الاشراک کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کے موجد ہونے کا عقیدہ رکھنا۔ سورۂ آل عمران میں المسیح کے اشتقاق کے بارے میں کلام گزر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں) سے اور نہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ اور اگر باز نہ آئے اس (قول باطل) سے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے دردناک عذاب، تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیوں نہیں بخشش طلب کرتے اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ یعنی تین میں سے ایک۔ اور زجاج وغیرہ سے روایت ہے کہ ثالث میں تنوین جائز نہیں۔ اور اس میں عربوں کا ایک اور مذہب بھی ہے کہتے ہیں رابع ثلثة اس بنا پر جر اور نصب جائز ہے، کیونکہ وہ جس نے تین کو چار بنایا ان میں سے ہونے کی وجہ سے۔ اسی طرح جب تو نے کہا: ثالث اثنین تو تنوین جائز ہے۔ یہ نصاریٰ کے تینوں فرقوں ملکیہ، نسطوریہ اور یعقوبیہ کا قول تھا وہ کہتے تھے: اب، ابن اور روح القدس ایک خدا ہے وہ تین خدا نہیں کہتے تھے۔ یہ ان کے مذہب کا مفہوم ہے، وہ عبادت سے انکار کرتے تھے حالانکہ وہ ان کو لازم ہے جو اس طرح ہوا سے عبارت لازمہ سے حکایت کرنا صحیح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ابن الہ ہے باپ الہ ہے اور روح القدس الہ ہے۔ سورۃ النساء میں اس پر گفتگو گزر چکی ہے اس قول کی وجہ سے اللہ نے انہیں کافر کہا فرمایا: وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنی الہ متعدد نہیں ہیں تین خداؤں کا قول ان کو لازم ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اگرچہ انہوں نے صراحۃً تین خداؤں کا لفظاً اظہار نہیں کیا تھا۔ سورۂ بقرہ میں واحد کا معنی گزر چکا ہے۔ ''من'' زائدہ ہے غیر قرآن میں الھاً واحداً استثنا کی بنا پر جائز ہے۔ کسائی نے بدل کی بنا پر جر کو جائز قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا یعنی اگر وہ تثلیث کے قول سے باز نہ آئے تو انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب چھوئے گا۔ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ تقریر اور توبیخ ہے یعنی وہ اس کی بارگاہ میں رجوع کریں اس سے سوال کریں وہ ان کے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔ لعن سے مراد ان کے کافر لوگ ہیں کافروں کا خصوصی ذکر کیا، کیونکہ وہ اس کے قائل تھے، مومنین نہیں تھے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

''نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول اور ان کی ماں بڑی راست باز تھیں دونوں کھایا کرتے تھے کھانا۔ دیکھو کیسے ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ان کے لیے دلیلیں پھر دیکھو وہ کیسے الٹے پھر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یہ مبتدا خبر ہیں یعنی مسیح علیہ السلام اگرچہ ان کے ہاتھوں پر بہت سے معجزات ظاہر ہوئے ہیں یہ ان معجزات کو اسی طرح لائے ہیں جیسے دوسرے رسل لائے تھے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول ہیں تو پھر ہر رسول کو الہ ہونا چاہیے۔ یہ ان کے قول کا رد ہے اور ان پر حجت قائم کرنا ہے پھر حجت میں مبالغہ فرمایا۔ ارشاد فرمایا: وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ یہ مبتدا خبر ہیں۔ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مولود اور مربوب ہیں جس کو عورتیں جنم دیں کھانا کھائے وہ مخلوق اور حادث ہے جس طرح دوسری مخلوق ہے۔ ان میں سے کسی نے اس کا دفاع نہیں کیا پس جس کی تربیت کی گئی ہو وہ رب ہونے کی کیسے صلاحیت رکھتا ہے اور ان کا قول کہ وہ ناسوت سے کھاتا ہے لاہوت سے نہیں کھاتا یہ ان کے اختلاط کا مرجع ہے ایک الہ کا غیر الہ سے اختلاط متصور نہیں ہوتا، اگر حادث کے ساتھ قدیم کا اختلاط جائز ہوتا تو قدیم کا حادث ہونا جائز ہوتا اگر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں جائز ہوتا تو دوسروں کے حق میں بھی جائز ہوتا حتیٰ کہ کہا جاتا: لاہوت پر حادث کو مخالط ہے۔ بعض مفسرین نے كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ کی تفسیر میں کہا: یہ غائط اور بول سے کنایہ ہے اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ وہ دونوں بشر ہیں۔ جنہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے نبیہ نہ ہونے کا قول کیا ہے انہوں نے امہ صدیقہ کے ارشاد سے استدلال کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے، کیونکہ، نبیہ ہونے کے ساتھ صدیقہ ہونا جائز ہے جیسے حضرت ادریس علیہ السلام تھے۔ سورۂ آل عمران میں وہ گزر چکا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو صدیقہ اس لیے کہا گیا وہ اپنے رب کی آیات کی کثرت سے تصدیق کرنے والی تھی اور انہوں نے اپنے بیٹے کی تصدیق کی تھی جس کی اس نے انہیں خبر دی۔ یہ حسن وغیرہ کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ آیات سے مراد دلالات ہیں۔ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ یعنی وہ اس بیان کے بعد حق سے کیسے پھرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: أفكه یأفكه جب کوئی کسی کو پھیر دے۔ اس میں قدریہ اور معتزلہ کا رد ہے۔

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

”آپ فرمائیے کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اس کی جو نہیں مالک تمہارے نقصان کا اور نہ نفع کا اور اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا۔ بیان میں زیادتی اور ان پر حجت کا قائم کرنا ہے یعنی تم خود اقرار کرتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ میں جنین تھے وہ کسی کے نفع اور نقصان کے مالک نہیں تھے اور جب تم نے اقرار کر لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کبھی ایسی حالت میں بھی تھے کہ نہ سنتے تھے، نہ دیکھتے تھے، نہ جانتے تھے، نہ نفع دیتے تھے نہ نقصان دیتے تھے، پھر تم نے اسے کیسے الہ بنا لیا؟ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ سے سمیع علیم ہے نقصان اور نفع کا مالک ہے جس کی یہ صفت ہو وہ حقیقت میں الہ ہوتا ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ۝

"آپ فرمائیے: اے اہل کتاب! نہ حد سے بڑھو اپنے دین میں ناحق اور نہ پیروی کرو اس قوم کی خواہشوں کی جو گمراہ ہو چکی ہے پہلے سے اور گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہ راست سے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ۔ یعنی اس طرح حد سے تجاوز نہ کرو جس طرح یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا تھا۔ یہود کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو اور افراط یہ تھا کہ انہوں نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر نکاح کے پیدا ہوئے ہیں اور نصاریٰ کا غلو یہ تھا کہ انہوں نے کہا: وہ الہ ہے، الغلو کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے سورۂ نساء میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ، اَهْوَآءَ جمع ہے ھوی کی سورۂ بقرہ میں یہ لفظ گزر چکا ہے الھویٰ وہ یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے، کیونکہ ھوی (خواہش) انسان کو آگ میں گراتی ہے۔ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ مجاہد اور حسن نے کہا: اس سے مراد یہود ہیں۔ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا یعنی لوگوں میں سے اکثر کو گمراہ کیا۔ وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ سے بھٹک چکے ہیں۔ ضَلُّوْا کا تکرار اس معنی پر ہے کہ وہ اس سے پہلے بھی گمراہ ہوئے اور بعد میں بھی گمراہ ہوئے مراد ان کے اسلاف ہیں جنہوں نے گمراہی کا آغاز کیا اور اس پر عمل پیرا ہوئے یعنی یہود و نصاریٰ کے روساء۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝

"لعنت کیے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ پسر مریم کی زبان پر یہ بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الخ۔

اس میں ایک مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ کافروں پر لعنت کرنا جائز ہے اگرچہ وہ انبیاء کی اولاد سے ہوں، کیونکہ نسب کا شرف ان کے حق میں لعنت کے اطلاق کو مانع نہیں۔ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ کا معنی یہ ہے کہ وہ زبور اور انجیل میں لعنت کیے گئے، کیونکہ زبور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان تھی اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کتابوں میں ان پر لعنت کی۔ ان دونوں کا اشتقاق گزر چکا ہے۔ مجاہد اور قتادہ وغیرہ نے کہا: لعنھم کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں بندروں اور خنازیر میں مسخ کر دیا۔ ابو مالک نے کہا: جو حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان پر لعنت کیے گئے تھے وہ بندروں کی شکل میں مسخ کیے گئے تھے اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر لعنت کیے گئے تھے وہ خنزیروں کی شکل میں مسخ کیے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان پر لعنت کیے گئے تھے وہ اصحاب سبت تھے اور جو حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر لعنت کیے گئے تھے وہ مائدہ کا اس کے نزول کے بعد انکار کرنے والے تھے، اسی طرح نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کے سلف وخلف پر لعنت کی گئی ہے جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا، کیونکہ حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں نے انہیں بتایا تھا کہ یہ حضرت محمد ﷺ مبعوث ہونے والے ہیں۔

پس جس نے حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا اس پر ان دونوں نے لعنت کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا**، ذٰلِكَ مبتدا ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے یعنی یہ لعنت ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہے، یہ بھی جائز ہے کہ ذالک سے پہلے مبتدا محذوف ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل نصب میں ہو یعنی ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کی بنا پر ہم نے ان کے ساتھ ایسا کیا۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

''نہیں منع کیا کرتے تھے ایک دوسرے کو اس برائی سے جو وہ کرتے تھے بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ** یعنی ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ **لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝** منع کرنے کو ترک کرنے کی وجہ سے ان کی مذمت کی گئی ہے، اسی طرح اس کی بھی مذمت ہے جس نے ان جیسا فعل کیا۔ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے بنی اسرائیل کی بے دینی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ایک شخص پہلی مرتبہ کسی بدکار سے ملتا تو اسے کہتا: اے فلاں! اللہ سے ڈر اور جو تو کر رہا ہے اسے چھوڑ، کیونکہ یہ تیرے لیے حلال نہیں، پھر دوسرے دن اسے ملتا تو اسے اس سے منع نہ کرتا وہ اس کے ساتھ کھانے پینے اور بیٹھنے والا ہوتا جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل آپس میں ٹکرا دیئے، پھر یہ آیت پڑھی **لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** الآیۃ، پھر فرمایا: ''اللہ کی قسم! تم نیکی کا حکم دو گے، برائی سے منع کرو گے، ظالم کا ہاتھ پکڑ لو گے اور اسے حق کی طرف لوٹاؤ گے اور اسے حق کا جبراً پابند کرو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو آپس میں ٹکرا دے گا اور پھر تم پر بھی ایسی پھٹکار ہو گی جو پہلے لوگوں پر ڈالی گئی تھی'' (1)۔

اس حدیث کو ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عطیہ نے کہا (2): اس پر اجماع ہے کہ برائی سے منع کرنا اس کے لیے فرض ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو اور اسے اپنے اوپر اور مسلمانوں پر ضرر کا خوف نہ ہو اگر اسے خوف ہو تو وہ اسے دل سے برا جانے اور اس برائی کرنے والے سے میل جول ترک کر دے۔ ماہرین علم نے کہا: برائی سے منع کرنے والے کے لیے خود معصیت سے سلامت ہونا شرط نہیں بلکہ نافرمان ایک دوسرے کو منع کریں۔ بعض علماء اصول نے کہا: جو شراب پیتے ہیں وہ ایک دوسرے کو منع کریں۔ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے انہوں نے کہا: کیونکہ **كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ** کا قول فعل میں ان کے اشتراک کا تقاضا کرتا ہے اور انہیں منع نہ کرنے کے ترک پر ان کی مذمت کی آیت میں دلیل ہے کہ مجرموں کے ساتھ بیٹھنا منع

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 65　2۔ المحرر الوجیز

ہے اور ان کو چھوڑنے کا حکم ہے اور یہود پر انکار میں اس قول سے تاکید پیدا کی گئی ہے۔ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ مَا كَانُوْا میں ما محل نصب میں ہے اور اس کا مابعد اس کی صفت ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۞ یا یہ محل رفع میں ہے یہ بمعنی الذی ہے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۞

''آپ دیکھیں گے بہتوں کو ان میں سے کہ وہ دوستی رکھتے ہیں کافروں سے بہت ہی برا ہے جو آگے بھیجا ان کے لیے ان کے نفسوں نے یہ کہ ناراض ہو گیا اللہ تعالیٰ ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ یعنی یہود میں سے۔ بعض علماء نے فرمایا: کعب بن اشرف اور ان کے ساتھی۔ مجاہد نے کہا: یعنی منافقین۔

يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی مشرکین سے دوستی رکھتے ہیں، حالانکہ وہ ان کے دین پر نہیں ہیں۔

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ یعنی ان کے نفسوں نے ان کے لیے ان کاموں کو مزین کیا۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے برا ہے وہ جو انہوں نے اپنے نفسوں اور آخرت کے لیے آگے بھیجا۔ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مبتدا کے اضمار کی بنا پر ان محل رفع میں ہے جیسے تیرا قول ہے: بئس رجلا زید۔ بعض نے فرمایا: ما ت بدل ہے جو بئس کے بعد ہے۔ اس بنا پر ما نکرہ ہوگا اور مرفوع ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان محل نصب میں ہو اس معنی کی وجہ سے لان سخط اللہ علیھم۔ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۞ یہ مبتدا خبر ہیں۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۞

''اور اگر وہ ایمان لائے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور جو اتارا گیا اس پر تو نہ بناتے ان کو (اپنا) دوست لیکن اکثر ان میں سے فاسق ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ۔

اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے کافر کو ولی بنایا وہ مومن نہیں جب وہ اس کے اعتقاد پر یقین رکھتا ہے اور اس کے افعال سے خوش ہو۔ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ یعنی اپنے نبی پر ایمان لانے سے خارج ہیں، کیونکہ انہوں نے تحریف کی یا حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے سے خارج ہو گئے ہیں، کیونکہ یہ ان کی منافقت ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ

وَّ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

''ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو اور پائیں گے آپ سب سے زیادہ قریب دوستی میں ایمان والوں سے انہیں جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لیے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ۔ یہ لام، لام قسم ہے اور نون داخل ہوا حال اور مستقبل کے درمیان فرق کرنے کے لیے۔ یہ خلیل اور سیبویہ کے قول کے مطابق ہے۔ عَدَاوَةً پر نصب بیان کے لیے ہے۔ اسی طرح وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی کی آیت ہے۔ یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی، جب مسلمان پہلی ہجرت میں ان کے پاس آئے، جیسا کہ سیرت ابن اسحاق وغیرہ میں مشہور ہے، مشرکین کے خوف اور فتنہ کی وجہ سے یہ بہت سے افراد ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو وہ آپ کے پاس پہنچنے پر قادر نہ ہوئے ان کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جنگ حائل ہوگئی جب جنگ بدر ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے سرداروں کو قتل کیا، تو کفار قریش نے کہا: تمہارا بدلہ حبشہ کی زمین سے لیں گے، پس نجاشی کی طرف انہوں نے تحائف اور دو صاحب عقل لوگ بھیجے شاید وہ تمہیں وہ مسلمان دیدے جو اس کے پاس ہیں پس تم انہیں ان کے بدلے میں قتل کر دینا جو تمہارے افراد جنگ بدر میں قتل کیے گئے ہیں کفار قریش نے عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی کی طرف ہدایا دے کر بھیجے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو بھیجا اور اسے نجاشی کی طرف خط دے کر بھیجا۔ عمرو بن امیہ ضمری نجاشی کے پاس آیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا پھر نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور مہاجرین کو بلایا اور راہبوں اور درویشوں کو بلایا پھر انہیں جمع کیا، پھر حضرت جعفر کو کہا کہ ان پر قرآن پڑھو، حضرت جعفر بن ابی طالب نے سورۂ مریم پڑھی، پس وہ کھڑے ہوئے تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ (1) اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں محمد بن سلمہ مرادی نے بیان کیا فرمایا ہمیں ابن وہب نے بیان کیا فرمایا مجھے یونس نے بیان کیا انہوں نے ابن شہاب سے روایت کیا انہوں نے ابوبکر بن عبد الرحمن بن حرث بن ہشام سے روایت کیا۔ اور سعید بن مسیب سے اور عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ پہلی ہجرت مسلمانوں کی حبشہ کی زمین کی طرف تھی۔ طویل حدیث چلائی ہے۔ بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نصاریٰ کے بیس افراد آئے جب کہ آپ مکہ میں تھے یا مکہ کے قریب تھے جب آپ کی خبر حبشہ کے متعلق پھیلی۔ پس ان نصاریٰ نے آپ کو مسجد میں پایا اور انہوں نے آپ سے سوال کیے، قریش کے

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 197

افراد کعبہ کے اردگرد اپنی مجالس میں تھے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ کی طرف بلایا اور ان پر قرآن پڑھا جب انہوں نے قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور انہوں نے آپ کے متعلق جان لیا جو آپ کے متعلق ان سے بیان کیا گیا تھا جب وہ نصاریٰ آپ کے پاس اٹھ کھڑے ہوئے تو ابو جہل نے ان پر اعتراض کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ اس قافلہ والوں کو رسوا کرے، تمہارے دین والوں نے تمہیں بھیجا تھا تا کہ تم اس شخص کی خبر لاؤ تم ان کی مجلس سے نہ اٹھے حتیٰ کہ تم اپنے دین کو چھوڑ چکے ہو اور تم نے اس کی تصدیق کی ہے جو اس نے تمہیں کہا ہے ہم نے تم سے زیادہ احمق قافلہ نہیں دیکھا یا اس جیسا کہ اس نے کہا۔ انہوں نے جواباً کہا تم پر سلام ہو ہم تمہارے ساتھ جہالت آمیز گفتگو نہیں کرتے۔

ہمارے اپنے اعمال ہیں اور تمہارے اپنے اعمال ہیں ہم اپنے نفسوں کے بارے میں بھلائی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ کہا جاتا ہے: یہ گروہ اہل نجران سے تھا اور کہا جاتا ہے: ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝ (القصص)

کہا جاتا ہے کہ حضرت جعفر اور ان کے اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ستر افراد کے ساتھ آئے جنہوں نے صوف کے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان میں باسٹھ افراد حبشہ سے تھے اور آٹھ افراد شام سے تھے اور وہ یہ تھے بحیرا، راہب، ادریس، اشرف، ابرہہ، ثمامہ، قثم، درید اور ایمن ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ یاسین پڑھی، جب انہوں نے قرآن سنا تو وہ رونے لگے اور ایمان لے آئے اور کہا: یہ کلام، کتنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے کلام کے مشابہ ہے۔ پس ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى۔ یعنی نجاشی کا وفد اور ان کے گرجوں والے۔ سعید بن جبیر نے کہا: ان کے متعلق یہ بھی نازل ہوا۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ الخ (القصص)(1)

مقاتل اور کلبی نے کہا: چالیس آدمی اہل نجران سے بنی حرث بن کعب سے تھے اور بتیس آدمی حبشہ سے تھے، اڑسٹھ آدمی اہل شام سے تھے۔ قتادہ نے کہا: یہ اہل کتاب کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ اس شریعت پر گامزن تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا، قسیین کا واحد قس اور قسیس ہے یہ قطرب کا قول ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 8، صفحہ 600

القسیس کا معنی عالم ہے۔ یہ قس سے ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو طلب کیا اور اس کا پیچھا کیا۔ راجز نے کہا:

يُصْبِحْنَ عن قَسِّ الأذى غَوَافِلا　　وتَقَسَّست أصواتَهم بالليل تَسَمَّعتها

القس کا معنی چغلی بھی ہے۔ القس دین اور علم میں نصاریٰ کا رئیس، سردار، اس کی جمع قسوس ہے اسی طرح القسیس، جیسے الشر اور الشریر، القسیسون وہ لوگ جو علماء اور عبادت گزاروں کی پیروی کرتے ہیں، قسیس کی جمع مکسر قساوسۃ آتی ہے ایک سین کو واؤ سے بدل دیا گیا۔ قساوسۃ جسے مہالبۃ اصل میں قساسۃ تھا ایک سین کو واؤ سے بدل دیا گیا اور القسیس کا لفظ یا تو عربی ہے یا یہ رومی لغت ہے لیکن عربوں نے اسے اپنے کلام کے ساتھ پالیا پس یہ ان کی لغت سے ہو گیا کیونکہ کتاب اللہ میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو عرب کی لغت سے نہ ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابو بکر انباری نے کہا: میرے باپ نے ہمیں بتایا انہوں نے کہا ہمیں نصر بن داؤد نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابو عبید نے بتایا فرمایا: میں نے معاویہ بن ہشام عن نصیر طائی عن الصلت عن حامیہ بن رباب کے سلسلہ سے روایت کیا فرمایا: میں نے سلمان سے بان منهم قسيسين و رهبانا کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: القسیین کو صوامع اور محراب میں چھوڑ دو۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھایا: بِاَنَّ مِنْهُمْ صِدِّيقِيْنَ وَ رُهْبَانًا۔ حضرت عروہ بن زبیر نے کہا: نصاریٰ نے انجیل کو ضائع کر دیا اور انہوں نے اس میں ایسی چیز کو داخل کر دیا جو اس میں سے نہ تھا وہ چودہ افراد تھے جنہوں نے اس کو تبدیل کر دیا، لوقاس، مرقوس، یحنس، مقبوس اور قسیس حق پر باقی رہا اور استقامت پر رہا، پس جو اس کے دین اور ہدایت پر تھا وہ قسیس تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ رُهْبَانًا راہب کی جمع ہے جیسے راکب کی جمع رکبان ہے۔ نابغہ نے کہا:

لو أنها عَرَضت لِاشْمط راهبٍ　　عَبَدَ الإله صَرُورةٍ متعَبِّدِ

لرَنا لِرؤيتها و حُسنِ حديثِها　　ولَخالَه رَشَداً وإن لم يَرْشُدِ

اس سے فعل رَهِبَ الله يَرْهبه ہے یعنی وہ اللہ سے ڈرا۔ رَهَبًا و رَهْبًا و رَهْبَةً الرهبانية والترهب، گرجا میں عبادت کرنا۔ ابو عبید نے کہا: کبھی رہبان واحد کے لیے، کبھی جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: رہبان مفرد کے لیے ہو تو اس کی جمع رهابنة و رَهَابِين آتی ہے جیسے قربان و قرابین۔ جریر نے جمع میں استعمال کیا:

رُهْبَانَ مَدْيَنَ لوراوْكِ تَنَزَّلُوا　　والعُصْمُ من شَعَفِ العُقُولِ الفَادِرُ

الفادر ... عظیم کو بھی کہا جاتا ہے اسی طرح الفدور جمع فدر اور فدور ہے اسم ظرف المفدرة ہے۔ یہ جوہری نے کہا ہے اور التوحید کے بارے میں ایک اور نے کہا۔

لو أَبْصَرَتْ رُهْبانَ دَيرٍ في الجَبَل　　لانحَدَرَ الرُّهبانُ يسْعَى وَيَصِلْ

یصل، الصلوۃ سے ہے، الرهابة، السحابة کے وزن پر ہے، سینے کی ہڈی جو زبان کی طرح پیٹ پر ابھری ہوئی ہوتی ہے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی مدح ہے جو کہ کفر پر اصرار کرنے والے نہ تھے (1) اسی وجہ سے کہا: وَّ اَنَّهُمْ

1۔ تفسیر بغوی

لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ وہ حق کی تابعداری سے انکار کرنے والے نہیں۔

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۳﴾

"جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں آنسوؤں سے اس لیے کہ پہچان لیا انہوں نے حق کو۔ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو لکھ لے ہمیں (اسلام کی صداقت کی) گواہی دینے والوں میں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ، مِنَ الدَّمْعِ سے مراد بالدمع ہے یعنی آنسوؤں کے ساتھ۔ یہ حال واقع ہو رہا ہے اسی طرح یَقُوْلُوْنَ ہے۔ امرؤ القیس نے کہا:

ففاضت دموعُ العینِ مِنّی صبابةً   علی النَّحْرِ حتی بَلَّ دَمْعِی مِحْمَلِی

خبر مستفیض، مشہور خبر کو کہتے ہیں جب وہ پھیل جائے اور مشہور ہو جائے۔ جیسے پانی کی کثرت ہو تو کہتے ہیں: فاض الماء۔ یہ علماء کے احوال ہیں جو روتے ہیں اور چنگھاڑتے نہیں، سوال کرتے ہیں اور چلاتے نہیں، پریشان ہوتے ہیں اور مرنے کا تکلف نہیں کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ (الزمر:23) اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن ان کے جو ڈرتے ہی اپنے پروردگار سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الانفال:2) صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل۔ مزید اس کا بیان سورۃ الانفال میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا کہ مسلمانوں کے سخت ترین دشمن یہود ہیں اور ان کے مشابہ مشرکین ہیں اور مسلمانوں سے محبت کرنے والے نصاریٰ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۳﴾ یعنی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیں لکھ لے جو حق کی گواہی دیتے ہیں۔ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ:143) یہ حضرت ابن عباس اور ابن جریج سے مروی ہے، حسن نے کہا: جو ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔ ابو علی نے کہا: جو تیرے نبی اور تیری کتاب کی تصدیق کے ساتھ گواہی دیتے ہیں۔ فَاكْتُبْنَا کا معنی اجعلنا ہے پس یہ ماقد کتب و دون کے قائم مقام ہے۔

وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ نَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۴﴾

"اور کیا وجہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور جو آچکا ہے ہمارے پاس حق حالانکہ ہم امید کرتے ہیں کہ داخل فرمائے ہمیں ہمارا رب نیک گروہ میں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ دین میں ان لوگوں کی بصیرت کو بیان فرمایا یعنی وہ

کہتے ہیں: کیا وجہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں؟ یعنی ہم ایمان کو ترک کریں۔ نُؤْمِنُ حال واقع ہوا ہے۔ وَ نَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ۞ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۞ (الانبیاء) اس سے مراد بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے، اس کلام میں اضمار ہے یعنی نطمع ان یدخلنا ربنا الجنۃ۔ اور بعض علماء نے فرمایا: مع بمعنی فی ہے جیسا کہ فی بمعنی مع ہوتا ہے تو کہتا ہے: کنت فیمن لقی الامیر یعنی مع من لقی الامیر۔

السمع کبھی مخفف اور کبھی غیر مخفف ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: طمع فیہ طمعا و طماعۃ و طماعیۃ فھو طمع یہ مخفف ہے۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ۞ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۞

''تو عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ بعوض اس قول کے باغات رواں ہیں اس کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی معاوضہ ہے نیکی کرنے والوں کا اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو وہی دوزخی ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ یہ ان کے ایمان کے اخلاص اور ان کے کلام کی سچائی کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا اور ان کے طمع (امید) کو ثابت کیا۔ اسی طرح جس نے ایمان کو خاص کیا اور اس کے یقین کو سچا کیا اس کا ثواب جنت ہے پھر فرمایا: وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اس سے مراد یہود، نصاریٰ اور مشرکین ہیں۔ وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۞، الْجَحِیْمِ سے مراد ایسی آگ ہے جس کا جلانا سخت ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: جحم فلان النار جب اس کا جلانا سخت ہو، شیر کی آنکھ کو جحمہ کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کی چمک سخت ہوتی ہے۔ جنگ کو بھی کہا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

والحربُ لا یَبقی لجا حِمِھا التخیل والمراح
إلا الفتی الصبار فی النجدات والفرس الوقاح

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۞

''اے ایمان والو! نہ حرام کرو پاکیزہ چیزوں کو جنہیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ طبری نے حضرت ابن عباس تک سند ذکر فرمائی ہے کہ آیت ایک شخص کے سبب نازل ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو میری شہوت ابھرتی ہے، پس میں نے گوشت اپنے اوپر حرام کر دیا ہے (1)، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی جماعت کے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 130۔ ایضاً، حدیث نمبر 2980، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بارے میں نازل ہوئی جن میں حضرت ابوبکر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابوذر غفاری، حضرت سالم مولی ابی حذیفہ، حضرت مقداد بن الاسود، حضرت سلمان فارسی اور حضرت معقل بن مقرن رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ تمام حضرات حضرت عثمان بن مظعون کے گھر جمع ہوئے اور اس پر اتفاق کیا کہ وہ دن کو روزہ رکھیں گے، رات کو قیام کریں گے اور بستروں پر نہیں سوئیں گے اور گوشت اور گھی نہیں کھائیں گے اور عورتوں اور خوشبو کے قریب نہیں جائیں گے اور اونی لباس پہنیں گے اور دنیا کو ترک کر دیں گے، زمین میں سفر کریں گے، رہبانیت اختیار کریں گے اور شرمگاہوں کو کاٹ دیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔ اس مفہوم میں احادیث کثیر ہیں اگرچہ ان میں نزول کا ذکر نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے چند لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تنہائی کے اعمال کے بارے میں پوچھا، ان میں بعض صحابہ نے کہا: میں عورتوں سے نکاح نہیں کروں گا۔ بعض نے کہا: میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ بعض نے کہا: میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور فرمایا: ''اس قوم کا کیا حال ہوگا جنہوں نے ایسا ایسا کیا لیکن میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، عورتوں سے مقاربت بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میری جماعت سے نہیں'' (1)۔ اس حدیث کو بخاری نے حضرت انس سے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: تین افراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حجروں کے پاس آئے جب کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کر رہے تھے جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے آپ کی عبادت کو قلیل سمجھا، انہوں نے کہا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو کیسے پا سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے اور پچھلے گناہوں سے محفوظ فرمایا ہے۔ ایک نے کہا تھا: میں ہمیشہ ساری ساری رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور افطار نہیں کروں گا۔

ایک نے کہا: میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور میں کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور کہا: تم نے ایسا ایسا کہا ہے، ''اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے مقاربت بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میری جماعت سے نہیں''۔ ان دونوں محدثین نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عثمان بن مظعون نے تبتل کا ارادہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا اگر آپ انہیں اس کی اجازت دیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حدثنا ابو المغیرہ قال حدثنا معان بن رفاعہ قال حدثنی علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سریہ میں نکلے، فرمایا: ایک شخص ایک غار سے گزرا جس میں پانی تھا اس نے سوچا کہ وہ اس غار میں قیام کرے اور اس پانی سے خوراک حاصل کرے اور اردگرد جو

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 757۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 449

سبزیاں ہیں وہ کھائے اور دنیا سے کنارہ کش ہو جائے، پھر اس نے کہا: اگر میں نبی کریم ﷺ کے پاس جاؤں اور آپ کے سامنے اس پروگرام کا ذکر کروں اگر آپ مجھے اس کی اجازت دیں تو میں ایسا کروں گا ورنہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں ایک غار سے گزرا جس میں میری خوراک کے لیے پانی اور سبزیاں تھیں پس میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس میں رہوں اور دنیا سے قطع تعلق کرلوں۔ نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: ''میں نہ یہودیت کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں اور نہ نصرانیت کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں میں تو خالص شریعت حنیفیہ کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اللہ کے راستہ میں صبح کے وقت نکلنا یا شام کے وقت نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور کسی کا جہاد کی صف میں کھڑا ہونا ساٹھ سال کی نماز سے بہتر ہے''۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہمارے علماء نے اس آیت اور اس کے مشابہہ آیات اور وہ احادیث جو اس مفہوم میں وارد ہیں ان کے بارے میں فرمایا: یہ غالی صوفیاء اور باطل متصوفین کا رد کرتی ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر گروہ شریعت کے راستہ سے ہٹ گیا اور حق سے دور ہو گیا۔ طبری نے کہا: کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کسی چیز کو حرام کرے جو اللہ نے حلال کی ہے اپنے مومن بندوں کے لیے، خواہ وہ کوئی کھانے کی چیز ہو یا پہننے کی چیز ہو یا نکاح میں سے ہو جب کہ اسے اپنے نفس پر اس کے حلال کرنے کے ساتھ گناہ اور مشقت کا اندیشہ نہ ہو۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون پر تبتل کا انکار فرمایا، پس ثابت ہوا کہ کسی حلال چیز کو ترک کرنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے اور فضل اور نیکی اس میں ہے جس کے کرنے کی طرف اس نے بندوں کو بلایا ہے اور جس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کیا تھا اور امت کے لیے جس کام کو سنت بنایا تھا اور جس طریقہ پر ائمہ راشدین نے اتباع کی تھی، کیونکہ بہتر ہدایت نبی مکرم ﷺ کی ہدایت ہے۔ جب اس طرح معاملہ ہے تو ان لوگوں کی خطا ظاہر ہو گئی جنہوں نے روئی کے لباس پر اون اور بالوں کے لباس کو ترجیح دی جب کہ وہ دوسرے حلال لباس کے استعمال پر قادر ہو اور جس نے سخت کھانے کو ترجیح دی اور گوشت وغیرہ کو ترک کر دیا اس خوف سے کہ عورتوں کی حاجت لاحق نہ ہو۔

اگر کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ خیر اور فضیلت اس میں ہے جو ہماری گفتگو کے علاوہ ہے، کیونکہ موٹا لباس پہننے اور سخت کھانا کھانے میں نفس پر مشقت ہے اور جو رقم بچ جائے گی وہ غریبوں پر تقسیم ہو جائے گی تو یہ اس کا گمان غلط ہے، کیونکہ انسان کے لیے بہتر وہ ہوتا ہے جس میں انسان کے نفس کی فلاح ہو اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طاعت پر معاونت ہو اور جسم پر کوئی چیز ردی کھانوں سے زیادہ نقصان دہ نہیں ہے، کیونکہ یہ عقل کو خراب کر دیتے ہیں اور قوت کو کمزور کرتے ہیں جو طاعت الٰہیہ کا سبب ہوتی ہے۔

حضرت حسن بصری کے پاس کوئی شخص آیا اور کہا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو فالودہ نہیں کھاتا، حضرت انس نے فرمایا: کیوں؟ اس نے کہا: وہ کہتا ہے وہ اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ حسن نے کہا: کیا وہ ٹھنڈا پانی پیتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تیرا پڑوسی جاہل ہے، کیونکہ اس پر ٹھنڈے پانی کی نعمت فالودہ کی نعمت سے زیادہ ہے۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے فرمایا: یہ اس صورت میں ہے جب دین کے معاملات درست ہوں اور مال حرام نہ ہو، لیکن جب دین کے

معاملات خراب ہوں اور حرام عام ہو تو پھر تبتل افضل ہے اور لذات کا ترک کرنا اولیٰ ہے اور جب حلال موجود ہو تو پھر نبی کریم ﷺ کی حالت پر عمل کرنا افضل اور اعلیٰ ہے۔ مہلب نے کہا: نبی کریم ﷺ نے تبتل اور ترہب سے اس لیے منع فرمایا، کیونکہ قیامت کے روز نبی کریم ﷺ اپنی امت کے ساتھ دوسری امت پر کثرت کا اظہار کرنے والے ہوں گے اور دنیا میں آپ اپنی امت کے ساتھ کفار سے جہاد کرنے والے ہیں اور آخر زمانہ میں دجال سے لڑیں گے، نبی کریم ﷺ نے نسل کی کثرت کرنے کا ارادہ کیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَعْتَدُوْا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے حد سے نہ بڑھو ورنہ تم اس کو حلال کرو گے جو اللہ نے حرام فرمایا پس اس بنا پر دونوں نہی اپنے ضمن میں دونوں طرفوں کو لیے ہوئے ہیں یعنی سختی نہ کرو ورنہ حلال کو حرام کر دو گے اور بہت زیادہ رخصت نہ دو ورنہ حرام کو حلال کر دو گے۔ یہ حسن بصری نے کہا ہے (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تُحَرِّمُوْا کے قول کی تاکید ہے۔ یہ سدی اور عکرمہ وغیرہ کا قول ہے یعنی اس کو حرام نہ کر جس کو اللہ نے حلال اور مشروع کیا۔ پہلا قول بہتر ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 5۔ جس نے اپنے اوپر کوئی کھانا یا پینا یا لونڈی کو حرام کیا یا کسی بھی ایسی چیز کو حرام کیا جس کو اللہ نے حلال کیا تھا تو اس پر کوئی چیز نہیں ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس وجہ سے کوئی کفارہ نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس نے لونڈی کی تحریم سے اس کو آزاد کرنے کی نیت کی ہوگی تو وہ آزاد ہو جائے گی اور اس پر ان سے وطی کرنا حرام ہو جائے گا مگر نئے نکاح کے ساتھ پھر وہ حلال ہو جائے گی، اسی طرح کسی نے اپنی بیوی کو کہا: تو مجھ پر حرام ہے، تو اس کو تین طلاقیں ہو جائیں گی یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنی بیوی کو طلاق کنایہ کے ساتھ حرام کرنا مباح کیا ہے اور حرام، طلاق کے کنایات سے ہے۔ مزید علماء کے اقوال سورۃ التحریم میں آئیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جس نے کسی چیز کو حرام کیا تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی جب وہ اس کام کو کرے گا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا، یہ بعید ہے (2) اور آیت اس کے خلاف ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: یمین لغو حلال کو حرام کرنا ہے، یہی امام شافعی کے قول کا معنی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

''اور کھاؤ اس سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا اس میں ایک مسئلہ ہے۔ الاکل سے مراد کھانے، پینے، پہننے اور سونے سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اکل (کھانے) کو خصوصی طور پر ذکر فرمایا، کیونکہ مقصود اعظم ہے اور انسان کے انتفاعات میں سے خاص ہے۔ کھانے، پینے اور پہننے کا ذکر سورۂ اعراف میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

رہی لذت امیز اشیاء کی شہوت، اور شہوت والی چیزوں کی طلب میں نفس کا جھگڑنا ان پر لوگوں کے نفس کو قدرت دینے میں

1۔ المحرر الوجیز　2۔ احکام القرآن، للکیا طبری

مذاہب مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نفس کو شہوات کی اتباع سے روکنا بہتر ہے تاکہ وہ انسان کا مطیع ہو جائے اور اس کے عناد کو روندنا آسان ہو جائے، کیونکہ جب وہ نفس کو اس کی مراد عطا کرے گا تو بہت زیادہ شہوات میں چلنے والا ہوگا اور شہوات کا مطیع ہوگا۔ حکایت ہے کہ ابو حازم پھلوں کے اوپر سے گزرے تو نفس نے اس کی خواہش کی، ابو حازم نے نفس کو کہا: تیرے وعدہ کی جگہ جنت ہے۔ بعض دوسرے علماء نے کہا: نفس کو لذات پر قدرت دینا اولیٰ ہے، کیونکہ اس کے ارادہ کو پانے کے ساتھ نشاط اور چستی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: توسط اولیٰ ہے۔

کیونکہ کبھی نفس کی خواہش پوری کرنا اور کبھی پوری نہ کرنا دونوں امروں کو جمع کرنا ہے اور یہ بغیر کسی عیب کے نصف ہے۔ اعتدا اور رزق کا معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ الحمد للہ

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

”نہ باز پرس کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ تمہاری فضول قسموں پر لیکن باز پرس کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو تو اس (کے توڑنے) کا کفارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑے پہنائے جائیں انہیں یا آزاد کیا جائے غلام اور جو نہ پائے (ان میں سے کوئی چیز) تو وہ روزے رکھے تین دن، یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم اٹھاؤ اور حفاظت کیا کرو اپنی قسموں کی اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم شکریہ ادا کرو“۔

اس میں ستالیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ، اللغو کا معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ کا معنی من ایمانکم ہے(1)۔ ایمان جمع ہے یمین کی (جس کا معنی ہے قسم) بعض علماء نے فرمایا: یمین، یمن سے فعیل کے وزن پر ہے اس سے مراد برکت ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے یمین سے اس لیے تعبیر فرمایا، کیونکہ یہ حقوق کی حفاظت کرتی ہے۔ یمین کا لفظ مذکر، مونث استعمال ہوتا ہے اس کی جمع ایمان اور ایمن آتی ہے زہیر نے کہا:

فتجمع أيمن منا و منكم

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کے نزول کے سبب میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کے نزول کا سبب وہ لوگ ہیں جنہوں نے کھانے، پینے اور پہننے اور نکاح میں سے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کیا، انہوں نے اس پر قسمیں اٹھائی تھیں جب یہ آیت نازل ہوئی لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ تو انہوں نے کہا: ہم اپنی قسموں کا کیا کریں؟ تو یہ

1۔ احکام القرآن للکیا طبری

آیت نازل ہوئی۔ اس قول کی بناء پر معنی یہ ہوگا جب تم قسم اٹھاؤ پھر اسے لغو کر دو یعنی اس کے حکم کو کفارہ دینے کے ساتھ ساقط کر دو اور کفارہ دے دو تو اللہ اس کی وجہ سے تم سے مواخذہ نہیں کرے گا بلکہ مواخذہ تو اس پر ہوگا جس پر تم قائم رہے اور اسے لغو نہ کیا یعنی کفارہ نہ دیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ قسم کسی چیز کو حرام نہیں کرتی۔ یہ امام شافعی کی دلیل ہے کہ قسم کے ساتھ حلال کی تحریم متعلق نہیں ہوتی حلال کو حرام کرنا لغو ہے جیسا کہ حرام کو حلال کرنا لغو ہے جیسے کوئی کہتا ہے: استحللت شرب الخمر میں نے شراب پینے کو حلال کیا۔ پس اس قول کی بنا پر یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال کو حرام کرنا لغو قرار دیا ہے، کیونکہ وہ خود حرام نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ یعنی حلال کو حرام کرنے کے ساتھ۔

روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے یتیم بچے بھی تھے اور مہمان بھی تھا۔ وہ رات کے وقت اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد لوٹے تو پوچھا: کیا تم نے میرے مہمان کو کھانا کھلا دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم تو تمہارے انتظار میں تھے۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس رات کھانا نہیں کھاؤں گا، مہمان نے کہا: میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ یتیموں نے کہا: ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ جب حضرت عبد اللہ نے سب کا انکار دیکھا تو کھانا کھایا اور دوسرے لوگوں نے بھی کھایا پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور صورت حال عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے الرحمٰن کی اطاعت کی اور شیطان کی نافرمانی کی''۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (1)

مسئلہ نمبر 3۔ شریعت میں قسم کی چار صورتیں ہیں: دو میں کفارہ ہے اور دو میں کفارہ نہیں ہے۔ دارقطنی نے اپنی سنن میں حدثنا عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز حدثنا خلف بن ہشام حدثنا عبثر عن لیث عن حماد عن ابراہیم عن علقمۃ عن عبد اللہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ نے فرمایا: قسمیں چار ہیں دو میں کفارہ ہے اور دو میں کفار نہیں، وہ دو قسمیں جن میں کفارہ ہے وہ اس طرح ہیں کہ کوئی شخص قسم اٹھائے کہ اللہ کی قسم! میں ایسا ایسا نہیں کروں گا، پھر وہ ایسا کر دے۔ کوئی شخص کہے: اللہ کی قسم! میں ایسا ایسا کروں گا، پھر وہ نہ کرے۔ اور وہ دو قسمیں جن کا کفارہ نہیں ہے وہ اس طرح ہیں کہ کوئی شخص قسم اٹھائے: اللہ کی قسم! میں نے ایسا ایسا نہیں کیا، حالانکہ اس نے کیا تھا۔ کوئی شخص قسم اٹھائے میں نے ایسا کیا تھا، حالانکہ اس نے ایسا کیا نہیں تھا۔ ابن عبد البر نے کہا: سفیان ثوری نے اپنی جامع میں ذکر کیا ہے۔ مروزی نے ان سے یہ ذکر کیا ہے، سفیان نے کہا: ایمان (قسمیں) چار ہیں دو کا کفارہ دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کہے: اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا پھر وہ ایسا کرے یا کہے: اللہ کی قسم! میں ایسا کروں گا پھر وہ ایسا نہ کرے۔ وہ دو قسمیں جن کا کفارہ نہیں دیا جاتا وہ یہ ہیں کہ کوئی شخص کہے: اللہ کی قسم! میں نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ اس نے ایسا کیا تھا یا کہے: میں نے ایسا کیا تھا، حالانکہ ایسا کیا نہیں تھا۔ مروزی نے کہا: پہلی دو قسموں میں علماء کا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ سفیان نے کہا اور دوسری دو قسمیں ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، اگر قسم اٹھانے والے نے قسم اٹھائی کہ اس نے ایسا ایسا نہیں کیا یا اس نے ایسا ایسا کیا تھا وہ اپنے گمان میں سچا ہے تو اس پر گناہ نہیں اور امام مالک، سفیان ثوری اور اصحاب الرائے کے قول کے مطابق اس پر کفارہ نہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8، صفحہ 613

اسی طرح احمد اور ابو عبید نے کہا ہے: امام شافعی نے فرمایا: اس پر گناہ نہیں اور اس پر کفارہ ہے۔ مروزی نے کہا: اس میں امام شافعی کا قول قوی نہیں، فرمایا: مگر قسم اٹھانے والے نے قسم اٹھائی کہ اس نے ایسا ایسا نہیں کیا تھا، حالانکہ اس نے ایسا کیا تھا اس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا تھا تو وہ گناہگار ہے۔ اور اکثر علماء امام مالک، سفیان ثوری، اصحاب الرائے، امام احمد بن حنبل، ابوثور اور ابو عبید کے قول میں اس پر کفارہ نہیں ہے۔ امام شافعی فرماتے تھے: اس پر کفارہ ہے۔ فرمایا: بعض تابعین سے امام شافعی کے قول کی مثل مروی ہے۔ مروزی نے کہا: میرا میلان امام مالک اور امام احمد کے قول کی طرف ہے، فرمایا: رہی یمین لغو، اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ یمین لغو انسان کا یہ قول ہے: لا واللہ، بلی واللہ۔ وہ اپنی بات میں یہ الفاظ استعمال کرتا ہے جب کہ نہ وہ قسم کو منعقد کرنے والا ہوتا ہے اور نہ اس کا قسم کا ارادہ ہوتا ہے۔ امام شافعی نے کہا: یہ جھگڑنے، غصہ اور جلدی کے وقت کہا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ یہ قاف کی تخفیف کے ساتھ العقد سے مشتق ہے۔ عقد کی دو قسمیں ہیں حسی جیسے رسی کا باندھا۔ حکمی جیسے عقد بیع، شاعر نے کہا:

قوم إذا عقدوا عقدًا لجارهم شدّوا العناج و شدّوا فوقه الكربا

اور یمین منعقدہ، یہ العقد سے منفعلۃ کے وزن پر ہے (1) اس سے مراد یہ ہے کہ مستقبل میں کسی کام کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے پھر وہ کام کرلے یا کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرے اور پھر وہ نہ کرے، جیسا کہ پہلے گزرا ہے یہ وہ قسم ہے جس کو استثنا اور کفارہ حلال کرتا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

عَقَّدْتُّمْ عین کے بعد الف بھی پڑھا گیا ہے فاعل کے وزن پر، یہ نہیں ہوتا مگر اکثر دو میں۔ کبھی دوسرا وہ ہوتا ہے جس کے لیے کلام میں قسم اٹھائی جاتی ہے جس کے ساتھ کلام واقع ہوتی ہے یا اس کا معنی ہے: ما عاقدتم علیہ الایمان، کیونکہ عاقد، معنی میں عاہد کے قریب ہے پس حرف جر کے ساتھ متعدی کیا گیا، کیونکہ یہ عاہد کے معنی میں ہوتا ہے۔ عاہد دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے، دوسرا حرف جر کے ساتھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ (الفتح: 10) یہ اس کی طرح ہے جیسے: نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ کو الی کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے، حالانکہ اس کا باب یہ ہے کہ تو کہتا ہے: نادیت زیداً۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ (مریم: 52)

جب نادینا دعوت کے معنی میں ہو تو الی کے ساتھ متعدی کیا جائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ (حم السجدہ: 33) پھر عاقدتم علیہ الایمان کے قول میں وسعت کی گئی تو حرف جر حذف کیا گیا پس فعل مفعول کے ساتھ مل گیا اور عاقدتموہ بن گیا۔ پھر ہاء کو حذف کیا گیا جیسے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر: 94) میں حذف کیا گیا یا فاعل بمعنی فَعَلَ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ (توبہ: 30) یعنی قتلہم اللہ کبھی باب مفاعلہ کلام عرب میں فاعلت کے معنی کے بغیر واحد کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے تیرا قول ہے: سافرت، ظاہرت، عقدتم۔ قاف کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے تعمدتم یعنی قصدتم۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ تشدید تکرار کا تقاضا کرتی ہے پس

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 653

اس پر کفارہ نہیں مگر جب تکرار کرے۔ اس کا وہ حدیث رد کرتی ہے جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں ان شاء اللہ قسم نہیں اٹھاؤں گا۔ پھر اس کے علاوہ کام کو بہتر دیکھوں گا مگر میں وہ کام کروں گا جو بہتر ہوگا اور میں قسم کا کفارہ دے دوں گا''۔ اس حدیث میں قسم کے کفارہ کے وجوب کا ذکر فرمایا جس میں تکرار نہیں ہے۔ ابو عبید نے کہا: تشدید بار بار قسم اٹھانے کا تقاضا کرتی ہے۔ میں امن میں نہیں ہوں کہ جو اس قرأت کے ساتھ پڑھے اس پر ایک قسم میں کفارہ لازم نہ ہو حتیٰ کہ وہ تکرار کرلے۔ یہ قول اجماع کے خلاف ہے۔ نافع نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر جب مؤکد قسم کے علاوہ بھی قسم توڑتے تو دس مساکین کو کھانا کھلاتے اور جب قسم کو مؤکد کرتے تو غلام آزاد کرتے، کسی نے نافع سے پوچھا: قسم مؤکد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا: کسی چیز پر بار بار قسم اٹھانا۔

مسئلہ نمبر 5۔ یمین غموس میں اختلاف ہے کیا یہ منعقدہ ہے یا نہیں؟ جمہور علماء کے نزدیک یہ جھوٹ، فریب اور مکر کی قسم ہے یہ منعقد نہیں ہوتی اور نہ اس پر کفارہ ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: یہ یمین منعقدہ ہے، کیونکہ یہ دل کا فعل یہ خبر کے ساتھ معقود ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسم کے ساتھ متصل ہے اور اس میں کفارہ ہے۔ صحیح پہلا قول ہے۔ ابن المنذر نے کہا: یہ امام مالک بن انس اور ان کے متبعین مدنی علماء کا قول ہے، یہی امام اوزاعی اور اہل شام میں سے ان کے ہمنوا علماء کا قول ہے یہی قول ثوری اور اہل عراق کا ہے۔ یہی قول امام احمد، اسحاق، ابو ثور اور ابو عبید، اصحاب الحدیث اور اہل کوفہ میں سے اہل الرائے کا ہے۔ حضرت ابو بکر نے کہا: نبی کریم ﷺ کا ارشاد من حلف علی یمین فرای غیرها خیراً منها فلیأت الذی هو خیر ولیکفر عن یمینه (1) اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد: فلیکفر عن یمینه ویاتی الذی هو خیر۔ دلالت کرتا ہے کہ کفارہ اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو کسی فعل کی مستقبل میں کرنے کی قسم اٹھاتا ہے، پھر اسے نہیں کرتا ہے یا کسی فعل کے نہ کرنے کی قسم اٹھاتا ہے، پھر وہ اسے کر دیتا ہے۔ مسئلہ میں دوسرا قول بھی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کفارہ دے اگرچہ وہ گناہگار ہوگا اگر اس نے جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھائی ہوگی۔ یہ امام شافعی کا قول ہے: حضرت ابو بکر نے کہا: ہم کوئی خبر نہیں جانتے ہیں جو اس قول پر دلالت کرتی ہو اور کتاب وسنت پہلے قول پر دلالت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ (بقرہ: 224)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ شخص جو قسم اٹھاتا ہے کہ وہ قرابتداروں سے صلہ رحمی نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے کفارہ میں اس کے لیے نکلنے کی سبیل پیدا فرمائی اور اسے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کو نیکی نہ کرنے کا سبب نہ بنائے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے اخبار اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ جس کے ساتھ انسان کسی کا حرام مال لیتا ہے تو یہ قسم کے کفارہ سے زیادہ گناہ ہے۔ ابن عربی نے کہا: قسم کی دو قسمیں ہیں: لغو اور منعقدہ۔ غالب طور پر لوگوں میں قسموں میں یہی ہوتی ہیں اس کے علاوہ کو چھوڑ (خواہ) وہ سو قسمیں بھی ہوں، کیونکہ اس پر کفارہ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے فرمایا: ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 48

اور کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم بڑے گناہ کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا''۔ اس نے کہا: پھر کون سا گناہ ہے؟ فرمایا: ''والدین کی نافرمانی کرنا''۔ اس نے پوچھا: پھر کون سا ہے۔ فرمایا: ''یمین غموس'' میں نے کہا: یمین غموس کیا ہے؟ فرمایا: ''جس کے ساتھ کسی کا مال حاصل کرلے جب کہ اس قسم میں جھوٹا ہو''۔ مسلم نے حضرت ابو امامہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان کا حق قسم کے ذریعے حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آگ واجب کردے گا اور اس پر جنت حرام کردے گا''۔ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اگرچہ وہ مال تھوڑا سا بھی ہو؟ فرمایا: ''اگرچہ وہ کیکر کی چھڑی بھی ہو''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایسی مضبوط لازم قسم اٹھائی جس کے ساتھ اس نے کسی مسلمان کا مال حاصل کیا جب کہ وہ اس میں جھوٹا تھا تو وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے جب کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی(1)۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا الخ (آل عمران: 77) اس پر کفارہ کا ذکر نہیں فرمایا اگر ہم اس پر کفارہ واجب کریں گے تو اس کا جرم ساقط ہوجائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا جب کہ وہ اس سے راضی ہوگا اور وہ اس وعید کا مستحق نہیں ہوگا جس کی دھمکی دی گئی ہے اور یہ کیسے نہ ہوگا جب کہ اس قسم اٹھانے والے نے جھوٹ اور غیر کے مال کو حلال سمجھنے کا فعل جمع کیا ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کی تخفیف کی ہے اور اس کے ساتھ استہزا کیا ہے اور دنیا کی تعظیم کی۔ اللہ تعالیٰ نے جس کی بڑائی بیان کی اس کی اس نے اہانت کی اور جس کی اللہ نے تحقیر کی اس کی اس نے تعظیم کی، تیرے لیے یہی کافی ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے کہا: یمین غموس کو غموس کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ قسم اٹھانے والے کو آگ میں غوطہ دیتی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر کوئی شخص کسی نیکی کے نہ کرنے کی قسم اٹھائے، پھر اگر وہ اس نیکی کو کرے گا تو وہ حانث ہوجائے گا اور اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ کیونکہ قسم کی مخالفت پائی گئی ہے۔ اسی طرح جب کسی نے کہا: اگر میں یہ کروں پھر نہ کرے تو کفارہ لازم ہوگا۔ جب قسم اٹھائے کہ وہ ضرور ایسا کرے گا تو وہ فی الحال ایسا نہیں کرے گا تو وہ حانث ہوگا مخالفت کے پائے جانے کی وجہ سے اگر وہ فعل کردے گا تو وہ قسم کو پورا کرنے والا ہوگا، اسی طرح اگر کہا: اگر میں ایسا نہ کروں۔

مسئلہ نمبر 7۔ قسم اٹھانے والے کا قول: ''میں ایسا ضرور کروں گا اور اگر میں ایسا نہ کروں''۔ یہ امر کے قائم مقام ہے اور ''میں ایسا نہیں کروں گا اور اگر میں ایسا کروں'' یہ نہی کے قائم مقام ہے۔ پہلی صورت میں وہ قسم کو پورا کرنے والا نہیں ہوگا حتیٰ کہ تمام وہ کام کرے جس پر قسم اٹھائی گئی تھی اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی کہے: میں روٹی ضرور کھاؤں گا۔ پھر اس نے بعض روٹی کھائی تو وہ قسم کو پورا کرنے والا نہ ہوگا حتیٰ کہ تمام روٹی کھائے، کیونکہ روٹی کے ہر جز پر قسم اٹھائی گئی تھی۔ اگر کہا: اللہ کی قسم! میں کھاؤں گا۔ مطلقاً کہا، تو وہ تھوڑی سی روٹی کھا کر بھی قسم کو پورا کرنے والا ہوگا جس پر روٹی کے اسم کا اطلاق ہوتا ہوگا، کیونکہ وجود میں اکل کی ماہیت کو داخل کرنے کی وجہ سے اور نہی کی صورت میں وہ حانث ہوجائے گا اس کم از کم روٹی کے استعمال سے جس پر روٹی کے اسم کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ اس کا مقتضا یہ ہے کہ وجود میں منہی عنہ کے افراد میں سے کوئی فرد

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 4212

داخل نہ ہو۔ اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس نے ایک پاؤں داخل کیا تو وہ حانث ہو جائے گا اس پر دلیل یہ ہے کہ ہم نے شارع کو پایا کہ پہلے اسم کے ساتھ تحریم کی جہت کو مغلظ کیا ارشاد فرمایا: وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ (النساء: 22) پس جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول نہیں کیا تو وہ اس کے باپ اور بیٹے پر حرام ہو جائے گی، پہلے اسم کے ساتھ تحلیل کی جہت میں اکتفا نہیں کیا فرمایا: لاحتی تذوق عسیلتہ نہیں حتیٰ کہ تو اس کا ذائقہ چکھ لے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ قسم اٹھائی جائے گی جیسی الرحمن، الرحیم، السمیع، العلیم، الحلیم اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات علیا کے ساتھ قسم اٹھائی جائے گی جیسے اس کی عزت، اس کی قدرت، اس کا علم، اس کا ارادہ، اس کی کبریائی، اس کی عظمت، اس کا عہد، اس کا میثاق اور دوسری اس کی ذاتی صفت، کیونکہ ان کے ساتھ قسم بھی غیر مخلوق قدیم کے ساتھ قسم ہے، اس کے ساتھ قسم اٹھانے والے ذات کے ساتھ قسم اٹھانے والے کی طرح ہیں۔ ترمذی، نسائی وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے جب جنت کو دیکھا اور اللہ کی طرف واپس آئے تو کہا: وعزتك تیری عزت کی قسم! کوئی اس جنت کے متعلق نہیں سنے گا مگر وہ اس میں داخل ہوگا۔ اسی طرح آگ کے بارے میں کہا: وعزتك تیری عزت کی قسم! ایسا نہیں کہ کوئی اس کے بارے میں سنے اور پھر اس میں داخل ہو(1)۔ ترمذی اور نسائی وغیرہما نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے قسم اٹھاتے تھے لا و مقلب القلوب(2) ایک روایت میں ہے لا و مصرف القلوب(3)۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ جو قسم اٹھائے اور کہے واللہ یا باللہ یا تاللہ پھر حانث ہو جائے تو اس پر کفارہ ہے۔ ابن المنذر نے کہا: مالک، شافعی، ابو عبید، ابو ثور، اسحاق اور اصحاب الرائے کہتے ہیں: جس نے اللہ کے اسماء میں سے کسی اسم کے ساتھ قسم اٹھائی اور پھر حانث ہو جائے تو اس پر کفارہ ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں اور میں اس کے خلاف نہیں جانتا۔

میں کہتا ہوں: باب ذکر الحلف بالقرآن میں نقل ہے، یعقوب نے کہا: جس نے الرحمن کے ساتھ قسم اٹھائی پھر قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں: الرحمن اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، اس پر اجماع ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ نمبر 9۔ علماء کا وحق اللہ وعظمۃ اللہ وقدرۃ اللہ وعلم اللہ ولعمر اللہ و ایم اللہ میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا: یہ تمام قسمیں ہیں ان میں کفارہ واجب ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: وحق اللہ و جلال اللہ وعظمۃ اللہ وقدرۃ اللہ۔ قسم ہے، اگر اس سے قسم کی نیت نہ کرے اگر قسم کی نیت نہ کرے تو قسم نہیں، کیونکہ اس میں احتمال ہے اس کا مطلب ہوگا اللہ کا حق واجب ہے اور اس کی قدرت ظاہر ہونے والی ہے۔ اور فی امانۃ اللہ میں فرمایا: یہ قسم نہیں ہے۔ ولعمر اللہ و ایم اللہ اگر ان سے قسم مراد نہ لے تو قسم نہ ہوگی۔ اصحاب الرائے نے کہا: اگر کہا: وعظمۃ اللہ و عزۃ اللہ و جلال اللہ و کبریاء اللہ و امانۃ اللہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 2483، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، کتاب النذور والأیمان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 1460، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الکفارات، حدیث نمبر 2082، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پھر قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ ہو گا۔ حسن نے کہا: وحق اللہ قسم نہیں ہے اور اس پر کفارہ بھی نہیں ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے جو رازی نے ان سے حکایت کیا ہے، اسی طرح عهد الله و میثاقه و امانته قسم نہیں ہے۔ امام صاحب کے بعض اصحاب نے کہا: یہ قسم ہے۔ امام طحاوی نے کہا: یہ قسم نہیں ہے، اسی طرح جب کہا: وعلم اللہ تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک قسم نہ ہو گی۔ امام ابو یوسف کا قول اس سے مختلف ہے انہوں نے کہا: یہ قسم ہے۔ ابن عربی نے کہا: امام صاحب نے یہ قول اس لیے فرمایا: کیونکہ علم کبھی معلوم کے معنی میں ہوتا ہے اور وہ محدث ہے پس وہ قسم نہ ہو گی اور وہ اس سے غافل رہے کہ قدرت بمعنی مقدور بھی استعمال ہوتی ہے ہر جواب جو وہ مقدور کے بارے میں کہیں گے وہی ہمارا معلوم کے بارے میں جواب ہو گا۔

ابن المنذر نے کہا: یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وایم الله ان کان لخلیقا للامارة اللہ کی قسم! وہ امارت کا حق دار تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ کے واقعہ میں فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس فرماتے تھے وایم اللہ۔ اسی طرح حضرت ابن عمر نے فرمایا: اسحاق نے کہا جب ایم اللہ سے مراد قسم لے گا تو ارادہ اور دل کی عقد کے ساتھ قسم ہو گی۔

مسئلہ نمبر 10۔ قرآن کی قسم اٹھانے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: ہر ایک کے عوض اس پر قسم ہو گی۔ حسن بصری اور ابن المبارک کا یہی قول ہے، امام احمد نے فرمایا: میں کوئی ایسی دلیل نہیں جانتا جو اس کا رد کرے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ ایک قسم ہو گی۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: اس پر کفارہ نہیں ہے۔ قتادہ قرآن کے ساتھ قسم اٹھاتے تھے۔ احمد اور اسحاق نے کہا: ہم اس کو ناپسند نہیں کرتے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے اسماء اور صفات کے علاوہ قسم منعقد نہ ہو گی، امام احمد بن حنبل نے فرمایا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم اٹھائے گا تو قسم منعقد ہو جائے گی، کیونکہ اس نے ایسی ذات کی قسم اٹھائی کہ ایمان کی تکمیل ان کو تسلیم کرنے کے ساتھ ہوتی ہے اس پر کفارہ لازم ہو گا جس طرح اگر اللہ کی قسم اٹھاتا تو کفارہ لازم ہوتا۔ اس کو وہ حدیث رد کرتی ہے جو صحیحین وغیرہما میں ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب کو ایک قافلہ میں پایا جب کہ حضرت عمر اپنے باپ کی قسم اٹھا رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آواز دی ''خبردار اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء کی قسمیں اٹھانے سے منع کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائے یا خاموش رہے''(1)۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے اسماء اور اس کی صفات کے علاوہ ہر چیز کی قسم نہ اٹھانے میں حصر ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور اس کو مزید ابو داؤد اور نسائی وغیرہما کی روایت ثابت کرتی ہے جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے آباء، اپنی امہات اور انداد کی قسم نہ اٹھاؤ اور قسم نہ اٹھاؤ مگر اللہ کی اور اللہ کی قسم نہ اٹھاؤ مگر جب تم سچے ہو''(2)۔ پھر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو کہتا ہے حضرت آدم و حضرت ابراہیم کی قسم تو وہ بھی کہتا ہے: اس پر کفارہ نہیں، حالانکہ یہاں بھی اس نے ایسی ذات کی قسم اٹھائی جن کے ساتھ ایمان مکمل ہوتا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 46 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، حدیث 2827، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 12۔ ائمہ نے روایت کی ہے اور یہ لفظ مسلم کے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے تم میں سے قسم اٹھائی اور اس نے لات کی قسم اٹھائی تو وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے (یعنی دوبارہ کلمہ پڑھے) اور جس نے اپنے ساتھی کو کہا: آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلتا ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ صدقہ کرے۔ نسائی نے حضرت مصعب بن سعد عن ابیہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم کسی معاملہ کا ذکر کر رہے تھے جب کہ میرا زمانہ جاہلت قریب تھا میں نے لات وعزیٰ کی قسم اٹھائی۔ مجھے کسی صحابی نے کہا: تو نے بہت برا کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے ''تو نے جھوٹ کہا ہے''۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس واقعہ کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کہو لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر اور تین مرتبہ اپنی بائیں جانب تھوک دے اور اللہ تعالیٰ سے شیطان کی پناہ مانگ اور پھر کبھی ایسا نہ کہنا''۔ علماء نے فرمایا: جس نے ایسا کلمہ کہا اس کو رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد کلمہ پڑھنے کا حکم اس لفظ کے کفارہ کے لیے اور غفلت سے تذکیر کے لیے اور نعمت کی تکمیل کے لیے دیا تھا۔ لات کا ذکر خصوصی طور پر کیا، کیونکہ یہ اکثر لوگوں کی زبانوں پر جاری ہوتا تھا۔ ان کے دوسرے بتوں کے ناموں کا بھی یہ حکم ہے، کیونکہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح جس نے اپنے ساتھی کو کہا: آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلوں گا تو اس کو صدقہ کرنا چاہیے۔ اس کے بارے کلام اسی طرح ہے جس طرح لات کے بارے میں ہے، کیونکہ وہ جوا کھیلنے کے عادی بن چکے تھے اور یہ باطل ذریعہ سے مال کھانا ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ امام ابو حنیفہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو کہتا ہے وہ یہودی ہے یا نصرانی ہے یا اسلام سے بری ہے یا نبی سے بری ہے یا قرآن سے بری ہے یا اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا یا اللہ تعالیٰ سے کفر کیا، تو یہ قسم ہے اس میں کفارہ لازم ہے اور جب اس نے کہا: والیھودیۃ والنصرانیۃ والنبی والکعبۃ اگرچہ قسم کے صیغہ پر کہا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوتا اور ان کی دلیل دارقطنی کی روایت ہے جو انہوں نے حضرت ابو رافع سے روایت کی ہے کہ ان کی سردار عورت نے ارادہ کیا کہ وہ ان کے اور ان کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دے اس نے کہا: وہ ایک دن یہودیہ ہوگی، ایک دن نصرانیہ ہوگی اس کا ہر مملوک آزاد ہے اس کا جو مال ہے وہ اللہ کے راستہ میں ہے اور اس پر اللہ کے گھر کی طرف چل کر جانا ہے اگر اس نے ان کے درمیان جدائی نہیں کی، اس نے یہ مسئلہ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ام سلمہ سب سے پوچھا تو انہوں نے اسے کہا: تو ہاروت وماروت کی مثل ہونا چاہتی ہے انہوں نے اسے قسم کا کفارہ دینے اور انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دینے کو کہا، انہوں نے حضرت رافع سے روایت کیا ہے فرمایا: میری مالکن نے کہا: میں تمہارے اور تمہاری بیوی کے درمیان جدائی کراؤں گی۔ اس کا ہر مال کعبہ کی چوکھٹ کے لیے ہے۔ وہ ایک دن یہودیہ، ایک دن نصرانیہ، ایک دن مجوسیہ ہے، اگر میں تیرے اور تیری بیوی کے درمیان جدائی نہ کراؤں۔

حضرت رافع نے فرمایا: میں ام المومنین ام سلمہ کی طرف گیا، میں نے کہا: میری مالکن چاہتی ہے کہ وہ میرے اور میری بیوی کے درمیان جدائی ڈال دے۔ حضرت ام سلمہ نے کہا: تو اپنی مالکن کے پاس جا اور اسے کہہ کہ یہ تیرے لیے حلال نہیں،

حضرت رافع نے کہا: میں مالکن کے پاس واپس آیا۔ فرمایا: میں حضرت ابن عمر کے پاس گیا انہیں یہ سارا واقعہ سنایا۔ پس وہ آئے حتیٰ کے دروازے پر پہنچ گئے فرمایا: یہاں ہاروت وماروت ہیں۔ اس عورت نے کہا: میں نے تمام مال کعبہ کی چوکھٹ کے لیے کر دیا ہے فرمایا: پھر تو کس چیز سے کھائے گی۔ اس عورت نے کہا: میں نے کہا ہے میں ایک دن یہودیہ ہوں، ایک دن نصرانیہ ہوں، ایک دن مجوسیہ ہوں۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: اگر تو یہودی ہوگی تو تجھے قتل کیا جائے گا، اگر تو نصرانی ہوگی تو تجھے قتل کیا جائے گا، اگر تو مجوسی ہوگی تو تجھے قتل کیا جائے گا۔ اس عورت نے کہا: پھر تم مجھے کیا حکم دیتے ہو؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: تو اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے غلام اور لونڈی کو جمع کر۔

علماء کا اجماع ہے کہ قسم اٹھانے والا جب کہے: اقسم باللہ۔ تو یہ قسم ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے جب کہے: اقسم یا کہے: اشهد لیکونن کذا و کذا اور باللہ نہ کہے تو امام مالک کے نزدیک ایمان ہوگی۔ جب باللہ کا ارادہ کیا ہو، اگر باللہ کا ارادہ نہ کیا ہو وہ قسمیں نہ ہوں گی جن کا کفارہ دیا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ، اوزاعی، حسن اور نخعی نے کہا: یہ دونوں صورتوں میں قسمیں ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: قسم نہ ہوگی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا اسم کا ذکر کرے۔ یہ مزنی کی امام شافعی سے روایت ہے۔ ربیع نے امام شافعی سے مالک کے قول کی مثل روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ جب کہے: تجھے میں قسم دیتا ہوں تو ایسا ضرور کرے گا اگر تو اس کا ارادہ سوال ہے تو کفارہ نہیں ہے اور یہ قسم نہیں اور اگر قسم کا ارادہ ہے تو وہی حکم ہے جو ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ جو ایسی چیز کی قسم اٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے لیکن اس کی صفات سے نہیں ہے جیسے وخلق اللہ ورزق اللہ وبیت اللہ۔ تو اس پر کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ یہ قسمیں جائز نہیں ہیں اس نے اللہ کے علاوہ کی قسم اٹھائی ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب قسم منعقد ہو جائے گی تو اسے کفارہ حلال کرے گا یا استثنا۔ ابن الماجشون نے کہا: استثنا کفارہ کا بدل ہے وہ قسم کو حلال کرنے والا نہیں۔ ابن القاسم نے کہا: یہ قسم کو حلال کرنے والا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ فقہاء امصار کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے اس میں شرط ہے کہ وہ متصل ہو تلفظ کے ساتھ ہو، اس کی دلیل نسائی اور ابوداؤد کی روایت ہے جو حضرت ابن عمر سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: جس نے قسم اٹھائی اور استثنا کر دی تو پھر اگر وہ چاہے تو اس کام کو کرے چاہے تو ترک کر دے وہ قسم کو توڑنے والا نہ ہوگا۔

اگر بغیر لفظ کے نیت کی یا متصل نہ کہا جب کہ کوئی عذر بھی نہ تھا تو استثنا اسے فائدہ نہ دے گی۔ محمد بن المواز نے کہا: استثنا قسم کے ساتھ اعتقاداً متصل ہوگی اگرچہ آخری حرف کے ساتھ ہو۔ فرمایا: اگر وہ قسم سے فارغ ہو گیا پھر استثنا کی تو اسے نفع نہ دے گی، کیونکہ قسم مکمل ہو چکی تھی اور وہ استثنا سے خالی تھی، پس اس کے بعد استثنا کا وارد ہونا مؤثر نہ ہوگا جیسے بہت دیر کے ساتھ کہے تو مؤثر نہیں ہوتا۔ اس کو حدیث **من حلف فاستثنی** رد کرتی ہے، فا تعقیب کے لیے ہے اس پر جمہور اہل علم ہیں۔ نیز یہ تو اس تک پہنچاتا ہے کہ قسم حلال نہ ہو جس کو اس نے اٹھایا ہے اور یہ باطل ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا: ہمارے اصحاب

کا اختلاف ہے کہ جب وہ اپنے نفس میں محلوف علیہ کی تخصیص کی استثنا کرے۔ ہمارے بعض اصحاب نے کہا: اس کا استثنا کرنا صحیح ہے جب محلوف لہ ظالم ہو۔ بعض نے فرمایا: استثنا صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ محلوف لہ اس کو سن لے۔ بعض نے فرمایا: جب استثنا کے ساتھ زبان اور ہونٹوں کو حرکت دے تو صحیح ہے اگرچہ محلوف لہ (جس کے لیے قسم اٹھائی) نہ بھی سنے۔ ابن خویز منداد نے کہا: ہم نے کہا: دل میں اس کی استثنا صحیح ہے، کیونکہ قسموں کا اعتبار نیتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہم نے کہا: یہ صحیح ہے حتیٰ کہ وہ استثنا کے ساتھ اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دے، کیونکہ جس نے زبان اور ہونٹوں کو حرکت نہ دی تو وہ کلام کرنے والا نہ ہو گا۔ استثنا کلام سے شمار ہوتی ہے جو کلام کے ساتھ واقع ہوتی ہے۔ ہم نے کہا: یہ کسی حال میں صحیح نہیں، کیونکہ یہ محلوف لہ کا حق ہے یہ اس کے مطابق واقع ہوتی ہے جو اس کے لیے حاکم پورا کرتا ہے جب قسم مخالف کے لیے اختیار پر نہ ہو بلکہ وہ اس سے حاصل کی گئی ہو تو واجب ہے کہ اس کے لیے اس میں حکم نہ ہو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ایک سال کے بعد بھی قسم کا استثنا پایا جائے گا۔ ابو العالیہ اور حسن نے اس میں ان کی متابعت کی ہے اور انہوں نے اس قول کے ساتھ حجت قائم کی ہے وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (الفرقان: 68) کیونکہ اس کے سال بعد اِلَّا مَنْ تَابَ (الفرقان: 70) نازل ہوا تھا۔ مجاہد نے کہا: جس نے دو سال بعد (ان شاء اللہ) کہا، تو بھی جائز ہوگا۔ سعید بن جبیر نے کہا: اگر چار مہینے بعد استثنا کی تو جائز ہو گی۔ طاؤس نے کہا: وہ استثنا کر سکتا ہے جب تک مجلس میں ہے۔ قتادہ نے کہا: اگر کھڑے ہونے یا کلام کرنے سے پہلے استثنا (ان شاء اللہ) کر دی تو استثنا شمار ہو گی۔ امام احمد بن حنبل اور اسحاق نے کہا: جب تک اس معاملہ میں ہے استثنا (ان شاء اللہ) کر سکتا ہے۔ عطا نے کہا: اس کے لیے اونٹنی کا دودھ دوہنے کی مقدار ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ ابن عربی نے کہا: حضرت ابن عباس نے جس آیت سے حجت پکڑی ہے وہ درست نہیں، کیونکہ وہ علم الٰہی میں اور لوح محفوظ میں دونوں آیتیں متصل ہیں اس کے نزول میں تاخیر علم الٰہی کی حکمت کے پیش نظر ہے لیکن اس پر ایک عمدہ فرع مترتب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قسم اٹھانے والا جب کہے: اللہ کی قسم! تو گھر میں داخل ہوئی اور تجھے طلاق، اگر تو گھر میں داخل ہوئی اس نے اپنی پہلی قسم میں ان شاء اللہ دل میں کہا اور دوسری قسم میں دل میں ایسی بات نکالی جو اس استثنا کے مناسب تھی جو قسم اٹھا دیتا ہے خواہ وہ مدت ہو یا کوئی سبب ہو، کسی کی مشیئت ہو اس نے محلوف لہ (جس کے لیے قسم اٹھائی) کے ڈر کی وجہ سے استثنا کو ظاہر نہ کیا تو یہ اس کو فائدہ دے گا اور دونوں قسمیں اس پر منعقد نہ ہوں گی طلاق میں بھی یہ ہو جب تک کہ دلیل موجود نہ ہو اگر دلیل موجود ہو تو اس کی استثنا کا دعویٰ قبول نہ ہوگا۔ یہ اس کو مفید ہو گا جب وہ فتویٰ لینے کے لیے آئے گا۔

میں کہتا ہوں: استثنا کی وجہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ظاہر فرمائی اور دوسری میں مخفی رکھی، اسی طرح جب قسم اٹھانے والا بھی جب خوف کی بنا پر قسم اٹھائے اور استثنا کو مخفی کر دے۔ واللہ اعلم۔

ابن عربی نے کہا: ابو الفضل مراغی مدینۃ الاسلام (بغداد) میں پڑھتا تھا اور اس کے خطوط اس کے شہر سے اس کی طرف آتے تھے تو وہ انہیں صندوق میں رکھتا تھا اور ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں پڑھتا تھا اس خوف سے کہ ان میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو اسے پریشان کر دے اور اسے علم کے حصول سے روک دے جب پانچ سال گزر گئے تو اس نے طلب علم کی غرض پوری

کر لی اور اس نے واپسی کا ارادہ کیا، اس نے اپنی سواری کو تیار کیا تو اس نے وہ اپنے خطوط نکالے اور انہیں پڑھا ان میں وہ کچھ لکھا تھا کہ اگر کوئی انہیں ان کے پہنچنے کے بعد پڑھتا تو اس کے لیے علم کا ایک حرف بھی پڑھنا ممکن نہ ہوتا۔ فضل نے اللہ کی حمد کی اور سواری پر اپنا سامان باندھا اور خراسان کے راستہ سے حلبۃ کے باب کی طرف نکل پڑے، کرائے والے نے سواری پیش کی وہ ایک خباز (نانبائی) کے پاس کھڑے ہوئے اس سے سامان سفر خرید رہے تھے وہ اس کے ساتھ باتیں کر رہے تھے انہوں نے اسے ایک دوسرے نانبائی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کیا تو نے عالم یعنی واعظ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ حضرت ابن عباس استثنا کو جائز قرار دیتے تھے اگرچہ سال بعد بھی ہو، میں نے اس کی بات سنی تو میں سوچنے لگ گیا اگر یہ صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کو خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ (ص: 44) نہ فرماتا، اسے یہ کہنے سے کون سی چیز مانع تھی کہ تو ان شاء اللہ کہہ دے جب اس نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا تو اس نے کہا: اس شہر کے نانبائیوں کی علمی کیفیت یہ تھی اس مرتبہ علم نے انہیں مراغۃ سے نکالا تھا، میں کبھی ایسا نہیں کروں گا وہ کرائے والے کے پیچھے چلا اسے کرایہ دے دیا اور وہاں ہی ٹھہرا رہا حتیٰ کہ فوت ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 18۔ استثنا یمین باللہ کو اٹھا دیتی ہے یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اور وہ قسم جو غیر اللہ میں ہو اس کی استثنا میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے کہا: ہر یمین میں استثنا واقع ہوتی ہے جیسے طلاق، عتاق وغیرہ۔ ابو عمر نے کہا: جس پر علماء کا اجماع ہے وہ حق ہے استثناء کا ذکر یمین باللہ میں ہے اس کے علاوہ میں نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكَفَّارَتُهٗٓ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینے میں علماء کا اختلاف ہے کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس اجماع کے بعد کہ کفارہ سے پہلے قسم توڑنا مباح، حسن ہے، یہ علماء کے نزدیک اولیٰ ہے۔ علماء کے تین قول ہیں: (ا) مطلقاً جائز ہے یہ چودہ صحابہ، جمہور علماء کا مذہب ہے اور امام مالک کا مشہور مذہب یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: کسی اعتبار سے جائز نہیں۔ یہ اشہب کی روایت امام مالک سے ہے۔ جواز کی وجہ کا ثبوت حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ان شاء اللہ میں کسی کام پر قسم اٹھاؤں گا پھر اس کے علاوہ کوئی بہتر کام دیکھوں گا تو میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا اور وہ کام کروں گا جو بہتر ہوگا(1)'' اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور معنی کی جہت سے اس طرح ہے کہ قسم کفارہ کا سبب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ۔ یہاں کفارہ کو قسم کی طرف مضاف کیا اور معانی اسباب کی طرف مضاف کیے جاتے ہیں نیز کفارہ قسم پوری کرنے کا بدل ہے پس توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے اور منع کی دلیل مسلم کی روایت ہے جو حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ''جس نے کسی کام پر قسم اٹھائی پھر اس نے اس کے علاوہ اس سے بہتر کام دیکھا تو وہ وہ کرے جو بہتر ہے''۔ نسائی نے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ ''وہ قسم کا کفارہ دے'' اور معنی کی جہت سے اس طرح ہے کہ کفارہ گناہ کو اٹھانے کے لیے ہے جب تک اس نے قسم توڑی نہیں تو وہ کوئی چیز ہے ہی نہیں جس کو اٹھایا جائے، اس لیے کفارہ پہلے ادا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 48

کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اور اِذَا حَلَفْتُمْ کا معنی ہے جب تم قسم اٹھاؤ اور پھر قسم توڑ دو نیز ہر عبادت جو وجوب سے پہلے ادا کی جائے وہ صحیح نہیں ہوتی جیسا کہ نمازیں اور دوسری عبادات ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: قسم کا کفارہ کھانا کھلانے، غلام آزاد کرنے اور کپڑے پہنانے کے ساتھ جائز ہے اور روزے کے ساتھ جائز نہیں، کیونکہ بدن کا عمل وقت سے پہلے مقدم نہیں کیا جاتا اس کے علاوہ میں کفارہ کو مقدم کرنا جائز ہے۔ یہ تیسرا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ نے کفارہ میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں اختیار دیا گیا ہے ان کی عدم موجودگی کے وقت روزے کا ذکر فرمایا کھانے سے آغاز فرمایا، کیونکہ وہ حجاز کے شہروں میں افضل تھا، کیونکہ اس کی حاجت زیادہ تھی اور لوگوں میں سیرابی بہت کم تھی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قسم کا کفارہ تخییر پر ہے۔ ابن عربی نے فرمایا: جو میرے نزدیک ہے وہ یہ ہے کہ یہ حالت کے اعتبار سے ہے اگر تو احتیاج کو محسوس کرے تو کھانا افضل ہے، کیونکہ جب تو غلام آزاد کرے گا تو ان کی حاجت پوری نہیں کرے گا اور گیارہویں محتاج کا اضافہ کرے گا، اسی طرح اس کے بعد لباس ہے جو اس سے متصل ہے جب اللہ تعالیٰ نے حاجت کو دیکھا تو مقدم مہم سے آغاز کیا۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ ہمارے نزدیک اور امام شافعی کے نزدیک مساکین کو اس چیز کا مالک بنانا ضروری ہے جو ان کے لیے نکالی جائے اور ان کے حوالے کر دے حتیٰ کہ وہ مالک ہو جائیں اور اس میں تصرف کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ (انعام: 14) وہ کھلاتا ہے، کھلایا نہیں جاتا۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادے کو سدس 1/6 حصہ دیا، کیونکہ یہ کفارہ کی ایک قسم ہے اس میں جائز نہیں مگر تملیک۔ اس کی اصل الکسوہ ہے امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر انہیں صبح و شام کھلائے تو جائز ہے۔ ہمارے علماء میں سے ابن ماجشون کا یہ مختار قول ہے، ابن ماجشون نے کہا: کھانے میں قدرت دے دینا کھلانا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ (الدہر) کسی اعتبار سے کھلائے وہ اس آیت میں داخل ہے۔

مسئلہ نمبر 22۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے کہ الوسط بمعنی اعلیٰ اور بہتر ہے یہاں یہ دو مرتبوں کے درمیان ایک مرتبہ ہے اور دونوں اطراف کے درمیان نصف ہے اس سے حدیث ہے خیر الامور اوسطھا بہتر امر درمیانہ ہے۔ ابن ماجہ نے روایت کیا ہے محمد بن یحییٰ نے ہمیں بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبدالرحمٰن بن مہدی نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں سفیان بن عیینہ نے کہا انہوں نے سلیمان بن ابی مغیرہ سے روایت کیا انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا فرمایا: ایک شخص اپنے اہل کو خوراک دیتا ہے اس میں وسعت ہوتی ہے اور ایک شخص اپنے اہل کو خوراک دیتا ہے اس میں شدت ہوتی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی: مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ یہ دلیل ہے کہ یہاں وسط سے مراد وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے یعنی وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 23۔ امام مالک کے نزدیک دس مسکینوں میں سے ہر ایک کے لیے کھانے میں مد ہوگا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کے مد کے ساتھ ہو یہی قول امام شافعی اور اہل مدینہ کا ہے۔ سلیمان بن یسار نے کہا: میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ جب قسم کا

کفارہ دیتے تھے تو گندم کا ایک مد، مد اصغر کے ساتھ دیتے تھے اور وہ اس کو ان کی طرف سے کافی سمجھتے تھے۔ یہ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت کا قول ہے۔ عطا بن ابی رباح نے بھی یہی کہا ہے، قسم کے علاوہ کفارہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ ابن القاسم نے کہا: ہر جگہ مد کافی ہے۔ ابن المواز نے کہا: ابن وہب نے مصر میں ایک مد اور ایک نصف کا فتویٰ دیا۔ اور اشہب نے ایک مد اور ثلث 1/3 کا فتویٰ دیا فرمایا: ایک مد اور ایک ثلث 1/3 صبح و شام میں شہریوں کی درمیانی خوراک تھی۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: گندم کا نصف صاع دے اور کھجور اور جو کا ایک صاع دے انہوں نے یہ حضرت عبداللہ بن ثعلبہ بن صغیر عن ابیہ کے سلسلہ سے مروی حدیث کی بنا پر کہا ہے۔ صغیر نے کہا: رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ نے صدقہ فطر میں ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر فرد کی طرف سے یا دو شخصوں کو ایک صاع دینے کا حکم فرمایا، سفیان اور ابن المبارک نے اسی قول کو لیا ہے۔ حضرت علی، حضرت عمر اور حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔

سعید بن میسب کا یہی قول ہے اور یہ اکثر فقہاء عراق کا قول ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس نے یہ روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایک صاع کھجور کا کفارہ دیا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا اور جو یہ نہ پائے وہ نصف صاع گندم دے: مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اس حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 24۔ یہ کفارہ کسی غنی اور ایسے قریبی رشتہ دار کو دینا جائز نہیں جس کا نفقہ لازم ہوتا ہے اگر رشتہ دار ایسے افراد سے ہو جس کا نفقہ لازم نہیں ہوتا، امام مالک نے فرمایا: مجھے تو اسے کھلانا بھی اچھا نہیں لگتا لیکن اگر وہ ایسا کر دے اور لینے والا فقیر ہو تو جائز ہوگا اگر ایسے غنی کو کھلایا جس کی غنا کا اسے علم نہ تھا تو ''مدونہ'' اور دوسری کتب میں ہے کہ جائز نہیں ہوگا اور ''الاسدیہ'' میں ہے جائز ہوگا۔(1)

مسئلہ نمبر 25۔ انسان وہ چیز کفارہ میں دے جو خود کھاتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہاں علماء کی ایک جماعت سے لغزش ہوئی انہوں نے کہا: جب وہ خود جو کھاتا ہو اور لوگ گندم کھاتے ہوں تو وہ ایسی چیز کفارہ میں دے جو لوگ کھاتے ہیں۔ یہ کھلا سہو ہے، کیونکہ جب کفارہ دینے والا اپنے لیے صرف جو کی طاقت رکھتا ہے تو اسے دوسرے کے لیے کسی اور چیز کا مکلف نہیں کیا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صاعاً من طعام صاعاً من شعیر دونوں کا علیحدہ ذکر فرمایا تاکہ ہر شخص وہ نکالے جو خود کھاتا ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ امام مالک نے فرمایا: اگر دس مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلایا تو اس کے لیے جائز ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا: انہیں اکٹھا کھلانا جائز نہیں، کیونکہ وہ کھانے میں مختلف ہوتے ہیں بلکہ ایک مسکین کو ایک مد دے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک وقت کا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا کافی نہیں یعنی صرف صبح کا کھانا کھلانا اور شام کا کھانا نہ کھلانا یا صرف شام کا کھلانا اور صبح کا نہ کھلانا، بلکہ انہیں صبح و شام کھانا کھلائے۔ ابو عمر نے کہا: یہ ائمہ فتویٰ کا قول ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2 صفحہ 230

مسئلہ نمبر 27۔ ابن حبیب نے کہا: صرف روٹی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ سالن بھی دیا جائے گا خواہ وہ زیتون کا تیل ہو یا کشک (جو کا پانی) ہو یا کامخ (سالن) ہو یا کوئی بھی سالن ہو جو میسر ہو۔ ابن عربی نے کہا: یہ زیادتی ہے میں اسے واجب نہیں جانتا، ہاں اس کے لیے مستحب ہے کہ روٹی کے ساتھ چیچی، ہاں اور گوشت ہو، رہا کسی کھانے کے لیے سالن کی تعیین ہو تو اس کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ لفظ اس کو متضمن نہیں۔

میں کہتا ہوں، آیت کا نزول وسط میں ہے جو روٹی اور زیتون یا سرکہ کا تقاضا کرتی ہے اور جو چیز اس کے مفہوم میں ہو پنیر، کشک (جو کا پانی) وغیرہ جیسا کہ ابن حبیب نے کہا تھا: واللہ اعلم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہترین سالن سرکہ ہے'' حسن بصری نے کہا: اگر وہ مساکین کو روٹی اور گوشت کھلائے یا روٹی اور زیتون ایک مرتبہ ایک دن میں کھلائے حتیٰ کہ وہ سیر ہو جائیں تو کافی ہے یہ ابن سیرین، جابر بن زید اور مکحول کا قول ہے یہ حضرت انس بن مالک سے بھی مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 28۔ ہمارے نزدیک سارا کفارہ ایک مسکین کو دینا جائز نہیں امام شافعی کا یہی قول ہے (1) اور امام ابو حنیفہ کے اصحاب ایک فقیر کو یکبارگی تمام کفارہ دینے کو منع کرتے ہیں اور اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ وہ تمام کفارہ ایک دن میں کئی مرتبہ ایک فقیر کو دے، بعض نے اس کی اجازت دی جب فعل متعدد ہو تو دوسرے فعل میں یہ کہنا اچھا ہے کہ اسے منع نہ کیا جائے جس کو پہلے دیا گیا ہے، کیونکہ مسکین کا اسم اس کو بھی شامل ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس کو کئی ایام میں دینا جائز ہے اگر ایام متعدد ہوں گے تو وہ کئی مساکین کے قائم مقام ہوگا۔ (2)

امام ابو حنیفہ نے کہا: یہ اس کے لیے جائز ہے، کیونکہ آیت سے مقصود اس مقدار کی تعریف ہے جو کھلایا جائے گا اگر اس نے یہ مقدار ایک کو دے دی تو جائز ہے۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا دس مساکین پر نص قائم فرمانا ہے پس اس سے عدول جائز نہیں، کیونکہ اس میں مسلمانوں کی ایک جماعت کا احیاء اور ان کی ایک دن کفایت کرنا ہے، پس وہ اس دن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی دعا کے لیے فارغ ہوں گے پھر اس کے سبب کفارہ دینے والے کو بخش دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 29۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَكَفَّارَتُهٗٓ** ضمیر کا مرجع نحوی قواعد کے مطابق ما ہے اور اس جگہ میں احتمال ہے کہ یہ **ما** معنی الذی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ **ما مصدریہ** ہو یا ضمیر کا مرجع قسم توڑنے کا گناہ ہو اگرچہ پہلے صراحۃً اس کا ذکر نہیں لیکن معنی اس کا تقاضا کرتا ہے۔ (3)

مسئلہ نمبر 30۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اَهْلِيْكُمْ** یہ اہل کی جمع سالم ہے حضرت جعفر بن محمد صادق نے أهاليكم پڑھا ہے اور یہ جمع مکسر ہے۔ ابو الفتح نے کہا: اہال یہ لیال کی طرح ہے ان کا واحد اہلات ولیلات ہے عرب کہتے ہیں: اهل واهلة۔ شاعر نے کہا:

وَأَهْلَةِ وُدٍّ قد تَبَرَّيْتُ وُدَّهُمْ وأَبليتُهُمْ فى الجَهْدِ حَمْدِى وَنائِلِى

وہ کہہ رہا ہے میں نے ان کی محبت سے اعراض کیا۔ یہ ابن سکیت کا قول ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن عربی 2۔ احکام القرآن للکیا طبری 3۔ المحرر الوجیز

مسئلہ نمبر 31۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَوْ كِسْوَتُهُمْ یہ کاف کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے إِسوۃ اور أُسوۃ سعید بن جبیر اور محمد بن سمیقع یمانی نے أَوْ كَإِسْوَتِهِمْ پڑھا ہے یعنی کإسوۃ أھلیك۔ الکسوۃ مردوں کے حق میں ایک کپڑا ہے جو پورے جسم کو ڈھانپنے والا ہو اور عورتوں کے حق میں وہ کم از کم جس میں ان کی نماز جائز ہو اور وہ قمیص اور دوپٹہ ہے یہی حکم چھوٹے افراد کا ہے۔ ابن القاسم نے ''العتبیۃ'' میں کہا: چھوٹی بچی کو بڑا کپڑا پہنایا جائے گا اور چھوٹے بچے کو بڑا کپڑا پہنایا جائے گا کھانے پر قیاس کے اعتبار سے۔

امام شافعی، امام ابوحنیفہ، ثوری اور اوزاعی نے کہا: کسوۃ کا اطلاق جس پر کم از کم واقع ہوتا ہے وہ ایک کپڑا ہے۔ ابوالفرج نے امام مالک سے روایت کیا ہے اور یہی ابراہیم نخعی اور مغیرہ کا قول ہے کہ جو تمام بدن کو ڈھانپ لے اس بناء پر کہ نماز اس سے کم میں جائز نہیں (1)۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: بہتر کپڑا جانگیا ہے۔ طبری نے سند کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے۔ حکم بن عتیبہ نے کہا: عمامہ کافی ہے جس سے سر لپیٹا جاتا ہے (2)۔ یہ ثوری کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ کہنے پر مجھے زیادہ حرص دلاتی ہے کہ جائز نہیں ہے مگر وہ کپڑا جو گرمی اور سردی کی اذیت سے بچائے جیسا کہ اس پر کھانا ہے جو اس کی بھوک مٹا دے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں، رہی ایک چادر تو میں اسے نہیں جانتا اللہ تعالیٰ میرے لیے اور تمہارے لیے اپنی مدد سے معرفت کے دروازے کھول دے۔

میں کہتا ہوں: ایک قوم نے متعارف لباس کی رعایت رکھی ہے۔ بعض نے فرمایا: ایک کپڑا جائز نہیں مگر جب بڑا کپڑا ہو جس کے ساتھ پورا جسم لپٹ جائے جیسے کمبل اور بڑی چادر۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: قسم کے کفارہ میں ہر مسکین کے لیے کپڑا اور ازار ہے یا ایک کپڑا اور ردا یا قمیص یا قبا یا کمبل ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا کہ ہر مسکین کو دو دو کپڑے پہنائے جائیں۔ حسن اور ابن سیرین نے بھی یہی کہا۔ یہ ابن عربی کا مختار معنی ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 32۔ طعام اور لباس کی قیمت دینا جائز نہیں، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: قیمت دینا جائز ہے، وہ فرماتے ہیں: زکوٰۃ میں قیمت دینا جائز ہے تو پھر کفارہ میں کیسا ہوگا؟ ابن عربی نے کہا: اس کا بنیادی مقصد حاجت کا پورا کرنا ہے اور ضرورت کو ختم کرنا ہے پس اس میں قیمت جائز ہے۔ ہم کہتے ہیں: اگر تم ضرورت کو پورا کرنے کی طرف دیکھتے ہو تو عبادت کہاں ہے اور اعیان ثلاثہ پر نص قرآنی کہاں ہے اور ایک نوع سے دوسری نوع کی طرف بیان کا انتقال کہاں جائے گا؟۔

مسئلہ نمبر 33۔ لباس کسی ذمی یا غلام کو دینا جائز نہیں، امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ذمی اور غلام کو دینا جائز ہے، کیونکہ وہ مسکین ہے۔ مسکنت کا لفظ اسے شامل ہے اور آیت کا عموم اس پر مشتمل ہے۔ ہم نے کہا: یہ خاص ہے کہ مال کا مخصوص حصہ مسکینوں کو دینا واجب ہے پس اسے کافر کو دینا جائز نہیں، اس کی اصل زکوٰۃ ہے جب کہ اتفاق ہے کہ مرتد کو لباس دینا جائز نہیں پس ہر دلیل جس کے ساتھ مرتد خاص ہوتا ہے وہی دلیل ذمی کے بارے میں ہماری دلیل ہے اور غلام مسکین نہیں ہے، کیونکہ وہ

1۔ احکام القرآن لابن عربی 2۔ المحرر الوجیز

آقا کے نفقہ کی وجہ سے مستغنی ہے پس اسے لباس نہیں دیا جائے گا جیسے غنی کو نہیں دیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 34۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ تحریر کا معنی ہے غلامی سے نکالنا۔ پھر یہ لفظ قید، مشقت اور دنیا کی تھکن سے نکالنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اسی سے ام مریم کا قول ہے: اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا (آل عمران: 35)

یعنی میں نے تیرے لیے اسے دنیا کے معاملات سے آزاد کرنے کی نذر مانی ہے جو میرے بطن میں ہے۔ اسی سے فرزدق بن غالب کا قول ہے:

أبنی غُدانةَ إننی حَرّرتُکم فوهبتُکم لعطیةِ بن جِعَالِ

یعنی میں نے تمہیں ہجو سے آزاد کیا۔ انسان کے رقبہ کو خاص کیا ہے، کیونکہ یہ وہ عضو ہے جس میں حیوان کو بیڑی اور پٹہ ڈالا جاتا ہے یہ ملک کی جگہ ہے پس تحریر کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔(1)

مسئلہ نمبر 35۔ ہمارے نزدیک ایسے مومن غلام کا آزاد کرنا جائز ہے جسمیں غیر کی شرکت نہ ہو اور نہ اس کا جس کا بعض پہلے آزاد ہو اور مدت تک آزاد کرنا جائز ہے، نہ مکاتب و مدبر غلام جائز ہے اور نہ ام ولد کا آزاد کرنا جائز ہے اور اس کا جو اس کی ملکیت میں آنے کے بعد خود بخود اس پر آزاد ہو جاتا ہو اور نہ اتنا بوڑھا ہو اور نہ اپاہج ہو جس کی وجہ سے کمائی میں نقصان ہوتا ہو، وہ غلام عیوب سے سلامت ہو اس میں کسی قسم کا عیب نہ ہو، جب کہ داؤد نے عیب دار کو آزاد کرنا جائز قرار دیا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: کافرہ کا آزاد کرنا جائز ہے۔ کیونکہ لفظ کا اطلاق اس کا تقاضا کرتا ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ قربت واجبہ ہے پس کافر اس کا محل نہیں جیسے زکوٰۃ ہے پس قرآن میں غلام آزاد کرنے میں سے جو مطلق آیا ہے وہ اس مقید کی طرف راجع ہے جو قتل خطا میں غلام آزاد کرنے کا ذکر ہے۔ ہم کہتے ہیں: اس میں شرکت نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ (النساء: 92) اور بعض رقبة، رقبة نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں: اس میں آزادی کی عقد نہ ہو چکی ہو، کیونکہ تحریر کا کلمہ ابتداءً آزاد کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ ایسا رقبہ نہ ہو جو پہلے آزادی کی جگہ پر ہو۔ ہم نے کہا: وہ عیوب سے سلامت ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ پس اطلاق کامل رقبہ کو آزاد کرنے کا تقاضا کرتا ہے اور اندھا غلام ناقص ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح میں مروی ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس کا یہ آزاد کرنا آگ سے چھٹکارا ہے۔ اس کا ہر عضو اس کے ہر عضو کے بدلے میں آگ سے آزاد کیا جاتا ہے حتیٰ کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ کو آگ سے آزاد کیا جاتا ہے (2)، یہ نص ہے۔ کانے غلام کے بارے مذہب میں دو قول مروی ہیں اسی طرح بہرے اور خصی کے بارے میں ہے۔

مسئلہ نمبر 36۔ جس نے مال نکالا تاکہ کفارہ میں غلام آزاد کرے لیکن وہ مال ضائع ہو جاتا ہے تو اس پر کفارہ باقی رہے گا بخلاف اس کے جو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مال نکالتا ہے تاکہ وہ فقراء کو دے یا اس کے ساتھ غلام خریدے پھر وہ مال تلف ہو جاتا ہے تو اس پر کوئی دوسرا مال واجب نہیں ہے، کیونکہ اس نے حکم کی پیروی کی ہے۔

1۔ المحرر الوجیز
2۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضل من اعتق، حدیث نمبر 1467، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 37۔ اس کفارہ میں اختلاف ہے جب قسم اٹھانے والا فوت ہو جاتا ہے۔ امام شافعی اور ابوثور نے کہا: قسموں کے کفارے اصل مال سے نکالے جائیں گے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: یہ قسم کا کفارہ ثلث سے نکالنا جائز ہوگا، اسی طرح امام مالک نے کہا ہے کہ اگر اس نے اس کے لیے وصیت کی ہو۔

مسئلہ نمبر 38۔ جس نے قسم اٹھائی جب کہ وہ خوشحال تھا اس نے کفارہ ادا نہیں کیا حتیٰ کہ تنگ دست ہو گیا یا قسم توڑ دے جب کہ وہ تنگ دست ہو پس اس نے جو کفارہ ادا نہ کیا حتیٰ کہ وہ خوشحال ہو گیا یا اس نے قسم توڑی جب کہ وہ غلام تھا تو پھر وہ کفارہ نہیں دے گا حتیٰ کہ آزاد ہو جائے پس اس تمام صورت حال میں کفارہ دینے کے وقت کا اعتبار ہوگا نہ کہ قسم توڑنے وقت کا اعتبار ہوگا۔

مسئلہ نمبر 39۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! تم میں سے کسی کا اپنے گھر والوں کے متعلق قسم پر قائم رہنا اللہ کی بارگاہ میں کفارہ دینے سے زیادہ گناہ ہے جو کفارہ اللہ نے فرض کیا ہے''۔ اللجاج فی الیمین کا مطلب ہے اس کے مقتضیٰ پر قائم رہنا اگرچہ اس کی وجہ سے حرج اور مشقت لازم آتی ہو اور اس نے اس کو چھوڑ دیا جس میں فوری منفعت تھی یا متاخر منفعت تھی اگر کوئی ایسی صورت ہو تو قسم کا توڑنا اور کفارہ دینا لازم ہے وہ قسم کو علت نہ بنائے جیسا کہ ہم نے بیان کیا تھا وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ (بقرہ: 224) کی تفسیر میں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو کسی کام پر قسم اٹھائے پھر اس کے علاوہ کو اس سے بہتر دیکھے تو اسے قسم کا کفارہ دینا چاہیے اور اسے وہ کام کرنا چاہیے جو بہتر ہے یعنی جس میں خیر زیادہ ہے''۔

مسئلہ نمبر 40۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم میں اعتبار قسم کھانے والے کی نیت کا ہوگا''۔ علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے جس پر قسم واجب ہو کسی حق کی وجہ سے جو اس پر واجب ہے اور اس نے قسم اٹھائی جب کہ اس کی نیت کوئی دوسری ہو تو اس کو اس کی نیت فائدہ نہ دے گی اور اس کی وجہ سے اس قسم کے گناہ سے خارج نہ ہوگا۔ دوسری حدیث میں اس کا مفہوم موجود ہے یمینک علی ما یصدقک علیہ صاحبک تمہاری قسم اس کے مطابق ہوگی جس پر تمہارا خصم تصدیق کرے گا۔

روایت ہے یصدقک بہ صاحبک تمہارا خصم تیری تصدیق کرے۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام مالک نے کہا: جس نے اپنے طالب کے لیے اس حق میں قسم اٹھائی جو اس کے لیے اس پر تھا اور اپنی قسم میں استثنا کی یا اس نے اپنی زبان یا ہونٹوں کو حرکت دی یا اس کے ساتھ کلام کی تو یہ استثنا اسے مفید نہ ہوگی، کیونکہ محلوف لہ کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے کیونکہ قسم اس کا حق ہے۔ قسم اس کے مطابق واقع ہوگی جس کے لیے حاکم لے رہا ہے نہ کہ قسم اٹھانے والے کے اختیار پر ہوگی، کیونکہ اس سے تو قسم طلب کی گئی ہے یہ امام مالک کے مذہب کا ماحصل ہے۔

مسئلہ نمبر 41۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ یعنی ان تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز اس کی ملکیت میں نہ ہو یعنی کھانا کھلانا یا لباس پہنانا یا غلام آزاد کرنا نہ ہو تو وہ روزے رکھے۔ اور نہ ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: یا تو اس کا مال

غائب ہو یا بالکل نہ ہو۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس کا مال اس کے اپنے شہر میں نہ ہو اگر وہ ایسا شخص پائے جو اسے ادھار دیتا ہو تو پھر بھی روزہ رکھنا جائز نہیں اور اگر ایسا شخص نہ پائے تو پھر اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ اپنے شہر تک مال پہنچنے کا انتظار کرے۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس پر لازم نہیں بلکہ وہ روزوں کے ساتھ کفارہ دے، کیونکہ اس کے ذمہ وجوب ثابت ہو چکا ہے اور عدم کی شرط متحقق ہو چکی ہے پس حکم کو موخر کرنے کی کوئی وجہ نہیں پس وہ ان تینوں چیزوں سے عجز کی وجہ سے اسی جگہ کفارہ دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ بعض علماء نے فرمایا: جس کے پاس ضروریات زندگی سے زائد مال نہ ہو تو وہ ایسا شخص ہے جو ان تینوں چیزوں کو پانے والا نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جس کے پاس ایک دن اور ایک رات کی خوراک ہو اور اس کے پاس زائد مال نہ ہو جو کھلائے۔ یہی امام شافعی کا قول ہے اور طبری نے اس کو اختیار کیا ہے۔ یہی امام مالک اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ ابن القاسم سے مروی ہے کہ جس کے پاس ایک دن کے نفقہ سے زائد ہو وہ روزہ نہ رکھے۔ ابن القاسم نے ابن مزین کی کتاب میں کہا: اگر قسم توڑنے والے کے لیے ایک دن کی خوراک سے زائد ہو تو وہ کھانا کھلائے مگر یہ کہ اسے بھوک کا خوف ہو یا وہ ایسے شہر میں ہو جہاں اس پر مہربانی نہ کی جاتی ہو۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب اس کے پاس نصاب نہ ہو تو وہ پانے والا نہیں۔ احمد اور اسحاق نے کہا: جب اس کے پاس ایک دن اور ایک رات کی خوراک ہو تو وہ زائد سے کھانا کھلائے۔ ابو عبید نے کہا: جب اس کے پاس اپنے اور اپنے عیال کے لیے ایک دن کی خوراک ہو اور اتنا کپڑا بھی ہو جو ان کی کفایت کرتا ہو، پھر اس کے بعد وہ کفارہ دینے کی مقدار کا مالک ہو تو وہ ہمارے نزدیک پانے والا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: ابو عبید کا قول بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر 42۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ حضرت ابن مسعود نے متتابعات بھی پڑھا ہے۔ پس اس کے ساتھ مطلق کو مقید کیا گیا۔ یہی امام ابوحنیفہ اور ثوری کا قول ہے اور امام شافعی کا ایک قول ہے۔ مزنی نے کفارہ ظہار پر قیاس کرتے ہوئے اور حضرت عبداللہ کی قرأت کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو اختیار کیا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے دوسرے قول میں فرمایا کہ علیحدہ علیحدہ تین روزے رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ تتابع صفت ہے اور یہ ثابت نہیں ہوتی مگر نص کے ساتھ یا منصوص پر قیاس کے ساتھ جب کہ یہ دونوں صورتیں معدوم ہیں۔ (1)

مسئلہ نمبر 43۔ جس نے روزے کے دنوں میں کسی روز بھول کر روزہ افطار کر لیا۔ امام مالک نے فرمایا اس پر قضا لازم ہوگی امام شافعی نے فرمایا کہ اس پر کوئی قضا نہیں جس طرح اس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں روزوں کی بحث میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 44۔ یہ کفارہ جس پر اللہ تعالیٰ نے نص فرمائی ہے بالاتفاق آزاد مسلمان پر لازم ہے اور غلام قسم توڑ دے تو جو اس پر واجب ہوتا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ سفیان ثوری، امام شافعی اور اصحاب الرائے کہتے ہیں کہ اس پر صرف روزہ ہے اس کے علاوہ کچھ جائز نہیں۔ اس میں امام مالک کا قول مختلف ہے۔ ابن نافع نے ان سے حکایت کیا ہے فرمایا: غلام کسی کو آزاد کرنے کے ساتھ کفارہ نہیں دے گا۔ کیونکہ اس کے لیے ولاء نہیں ہے لیکن وہ صدقہ کے ساتھ کفارہ دے گا اگر اس

1۔ احکام القرآن لابن عربی

کے مالک نے اسے اجازت دی ہو۔ درست یہ ہے کہ وہ روزہ رکھے۔

ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر وہ کھانا کھلائے یا لباس پہنائے اپنے آقا کی اجازت سے تو وہ واضح نہیں اور میرے دل میں اس کے متعلق شک ہے۔

مسئلہ نمبر 45۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ یعنی تمہاری قسموں کو ڈھانپنا ہے۔ کفرت الشئ کا مطلب ہے کسی چیز کو ڈھانپ دینا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ کی قسم اٹھانے میں یہ کفارہ ہے۔ بعض تابعین کا خیال ہے کہ قسم کا کفارہ اس کی نیکی کے کرنے پر بھی ہے جس کو اس نے چھوڑنے کی قسم اٹھائی تھی۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں عنوان باندھا ہے من قال کفار تھا ترکھا اس کے تحت حدثنا علی بن محمد حدثنا عبداللہ بن نمیر عن حارثہ بن ابی الرجال عن عمرۃ عن عائشہ کے سلسلے سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے قطع رحمی کی قسم اٹھائی یا ایسی بات میں قسم اٹھائی جو مناسب نہ تھی تو اس کا قسم پورا کرنا یہ ہے کہ وہ اس قسم کو پورا نہ کرے'' (1)۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی کام پر قسم اٹھائی پھر وہ اس کے علاوہ کام کو بہتر دیکھے تو وہ قسم کو ترک کردے اور اس کا ترک اس کا کفارہ ہے''۔ (2)

میں کہتا ہوں: اس کی تائید حضرت ابو بکر صدیق کے واقعہ سے ہوتی ہے جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ کھانا نہیں کھائیں گے اور ان کی بیوی نے قسم اٹھائی کہ وہ کھانا نہیں کھائے گی حتیٰ کہ وہ کھانا کھائیں اور مہمانوں نے بھی قسم اٹھائی کہ وہ کھانا نہیں کھائیں گے حتیٰ کہ حضرت ابو بکر کھانا کھائیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا: یہ کھانا نہ کھانے کی قسم اٹھانا شیطان کی طرف سے تھا پھر انہوں نے کھانا منگوایا اور کھایا پھر مہمانوں نے بھی کھایا۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور مسلم نے روایت کیا ہے فرمایا: جب صبح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو عرض کی: یا رسول اللہ! انہوں نے اپنی قسم پوری کی اور میں نے قسم توڑ دی۔ فرمایا: حضرت ابو بکر نے آپ کو خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو ان سب سے زیادہ نیکی کرنے والا اور بھلائی کرنے والا ہے''۔ راوی نے فرمایا: مجھے کفارہ کے متعلق خبر نہیں پہنچی۔

مسئلہ نمبر 46۔ اللہ کی قسم کے علاوہ میں کفارہ کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: جس نے اپنے مال کو صدقہ کرنے کی قسم اٹھائی تو وہ تہائی مال صدقہ کرے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس پر قسم کا کفارہ ہے یہی قول اسحاق اور ابو ثور کا ہے۔ حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ شعبی، عطا اور طاؤس نے کہا: اس پر کوئی چیز نہیں ہے، رہا مکہ کی طرف چلنے کی قسم اٹھانا تو امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ابو ثور کے نزدیک اسے قسم کا کفارہ کافی ہے۔ ابن مسیب اور قاسم بن محمد نے کہا: اس پر کچھ نہیں ہے۔ ابن عبد البر نے کہا: مدینہ طیبہ اور دوسرے شہروں کے اکثر علماء مکہ کی طرف چل کر جانے کی قسم پر اللہ کی قسم کے کفارہ کی مثل کفارہ

1۔ سنن ابن ماجہ، باب من قال کفار تھا ترکھا، حدیث نمبر 2100، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2849۔ ایضاً، سنن ابن ماجہ، باب من قال کفار تھا ترکھا، حدیث نمبر 2101، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کرتے ہیں یہ صحابہ کرام، تابعین اور جمہور فقہاء کی جماعت کا قول ہے۔ ابن قاسم نے اپنے بیٹے عبد الصمد کو یہی فتویٰ دیا تھا اس نے ذکر کیا کہ یہ لیث بن سعد کا قول ہے۔ ابن القاسم سے مشہور قول یہ ہے کہ ان کے نزدیک مکہ کی طرف چل کر جانے کی قسم میں کفارہ نہیں ہے مگر اس پر جو چلنے پر قادر ہو یہی امام مالک کا قول ہے۔

رہا غلام آزاد کرنے کی قسم اٹھانے والا تو اس پر اس کا آزاد کرنا ہے جس کو آزاد کرنے کی قسم اٹھائی تھی یہ امام مالک، امام شافعی وغیرہ کا قول ہے۔ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ قسم کا کفارہ دے اس پر غلام آزاد کرنا لازم نہیں۔ عطا نے کہا: وہ کوئی چیز صدقہ کر دے۔ مہدوی نے کہا: معتمد علیہ علماء کا اجماع ہے کہ جس نے طلاق کی قسم اٹھائی اور اسے توڑ دیا تو طلاق لازم ہے۔

مسئلہ نمبر 47۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ یعنی جب تم قسم توڑ دو تو کفارہ جو تم پر لازم ہے اس کو جلدی ادا کر کے اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ بعض علماء نے فرمایا: قسم کو ترک کرنے کے ساتھ قسموں کی حفاظت کرو، کیونکہ جب تم قسم نہیں اٹھاؤ گے تو تمہاری طرف یہ تکلیفات متوجہ نہ ہوں گے۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ شکر کا معنی اور لعل کا معنی پہلے سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

''اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یاد الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کریم کی اور محتاط رہو اور اگر تم نے روگردانی کی تو خوب جان لو کہ ہمارے رسول کا فرض تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر (ہمارے احکام کو)''۔

اس میں سترہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ان اشیاء کے ترک کے ساتھ مومنوں کو خطاب کیا ہے، کیونکہ ان شہوات اور عادات کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں ملوث تھے اور ان کے نفوس پر یہ غالب تھیں، پس بہت سے مومنوں کے نفوس میں کچھ باقی تھیں۔ ابن عطیہ نے کہا (1): اس قبیل سے تھا پرندوں کو دیکھ کر کام کو نہ جانا اور کتب وغیرہ سے فال لینا

1۔ المحرر الوجیز

اور اس طرح کی بیہودہ چیزیں جو آج کل جاہل لوگ کرتے ہیں، رہا خمر (شراب) ابھی تک یہ حرام نہیں کی گئی اس کی مکمل حرمت جنگ احد کے واقعہ کے بعد تیسرے سال نازل ہوئی اور جنگ احد ہجرت کے تیسرے سال شوال میں ہوئی۔ اس کا اشتقاق پہلے گزر چکا ہے، رہا المیسر (جوا) سورۂ بقرہ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے، رہا الانصاب تو بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد بت ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد نرد اور شطرنج کا کھیل ہے اس کا بیان سورہ یونس آیت 32 میں **فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ** کے تحت آئے گا۔

رہا الْاَزْلَامُ اس سے مراد تیر ہیں اس کے بارے میں پہلی سورت میں گزر چکا ہے۔ کہا جاتا ہے: بیت اللہ شریف میں خدام اور بتوں کے خدام کے پاس تیر تھے کوئی شخص آتا جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا تو اس سے کوئی تیر نکالتا اگر اس پر لکھا ہوا ہوتا امرنی ربی (میرے رب نے مجھے حکم دیا) تو وہ کام کو چلا جاتا خواہ اسے پسند ہوتا یا ناپسند ہوتا۔

مسئلہ نمبر 2۔ شراب کی حرمت بتدریج ہوئی اور بہت سے واقعات کے ساتھ ہوئی، کیونکہ وہ لوگ شراب کے بہت حریص تھے اور سب سے پہلے شراب کے متعلق یہ نازل ہوا: **يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ** (بقرہ: 219) یعنی اس کی تجارت میں منافع ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے شراب کو ترک کر دیا اور انہوں نے کہا: جس میں بڑا گناہ ہے اس کی ہمیں ضرورت نہیں اور بعض لوگوں نے اس کو ترک نہ کیا انہوں نے کہا: ہم اس کی منفعت لیتے ہیں اور اس کا گناہ چھوڑتے ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی: **لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى** (النساء: 43) بعض لوگوں نے پھر اس کو چھوڑ دیا اور کہا: ہمیں اس کی حاجت نہیں جو ہمیں نماز سے غافل کر دے اور بعض نے نماز کے اوقات کے علاوہ شراب پی حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ**۔

پس لوگوں پر یہ مطلقاً حرام ہو گئی حتیٰ کہ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ نے شراب سے زیادہ کسی چیز کو شدت سے حرام نہیں فرمایا۔ ابومیسرہ نے کہا: یہ حضرت عمر بن خطاب کے سبب نازل ہوئی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شراب کے عیوب ذکر کیے اور شراب کی وجہ سے لوگوں پر کیفیات نازل ہوتی تھی اللہ تعالیٰ سے انہوں نے اس کی حرمت کی دعا مانگی اللھم بین لنافی الخمر بیانا شافیا۔ اے اللہ! شراب کے بارے ہمارے لیے شافی بیان فرما، تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضرت عمر نے کہا: انتھینا انتھینا ہم رک گئے، ہم رک گئے (1)۔ سورۂ بقرہ میں اور سورۃ النساء میں یہ گزر چکا ہے۔

ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى** (النساء: 43) اس آیت کو سورۂ مائدہ کی آیت **اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ** نے منسوخ کر دیا (2)۔ اور صحیح مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے فرمایا: میرے متعلق قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ اس میں فرمایا: میں انصار کے ایک گروہ کے پاس آیا، انہوں نے کہا: ادھر آؤ ہم تجھے کھانا کھلائیں گے اور شراب پلائیں گے۔ یہ شراب کے حرام ہونے سے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر 3185، ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ ایضاً، جامع ترمذی، باب و من سورۃ المائدۃ، حدیث 2975

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر 3187، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پہلے کی بات ہے۔ فرمایا: میں ان کے پاس ایک باغ میں آیا وہاں ایک اونٹ کا بھونا ہوا سر تھا اور شراب کا مٹکا تھا۔ فرمایا: میں نے ان کے ساتھ کھایا، پیا۔ فرمایا: میں نے ان کے پاس انصار اور مہاجرین کا ذکر کیا۔ میں نے کہا: مہاجرین، انصار سے افضل ہیں۔ فرمایا: ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے اٹھائے اور مجھے اس کے ساتھ مارا پس میرا ناک زخمی ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے: اس نے ناک چیر دیا، اور سعد کا ناک چیرا ہوا تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سارا واقعہ عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں یعنی شراب کے بارے میں ان کا ذکر کیا۔ یہ ارشاد نازل ہوا: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ شراب پینا اس وقت مباح معمول اور معروف تھا نہ اس پر انکار کیا گیا اور نہ اسے بدلا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اسے قائم رکھا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس پر سورۃ النساء کی آیت دلالت کرتی ہے۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى (النساء:43) جیسا کہ پہلے گزرا ہے کیا ان کے لیے اس مقدار کا پینا مباح تھا جو نشہ دیتی تھی؟ حضرت حمزہ کا واقعہ اس میں ظاہر ہے جب انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اونٹنیوں کی کوکھیں چیر دی تھی اور ان کی کہانیں کاٹ دی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا آپ حضرت حمزہ کے پاس آئے۔ حضرت حمزہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسا کلام صادر ہوا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام، توقیر اور اکرام کے مخالف تھا جو دلیل ہے کہ حضرت حمزہ کی عقل ختم ہو چکی تھی نشہ آور شراب پینے کی وجہ سے، اسی وجہ سے راوی نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جان گئے کہ وہ نشہ میں دھت ہیں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ پر انکار نہ کیا اور نہ ان پر سختی کی، نہ حالت نشہ میں اور نہ اس کے بعد بلکہ آپ الٹے پاؤں لوٹے اور باہر نکل آئے۔ جب حضرت حمزہ نے کہا: تم تو میرے باپ کے غلام ہو۔ یہ اس کے خلاف ہے جو اصولیوں نے کہا ہے اور جو انہوں نے بیان کیا ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: ہر شریعت میں نشہ حرام تھا، کیونکہ شرائع بندوں کے مصالح ہوتی ہیں نہ کہ مفاسد ہوتی ہیں اور مصالح کی اصل عقل ہے جیسا کہ مفاسد کی اصل عقل کا ضائع ہونا ہے پس ہر وہ چیز جو عقل کو ضائع کر دے یا اس میں تشویش پیدا کر دے اس سے منع واجب ہے مگر یہ کہ حضرت حمزہ کی حدیث کو اس پر محمول کیا جائے کہ انہوں نے اس کے پینے سے نشہ کا قصد نہیں کیا تھا لیکن وہ جلدی اثر کر گئی اور ان کے دماغ پر غالب آگئی۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رِجْسٌ حضرت ابن عباس نے اس آیت میں فرمایا: رجس سے مراد ناراضگی ہے، جب کہ بدبودار چیز پائخانہ اور غلاظت کو رجس کہا جاتا ہے الرجز زا کے ساتھ ہو تو اس کا معنی عذاب ہے اور الرکس کا معنی غلاظت ہے اور الرجس کا لفظ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے (1)۔ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ یعنی شیطان کے ابھارنے اور مزین کرنے کی وجہ سے۔ بعض نے فرمایا: وہ ان امور کے آغاز پر تو خود عمل کرتا ہے حتیٰ کہ پھر وہ ان میں شیطان کی اقتدا کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاجْتَنِبُوْهُ یعنی اس سے دور ہٹ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ان امور سے دور رہنے کا حکم

1۔ المحرر الوجیز

دیا ہے اور امر کے صیغہ سے ذکر فرمایا نیز احادیث کی نصوص اور اجماع امت بھی ان کی حرمت پر موجود ہے پس تحریم کی جہت سے اجتناب ثابت ہوا، اس کے ساتھ شراب حرام کی گئی۔ علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ سورۂ مائدہ شراب کی حرمت کے ساتھ نازل ہوئی۔ یہ مدینہ طیبہ میں سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ تحریم مردار، خون اور لحم الخنزیر میں نازل ہوئی۔

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ (الانعام: 145) اور دوسری آیات میں تو وہ خبر کے انداز میں نازل ہوئی جب کہ شراب کی حرمت نہی اور زجر کے انداز میں نازل ہوئی یہ مؤکد تحریم ہے۔ حضرت ابن عباس نے روایت کیا ہے فرمایا: جب شراب کی تحریم نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ایک دوسرے کے پاس گئے اور کہا کہ شراب حرام کر دی گئی ہے اور شرک کے برابر کی گئی ہے یعنی بتوں کے لیے ذبح کے ساتھ ملایا ہے اور وہ شرک ہے پھر لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ کو معلق کیا فلاح کو امر کے ساتھ معلق کیا یہ وجوب کی تاکید پر دلیل ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ شراب کی تحریم اور شرع کے اس کو خبیث سمجھنے اور اس پر رجس کا اطلاق کرنے اور اس سے اجتناب کا امر دینے سے جمہور علماء نے اس کی نجاست کا حکم سمجھا ہے اور اس میں جمہور علماء کی ربیعہ، لیث بن سعد اور مزنی، امام شافعی اور بعض بغدادی علماء اور قروی علماء متاخرین نے مخالفت کی ہے۔ یہ علماء کہتے ہیں: شراب پاک ہے۔ حرام صرف اس کا پینا ہے۔ سعید بن حداد قروی نے اس کی طہارت پر، مدینہ طیبہ کی گلیوں میں اس کے بہائے جانے پر استدلال کیا ہے۔ فرماتے ہیں: اگر یہ ناپاک ہوتی تو صحابہ کرام اسے گلیوں میں نہ بہاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس سے منع فرماتے جس طرح کہ راستوں میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام نے ایسا اس لیے کیا تھا، کیونکہ ان کے لیے تہ خانے اور کنویں نہیں تھے جن میں وہ شراب کو بہاتے، کیونکہ ان کے عام حالات ایسے ہی تھے کہ ان کی لیٹرینیں گھروں میں نہ تھیں، حضرت عائشہ نے فرمایا: وہ گھروں میں لیٹرینیں بنانا ناپسند کرتے تھے اور اس شراب کو مدینہ سے باہر لے جانے میں کلفت اور مشقت تھی نیز اس سے حکم پر فوراً عمل سے تاخیر لازم آتی اور اس سے بچنا ممکن بھی تھا، کیونکہ مدینہ طیبہ کے راستے وسیع تھے اور شراب بھی اتنی زیادہ نہ تھی کہ وہ نہر بن جاتی اور پورے راستہ کو گھیر لیتی بلکہ وہ تھوڑی جگہوں پر تھی جس سے بچاؤ ممکن تھا۔ نیز اس عمل میں اس کو بہانے کی شہرت کا فائدہ بھی موجود تھا تاکہ شراب کی حرمت اس کے تلف کرنے کے ساتھ پھیل جائے اور اس سے نفع حاصل نہ کیا جائے اور لوگ اس پر موافقت کریں۔ واللہ اعلم

اگر یہ کہا جائے کہ تنجیس (ناپاک قرار دینا) حکم شرعی ہے اور اس میں کوئی نص نہیں ہے اور کسی چیز کے حرام ہونے سے پہلے اس کا نجس (ناپاک ہونا) لازم نہیں آتا، شرع میں بہت سی حرام چیزیں ایسی ہیں جو نجس نہیں ہیں۔ ہم کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رِجْسٌ یہ شراب کی نجاست پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ لغت میں رجس کا معنی نجاست ہے پھر اگر ہم یہ التزام کریں کہ ہم کوئی حکم نہ لگائیں مگر جن میں کوئی نص پائیں تو شریعت معطل ہو جائے گی، کیونکہ شریعت میں نصوص کم ہیں، پس پیشاب، پاخانہ، خون، مردار وغیرہ کی نجاست پر کون سی نص موجود ہے؟ یہ ظواہر، عمومات اور قیاس ہیں مزید سورۃ الحج میں اس معنی کی

وضاحت آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاجْتَنِبُوْهُ یہ مطلق اجتناب پر دلالت کرتا ہے کہ کسی اعتبار سے بھی اس سے نفع نہ اٹھایا جائے نہ پینے کا نہ بیچنے کا، نہ سرکہ بنانے کا، نہ علاج کا، نہ کوئی اور۔ اس پر احادیث دلالت کرتی ہیں، مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مشکیزہ شراب کا تحفہ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''نہیں'' حضرت ابن عباس نے فرمایا: پھر اس نے ایک شخص سے سرگوشی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''تو نے اس سے کیا سرگوشی کی ہے'' اس نے کہا: میں نے اسے بیچنے کا حکم دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس ذات نے اس کا پینا حرام کیا ہے اس نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا ہے''۔ فرمایا: اس نے اپنا منہ کھول دیا حتیٰ کہ ساری شراب نکل گئی (1) یہ ہمارے بیان پر دلیل ہے، کیونکہ اگر اس میں کوئی جائز منفعت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان فرما دیتے جیسا کہ مردار بکری کے بارے فرمایا تم نے اس کی کھال کیوں نہیں اتاری اور پھر اسے دباغت کیوں نہیں کیا اور پھر اس سے نفع کیوں نہیں اٹھایا؟ (2)

مسئلہ نمبر 8۔ خون اور شراب کی بیع کی تحریم پر مسلمانوں کا اجماع ہے اس میں غلاظت اور تمام نجاسات اور ان تمام چیزوں کی بیع کی حرمت پر دلیل ہے جن کا کھانا حلال نہیں ہے اسی وجہ سے۔ واللہ اعلم۔ امام مالک کے نزدیک چوپاؤں کا گوبر بیچنا مکروہ ہے۔ اور ابن القاسم نے اس میں رخصت دی ہے، کیونکہ اس میں منفعت ہے قیاس وہ ہے جو امام مالک نے کہا ہے، یہی امام شافعی کا مذہب ہے یہ حدیث اس کی صحت پر شاہد ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ جمہور فقہاء کا خیال ہے کہ کسی کے لیے شراب کو سرکہ بنانا جائز نہیں اگر سرکہ بنانا جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو مشکیزہ کا منہ کھولنے نہ دیتے تاکہ اس میں جو کچھ ہے نکل نہ جائے، کیونکہ سرکہ مال ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ جس نے کسی مسلمان کی شراب ضائع کر دی تو اس نے مال ضائع کر دیا۔

حضرت عثمان بن ابی العاص نے یتیم کی شراب بہا دی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے سرکہ بنانے کی اجازت طلب کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں''۔ آپ نے سرکہ بنانے سے منع فرمایا۔ اہل حدیث اور اہل الرائے کی ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور سحنون بن سعید کا میلان بھی اسی طرف ہے، دوسرے علماء نے کہا: شراب کو سرکہ بنانے میں کوئی حرج نہیں انسان کے عمل سے جو سرکہ بن گئی اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد اور کوفیوں کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: اگر شراب میں کستوری اور نمک ڈالی گئی پھر وہ مربیٰ بن گیا اور شراب کی حالت سے بدل گئی تو جائز ہے۔

امام محمد بن حسن نے امام ابوحنیفہ کی ''المربیٰ'' میں مخالفت کی ہے فرمایا: سرکہ میں تبدیل کیے بغیر اس سے علاج بھی نہیں کیا جائے گا۔ ابو عمر نے کہا: عراقیوں نے شراب کو سرکہ بنانے میں حضرت ابو درداء کے قول سے حجت پکڑی ہے وہ قول ابو ادریس

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 2041 2۔ ایضاً، حدیث 2369

خولانی عن ابی الدرداء کے واسطہ سے مروی ہے اور وہ قوی نہیں ہے۔ حضرت ابو درداء شراب کا مربی کھاتے تھے وہ کہتے تھے: سورج اور نمک نے اس کی دباغت کی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان بن ابی العاص نے شراب کو سرکہ بنانے کے مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے اور سنت کے ہوتے ہوئے کسی کی رائے میں حجت نہیں ہے۔ (وباللہ التوفیق)

یہ بھی احتمال ہے کہ سرکہ بنانے سے منع ابتداء اسلام میں ہو جب اس کی تحریم نازل ہوئی تھی تا کہ اسے ہمیشہ روکے نہ رکھیں، کیونکہ اس کے پینے کا زمانہ قریب تھا اس سے قطعی طور پر ان کے ارادہ میں عادت کو ختم کرنا تھا جب صورت حال اس طرح ہے تو اس کو سرکہ بنانے کے متعلق نہی میں اور اس کو بہانے کے حکم میں یہ نہ تھا کہ اس کا کھانا ممنوع ہے جب سرکہ بن جائے۔ اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: جب نصرانی شراب کو سرکہ بنادے تو اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح ہے اگر مسلمان اسے سرکہ بنادے اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ اس روایت کو ابن عبدالحکم نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ صحیح وہ ہے جو امام مالک نے ابن القاسم اور ابن وہب کی روایت میں ذکر کیا ہے کہ کسی مسلمان کے لیے شراب سے علاج کرنا صحیح نہیں حتیٰ کہ وہ اسے سرکہ بنادے اور اسے بیچنا بھی جائز نہیں بلکہ وہ اسے انڈیل دے۔

مسئلہ نمبر 10۔ امام مالک اور ان کے اصحاب کا قول مختلف نہیں کہ جب شراب خود بخود سرکہ بن جائے تو اس کا کھانا حلال ہے یہی حضرت عمر بن خطاب، قبیصہ، ابن شہاب اور امام شافعی کا ایک قول ہے۔ یہ اکثر فقہاء کے مذہب کا ماحصل ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ ابن خویز منداد نے ذکر کیا ہے کہ شراب کی ملکیت ہوگی اور انہوں نے اس کو اس طرف لوٹایا ہے کہ اس سے گلہ کے پھندے کو دور کیا جائے گا اور اس سے آگ بجھائی جائے گی۔ یہ نقل امام مالک سے معروف نہیں بلکہ یہ تو اس کے قول پر ہے جو اس کو پاک خیال کرتا ہے، اگر اس کی ملکیت جائز ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بہانے کا حکم نہ دیتے، نیز ملکیت نفع کی ایک صورت ہے اور اس کو بہانے کے ساتھ وہ نفع باطل ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 12۔ یہ آیت دلیل ہے کہ نرد اور شطرنج بطور جوا کھیلنا یا جوا کے بغیر کھیلنا حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب شراب کو حرام کیا تو اس معنی کی خبر دی جو اس میں تھا فرمایا: **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ** پھر فرمایا: **اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ** اور ہر وہ کھیل جس کا قلیل کثیر کی طرف دعوت دے اور وہ کھیلنے والوں کے درمیان عداوت اور بغض کو پیدا کرے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکے وہ شراب پینے کی طرح ہے اور اس کی مثل حرام ہونا ثابت کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شراب پینا تو نشہ کا باعث بنتا ہے انسان اسکے ساتھ نماز پر قادر نہیں ہوتا جب کہ نرد اور شطرنج میں یہ معنی نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت میں شراب اور جوئے کو جمع کیا ہے اور دونوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ یہ دونوں لوگوں کے درمیان عداوت اور بغض پیدا کرتے ہیں اور اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ شراب اگر نشہ دیتی ہے تو جو انشہ نہیں دیتا پھر اللہ کے نزدیک ان میں افتراق نہیں ہے جو تحریم میں ان کے درمیان برابری سے مانع ہو، کیونکہ دونوں معانی کے اعتبار سے مشترک ہیں نیز شراب کا قلیل، نشہ نہیں دیتا جس طرح نرد اور شطرنج کا کھیل نشہ نہیں دیتا پھر بھی شراب کا قلیل، کثیر کی طرح حرام ہے کوئی انکار نہیں کیا جاتا کہ نرد اور شطرنج شراب کی طرح حرام ہیں اگرچہ نشہ نہیں

دیتی نیز کھیل کا آغاز غفلت کا موجب ہے اور وہ غفلت جو دل پر غالب آتی ہے وہ نشہ کی جگہ ہوتی ہے۔ اگر شراب حرام کی گئی ہے، کیونکہ یہ نشہ دیتی ہے اور نشہ کی وجہ سے نماز سے روکتی ہے پس نرد اور شطرنج کا کھیل بھی حرام ہونا چاہیے، کیونکہ وہ بھی غافل کرتا ہے اور نماز سے روکتا ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ یہ روایت دلیل ہے کہ اسے ناسخ نہیں پہنچی وہ سابقہ اباحت سے استدلال کرنے والا تھا پس یہ دلیل ہے کہ ناسخ کے وجود کے ساتھ حکم نہیں اٹھتا جیسا کہ بعض اصولیوں نے کہا ہے بلکہ ناسخ کے پہنچنے کے ساتھ حکم اٹھتا ہے جیسا کہ اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے یہ صحیح ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے توبیخ نہیں فرمائی بلکہ اس کے لیے حکم بیان فرمایا، کیونکہ وہ پہلے عمل کے ساتھ مخاطب تھا اگر اسے ترک کرتا تو بلا اختلاف نافرمانی کرنے والا ہوتا، اگرچہ ناسخ وجود میں پایا بھی گیا تھا اس طرح اہل قبا کے لیے واقع ہوا تھا جب وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور انہیں ناسخ کے بارے بتایا تو وہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔ یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے والحمدللہ۔ اس میں الخمر (شراب) اور اس کے اشتقاق اور میسر کا ذکر گزر چکا ہے انصاب اور ازلام کے بارے اس سورۃ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو آگاہ فرمایا کہ شیطان ہمارے درمیان شراب کے ذریعے عداوت اور بغض پیدا کرنا چاہتا ہے، پس اسی نے ہمیں اس سے محتاط رہنے کا حکم دیا اور ہمیں اس سے منع فرمایا۔ روایت ہے کہ انصار کے دو قبیلوں نے شراب پی اور بعض نے بعض سے مزاق کیا جب وہ ہوش میں آئے تو بعض نے اس کے آثار دیکھے جو دوسروں نے اس کے ساتھ کیا تھا وہ آپس میں بھائی بھائی تھے اور دلوں میں کسی قسم کا بغض نہ تھا تو بعض کہنے لگے: اگر میرا بھائی مجھ پر رحم کرنے والا ہوتا تو میرے ساتھ ایسا نہ کرتا پس اس طرح ان کے درمیان کینہ اور بغض پیدا ہو گیا پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ، الآیۃ۔

مسئلہ نمبر 15۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فرمایا: جب تم نشہ میں ہو جاؤ گے تو تم اللہ کا ذکر نہ کرو گے اور نہ نماز پڑھو گے اگر تم نماز پڑھو گے تو تم پر خلط ملط کر دے گا جس طرح اس نے حضرت علی کے ساتھ کیا، یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کے ساتھ کیا ہے جیسا کہ سورۃ النساء میں گزرا ہے۔ حضرت عبیداللہ بن عمر نے فرمایا: قاسم بن محمد سے شطرنج کے بارے پوچھا گیا کہ کیا یہ جوا ہے اور نرد کے بارے پوچھا گیا کہ کیا یہ جوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہر وہ کھیل جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روک دے وہ میسر ہے۔ ابو عبید نے کہا: انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ، الآیۃ۔

مسئلہ نمبر 16۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جان لیا کہ یہ وعید، اِنْتَهُوْا کے معنی پر شدید ہے، تو حضرت عمر نے کہا: ہم شراب سے رک گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا کہ گلیوں میں اعلان کر دیں کہ خبردار شراب حرام کی گئی، پس مٹکے ٹوٹ گئے اور شراب بہا دی گئی حتیٰ کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا تحریم تاکید ہے اور وعید میں شدت ہے اور حکم کی پیروی ہے، منہی عنہ سے روکنا ہے۔ وَ اَطِیْعُوْا پر عطف اچھا ہے، کیونکہ پہلی کلام میں اِنْتَهُوْا کے معنی کی تاکید ہے اور تاکید کے لیے اَطِیْعُوْا کو ذکر رسول میں مکرر کیا ہے اور مخالفت سے ڈرایا ہے اور آخرت کے عذاب کی دھمکی دی ہے۔ فرمایا: اگر تم نے مخالفت کی اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾ یعنی ہمارے ذمہ تو اس تحریم کا پہنچانا ہے اور رسول پر اعمال خیر یا شر کا انجام بیان کرنا ہے۔(1)

لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾

”نہیں ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کوئی گناہ جو (اس حکم سے پہلے) وہ کھا پی چکے جب کہ وہ پہلے بھی ڈرتے تھے اور ایمان رکھتے تھے اور نیک عمل کیا کرتے تھے، پھر (ان احکام کے بعد بھی) ڈرتے ہیں اور (جو اترا) اس پر ایمان رکھتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے“۔

اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت ابن عباس، حضرت براء بن عازب اور حضرت انس بن مالک نے کہا: جب شراب کی تحریم نازل ہوئی تو بعض صحابہ نے کہا: جو لوگ ہمارے فوت ہو چکے ہیں جب کہ وہ شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے ان کا کیا ہوگا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ امام بخاری نے حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا: میں ابوطلحہ کے گھر میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا تو شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا کرنے والے کو ندا کرنے کا حکم دیا۔ ابوطلحہ نے کہا: باہر نکلو اور دیکھو کہ یہ آواز کیسی ہے؟ فرمایا: میں نکلا تو میں نے کہا: یہ منادی ندا کر رہا ہے کہ شراب حرام ہوگئی ہے۔ ابوطلحہ نے کہا: تم جاؤ اور اس شراب کو بہا دو، اس وقت شراب الفضیخ (وہ شراب جو کچی کھجور سے بنائی جاتی ہے) تھی، فرمایا: شراب مدینہ کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا: ایک قوم شہید ہوگئی جب کہ ان کے پیٹوں میں شراب تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ الخ۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اور یہ حدیث ان کے اس سوال کی مثل ہے جو انہوں نے پہلے قبلہ پر مرنے والوں کے متعلق کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ (بقرہ:143)(3) جو شخص کوئی ایسا کام کرے جو اس کے لیے مباح ہو حتیٰ کہ وہ اسی فعل کو کرتے ہوئے مر جائے تو اس پر کوئی گرفت اور گناہ نہیں اور نہ کوئی مواخذہ اور مذمت ہے، نہ اجر ہے، نہ مدح، کیونکہ مباح، شرع کی نسبت سے دونوں طرفوں میں برابر ہوتا ہے اس بنا پر مناسب ہے کہ خوف نہ کیا جائے اور جو مر چکا ہے اس کی حالت کے بارے میں سوال نہ کیا جائے جب کہ شراب اس کے پیٹ میں تھی جب کہ وہ مباح تھی۔ اور جس

1۔ المحرر الوجیز 2۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ المائدہ، حدیث نمبر 2976، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 3۔ المحرر الوجیز

نے ایسا کہا ہے وہ اباحت کی دلیل سے غافل ہوا اور اس کو کوئی خطرہ نہیں یا اللہ تعالیٰ کے خوف کے غلبہ اور اپنے مومن بھائیوں پر شفقت کی وجہ سے مواخذہ اور سزا کا خیال اسے آیا، کیونکہ انہوں نے پہلے شراب پی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ وہم دور فرما دیا فرمایا: لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت کے نزول میں یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ نبیذ التمر جب نشہ دے تو وہ خمر ہے۔ یہ نص ہے اس پر اعتراض جائز نہیں، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اہل زبان تھے اور انہوں نے سمجھا کہ یہ شراب ہے، کیونکہ اس وقت مدینہ طیبہ میں اور کوئی شراب نہ تھی۔ حکمی نے کہا:

لنا خمرٌ وليست خمر كرمٍ ولكن من نِتاج الباسقاتِ

كِرامٍ في السماءِ ذهبن طولًا وفات ثِمارها أيدي الجناةِ

اس پر واضح دلیل نسائی کی روایت ہے، ہمیں قاسم بن زکریا نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبید اللہ نے بتایا انہوں نے شیبان سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے محارب بن دثار سے انہوں نے حضرت جابر سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا فرمایا: ''کشمش اور کھجور خمر (شراب) ہے'' اور عقل صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب، ان کا لغت اور شرع کا عالم ہونا تجھے کافی ہے، نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ دیا: اے لوگو! خبردار شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ جب نازل ہوئی یہ پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی انگور سے، کھجور سے، شہد سے، گندم سے اور جو سے اور خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ دے یہ شراب کے معنی میں واضح ہے۔ حضرت عمر نے صحابہ کرام کی موجودگی میں منبر پر شراب کے بارے خطبہ دیا وہ اہل زبان تھے اور انہوں نے خمر سے نہ سمجھا مگر وہ جو ہم نے ذکر کیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو امام ابوحنیفہ اور کوفیوں کا مذہب باطل ہو گیا کہ خمر صرف انگور سے ہوتی ہے (☆) اور جو انگور کے علاوہ کسی چیز سے ہو تو اسے خمر نہیں کہا جاتا اور اسے خمر کا اسم شامل نہیں اسے نبیذ کہا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

تركتُ النبيذَ لأهل النبيذِ وصِرتُ حليفًا لِمن عابَه

شرابٌ يُدنِّس عِرضَ الفتى ويفتحُ للشرِّ أبوابَه

مسئلہ نمبر 4۔ امام ابوعبداللہ مازری نے کہا: جمہور سلف کا مذہب یہ ہے کہ جو نوع نشہ دے اس کا پینا حرام ہے خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہو، وہ شراب کچی ہو یا پکائی گئی ہو کوئی فرق نہیں، انگور سے نکالی گئی ہو یا کسی دوسری چیز سے نکالی گئی ہے۔ جس نے شراب میں سے کچھ پیا اسے شراب کی حد لگائی جائے گی اور جو انگور سے نکالی جائے گی جو کچی اور نشہ آور ہوتی ہے اس کی حرمت پر اجماع ہے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر ہو اگرچہ ایک قطرہ بھی ہو۔ اور اس کے علاوہ جو شرابیں ہیں جمہور اس کی تحریم کا قول کرتے ہیں اور کوفی علماء خمر کے علاوہ قلیل شراب میں اختلاف کرتے ہیں اور اس سے مراد وہ ہے جو نشہ نہیں دیتی۔ اور جو

☆ امام اعظم ابوحنیفہ کا کہنا ہے خمر کا لفظ انگور کے ایسے رس جو پڑا پڑا جوش مارنے لگے اور گاڑھا ہو جائے اس میں حقیقت ہے اور دوسروں میں مجاز ہے اس لیے یہ اظہار محل نظر ہے۔

شراب انگور سے پکا کر بنائی جاتی ہے اہل بصرہ کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ حرمت انگور کے شیرہ پر اور کچی کشمش کی شراب پر منحصر ہے جو ان دونوں سے پکائی گئی ہو اور ان کے علاوہ کچی اور پکی حلال ہے جب تک کہ وہ نشہ نہ دے۔ امام ابوحنیفہ تحریم کو اس سے خاص کرتے ہیں جو کھجور اور انگور کے پھلوں کا نچوڑ ہو۔ اس میں ان کی تفصیل ہے۔ ان کا خیال ہے کہ انگور کی شراب قلیل ہو یا کثیر وہ حرام ہے مگر اسے اتنا پکایا جائے کہ ایک تہائی باقی رہ جائے۔ اور کشمش اور کھجور کی شراب اس کو پکایا گیا ہو تو حلال ہے اگرچہ اس کو آگ نے تھوڑا سا بھی چھوا ہو اور ان کی کچی شراب وہ حرام ہے لیکن اس کی حرمت کے باوجود اس پر حد ثابت نہیں ہوتی یہ اسی صورت میں ہے جب کہ نشہ نہ دے، اگر نشہ دے تو تمام برابر ہیں۔

ہمارے شیخ فقیہ امام ابوالعباس احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس مسئلہ میں مخالفت کرنے والوں پر تعجب ہے۔ وہ کہتے ہیں: شراب جو انگور کے شیرہ سے بنائی گئی ہو وہ تھوڑی بھی زیادہ کی طرح حرام ہے، اس پر اجماع ہے۔ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خمر میں قلیل کیوں حرام ہے وہ تو عقل کو ضائع کرنے والی نہیں ہے؟ پس یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ زیادہ کی طرف دعوت دینے والی ہے یا یہ تعبد و تکلف کی بنا پر ہے۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا: جو تم نے قلیل خمر میں مقدر کیا ہے وہی بعینہٖ قلیل نبیذ میں موجود ہے پس وہ بھی حرام ہو، کیونکہ ان دونوں کے درمیان صرف نام کا ہی فرق ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے یہ قیاس، قیاس کی انواع میں سے بلند ترین قسم ہے، کیونکہ اس میں فرع تمام اوصاف میں اصل کے مساوی ہے یہ اس طرح ہے جیسے غلام پر لونڈی کو قیاس کیا جاتا ہے آزادی کی سرایت میں پھر تعجب تو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب پر ہے وہ قیاس میں غلو کرتے ہیں اور وہ قیاس کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہیں، اس کے باوجود انہوں نے اس قیاس جلی کو ترک کر دیا جس کی تائید کتاب و سنت اور امت کے ابتدائی علماء کے اجماع سے ہوتی ہے اور احناف نے یہ قیاس کا ترک ان احادیث کی وجہ سے کیا جن میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے جب کہ علماء نے اپنی اپنی کتب میں ان کی علتیں بیان کی ہیں اور ان احادیث میں سے کوئی بھی صحیح میں نہیں ہے۔ مزید تفصیل سورۃ النحل میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طَعِمُوْٓا اس لفظ کی اصل کھانے کے بارے میں ہے طَعِمَ الطَّعام اور شَرِبَ الشَّراب کہا جاتا ہے لیکن مجازاً اس میں کہا جاتا ہے: لم اطعم خبزاً ولا ماء ولا نوماً۔ شاعر نے کہا:

نَعَامًا بِوَجْرة صُعْر الخُدو　دِ لا تَطْعَمُ النوم الا صياماً

سورۂ بقرہ میں وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ (بقرہ: 249) کے تحت گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ ابن خویز منداد نے کہا: یہ آیت مباح اور شہوت کو اور کھانے، پینے اور نکاح کرنے کی ہر لذت سے نفع حاصل کرنے کو شامل ہے اگرچہ ان میں مبالغہ کیا گیا ہو اور انتہائی مہنگی ہوں یہ آیت اس ارشاد: لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ اور قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف: 32) کی مثل ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اس میں چار اقوال ہیں: (1) تقویٰ کے ذکر میں تکرار نہیں ہے اس کا معنی ہے شراب کے

پینے سے بچو اور اس کی تحریم پر ایمان لے آؤ۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ان کا تقویٰ اور ایمان ہمیشہ اور دائمی ہے۔ تیسرا یہ کہ احسان کے معنی پر تقویٰ ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے شراب کی حرمت سے پہلے دوسری محرمات سے تقویٰ اختیار کیا پھر اس کی تحریم کے بعد اس کے پینے سے تقویٰ اختیار کیا پھر باقی اعمال میں بھی تقویٰ اختیار کیا اور عمل بہت عمدہ کیا۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ وہ شرک سے بچے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے دوسرا معنی یہ کہ وہ کبائر سے بچے اور ایمان کو زیادہ کیا اور تیسرا معنی یہ کہ پھر وہ صغائر سے بچے اور نفلی کام کیے۔ محمد بن جریر نے کہا: پہلے تقویٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرنا اور اس کی تصدیق کرنا اور اس کو دین سمجھ کر اس پر عمل کرنا، دوسرے تقویٰ سے مراد تصدیق پر ثابت وقائم رہنا، تیسرے تقویٰ سے مراد احسان کے ساتھ تقویٰ اختیار کرنا اور نوافل کے ساتھ قرب حاصل کرنا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ یہ دلیل ہے کہ متقی محسن، اس متقی مومن سے افضل ہے جو عمل صالح کرتا ہے اور اس کی فضیلت احسان کے اجر کے ساتھ ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس آیت کی حضرت قدامہ بن مظعون نے تاویل کی جو صحابہ کرام میں سے تھے جنہوں نے اپنے بھائی حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ کے ساتھ حبشہ کے علاقہ کی طرف ہجرت کی تھی، پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی، جنگ بدر میں شرکت کی تھی اور حضرت عمر بن خطاب کے سسر تھے۔ حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہ کے ماموں تھے۔ حضرت عمر بن خطاب نے انہیں بحرین کا والی بنایا تھا پھر جارود کی شہادت پر انہیں معزول کر دیا تھا، جارود عبدالقیس کا سردار تھا۔ انہوں نے حضرت قدامہ کے خلاف شراب پینے کی گواہی دی تھی۔ دار قطنی نے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں ابوالحسن علی بن محمد مصری نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں یحییٰ بن ایوب علاف نے بتایا انہوں نے کہا مجھے سعید بن عفیر نے بتایا انہوں نے کہا مجھے فلیح بن سلیمان نے بتایا انہوں نے کہا مجھے ثور بن زید نے بتایا انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ شراب پینے والوں کو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہاتھوں، جوتوں اور لاٹھیوں کے ساتھ مارا جاتا تھا، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ لوگ زیادہ تھے حضرت ابوبکر انہیں چالیس کوڑے لگاتے تھے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے ان کے بعد حضرت عمر بھی شرابیوں کو چالیس کوڑے لگاتے تھے حتیٰ کہ مہاجرین اولین میں سے ایک شخص لایا گیا جس نے شراب پی تھی حضرت عمر نے اسے کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ اس شخص نے کہا: تو مجھے کیوں کوڑے لگاتا ہے میرے اور تیرے درمیان کتاب اللہ ہے؟ حضرت عمر نے کہا: کون سی کتاب اللہ میں ہے کہ میں تجھے کوڑے نہ لگاؤں؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْۤا اور میں ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والوں سے ہوں پھر جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا اور اچھے اعمال کیے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر، احد، خندق اور دوسری تمام جنگوں میں حاضر ہوا۔ حضرت عمر نے کہا: کیا تم اس کا رد نہیں کرتے جو یہ کہہ رہا ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں اتریں جو گزر چکے ہیں اور یہ

لوگوں پر حجت ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ الخ پھر مکمل آیت پڑھی اگر یہ ان لوگوں میں سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے شراب پینے سے منع کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: تم نے سچ کہا ہے تم کیا کہتے ہو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب شراب پیے گا تو نشہ میں ہوگا جب نشہ میں ہوگا تو ہذیان بکے گا جب ہذیان بکے گا تو افترا باندھے گا اور جھوٹا الزام لگانے والے پر اسی کوڑے ہیں۔ حضرت عمر نے اسے کوڑے لگانے کا حکم دیا تو اسے کوڑے لگائے گئے (1)۔

حمیدی نے ابوبکر برقانی سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: جب جارود بحرین سے آیا تو کہا: اے امیر المومنین! قدامہ بن مظعون نے نشہ دینے والی شراب پی ہے میں جب اللہ کے حق میں سے کوئی دیکھوں تو مجھ پر حق ہے کہ میں وہ تم تک پہنچاؤں۔ حضرت عمر نے کہا: جو تم کہہ رہے ہو اس پر گواہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر نے حضرت ابو ہریرہ کو بلایا، پوچھا: اے ابو ہریرہ کیسے گواہی دیتے ہو؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: میں نے اسے شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں نے اسے نشہ میں قے کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت عمر نے کہا: تم شہادت میں گھرے ہو، پھر حضرت عمر نے قدامہ کو خط لکھا وہ بحرین میں تھے اسے حاضر ہونے کا حکم دیا جب قدامہ آیا تو جارود مدینہ میں تھا۔ حضرت عمر نے جارود سے بات کی فرمایا: اس پر کتاب اللہ کو قائم کر۔ حضرت عمر نے جارود سے کہا: تو گواہ ہے یا خصم ہے۔ جارود نے کہا: میں گواہ ہوں۔ حضرت عمر نے کہا: تو نے گواہی ادا کر دی پھر اس نے حضرت عمر سے کہا: میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا: تو اپنی زبان کو سنبھال ورنہ میں تجھے سخت سزا دوں گا۔ جارود نے کہا: اللہ کی قسم! یہ حق نہیں ہے کہ تیرے چچا کا بیٹا شراب پیے اور تو مجھے اذیت دے۔ حضرت عمر نے اسے دھمکایا تو حضرت ابو ہریرہ نے کہا: جو بیٹھے ہوئے تھے اے امیر المومنین اگر تجھے ہماری گواہی پر شک ہے تو ابن مظعون کی بیوی ولید کی بیٹی سے پوچھ، حضرت عمر نے ہند کو بلایا اور اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھا، ہند نے اپنے خاوند کے خلاف شہادت دی۔ حضرت عمر نے کہا: اے قدامہ میں تجھے کوڑے لگاؤں گا۔ قدامہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں نے شراب پی ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں، تو اے عمر پھر بھی تم مجھے کوڑے نہیں لگا سکتے۔ حضرت عمر نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

حضرت عمر نے کہا: اے قدامہ تو نے غلط تاویل کی ہے جب تو اللہ سے ڈرتا ہے تو اس سے اجتناب کر جس کو اللہ نے حرام کیا ہے، پھر حضرت عمر قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: تم قدامہ کے کوڑوں میں کیا رائے رکھتے ہو؟ قوم نے کہا: ہمارا خیال ہے تم اسے کوڑے نہ لگاؤ جب تک وہ مریض ہے۔ حضرت عمر اس کو کوڑے لگانے سے خاموش ہو گئے، پھر ایک دن صبح اپنے ساتھیوں سے کہا: تمہاری قدامہ کے کوڑوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ قوم نے کہا: ہم نہیں دیکھتے کہ تم اسے کوڑے لگاؤ جب تک وہ مریض ہے۔ حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! اس کا اللہ تعالیٰ سے کوڑے کے تحت ملاقات کرنا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اللہ سے ملوں جب کہ وہ میری گردن میں ہو؟ اللہ کی قسم! میں اسے کوڑے لگاؤں گا تم میرے پاس کوڑا لے آؤ، ان کا غلام اسلم

1۔ سنن دارقطنی، حدیث نمبر 3344

ایک چھوٹا سا نرم کوڑا لے آیا۔ حضرت عمر نے اسے پکڑا اس پر ہاتھ پھیرا پھر اسلم سے کہا: میں نے تجھے تیری قوم کی بری عادتوں پر پایا ہے، تم میرے پاس کوئی اور کوڑا لاؤ پھر اسلم ایک مکمل کوڑا لایا، حضرت عمر نے قدامہ کو کوڑے لگانے کا حکم دیا قدامہ حضرت عمر پر ناراض ہوا اور اسے چھوڑ دیا گیا پھر دونوں نے حج کیا، قدامہ حضرت عمر کو چھوڑے رہا حتیٰ کہ اپنے حج سے واپس آ گئے۔

حضرت عمر سقیا کے مقام پر اترے اور وہاں سو گئے جب حضرت عمر اٹھے تو کہا: قدامہ کو میرے پاس جلدی لاؤ، جاؤ اور اسے میرے پاس لے آؤ اللہ کی قسم! میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس کوئی آیا اور کہا: قدامہ سے صلح کر وہ تمہارا بھائی ہے جب لوگ قدامہ کے پاس آئے تو اس نے آنے سے انکار کیا حضرت عمر نے قدامہ کو کھینچ کر لانے کا حکم دیا، حضرت عمر نے اس سے کلام کی اور اس کے لیے استغفار کیا یہ ان کی پہلی صلح تھی۔

ایوب ابن ابی تیمیہ نے کہا: اہل بدر میں سے ان کے علاوہ کسی کو شراب کی وجہ سے حد نہیں لگی۔ ابن عربی نے کہا: یہ آیت کی تاویل پر تیری راہنمائی کرتا ہے اور حضرت ابن عباس سے دارقطنی میں روایت کیا گیا ہے اور حضرت عمر۔ ، برقانی کی حدیث میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ صحیح ہے۔ اس نے اس کو وسیع کیا کہ اگر جو شراب پیتا اور دوسرے احکام میں اللہ سے ڈرتا تو پھر شراب پر کسی کو حد نہ لگائی جاتی۔ یہ غلط تاویل ہے قدامہ پر مخفی رہی اور انہوں نے اس کو پہچان لیا جن کو اللہ نے توفیق دی جیسے حضرت عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ شاعر نے کہا:

وان حراما لا أری الدھر باکیا علی شجوہ إلا بکیت عن عمر

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شام میں ایک قوم نے شراب پی اور انہوں نے کہا: ہمارے لیے یہ حلال ہے اور انہوں نے اس آیت کی تاویل کی، حضرت علی اور حضرت عمر نے اجماع کیا کہ ان سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ کریں تو فبہا ورنہ وہ قتل کیے جائیں۔ الکیا طبری نے یہ ذکر کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

”اے ایمان والو ضرور آزمائے گا تمہیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ شکار سے پہنچ سکتے ہیں جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے تاکہ پہچان کرا دے اللہ تعالیٰ اس کی جو ڈرتا ہے اس سے بن دیکھے پس جو شخص حد سے بڑھے گا اس (تنبیہ) کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے“۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور آزمائے گا۔ ابتلا کا معنی آزمانا ہے، شکار عرب عاربہ کی معیشت کے ذرائع میں سے ایک تھا اور یہ تمام کے نزدیک عام تھا اور مستعمل تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے متعلق احرام اور حرم کے ساتھ آزمایا جس طرح بنی اسرائیل کو ہفتہ کے دن کے احکام میں حد سے تجاوز نہ کرنے میں آزمایا تھا (1)۔ بعض

1۔ المحرر الوجیز

علماء نے فرمایا: یہ حدیبیہ کے سال نازل ہوئی۔ بعض لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ احرام باندھا ہوا تھا اور بعض نے نہیں باندھا ہوا تھا جب کوئی شکار سامنے آتا تو اس میں ان کے احوال اور افعال مختلف ہوتے اور ان پر اس کے احکام مشتبہ ہو گئے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال اور افعال کے احکام اور ان کے حج اور عمرہ کی ممنوعات کے بیان میں یہ آیت نازل فرمائی (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء کے دو مختلف قول ہیں کہ اس آیت کے مخاطب کون ہیں (۱) وہ احرام نہ باندھنے والے لوگ ہیں یہ امام مالک کا قول ہے (۲) اس سے مراد احرام باندھنے والے لوگ ہیں یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور اس کا تعلق لَيَبْلُوَنَّكُمُ کے ساتھ ہے، کیونکہ امتناع کی تکلیف جس کے ساتھ ابتلا متحقق ہوتا ہے وہ احرام کے ساتھ ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ لازم نہیں کیونکہ تکلیف احرام نہ باندھنے والے میں بھی متحقق ہوتی ہے کہ اس کے لیے شکار کے امور میں سے شرط رکھی گئی ہے اور شکار کرنے کی کیفیت جو اس کے لیے مشروع کی گئی ہے، صحیح یہ ہے کہ آیت میں خطاب تمام لوگوں کو ہے جو احرام باندھے ہوئے نہ تھے اور جو احرام باندھے ہوئے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی وہ تمہیں مکلف بنائے گا اور تکلیف ابتدا و آزمائش ہوتی ہے اگرچہ کثرت و قلت میں فرق ہوتا ہے اور ضعف اور شدت میں تباین ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ مراد بعض شکار ہے اور من بعضیہ ہے اس سے خاص خشکی کا شکار مراد ہے تمام شکار کو یہ حکم شامل نہیں، کیونکہ دریا کے لیے بھی شکار ہوتا ہے یہ طبری کا قول ہے اور الصید سے مراد الصید (جس کو شکار کیا جائے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ یہ چھوٹے بڑے شکار کے حکم کا بیان ہے (2)۔ ابن وثاب اور نخعی نے ینالہ یعنی یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ مجاہد نے کہا: تمہارے ہاتھ ان کے بچوں، انڈوں اور ایسے شکار تک پہنچتے ہیں جو بھاگ نہیں سکتے اور تمہارے نیزے بڑے شکار تک پہنچتے ہیں۔ ابن وہب نے کہا: مالک نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ ہر وہ چیز جس تک انسان کا ہاتھ، نیزہ یا کوئی اور ہتھیار پہنچتا ہے پھر وہ اسے قتل کر دیتا ہے تو وہ شکار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ نے خصوصاً ہاتھوں کا ذکر فرمایا، کیونکہ شکار کرنے میں ہاتھ کا زیادہ تصرف ہوتا ہے اور اس میں شکاری کتے اور رسیاں اور ہاتھ سے بنائے گئے جال وغیرہ داخل ہیں خصوصی طور پر نیزوں کا ذکر کیا، کیونکہ ان کے ساتھ شکار کو زخمی کیا جاتا ہے اس میں تیر وغیرہ بھی داخل ہیں (3)۔ شکاری کتے اور نیزوں میں سے جن چیزوں کے ساتھ شکار کیا جاتا ہے وہ سورۃ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ اس گفتگو میں کفایت ہے۔ والحمد للہ

مسئلہ نمبر 6۔ جو چیز جال وغیرہ میں واقع ہو وہ اس کے مالک کے لیے ہے اگر شکار کو کوئی جال کی طرف مجبور کرے اگر وہ نہ ہوتا تو اس کے لیے پکڑنا ممکن نہ ہوتا تو اس کا مالک اس میں شریک ہوگا اور جو شکار اس مکھیوں کے چھتے میں واقع ہو جو پہاڑ میں لگایا گیا تھا تو وہ جال کی طرح ہے۔ برجوں کے کبوتر ان کے مالکوں کو لوٹائے جائیں گے اگر قدرت ہوگی اسی طرح

1۔ احکام القرآن لابن عربی 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

جباح (چھتہ) کی مکھیوں کا حکم ہے۔

امام مالک سے مروی ہے اور ان کے اصحاب نے کہا: جو کبوتر یا مکھی حاصل کرلے اس پر لوٹانا ضروری نہیں اگر کتے نے شکار کو مجبور کیا اور وہ کسی کے کمرے یا گھر میں داخل ہوگیا تو وہ کتے چھوڑنے والے کے لیے ہوگا نہ کہ گھر والے کا ہوگا اگر کتوں کے بھگانے کے بغیر کسی کے گھر میں شکار داخل ہوگیا تو وہ گھر والوں کا ہوگا۔

مسئلہ نمبر 7۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے حجت پکڑی ہے کہ شکار پکڑنے والے کے لیے ہوگا، بھگانے والے کے لیے نہ ہوگا کیونکہ اس کا نہ ہاتھ پہنچا ہے نہ نیزہ اور نہ کوئی اور چیز۔ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ امام مالک نے اہل کتاب کے شکار کو مکروہ کہا ہے اور اسے حرام نہیں کہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ میں کم ضمیر سے مراد اہل ایمان ہیں، کیونکہ آیت کے آغاز میں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پس ایمان والوں سے اہل کتاب نکل گئے۔ جمہور علماء نے امام مالک کی مخالفت کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۔ یہ ان کے نزدیک ان کے ذبیحہ کی مثل ہے۔ ہمارے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آیت کریمہ ان کے طعام کو کھانے کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اور شکار اور چیز ہے پس طعام کے عموم میں شکار داخل نہیں اور اس کے لفظ کا اطلاق اس کو شامل نہیں۔ (1)

میں کہتا ہوں: یہ اس بنا پر ہے کہ شکار ان کے نزدیک مشروع نہیں ہے پس وہ ان کے طعام میں سے نہیں ہے پس یہاں یہ الزام ساقط ہو جائے گا اگر ان کے نزدیک ان کے دین میں یہ مشروع ہوتا تو اس کا کھانا ہمیں لازم ہوتا، کیونکہ لفظ اس کو بھی شامل ہوتا اور وہ ان کے طعام سے تھا۔ واللہ اعلم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۹۵

"اے ایمان والو! نہ مارو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو اور جو قتل کرے شکار کو تم میں سے جان بوجھ کر تو اس کی جزا یہ ہے کہ اسی قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا ہے فیصلہ کریں اس کا دو معتبر آدمی تم میں سے درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو یا کفارہ ادا کرے وہ یہ کہ چند مسکینوں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے ادا کرے تا کہ چکھے سزا اپنے کام کی۔ معاف فرما دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا ہے اور جو (اب) پھر گیا تو انتقام لے گا اللہ تعالیٰ اس سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے"۔

اس میں تیس مسائل ہیں۔

1۔ احکام القرآن لابن عربی

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یہ ہر مسلمان مذکر اور مونث کو خطاب ہے یہ نہی آزمائش ہے جس کا ذکر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ میں ہے۔

روایت ہے کہ ابوالیسر، ان کا نام عمرو بن مالک انصاری تھا۔ حدیبیہ کے سال انہوں نے احرام باندھا ہوا تھا اور انہوں نے جنگلی گدھا شکار کیا تو اس میں یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ قتل سے مراد ہر وہ فعل ہے جو روح کو فوت کر دے اس کی کئی صورتیں ہیں نحر کرنا، ذبح کرنا، گلہ دبا دینا، پتھر سے سر کچل دینا وغیرہ اللہ تعالیٰ نے محرم پر حرام کیا ہے ہر وہ فعل جس سے روح کو فوت کرنے والا ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ جس نے شکار کو قتل کیا یا اس نے اسے ذبح کیا، پھر اس نے اس سے کھایا تو اس پر قتل کرنے کی ایک جزا ہے کھانے کی علیحدہ جزا نہیں یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: اس پر اس کی بھی جزا ہے جو اس نے کھایا یعنی اس کی قیمت۔ صاحبین نے امام صاحب کی مخالفت کی ہے وہ فرماتے ہیں: استغفار کے علاوہ اس پر کچھ نہیں ہے، کیونکہ اس نے مردہ کو استعمال کیا ہے جس طرح دوسرا مردہ جانور اٹھاتا ہے اسی طرح اگر اس کو کسی دوسرے محرم نے کھایا تو اس پر پھر بھی صرف استغفار ہے۔ امام ابوحنیفہ کی حجت یہ ہے کہ اس نے احرام کی ممنوع چیز کو لیا ہے، کیونکہ اس کا قتل کرنا بھی ممنوع چیزوں میں سے تھا اور یہ معلوم شدہ ہے کہ قتل سے مقصود بھی کھانا ہوتا ہے اور جو چیز مقصود تک پہنچانے والی ہو یعنی احرام کے ممنوع تک تو وہ جزا کا موجب ہوتی ہے پھر جو مقصود ہے اس پر بدرجہ اولیٰ جزا ہو گی۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہمارے نزدیک محرم کا شکار کو ذبح کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محرم کو شکار کے قتل سے منع فرمایا ہے یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور امام شافعی نے فرمایا: محرم کے لیے شکار کا ذبح کرنا ذبح ہے اور انہوں نے اس کا تعلق اس سے جوڑا ہے کہ وہ ذبح کا فعل ذبح کے اہل یعنی مسلمان سے صادر ہوا ہے اور وہ اپنے محل کی طرف منسوب ہے اور وہ ہے حلال جانور، پس کھانے کی حلت کی وجہ سے اپنے مقصود کا فائدہ دے گا اس کی اصل حلال جانور کا ذبح کرنا ہے۔

ہم کہتے ہیں: تمہارا یہ کہنا کہ ذبح، ذبح کے اہل سے صادر ہوئی ہے حالانکہ محرم شکار کو ذبح کرنے کا اہل نہیں، کیونکہ اہلیت عقل سے نہیں سمجھی جاتی بلکہ یہ شرع ثابت کرتی ہے یہ ذبح میں اس کی اجازت اور اس کی نفی سے ہے اور شرع میں محرم کو ذبح سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ پس نہی کے ساتھ اہلیت کی نفی ہو گئی اور تمہارا قول کہ اس کا مقصود حاصل ہوتا ہے ہم اتفاق کرتے ہیں کہ محرم جب شکار کو ذبح کرے گا تو اس کے لیے اس کا کھانا حلال نہ ہو گا اور تمہارے نزدیک اس سے کوئی غیر کھا سکتا ہے اور جب ذبح، ذبح کرنے والے کے لیے حلت کا فائدہ نہیں دیتی تو دوسرے کے لیے بھی بدرجہ اولیٰ مفید نہ ہوئی، کیونکہ فرع احکام میں اصل کے تابع ہوتی ہے پس یہ صحیح نہیں کہ جو اصل کے لیے ثابت نہ ہو وہ فرع کے لیے ثابت ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الصَّیْدَ یہ مصدر ہے اس کے ساتھ اسماء کا معاملہ کیا گیا ہے پس شکار کیے گئے

حیوان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے(1)۔ اَلصَّیْدَ کا لفظ یہاں عام ہے ہر بری اور بحری شکار کو شامل تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد آیا: وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا پس دریائی شکار کو مطلق مباح کر دیا یہ اس کا بیان آئندہ آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 6۔ خشکی کے شکار میں سے درندوں کے نکلنے اور ان کی تخصیص کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: ہر وہ چیز جو درندوں میں سے حملہ نہیں کرتی مثلاً بلی، لومڑ، بجو اور اس جیسے دوسرے جانوروں کو محرم قتل نہیں کر سکتا اگر قتل کرے گا تو فدیہ دے گا۔ فرمایا: چھوٹے بھیڑیئے میرے خیال میں ان کو بھی محرم قتل نہ کرے، اگر انہیں قتل کرے گا تو فدیہ دے گا یہ کوؤں کے بچوں کی مثل ہیں اور جو چیزیں انسان پر غالب طور پر حملہ آور ہوتی ہیں ان کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً شیر، بھیڑیا، چیتا وغیرہ، اسی طرح سانپوں، بچھوؤں، چوہوں، کوؤں اور چیلوں کو مارنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسماعیل نے کہا: پانچ فواسق ہیں حل وحرم میں انہیں قتل کیا جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فواسق کہا اور اس کے افعال کو بیان کیا، کیونکہ فاسق فسق کے لیے فاعل کا وزن ہے اور چھوٹے جانوروں کا فعل نہیں ہوتا کتے کا عقور کا وصف بیان کیا اور چھوٹے کتے کاٹتے نہیں ہیں پس وہ اس کے تحت داخل نہ ہوں گے۔ قاضی اسماعیل نے کہا: کاٹنے والے کتے کا نقصان لوگوں پر زیادہ ہوتا ہے۔ فرمایا: ان میں سے سانپ اور بچھو ہیں کیونکہ ان سے بھی ڈرایا جاتا ہے اسی طرح چیل اور کوا یہ لوگوں کے ہاتھوں سے گوشت اچک لیتے ہیں۔ ابن بکیر نے کہا: بچھو کو قتل کرنے کا حکم دیا، کیونکہ وہ زہر والا ہے اور چوہے کو مارنے کا حکم دیا، کیونکہ وہ مشکیزہ اور جوتا کاٹ دیتا ہے جو مسافر کا زادراہ ہوتے ہیں اور کوے کو مارنے کا حکم دیا، کیونکہ وہ اونٹوں کی پیٹھ پر بیٹھتا ہے اور ان کا گوشت کاٹ لیتا ہے۔ امام مالک سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کوے اور چیل کو قتل نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ نقصان پہنچائیں۔

قاضی اسمٰعیل نے کہا: بھڑ میں اختلاف ہے بعض نے اسے سانپ اور بچھو کے ساتھ مشابہت دی ہے۔ فرمایا: اگر بھڑ کا ابتداً حملہ نہ کرنا نہ ہوتا تو یہ لوگوں پر سانپ اور بچھو سے بھی زیادہ سخت ہوتا لیکن اس کی طبع میں حملہ کرنا نہیں ہے جیسا کہ سانپ اور بچھو میں ہے، بھڑ کو جب اذیت دی جائے تو وہ سخت لڑتی ہے۔ فرمایا: اگر بھڑ کسی کے سامنے آئے اور وہ اسے دور کر دے تو اس کے قتل میں اس پر کچھ نہ ہوگا۔ حضرت عمر بن خطاب سے بھڑ کے قتل کی اباحت ثابت ہے۔ امام مالک نے کہا: بھڑ کے قاتل کو کوئی چیز کھلانی چاہیے۔ اسی طرح امام مالک نے اس شخص کے بارے کہا جس نے کیڑا، مکھی اور چیونٹی وغیرہ کو مارا۔ اصحاب الرائے نے کہا: ان تمام کے قاتل پر کوئی چیز نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: محرم درندوں میں سے کسی کو قتل نہ کرے سوائے کاٹنے والے کتے اور بھیڑیئے کے خواہ وہ اس پر پہلے حملہ کریں یا یہ ان پر حملہ کرے اگر ان کے علاوہ کسی درندے کو قتل کرے گا تو فدیہ دے گا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اگر کتے اور بھیڑیئے کے علاوہ کسی درندے نے محرم پر حملہ کیا اور اس نے اسے قتل کر دیا تو اس پر کوئی چیز نہ ہوگی اور فرمایا: سانپ، بچھو، کوے اور چیل کے قتل میں اس پر کچھ نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے مگر امام زفر کا قول مختلف ہے یہی قول اوزاعی، ثوری اور حسن کا ہے اور انہوں نے اس پر حجت یہ پیش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص جانوروں کو محرم کے

1۔ المحرر الوجیز

لیے قتل کرنے کی اجازت دی ہے، کیونکہ وہ نقصان پہنچاتے ہیں پس اس پر زیادتی کی کوئی وجہ نہیں مگر یہ کہ علماء کسی چیز پر جمع ہو جائیں اور اس کے معنی میں داخل کر دیں۔

میں کہتا ہوں: تعجب ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کہ وہ کیل کی علت کی وجہ پر گندم پر مٹی کو محمول کرتے ہیں اور درندوں کو علت فسق اور کاٹنے کی وجہ سے کتے پر محمول نہیں کرتے جیسا کہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: امام زفر بن ہذیل نے کہا: محرم صرف بھیڑیئے کو قتل کرے اور جس نے احرام کی حالت میں کسی اور درندے کو قتل کیا تو اس پر فدیہ ہے خواہ وہ حملہ کی ابتدا کرے یا نہ کرے، کیونکہ وہ بے زبان ہے پس اس کا فعل رائیگاں ہے، یہ حدیث کا رد اور اس کی مخالفت ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: ہر وہ چیز جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا اسے قتل کرنے کی محرم کو اجازت ہے اور اس میں چھوٹا اور بڑا شکار برابر ہیں مگر سوائے سمع کے جو بھیڑیئے اور بجو کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا: بڑی چچڑی اور چھوٹی چچڑی اور وہ چیزیں جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان میں کوئی کفارہ نہیں ہے، کیونکہ یہ شکار میں سے نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا۔ یہ دلیل ہے کہ الصید سے مراد وہ ہے جو احرام سے پہلے ان پر حلال تھا اور احرام کی وجہ سے ان پر حرام کیا گیا یہ تمام ان سے مزنی اور ربیع نے ذکر فرمائی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ جوں کا فدیہ کیوں دیا جاتا ہے، حالانکہ وہ اذیت دیتی ہے اور کھائی نہیں جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فدیہ نہیں دیا جاتا مگر اس پر جس پر فدیہ دیا گیا ہے بال، ناخن اور ان چیزوں کا پہننا جن کا پہننا اس کے لیے جائز نہیں تھا چونکہ جوں کے پھینکنے میں اپنی ذات سے اذیت کو دور کر دینا ہے جب کہ وہ اس کے سر اور داڑھی میں تھی گویا اس نے اپنے بالوں کی تکلیف کو دور کیا۔ جب وہ ظاہر ہوتی ہے تو قتل کی جاتی ہے، حالانکہ وہ اذیت نہیں دیتی ابو ثور کا قول اس باب میں امام شافعی کے قول کی طرح ہے۔ یہ ابو عمر نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ ائمہ حدیث نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جانوروں میں پانچ ایسے ہیں محرم پر ان کے قتل کرنے میں کوئی گناہ نہیں کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا کتا'' (1)۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔ یہی احمد اور اسحاق نے کہا ہے مسلم میں حضرت عائشہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ''پانچ فواسق ہیں ان کو حل وحرم میں قتل کیا جائے گا سانپ، ابقع کوا، چوہا، کاٹنے والا کتا اور چیل''۔ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے فرماتے ہیں: کووں میں سے صرف ابقع کو مارا جائے گا، کیونکہ یہ مطلق کی تقیید ہے۔ اور ابو داؤد کی کتاب میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ کوے کو پتھر مارے اور اسے قتل نہ کرے (2)۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ جمہور علماء کا قول حضرت ابن عمر کی حدیث کے مطابق ہے۔ ابو داؤد اور ترمذی میں السبع العادی (حملہ کرنے والا درندہ) یہ علت پر تنبیہ ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ یہ مردوں اور عورتوں اور آزاد، غلام سب کو شامل ہے۔ کہا جاتا

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 5132

2۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 1514، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے: رجل حرام و امراۃ حرام۔ اس کی جمع حرم ہے جیسے عرب کہتے ہیں: قذال و قذل، احرم الرجل کا معنی ہے وہ حرم میں داخل ہوا جیسے کہا جاتا ہے اسھل یعنی سھل (آسانی) میں داخل ہوا یہ لفظ زمان و مکان کو شامل ہے احرام کی حالت اشتراک کے ساتھ ہے نہ کہ عموم کے ساتھ۔ کہا جاتا ہے: رجل حرام جب کوئی حرمت والے مہینوں میں داخل ہو یا حرم میں داخل ہو یا احرام باندھے لیکن زمانے کی تحریم خارج ہے اس کا اعتبار اجماع سے خارج ہے اور مکان کی تحریم اور احرام کی حالت اصل تکلیف پر باقی ہے یہ ابن عربی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ مکان کے اعتبار سے حرم دو ہیں حرم مدینہ اور حرم مکہ۔ امام شافعی نے طائف کا اضافہ کیا ہے ان کے نزدیک طائف کا درخت کاٹنا جائز نہیں اور نہ اس کا شکار کرنا جائز ہے اور جس نے کوئی ممنوع کام یہاں بھی کیا تو اس پر جزا ہو گی اور رہا حرم مدینہ اس میں کسی کے لیے نہ شکار کرنا جائز ہے اور نہ درخت کاٹنا جائز ہے جیسا کہ حرم مکہ کا حکم ہے اگر کوئی ایسا کرے گا تو گناہگار ہو گا اور امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک اس پر جزا نہیں ہے۔ ابن ابی ذئب نے کہا: اس پر جزا ہے سعد نے کہا: اس کی جزا یہ ہے کہ اس کا سامان چھین لیا جائے۔ امام شافعی سے بھی یہ مروی ہے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: مدینہ طیبہ کا شکار حرام نہیں اسی طرح اس کے درخت کاٹنے بھی ممنوع نہیں۔ امام صاحب کے بعض متبعین نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کو تم مدینہ طیبہ کی حدود میں شکار کرتے ہوئے یا درخت کاٹتے ہوئے پاؤ تو اس کا سامان لے لو''۔ حضرت سعد نے اس شخص کا سامان لے لیا۔ فرمایا: فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو مدینہ طیبہ میں شکار کرے گا اس کا سامان نہیں لیا جائے گا یہ دلیل ہے کہ وہ حکم منسوخ ہے۔

امام طحاوی نے حضرت انس کی حدیث سے حجت پکڑی ہے جس میں ہے ما فعل النغیر؟ (نغیر کا کیا ہوا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پرندے کے شکار کرنے اور اس کو پکڑنے پر انکار نہ کیا۔ ان احادیث میں احناف کے لیے حجت نہیں۔ رہی پہلی حدیث وہ قوی نہیں ہے اگر صحیح بھی ہو تو بھی سلب کے نسخ میں ایسی بات نہیں کہ تحریم مدینہ جو صحت سے ثابت ہے اسے ساقط کر دے۔ کتنے ایسے حرام امور ہیں جن کی دنیا میں کوئی سزا نہیں ہے۔ رہی دوسری حدیث تو جائز ہے کہ وہ غیر حرم سے شکار کیا گیا ہو۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وحشی جانور تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے چلے جاتے تو وہ کھیلتا اور بھاگتا رہتا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد محسوس کرتا تو پاؤں پھیلا کر بیٹھ جاتا اور حرکت نہ کرتا تھا تا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔ ہماری دلیل وہ روایت ہے جو امام مالک نے ابن شہاب سے انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں ہرن کو مدینہ میں چرتا ہوا دیکھوں تو میں اسے پریشان نہ کروں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو پتھریلے ٹیلوں کے درمیان جو جگہ ہے وہ حرم ہے''۔ حضرت ابوہریرہ کا قول کہ ''میں ہرن کو پریشان نہیں کروں گا'' دلیل ہے کہ حرم مدینہ میں شکار کو ڈرانا بھی جائز نہیں جس طرح حرم مکہ میں شکار کو ڈرانا جائز نہیں ہے اسی طرح حضرت زید بن ثابت کا شرحبیل بن سعد کے ہاتھ سے چڑیا کو چھین لینا جس کو مدینہ طیبہ سے شکار کیا گیا تھا دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام مدینہ طیبہ کے شکار کی تحریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سمجھ گئے تھے پس اس میں شکار کرنے کو انہوں نے جائز

قرار نہ دیا اور جو چیز شکار کی گئی اس کی ملکیت کو بھی جائز نہ کیا۔ ابن ابی ذئب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول صحیح میں روایت کیا ہے: ”اے اللہ! ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جس طرح انہوں نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی، اس کا نہ گھاس کاٹا جائے گا نہ درخت کاٹا جائے گا نہ اس کا شکار بھگایا جائے گا“۔ چونکہ مدینہ حرم ہے اس میں شکار منع کیا گیا اور اس کے ساتھ جزا کو معلق کیا گیا جس طرح حرم مکہ کے ساتھ ہے۔(1)

قاضی عبدالوہاب نے کہا: یہ قول میرے نزدیک ہمارے اصول پر زیادہ قیاس کے مطابق ہے خصوصاً مدینہ طیبہ ہمارے اصحاب کے نزدیک مکہ سے افضل ہے اس میں نماز، مسجد حرام کی نماز سے افضل ہے اور امام مالک اور امام شافعی کی حجت میں سے یہ ہے کہ اس پر جزا کا حکم اور سامان چھین لینے کا حکم نہیں لگایا گیا۔ یہ امام شافعی کا مشہور قول ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا عموم اس پر کوئی حکم نہیں لگاتا ارشاد فرمایا: ”مدینہ عیر پہاڑ سے لے کر ثور پہاڑ تک حرام ہے جس نے اس میں کوئی بدعت نکالی یا کسی بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس سے نہ فرض قبول کرے گا نہ نفل“۔ اس ارشاد میں وعید کو مطلق فرمایا اور کفارہ کا ذکر نہیں فرمایا(2) اور جو حضرت سعد سے ذکر کیا گیا ہے وہ ان کا مخصوص مذہب ہے۔ کیونکہ صحیح میں ان سے مروی ہے کہ وہ اپنے محل کی طرف سوار ہو کر عقیق میں گئے تو انہوں نے ایک غلام کو درخت کاٹتے ہوئے پایا۔

آپ نے اس سے سامان چھین لیا۔ جب حضرت سعد واپس آئے تو غلام کے مالک ان کے پاس آئے اور غلام کا سامان واپس کرنے کے لیے بات چیت کی۔ حضرت معاذ نے کہا: معاذ اللہ! میں وہ چیز واپس کروں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہے آپ نے انہیں سامان واپس کرنے سے انکار کر دیا(3)۔ پس اس کا قول (نفلنیه) اس کا ظاہر خصوص ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا اللہ تعالیٰ نے مُّتَعَمِّدًا جان بوجھ کر قتل کرنے والا کا لفظ ذکر فرمایا ہے۔ خطا اور بھول کر کرنے والے کا ذکر نہیں کیا۔ یہاں مُّتَعَمِّدًا سے مراد وہ ہوتا ہے جو احرام کے علم کے ہوتے ہوئے کسی چیز کا قصد کرتا ہے۔ مخطی وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کا قصد کرتا ہے پھر وہ شکار پالیتا ہے اور بھولنے والا وہ ہے جو جان بوجھ کر شکار کا قصد کرتا ہے اور اسے احرام یاد نہیں ہوتا۔ اس کے متعلق علماء کے پانچ اقوال ہیں: (۱) دارقطنی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: تکفیر جان بوجھ کر قتل کرنے میں ہے۔ انہوں نے خطا میں بھی کفارہ میں سختی کی تاکہ لوگ آئندہ ایسا نہ کریں۔ (۲) مُّتَعَمِّدًا کا قول غالب طور ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ نادر کو لاحق کیا گیا جیسا کہ اصول شریعت میں ہیں۔ (۳) خطا اور بھول کر ایسا کرنے والے پر کچھ نہیں۔ یہی قول طبری کا ہے اور امام احمد بن حنبل کی بھی ایک روایت یہی ہے حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے یہی طاؤس اور ابوثور کا قول ہے یہی داؤد کا قول ہے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مُّتَعَمِّدًا کا خاص ذکر کیا ہے تو یہ دلیل ہے کہ اس کے علاوہ کا حکم اس کے خلاف ہے اور مزید یہ کہا کہ اصل ذمہ کی برأت ہے جس نے ذمہ کی مشغولیت کا دعویٰ کیا اس پر دلیل ہے (۴) اس پر عمد، خطا اور نسیان کی صورت میں حکم لگایا جائے گا یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ عمر، طاؤس، حسن، ابراہیم اور زہری سے مروی ہے یہی قول امام مالک، امام

1۔ احکام القرآن لابن عربی 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

شافعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ زہری نے کہا: عمداً میں جزا کا وجوب قرآن سے ہے اور خطا اور نسیان کی صورت میں جزا کا وجوب سنت ہے۔ ابن عربی نے کہا: اگر سنت سے مراد وہ آثار ہیں جو حضرت ابن عباس اور حضرت عمر سے مروی ہیں تو یہ بہتر ہیں اور یہ کتنا اچھا اُسوہ ہے (۵) مُتَعَمِّدًا وہ اسے قتل کرتا ہے، کیونکہ اس نے اسے احرام کو بھول کر قتل کیا ہے۔ یہ مجاہد کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ فرمایا: اگر وہ احرام کو یاد رکھتے ہوئے کرتا تو اس پر پہلی مرتبہ بھی سزا ہوتی فرمایا: یہ دلیل ہے کہ اس کو متعمدًا قتل کا ارادہ کرے جب کہ وہ احرام کو بھولا ہوا تھا۔ مجاہد نے کہا: اگر اسے احرام یاد ہو تو وہ احرام سے فارغ ہو گیا اور اس نے احرام کا ممنوع کام کیا اس لیے اس کا حج بھی نہیں ہے پس وہ اس پہ باطل ہو گیا جیسا کہ کوئی نماز میں گفتگو کرتا ہے یا نماز میں حدث لاحق ہوتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ فرمایا: جس نے خطا کی پس اس پر جزا ہے۔ ہماری دلیل مجاہد کے خلاف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جزا کو واجب کیا اور فساد کا ذکر نہیں کیا پس احرام یاد ہو یا یاد نہ ہو کوئی فرق نہیں ہے اور نماز پر حج کا قیاس صحیح نہیں، کیونکہ یہ دونوں مختلف ہیں۔ مجاہد سے مروی ہے کہ قتل عمد میں بھی اس پر حکم نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور اس کا حج مکمل ہے یہی ابن زید کا قول ہے۔ ہماری دلیل داؤد کے خلاف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے بجو کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ شکار ہے''، جب محرم بجو کو قتل کرے تو اس کے لیے ایک مینڈھا بطور جزا مقرر فرمایا(1) اور عمداً اور خطأً کا ذکر نہیں فرمایا۔ ہمارے علماء میں سے ابن بکیر نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد مُتَعَمِّدًا اس سے مراد خطا سے تجاوز نہیں، بلکہ مُتَعَمِّدًا سے یہ مراد لیا کہ وہ بیان کرے کہ یہ اس ابن آدم کی طرح نہیں جس کے قتل عمد میں کفارہ نہیں اور شکار میں کفارہ ہے اس سے مراد قتل خطا میں جزا کو ساقط کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 11 ۔ جو شخص حالت احرام میں جتنی مرتبہ جانور قتل کرے گا اس پر ہر مرتبہ فیصلہ ہو گا یہ امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ وغیرہم کا قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ الآیۃ۔ پس نہی ہمیشہ کے لیے ہے اور مستمر ہے جب تک کہ وہ محرم ہے جب وہ قتل کرے گا اس کی وجہ سے اس پر جزا لازم ہو گی۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: اسلام میں اس پر دو مرتبہ حکم نہیں لگایا جائے گا اس پر صرف ایک مرتبہ حکم لگایا جائے گا اگر وہ دوبارہ یہ جرم کرے گا تو اس پر حکم نہیں لگایا جائے گا اسے کہا جائے گا: اللہ تعالیٰ تجھ سے انتقام لے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ۔ یہ قول حسن، ابراہیم، مجاہد اور شریح کا ہے ان کے خلاف ہماری دلیل یہ ہے جو ہم نے اس کے بارے میں ذکر کی جو احرام میں تحریم کی طرف بڑھتا ہے دین اسلام میں اس پر خطاب متوجہ ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 12 ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ اس میں چار قراءتیں ہیں: فجزاءٌ مثل جزا کے رفع اور تنوین کے ساتھ اور مثل صفت کی بنا پر ہے اور خبر مضمر ہے تقدیر اس طرح ہو گی فعلیہ جزاء مماثل واجب اولازم من النعم۔ یہ قراءت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مثل بعینہ جزا ہے اور جزا پر رفع بغیر تنوین کے اور مثل اضافت کے ساتھ یعنی فعلیہ جزاء مثل ماقتل اور مثل کا لفظ مُقحم ہے جیسا کہ تیرا قول ہے: انا اکرم مثلک اس سے تیری مراد یہ

1۔ سنن ابن ماجہ، باب جزاء الصید یصیبہ المحرم، حدیث نمبر 3075، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے کہ أنا اکرمك میں تیری عزت کرتا ہوں۔ اس کی مثال یہ ارشاد بھی ہے: اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ (الانعام: 122) اس کی تقدیر یہ ہے کمن هو فی الظلمات اور اس کی یہ بھی نظیر ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ: 11) یعنی لیس کھو شیء یہ تقدیر تقاضا کرتی ہے جزا مثل کے علاوہ ہے، کیونکہ کوئی چیز اپنی ذات کی طرف مضاف نہیں ہوتی۔ ابو علی نے کہا: اس پر مقتول کی جزا ہے نہ کہ مقتول کی مثل کی جزا ہے اضافت مثل کی جزا کا موجب ہے نہ کہ مقتول کی جزا کا۔ یہ امام شافعی کا قول ہے جیسا کہ آگے آئے گا اور قولہ مِنَ النَّعَمِ دونوں قرأتوں پر جزا کی صفت ہے۔ حسن نے من النَّعْمِ پڑھا ہے یعنی عین کے سکون کے ساتھ یہ بھی ایک لغت ہے۔ عبد الرحمٰن نے فجزاءٌ رفع اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور مثل کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو الفتح نے کہا: مثل، نفس جزا کے ساتھ منصوب ہے معنی یہ ہے: ان یجزی مثل ماقتل۔ اور حضرت ابن مسعود اور اعمش فجزاءہ مثل، پڑھا ہے یعنی ھا کو ظاہر کرنے کے ساتھ۔ یہ احتمال ہے کہ وہ شکار کی طرف ضمیر لوٹے یا شکاری قاتل کی طرف۔

مسئلہ نمبر 13۔ جزا شکار کو قتل کرنے کے ساتھ ہوتی ہے صرف پکڑنے سے نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''مدونۃ'' میں ہے جس نے کوئی پرندہ شکار کیا پھر اس کے پر اکھیڑ دیئے پھر اسے قید کر دیا حتیٰ کہ اس کے نئے پر اگ آئے اور وہ اڑ گیا تو فرمایا: اس پر کوئی جزا نہیں۔ فرمایا: اسی طرح اگر شکار کا ہاتھ یا پاؤں یا کوئی اور عضو کاٹ دیا اور اس کا نفس صحیح و سلامت ہے وہ شکار کے ساتھ لاحق ہو گیا تو اس پر کوئی جزا نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس پر اتنی مقدار میں جزا ہے جو اس نے اس میں کمی کی اگر وہ چلا گیا اور معلوم نہ ہو اس نے کیا کیا تو اس پر جزا ہے، اگر وہ اپاہج بن گیا اور شکار کے ساتھ لاحق نہ ہوا یا اس نے اسے گھرا ہوا چھوڑ دیا تو اس پر کامل جزا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ جن جانوروں کی جزا دی جاتی ہے وہ دو قسم کے ہیں: ایک چوپائے اور دوسرے پرندے۔ چوپاؤں کی جزا ان کی مثل کے ساتھ دی جاتی ہے جو خلقت اور صورت میں ان کی مثل ہوتے ہیں مثلاً شتر مرغ کی جزا اونٹ کے ساتھ۔ وحشی گدھے اور گائے کی جزا گائے کے ساتھ۔ ہرن کی جزا بکری کے ساتھ۔ یہی امام شافعی کا قول ہے اور امام مالک کے نزدیک کم از کم جزا میسر ہدی ہے وہ قربانی کا جانور ہے جیسے بھیڑ میں سے جذع (جو چھ ماہ سے زائد ہو) اور باقی جانوروں سے ثنی (دندہ) ہو اور جس کی جزا ہدی تک نہ پہنچے تو اس میں کھانا کھلانا یا روزے رکھنا ہے، تمام قسم کے کبوتروں میں ان کی قیمت ہے سوائے مکہ کے کبوتر کے۔ مکہ کے کبوتر میں بکری ہے، اس میں یہ سلف کی پیروی نہیں ہے۔ چڑیا، فاختہ، قمری اور تمام طوق والے پرندے کبوتر کے حکم میں ہیں۔ ابن عبد الحکم نے امام مالک سے حکایت کیا ہے کہ مکہ کے کبوتر میں اور ان کے بچوں میں ایک بکری ہے فرمایا: اسی طرح حرم کے کبوتروں کا حکم ہے۔ فرمایا: حل کے کبوتر میں دو آدمیوں کا فیصلہ ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: مثل کا اعتبار قیمت میں ہو گا نہ کہ خلقت میں، شکار کی قیمت دراہم میں اس جگہ کے مطابق لگائی جائے گی جہاں اس نے قتل کیا ہے یا قریبی جگہ کا اعتبار ہو گا اگر ایسی جگہ قتل کیا ہو جہاں وہ شکار نہ بیچا جاتا ہو پھر اس قیمت سے چاہے تو ہدی خرید لے یا اس کے ساتھ کھانا خریدے اور مساکین کو کھلائے، ہر مسکین کو نصف صاع گندم دے یا ایک صاع جو دے یا ایک صاع کھجور

دے(1)۔اور امام شافعی جانوروں میں سے مثل کا نظریہ رکھتے ہیں، پھر وہ مثل کی قیمت لگاتے ہیں جس طرح تلف کی گئی چیزوں میں مثل کی قیمت لگائی جاتی ہے۔ مثل کی قیمت لی جائے گی جیسے کسی شے کی قیمت ہوتی ہے، کیونکہ وجوب میں مثل ہی اصل ہے۔ یہ واضح ہے اس پر اضافت کی قرأت ظاہر ہوتی ہے فَجَزَآءُ مِّثْلُ۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اگر خلقت کے طریق سے شبہ معتبر ہوتا، شترمرغ میں اونٹ ہوگا، جنگلی گدھے میں گائے ہوگی، ہرن میں بکری ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اس کو دو عادل شخصوں پر موقوف نہ کیا جو اس کا فیصلہ کریں گے، کیونکہ یہ معلوم ہے اور اس میں غور وفکر کی ضرورت نہیں، عدل اور غور وفکر کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب حالت مشکل ہو اور اس پر نظر مضطرب ہو اور اس پر ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَجَزَآءُ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ پس مثل ظاہر مثل خلقی صوری کا تقاضا کرتی ہے نہ کہ معنی کا، پھر فرمایا: مِنَ النَّعَمِ المثل کی جنس کو بیان کیا، پھر فرمایا: يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ یہ ضمیر مثل من النعم کی طرف راجع ہے، کیونکہ اس کے سوا کسی چیز کا ذکر نہیں پس ضمیر اس کی طرف راجع ہے، پھر فرمایا: هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ جس میں ہدی متصور ہوتی ہے جو مقتول جانور کی مثل ہو۔ رہی قیمت تو اس کا ہدی ہونا متصور نہیں ہوتا اور نفس آیت میں اس کے لیے ذکر بھی نہیں ہے، پس جو ہم نے ذکر کیا وہ صحیح ہے۔ والحمدللہ۔

اور ان کا قول اگر شبہ معتبر ہوتا تو دو عادل شخصوں پر موقوف نہ کیا ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ دو عادل آدمیوں کا اعتبار شکار کے چھوٹا اور بڑا ہونے میں غور وفکر کے لیے واجب ہے اور جس کی جنس نہیں ہے اس کا فیصلہ اسی چیز سے جس کی جنس ہے اور جس پر نص واقع نہیں ہے اس کو اس کے ساتھ لاحق کرنا ہے جس میں نص واقع ہے (دو شخصوں کا فیصلہ اس کے بارے میں ہے)

مسئلہ نمبر 15۔ جس نے مکہ سے احرام باندھا اور کبوتروں کے بچوں پر اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا پھر وہ مر گئے تو اس پر ہر بچے میں ایک بکری ہے۔ امام مالک نے فرمایا: چھوٹے شکار میں بھی وہی ہے جو بڑے شکار میں ہے۔ یہ عطا کا قول ہے۔ امام مالک کے نزدیک بکری کے چھوٹے بچے کے ساتھ کسی چیز کا فدیہ نہیں دیا جائے گا۔ امام مالک نے فرمایا: دیت کی طرح اس میں چھوٹا اور بڑا برابر ہیں۔ امام مالک کے نزدیک گوہ میں اور جنگلی چوہے میں ان کی قیمت کا کھانا ہے۔ اہل مدینہ میں سے کچھ چھوٹے شکار میں امام مالک کی مخالفت کرتے ہیں اور جذع اور ثنی (دندہ) میں بھی مخالفت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عمر کے قول کے مطابق کہتے ہیں۔ خرگوش میں بکری کا بچہ ہے چوہے میں جفرہ (بکری کا چرنے والا بچہ) ہے امام مالک نے اسے موقوف روایت کیا ہے۔ ابوزبیر نے حضرت جابر سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جب محرم بجو کو قتل کرے تو اس میں مینڈھا ہے اور ہرن میں بکری ہے اور خرگوش میں بکری کا بچہ ہے اور جنگلی چوہے میں جفرہ ہے''۔ فرمایا: جفرہ اس بکری کے بچے کو کہتے ہیں جو چرتا ہو، اور دوسرے طریق میں ہے میں نے ابوزبیر سے پوچھا جفرہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: جس کا دودھ چھڑایا گیا ہو اور وہ چرتا ہو اس کو دارقطنی نے نقل کیا ہے(2)۔

امام شافعی نے فرمایا: شترمرغ میں اونٹ ہے اور اس کے بچے میں اونٹ کا بچہ ہے اور وحشی گدھے میں گائے ہے اور وحشی گدھے کے بچہ میں میمنہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خلقت میں مثلیت کا فیصلہ فرمایا ہے چھوٹا اور بڑا متفاوت ہوتے ہیں پس

1۔ احکام القرآن للجصاص 2۔ سنن دارقطنی، حدیث نمبر 2549،2546

اس میں چھوٹے اور بڑے کا اعتبار واجب ہے جیسا کہ دوسری ضائع کی جانے والی چیزوں میں ہوتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ صحیح ہے اور یہ ہمارے علماء کا مختار ہے۔ علماء نے کہا: اگر شکار کانا ہو یا لنگڑا ہو یا اس کا کوئی عضو ٹوٹا ہوا ہو تو مثل بھی اسی صفت پر ہوگا تا کہ مثلیت متحقق ہو، پس جو مثل دیا جا رہا ہے ضروری نہیں کہ وہ اس سے بہتر ہو جو اس نے ضائع کیا ہے ہماری دلیل الله تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ صغیر اور کبیر کے درمیان کوئی فیصلہ نہیں فرمایا اور الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: هَدْيًۢا یہ تقاضا کرتا ہے کہ اطلاق کے حق کی وجہ سے ہدی کا اسم اس کو شامل ہو اور یہ مکمل ہدی کا تقاضا کرتا ہے۔ والله اعلم

مسئلہ نمبر 16۔ شتر مرغ کے انڈے میں اونٹ کی ثمن کا دسواں حصہ ہے یہ امام مالک کے نزدیک ہے اور امام مالک کے نزدیک مکی کبوتری کے انڈے میں بچہ ہو یا نہ ہو جب تک کہ انڈا اٹوٹنے کے بعد وہ بچہ بولا نہ ہو، اگر بچہ بولا ہو تو اس پر مکمل جزا ہوگی جس طرح اس پرندے کے بڑے کی جزا ہوتی ہے۔ ابن مواز نے کہا: دو عادل آدمیوں کے فیصلہ پر ہوگا۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ ہر پرندے کے انڈے میں اس کی قیمت ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے انہوں نے حضرت کعب بن عجرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شتر مرغ کے انڈے میں اس کی ثمن کی مقدار فیصلہ فرمایا جس کو محرم نے توڑا تھا اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شتر مرغ کے ہر انڈے میں ایک دن کا روزہ ہے یا ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے''۔(1)

مسئلہ نمبر 17۔ وہ جانور جن کی کوئی مثل نہیں مثلاً چڑیا اور ہاتھی تو اس کی گوشت کی قیمت ہوگی یا اس کے برابر کھانا ہوگا نہ وہ جو اس سے اغراض مراد لی جاتی ہیں، کیونکہ وہ جانور جن میں کوئی مثل ہوتی ہے اس کی مثل واجب ہوتی ہے۔ اگر مثل معدوم ہو تو قیمت اس کے قائم مقام ہوگی جیسے غصب وغیرہ۔ علماء کے دو مذاہب ہیں: (۱) تمام شکاروں میں قیمت کا اعتبار ہے (۲) اور ان جانوروں میں قیمت کا اعتبار ہوگا جن کا جانوروں میں سے مثل نہیں ہے۔ یہ اجماع اپنے ضمن میں قیمت کا اعتبار لیے ہوئے ہے جن کا مثل موجود نہیں، رہا ہاتھی تو اس میں بعض علماء نے فرمایا: اس میں بڑے اونٹ ہیں جن کی دو کہانیں ہیں یہ خراسانی سفید اونٹ ہیں جب ان اونٹوں میں سے کوئی چیز نہ ہو تو پھر اس کی قیمت کو کھانے کے اعتبار سے دیکھا جائے گا، پس کھانا اس پر ہوگا اس میں عمل اس طرح ہوگا کہ ہاتھی کو مرکب (قافلہ) میں رکھا جائے گا اور اس آخری منزل کو دیکھا جائے گا جہاں پانی پر قافلہ اترا ہے، پھر ہاتھی کو نکالا جائے گا اور قافلہ میں کھانا رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ اس حد پر اترے جہاں وہ نازل ہوا تھا جب کہ اس میں ہاتھی تھا یہ کھانے میں سے اس کے برابر ہے، رہا اس کی قیمت کو دیکھنا تو اس کی بہت بڑی رقم بنے گی، کیونکہ اس کی ہڈیاں اور انیاب ہیں پس کھانا بہت زیادہ ہوگا اور یہ ضرر ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ امام مالک نے عبد الملک بن قریب سے انہوں نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب کے پاس آیا اور کہا: میں نے اور میرے ایک ساتھی نے دو گھوڑے دوڑائے، ہم گھاٹی کے دہانے پر پہنچے تو ہم نے ایک ہرن پکڑا جب کہ ہم محرم تھے اس کا آپ کیا حکم دیتے ہیں؟

1۔ سنن دار قطنی، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر 2557

حضرت عمر نے قریب بیٹھے ایک شخص کو کہا: آؤ میں اور تو فیصلہ کریں، دونوں نے اس پر بکری کا فیصلہ کیا۔ وہ شخص واپس گیا تو کہہ رہا تھا: یہ امیر المومنین ہے جو ایک ہرن کا فیصلہ نہیں کر سکتا حتیٰ کہ اس نے ایک آدمی کو بلایا جو اس کے ساتھ فیصلہ کرے۔ حضرت عمر نے اس شخص کی بات سن لی اسے بلایا اور پوچھا: کیا تو سورۂ مائدہ پڑھتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: کیا تو اسے جانتا ہے جس نے میرے ساتھ فیصلہ کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں؟ حضرت عمر نے کہا: اگر تو مجھے بتاتا کہ تو سورۂ مائدہ پڑھتا ہے تو میں تجھے سزا دیتا، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے۔

مسئلہ نمبر 19۔ جب فیصلہ کرنے والے دونوں اتفاق کرلیں تو فیصلہ لازم ہوگا یہی حسن اور امام شافعی کا قول ہے جب وہ مختلف ہو جائیں تو ان کے علاوہ کو دیکھا جائے گا۔ محمد بن المواز نے کہا: وہ ان کے قول سے زیادہ کو نہ لے، کیونکہ یہ تو بغیر تحکیم کے عمل ہوگا اسی طرح مثل خلقی سے طعام کی طرف منتقل نہ ہوگا جب وہ اس کا فیصلہ کریں، کیونکہ یہ امر لازم ہے یہ ابن شعبان کا قول ہے۔ ابن القاسم نے کہا: ان کا حکم یہ تھا کہ وہ مثل جزا کا فیصلہ کریں پس انہوں نے وہ کیا پھر اس نے طعام کی طرف منتقل ہونے کا ارادہ کیا تو جائز ہوگا۔ ابن وہب رحمہ اللہ نے ''العتبیۃ'' میں کہا: سنت یہ ہے کہ دونوں فیصلہ کرنے والے اسے اختیار دیں جس نے کوئی شکار کیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار دیا ہے کہ وہ ہدی دے جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو یا کفارہ دے جو مساکین کا کھانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھے۔ اگر وہ ہدی اختیار کرے تو دو عادل شخص فیصلہ کریں اس کے ساتھ جو مثال دیکھیں جب اس نے کوئی ایسا شکار کیا ہو کہ اس کے برابر بکری بنتی ہو تو وہ ادنیٰ ہدی ہے اور جو بکری تک نہ پہنچتی ہو تو اس میں کھانے کا فیصلہ کریں پھر اسے کھانا کھلانے کا اختیار دیا جائے گا یا ہر مد کے مقابلہ میں روزہ رکھے گا اسی طرح امام مالک نے ''المدونہ'' میں کہا۔

مسئلہ نمبر 20۔ ہر اس چیز کے شکار میں نئے سرے سے فیصلہ کیا جائے گا خواہ پہلے اس میں فیصلہ ہو چکا ہو یا نہ ہو چکا ہو۔ اور اگر صحابہ کے فیصلہ جیسا کوئی فیصلہ کرے اس چیز میں جس کا صحابہ نے فیصلہ کیا تھا تو بہتر ہے۔ امام مالک سے مکہ کی کبوتری، جنگلی گدھے، ہرن، شتر مرغ کے علاوہ میں فیصلہ مروی ہے۔ ان چار چیزوں میں سلف صالحین کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 21۔ یہ جائز نہیں کہ محرم فیصلہ کرنے والوں میں سے ایک ہو یہی امام ابوحنیفہ کا قول اور امام شافعی کا ایک قول ہے محرم دو فیصلہ کرنے والوں میں سے ایک ہوگا۔ یہ ان کا تسامح ہے، کیونکہ آیت کا ظاہر ایک جنایت کرنے والے اور دو فیصلہ کرنے والوں کا تقاضا کرتا ہے۔ بعض عدد کو حذف کرنا ظاہر کو ساقط کرنا ہے اور معنی کا افساد ہے، کیونکہ آدمی کا اپنے بارے فیصلہ کرنا جائز نہیں اگر یہ جائز ہوتا تو اپنی ذات کی وجہ سے دوسرے سے مستغنی ہوتا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان فیصلہ ہے دوسرے شخص کی زیادتی دو آدمیوں کے ساتھ حکم کے استیناف پر دلیل ہے۔ (1)

مسئلہ نمبر 22۔ جب ایک جماعت احرام باندھنے والوں کی ایک شکار کو قتل کرنے میں شریک ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے فرمایا: ہر ایک پر مکمل جزا ہوگی۔ امام شافعی نے فرمایا: ان تمام پر ایک کفارہ ہوگا، کیونکہ حضرت عمر اور حضرت عبدالرحمٰن نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن زبیر کے موالی نے احرام باندھا ہوا تھا جب ان کے پاس سے بجو

1۔ احکام القرآن لابن عربی

گزرا تو انہوں نے اپنی لاٹھیوں سے اسے ماردیا پھران کے دلوں میں خیال پیدا ہوا (کہ ہم نے ٹھیک نہیں کیا) وہ حضرت ابن عمر کے پاس آئے انہوں نے مسئلہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک پر ایک ایک مینڈھا ہے۔ انہوں نے کہا: ہم میں سے ہر ایک پر ایک مینڈھا ہے۔ فرمایا: تم پر سختی کی گئی ہے۔ فرمایا: تم میں سے ہر ایک پر مینڈھا ہے (1)۔ لغوی علماء نے کہا: لمعزز بکم کا معنی ہے تم پر سختی کی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے وہ لوگ جنہوں نے بجو مارا ان پر مینڈھا ہے آپس میں اس کے حصے تقسیم کریں گے اور ہر ایک اپنا حصہ نکالے گا اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: **وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ**۔ یہ خطاب ہر قاتل کو ہے اور ہر شکار کو قتل کرنے والا مکمل ایک نفس کو قتل کرنے والا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے ایک شخص کے بدلے پوری جماعت کو قتل کیا جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ان پر قصاص واجب نہ ہوتا ہم نے اس کے وجوب کا قول کیا ہے اس پر ہمارا اور ان کے ساتھیوں کا اجماع ہے، پس جو ہم نے کہا: وہ ثابت ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 23۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب ایک جماعت مل کر حرم میں ایک شکار کو قتل کرے اور تمام غیر محرم تھے تو ان پر ایک جزا ہے بخلاف اس کے محرم لوگ شکار کو حرم اور حل میں قتل کریں، کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام مالک نے فرمایا: ہر ایک پر کامل جزا ہے اس بنا پر کہ حرم میں داخلہ کے ساتھ انسان محرم ہو جاتا ہے جس طرح احرام کے تلبیہ کے ساتھ محرم ہو جاتا ہے دونوں فعلوں میں سے ہر ایک نے اسے ایسی صفت کا ارتکاب کیا جس کے ساتھ نہی متعلق ہے اور وہ دونوں حالتوں میں اس صفت کی ہتک کرنے والا ہے اور امام ابوحنیفہ کی حجت وہ ہے جو قاضی ابوزید دبوسی نے ذکر کیا ہے فرمایا: اس میں راز یہ ہے کہ احرام میں جنایت عبادت پر ہے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے احرام کے ممنوع عمل کا ارتکاب کیا۔ جب حرم میں غیر محرموں نے شکار کو قتل کیا تو انہوں نے ایسے جانور کو تلف کیا جس کا تلف کرنا حرام تھا یہ اس کے قائم مقام ہے کہ اگر ایک جماعت ایک جانور کو تلف کرتی تو ان میں ہر ایک جانور کو قتل کرنے والا تھا اور وہ قیمت میں شریک ہوں گے۔

ابن عربی نے کہا: امام ابوحنیفہ ہم سے زیادہ قوی ہیں اس دلیل کی وجہ سے ہمارے علماء پر اعتراض کیا جاتا ہے اور ہم سے اس کا جدا ہونا مشکل ہے۔ (2)

مسئلہ نمبر 24۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ** اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دونوں جب ہدی کا فیصلہ کریں گے تو اس ہدی کے ساتھ وہ تمام معاملات کیے جائیں گے جو ہدی کے ساتھ کیے جاتے ہیں مثلاً اشعار کرنا، قلادہ پہنانا اور مقام حل سے مکہ کی طرف بھیجی جائے گی اور مکہ میں اسے صدقہ کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ** اس سے مراد کعبہ کا عین نہیں، کیونکہ ہدی اس تک نہیں پہنچتی، کیونکہ کعبہ مسجد میں ہے۔ اس سے مراد حرم ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: ہدی کو حل کی طرف بھیجنے کی ضرورت نہیں اس بنا پر کہ چھوٹی ہدی چھوٹے شکار کی وجہ سے واجب ہوتی ہیں پس وہ حرم میں خریدی جائے گی اور وہاں ہی وہ ہدی دی جائے گی۔

مسئلہ نمبر 25۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ** کفارہ شکار کی طرف سے ہے ہدی کی وجہ سے

1۔ سنن دارقطنی، حدیث 2564
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 676

نہیں۔ ابن وہب نے کہا: امام مالک نے کہا: سب سے بہتر جو میں نے اس شخص کے بارے سنا جو شکار کو قتل کرتا ہے پھر اس میں اس پر فیصلہ کیا جاتا ہے اس شکار کی قیمت لگائی جائے گی جو اس نے شکار کیا، پھر دیکھا جائے گا کہ کھانے سے اس کی کتنی قیمت بنتی ہے ہر مسکین کو ایک مد کھلایا جائے گا یا ہر مد کی جگہ ایک دن روزہ رکھے گا۔ ابن القاسم نے اس کے متعلق کہا: اگر شکار کی قیمت دراہم سے لگائی جائے پھر اس کی قیمت طعام سے لگائی جائے تو یہ جائز ہے۔ درست پہلا قول ہے۔ عبداللہ بن عبدالحکم نے اس کی مثل کہا ہے۔ انہوں نے کہا: ان تین چیزوں میں اس کو اختیار ہے۔ جو فعل بھی کرے گا جائز ہوگا خواہ وہ شخص خوشحال ہو یا تنگ دست ہو یہی قول عطا اور جمہور فقہاء کا ہے، کیونکہ ''او'' تخییر کے لیے آتا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: ہر چیز جو کفارات میں سے کتاب اللہ میں ''او'' کے ساتھ ہے اس میں جرم کرنے والے کو اختیار ہے جو کام کرنا اسے پسند ہو وہ کرلے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: جب محرم ہرن یا اس جیسی کوئی چیز قتل کرے گا تو اس پر مکہ میں بکری ذبح کرنی ہو گی، اگر وہ بکری نہ پائے تو پھر چھ مساکین کو کھانا کھلائے، پھر اگر اس کو نہ پائے تو اس پر تین دنوں کے روزے ہیں اگر اس نے اونٹ یا اسی جیسا جانور قتل کیا تو اس پر گائے ہوگی اگر وہ گائے نہ پائے تو بیس مساکین کو کھانا کھلائے اگر وہ یہ بھی نہ پائے تو بیس دن کے روزے رکھے۔ اگر شتر مرغ یا گدھا قتل کیا تو اس پر بدنہ ہوگا اگر وہ یہ نہ پائے تو تیس مساکین کو کھانا کھلائے اگر یہ نہ پائے تو تیس روزے رکھے۔ اور طعام ایک مد ہوگا مدان کے سیر ہونے کے لیے ہے۔ یہ ابراہیم نخعی اور حماد بن سلمہ کا قول ہے۔ علماء نے فرمایا: **اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ** اس صورت میں ہے اگر وہ ہدی نہ پائے۔ طبری نے حضرت ابن عباس سے حکایت کیا ہے فرمایا: جب محرم شکار کرے اور اس پر جزا کا فیصلہ کیا گیا ہو اگر وہ جزا پائے تو اسے ذبح کرے اور اسے صدقہ کرے اگر اس کے پاس جزا نہ ہو تو اس کی جزا دراہم کے ساتھ لگائی جائے گی، پھر دراہم کا اندازہ گندم سے لگایا جائے گا، پھر یہ نصف صاع کی جگہ ایک دن روزہ رکھے گا۔ فرمایا: طعام سے مراد روزوں کے امر کو واضح کرنا ہے جو طعام نہ پائے وہ اس کی جزا پائے گا۔ سدی سے یہی روایت کیا گیا ہے (1)۔ ظاہر آیت کے ساتھ اس قول پر اعتراض کیا گیا ہے، کیونکہ یہ اس سے علیحدہ ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ علماء نے اس وقت میں اختلاف کیا ہے جس میں تلف کی گئی چیز کا اعتبار کیا جائے گا۔ ایک قوم نے کہا: جس دن اس نے تلف کیا ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: فیصلہ کے دن کا اعتبار ہوگا۔ بعض نے کہا: اتلاف کے دن سے فیصلہ کے دن تک جو قیمت زیادہ ہوگی وہ لازم ہوگی۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء کا بھی ان کے اختلاف کی طرح اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ اتلاف کے دن والی قیمت لازم ہوگی اس پر دلیل یہ ہے کہ وجود حق تھا جب تلف کرنے والے نے اسے ختم کردیا تو اس کی مثل اس کا ایجاد کرنا لازم تھا اور وہ عدم کے وقت میں ہے (2)۔

مسئلہ نمبر 27۔ رہی ہدی تو اس میں اختلاف نہیں کہ وہ مکہ میں دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ** رہا کھانا کھلانا تو اس میں امام مالک کا قول مختلف ہے کیا وہ مکہ میں ہوگا جہاں اس نے جرم کیا ہے؟ وہ مکہ میں ہوگا یہ امام شافعی کا قول ہے۔ عطا نے کہا: جو خون یا کھانے سے ہو وہ مکہ میں ہوگا اور روزہ جہاں چاہے رکھے۔ یہ امام مالک کا قول روزوں کے متعلق ہے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 239　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 680

اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ قاضی ابو محمد عبد الوہاب نے کہا: شکار کے جزا میں کسی چیز کو حرم سے نکالنا جائز نہیں، سوائے روزوں کے۔ حماد اور امام ابو حنیفہ نے کہا: جہاں اس نے شکار کیا وہاں ہی وہ کفارہ دے۔ طبری نے کہا: جہاں چاہے کفارہ دے۔

رہا امام ابو حنیفہ کا قول تو اس کی نہ نظر میں کوئی وجہ اور نہ اس میں کوئی اثر ہے۔ رہا وہ جس نے کہا: جہاں چاہے روزہ رکھے کیونکہ روزہ ایک عبادت ہے جو روزہ دار کے ساتھ خاص ہے پس یہ ہر جگہ ہو سکتا ہے جس طرح دوسرے تمام کفارات کے روزے ہیں، رہا وہ قول کہ طعام مکہ میں ہوگا، کیونکہ وہ ہدی کا بدل ہے یا اس کی نظیر ہے اور ہدی مکہ کے مساکین کا حق ہے اسی وجہ سے اس کا بدل بھی مکہ میں ہوگا یا رہا وہ جس نے کہا کہ کھانا بھی ہر جگہ ہو سکتا ہے اس نے ہر طعام اور فدیہ کا اعتبار کیا، کیونکہ وہ ہر جگہ جائز ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 28۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا، العَدل اور العِدل، عین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں لغتیں ہیں اور دونوں کا معنی مثل ہے یہ کسائی کا قول ہے۔ فراء نے کہا: عدل الشیٔ عین کے کسرہ کے ساتھ اس کا معنی ہے اس کی جنس سے اس کی مثل اور عین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے اس کی جنس کے علاوہ میں سے اس کی مثل یہ قول کسائی سے بھی روایت ہے تو کہتا ہے: عندی عدل دراهمك من الدراهم وعندی عدل دراهمك من الشیاب۔ کسائی سے صحیح یہ مروی ہے کہ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ یہی بصریوں کا قول ہے روزوں کا عدد کے اعتبار سے وجہ اقرب میں طعام کے مماثل ہونا صحیح نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا: ہر مد کے طرف سے ایک دن روزہ رکھے(1)، اگرچہ دو یا تین ماہ سے بھی روزے بڑھ جائیں، یہی امام شافعی کا قول ہے۔

یحییٰ بن عمر مالکی نے کہا: کہا جاتا ہے کہ جتنے افراد اس شکار سے سیر ہو سکتے تھے اس سے عدد معلوم ہو جائے گا، پھر کہا جاتا ہے کتنا کھانا اس تعداد کو سیر کرتا ہے؟ اگر وہ چاہے تو اس کھانے کو نکالے، اگر چاہے ان مدوں کی تعداد کے برابر روزے رکھے۔ یہ بہتر قول ہے اس میں احتیاط ہے، کیونکہ کبھی شکار کی قیمت کھانے سے کم ہوتی ہے اس نظر سے کھانا کھلانا زیادہ ہوگا اور اہل علم میں سے کچھ وہ ہیں جو جزا کے روزوں میں دو ماہ سے تجاوز نہیں کرتے وہ کہتے ہیں: کیونکہ دو ماہ بلند ترین کفارہ ہے۔ ابن عربی نے اس کو اختیار کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہر دو مدوں کے عوض ایک دن روزہ رکھے انہوں نے اذیت کے فدیہ کا اعتبار کیا ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 29۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ، الذوق یہاں مستعار ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذُقْ ۙ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (الدخان) اور فرمایا: فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (النحل: 112) پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس۔

حقیقت میں ذوق زبان کے حاسہ میں ہے ان تمام آیات میں یہ استعارۃً استعمال ہوا ہے اسی سے حدیث ہے(3) ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھا جو اللہ تعالیٰ کو رب تسلیم کرنے پر راضی ہوا۔ الوبال کا معنی ہے برا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 680　2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 681　3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 47

انجام مرعی و بیل وہ کھانا جس کو کھانے کے بعد تکلیف ہو اور طعام وبیل جب وہ کھانا بھاری ہو۔ اسی سے ہے

عقیلۃ شیخ کالوبیل یلندد

اس کے ساتھ اپنے تمام حالات کو تعبیر کیا۔

مسئلہ نمبر 30۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ یعنی جو تم نے زمانہ جاہلیت میں شکار کیا وہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا یہ عطا بن ابی رباح اور ان کے ساتھ ایک جماعت کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کفارہ کے نزول سے پہلے جو کچھ شکار کیا وہ معاف کر دیا۔ وَ مَنْ عَادَ یعنی جس نے نہی کے بعد پھر ایسا کیا۔ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ اللہ اس سے کفارہ کے ساتھ بدلہ لے گا۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے آخرت میں اس کا انتقام لے گا اگر وہ اسے حلال سمجھتے ہوئے کرے گا اور ظاہر حکم میں وہ کفارہ دے گا (1)۔ شریح اور سعید بن جبیر نے کہا: اس پر پہلی مرتبہ وہ حکم لگایا جائے گا جب وہ دوبارہ شکار کرے گا تو اس پر حکم نہیں لگایا جائے گا اسے کہا جائے گا: تم جاؤ اللہ تعالیٰ تجھ سے انتقام لے گا یعنی تیرا گناہ کفارہ دینے سے بڑا ہے جیسا کہ جھوٹی قسم کا اکثر علماء کے نزدیک کفارہ نہیں ہے، کیونکہ اس کا گناہ بہت بڑا ہے اور نیک لوگ کفارہ دینے کے ساتھ عذاب سے بچتے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس کی پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں حتیٰ کہ وہ مر جائے۔ زید بن ابی المعلی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے شکار کیا جب کہ وہ محرم تھا پس اس نے تجاوز کیا پھر اس نے شکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے آگ نازل کی جس نے اس کو جلا دیا (2)، یہ امت کے لیے عبرت ہے اور حد سے بڑھنے والوں کو معصیت سے روکنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۞ عزیز یعنی اپنی ملک میں محفوظ ہے اسے اس کے ارادہ سے کوئی روکنے والا نہیں۔ ذُو انْتِقَامٍ جو اس کی نافرمانی کرے گا وہ اگر چاہے گا تو انتقام لے گا۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ ۚ وَ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۞

"حلال کیا گیا ہے تمہارے لیے دریائی شکار اور اس کا کھانا فائدہ اٹھاؤ تم اور دوسرے قافلے اور حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار جب تک تم احرام باندھے ہوئے ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم اکٹھے کیے جاؤ گے"۔

اس میں تیرہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ یہ حکم دریائی شکار کو حلال کرنے کا ہے اس سے مراد مچھلیوں کا شکار ہے یہاں بھی الصید بمعنی المصید ہے البحر کی طرف مضاف کیا گیا ہے کیونکہ وہ اس کے سبب سے ہے۔ البحر کے متعلق گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ مَتَاعًا مصدر کی بنا پر منصوب ہے یعنی متعتم بہ متاعاً۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ طَعَامُهٗ کا لفظ مشترک ہے اس کا اطلاق ہر کھانے پر ہوتا ہے اور خاص کھانے پر بھی ہوتا ہے جیسے صرف پانی اور صرف گندم، صرف کھجور، صرف دودھ۔ کبھی اس کا اطلاق نیند پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 240

2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 241

پہلے گزر چکا ہے یہاں اس سے مراد وہ ہے جس کو دریا پھینک دے اور وہ اس پر تیرنے لگے۔ دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ الآیہ کے تحت روایت کیا ہے کہ صیدہ سے مراد وہ ہے جو شکار کیا گیا اور طعامہ سے مراد وہ ہے جس کو دریا پھینک دے۔ حضرت ابو ہریرہ سے اس کی مثل مروی ہے یہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ طعام سے مراد اس کا مردہ ہے یہ اسی معنی میں ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: طعام سے مراد وہ ہے جو اس کی وجہ سے نمکین کیا گیا ہو (1) اور باقی ہو، ان کے ساتھ ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔ قوم نے کہا: طعام سے مراد وہ نمک ہے جو اس کے پانی اور دوسری نباتات سے حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: پانی پر مردہ تیرتی ہوئی مچھلی نہیں کھائی جائے گی اور دوسری مچھلیاں کھائی جائیں گی اور دریائی حیوانات میں سے صرف مچھلی کھائی جائے گی، یہی ثوری کا قول ہے ابو اسحاق فزاری کی روایت میں جوان سے مروی ہے۔ حسن نے مردہ تیرنے والی مچھلی کو مکروہ قرار دیا ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی مکروہ کہا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ الجری (مچھلی جس کی پیٹھ چوڑی ہوتی ہے اور منہ بھی کھلا ہوتا ہے اور اس کی ہڈی نہیں ہوتی) کا کھانا مکروہ کہا ہے ان سے ان تمام کا کھانا بھی مروی ہے اور یہی صحیح ہے۔ عبدالرزاق نے ثوری سے انہوں نے جعفر بن محمد سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جراد (ٹڈی) اور مچھلیاں پاک ہیں۔ حضرت علی سے مردہ تیرنے والی مچھلی کے کھانے میں اختلاف مروی ہے اور حضرت جابر سے اختلاف مروی نہیں انہوں نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ یہی قول طاؤس، محمد بن سیرین، جابر بن زید کا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے عموم سے حجت پکڑی ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ اور ابو داؤد اور دارقطنی کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے فرمایا:

''جس سے دریا ہٹ جائے اور جس کو دریا باہر پھینک دے اور جس کو تم پانی پر مردہ اور تیرتا ہوا پاؤ تو اسے نہ کھاؤ'' (2)۔

دارقطنی نے کہا: عبدالعزیز بن عبیداللہ عن وہب بن کیسان عن جابر کے سلسلہ میں منفرد ہے اور عبدالعزیز ضعیف ہے اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ سفیان ثوری نے ابو الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ سے اسی طرح روایت کی ہے۔ دارقطنی نے کہا: ابو احمد زبیری کے علاوہ ثوری سے مسند کسی نے روایت نہیں کی جب کہ وکیع، عدنیان، عبدالرزاق، مؤمل اور ابو عاصم وغیرہم نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ان تمام نے ثوری سے موقوف روایت کی ہے اور یہی صواب ہے۔ اسی طرح اس کو ایوب سختیانی، عبیداللہ بن عمر، ابن جریج، زہیر، حماد بن سلمہ وغیرہم نے ابو زبیر سے موقوف روایت کی ہے۔ ابو داؤد نے کہا: یہ حدیث ضعیف طریق سے مسند ذکر کی گئی ہے اور وہ طریق یہ ہے عن ابن ابی ذئب عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۱)

دارقطنی نے کہا: اسماعیل بن امیہ اور ابن ابی ذئب نے ابو الزبیر سے مرفوع روایت کی ہے اور مرفوع صحیح نہیں ہے۔ یحییٰ بن سلیم عن اسمٰعیل بن امیہ نے اس کو مرفوع ذکر کیا جب کہ دوسرے محدثین نے اس کو موقوف ذکر کیا ہے۔ امام مالک، امام شافعی،

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 241   2۔ سنن دارقطنی، باب الصید والذبائح، جلد 4، صفحہ 268-267

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی اکل الطافی من السمک، حدیث نمبر 3319، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی اور اشجعی کی روایت میں ثوری نے کہا: دریا کی ہر چیز کھائی جائے گی خواہ مچھلی ہو یا دوسرے جانور ہوں، خواہ ان کو شکار کیا گیا ہو یا وہ مردہ پائے گئے ہو، امام مالک اور ان کے متبعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد ھو الطھور ماءہ الحل میتۃ (1) (سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے) اس باب میں اسناد کی جہت سے حضرت جابر کی حدیث صحیح ترین ہے جو اس مچھلی کے بارے میں ہے جس کو عنبر کہا جاتا ہے یہ ثابت ہے اور اسے شیخین نے نقل کیا ہے اس میں ہے جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ہم نے اس مچھلی کا تذکرہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ وہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نکالا کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے کہ تم ہمیں بھی کھلاؤ'' (2)۔ ہم نے اس میں سے گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تو آپ نے تناول فرمایا۔ یہ مسلم کے الفاظ کا ترجمہ ہے اور دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں حضرت ابوبکر پر گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے فرمایا: مردہ پانی کے اوپر تیرنے والی مچھلی اس کے لیے حلال ہے (3) جو اس کے کھانے کا ارادہ کرے۔ اور حضرت ابن عباس سے انہوں نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں حضرت ابوبکر پر گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے پانی کے اوپر مردہ تیرتی ہوئی مچھلی کھائی اور ابوایوب نے سنداً روایت کی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے گروہ میں سمندر پر سوار ہوئے تو انہوں نے پانی پر مردہ مچھلی پائی انہوں نے ابوایوب سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: کیا یہ پاک ہے یہ متغیر نہیں ہوئی؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ حضرت ابو ایوب نے کہا: تم اسے کھاؤ اور میرا حصہ رکھ لو وہ روزے سے تھے۔ جبلہ بن عطیہ سے سنداً روایت کیا ہے کہ ابوطلحہ کے ساتھیوں نے پانی پر تیرتی ہوئی پائی انہوں نے اس کے متعلق ابوطلحہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: مجھے ہدیہ دے دو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مچھلی پاک ہے، مکڑی پاک ہے (4)۔ دارقطنی نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے۔ یہ آثار اس کے قول کو رد کرتے ہیں جو ان کو مکروہ کہتا ہے اور آیت کے عموم کی تخصیص وہ جمہور کی حجت ہے مگر امام مالک نے پانی کے خنزیر کو مکروہ کہا ہے اس کے نام کی وجہ سے لیکن حرام نہیں کیا ہے فرمایا: تم خنزیر کہتے ہو۔ امام شافعی نے فرمایا: پانی کے خنزیر میں کوئی حرج نہیں۔ لیث نے فرمایا: سمندر کے مردہ میں کوئی حرج نہیں، فرمایا: اسی طرح پانی کا کتا اور پانی کے گھوڑے کا حکم ہے، فرمایا: پانی کا انسان اور پانی کا خنزیر نہیں کھایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کا اس حیوان میں اختلاف ہے جو خشکی اور پانی دونوں جگہوں رہتا ہے کیا اس کا شکار محرم کے لیے حلال ہے یا نہیں؟ امام مالک، ابومجلز، عطا، سعید بن جبیر وغیرہم نے فرمایا: ہر وہ جانور جو خشکی میں زندگی گزارتا ہے اور اس کے لیے اس میں زندگی ہے تو وہ خشکی کا شکار ہے اگر محرم نے اسے قتل کیا تو فدیہ دے گا۔ ابومجلز نے اس میں مینڈک، کچھوے اور کیکڑے کا اضافہ کیا ہے۔ مینڈک اور اس کی اجناس امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام ہیں۔ امام شافعی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مینڈک کو کھانا جائز نہیں اور اس کا قول ان چیزوں میں مختلف ہے جو خشکی میں رہتے ہیں اور ان کے مشابہ ہیں جنہیں

1۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارت، جلد 1، صفحہ 11
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصید، جلد 2، صفحہ 147
3۔ سنن دارقطنی، کتاب الصید والذبائح، جلد 4، صفحہ 269
4۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 270

نہیں کھایا جاتا جیسے خنزیر، کتا وغیرہ اور صحیح ان تمام چیزوں کا کھانا ہے، کیونکہ انہوں نے خنزیر کے کھانے کے جواز پر نص قائم کی ہے اور وہ خشکی میں اس کے مشابہ ہے جس کو نہیں کھایا جاتا۔ اور ان کے نزدیک مگرمچھ، فرش (سمندری جانور ہے اور دلفین (یہ بھی سمندری جانور ہے) نہیں کھائے جائیں گے اور ہر وہ چیز جس کی کچلیاں (بڑے دانت) ہوں وہ نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ذی ناب (کچلیاں والا) کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

ابن عطیہ نے کہا: ان انواع میں جو پانی سے باہر نہیں نکلتی ہیں وہ یقیناً صید البحر (دریائی شکار) سے ہیں اس پر امام مالک نے مینڈک کے بارے میں ''المدونہ'' میں جو فرمایا اس کا جواب مل گیا، کیونکہ انہوں نے فرمایا: مینڈک دریائی شکار میں سے ہے۔ عطا بن ابی رباح سے اس کے خلاف مروی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ حیوان کی اکثر زندگی کا اعتبار کرتے ہیں ان سے ابن الماء کے متعلق پوچھا گیا کیا وہ خشکی کا شکار ہے یا دریائی شکار ہے؟ انہوں نے کہا: جہاں وہ زیادہ رہتا ہے وہ اس جگہ کا شکار ہے اور جہاں وہ بچے دیتا ہے اس جگہ کا ہے یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، درست یہ ہے کہ ابن الماء خشکی کا شکار ہے وہ چرتا ہے اور دانہ کھاتا ہے (1)۔ ابن عربی نے کہا: وہ حیوان جو پانی اور خشکی دونوں جگہ رہتا ہے اس میں صحیح یہ ہے کہ اس کو نہ کھایا جائے، کیونکہ اس میں دلیل تحلیل اور دلیل تحریم متعارض ہیں پس احتیاطاً تحریم کی دلیل غالب ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلسَّيَّارَةِ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد مقیم اور مسافر ہیں جیسا کہ ابوعبیدہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اس مچھلی کو کھایا جب کہ وہ مسافر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا جب کہ آپ مقیم تھے پس اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ مقیم کے لیے حلال ہے جس طرح کہ وہ مسافر کے لیے حلال ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ السیارۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو سمندر پر سوار ہوتے ہیں جیسا کہ امام مالک اور نسائی کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا عرض کی: ہم سمندر پر سوار ہوتے ہیں اور ہمارے پاس پانی کم ہوتا ہے اگر ہم اس پانی کے ساتھ وضو کریں تو ہم پیاسے رہ جائیں کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے'' ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے فرمایا: اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے نعم (ہاں) فرمادیتے تو اس کے ساتھ صرف پیاس کے خوف کے وقت وضو کرنا جائز ہوتا، کیونکہ جواب، سوال پر مرتب ہوتا ہے اور اس پر یہ مشکل ہوتا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاعدہ تاسیس سے آغاز کیا اور شرع نے بیان سے آغاز کیا فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے''۔

میں کہتا ہوں: جواب ان پر مقصود ہوتا اور دوسروں کی طرف متعدی نہ ہوتا اگر شریعت کا یہ حکم ثابت نہ ہوتا کہ شریعت کا ایک شخص پر حکم، تمام لوگوں پر ہوتا ہے مگر تخصیص کے ساتھ جس پر نص وارد ہو جائے جیسے حضرت ابوہریرہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''بکری کا بچہ اس کو تو قربانی کر اور تیرے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں'' (2)۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا، تحریم اعیان کی صفت نہیں بلکہ یہ افعال کے متعلق ہوتی ہے اور حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ کا معنی ہے شکار کا فعل تم پر حرام کیا گیا ہے اور وہ شکار کرنے سے منع کرنا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 243 2۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 833

ہے یا الصید بمعنی المصید ہوگا اس بنا پر کہ مفعول کا فعل کے ساتھ نام رکھا گیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ اظہر ہے، کیونکہ علماء کا اجماع ہے کہ محرم کے لیے اس شکار کا قبول کرنا بھی جائز نہیں جو اس کو ہبہ کیا گیا ہو اور اس کا خریدنا اور اس کا شکار کرنا بھی جائز نہیں اور کسی اعتبار سے اس کی ملکیت کی تجدید جائز نہیں اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا عام ہے اور نیز اس کی دلیل حضرت صعب بن جثامہ کی حدیث ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ علماء کا اختلاف ہے اس بارے میں جو محرم شکار میں سے کھاتا ہے۔ امام مالک، امام شافعی ان کے اصحاب، احمد اور اسحاق سے مروی ہے اور حضرت عثمان بن عفان سے صحیح یہ مروی ہے کہ محرم کے لیے اس شکار کے کھانے میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ اس کے لیے شکار نہ کیا گیا ہو، کیونکہ ترمذی، نسائی اور دار قطنی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خشکی کا شکار تمہارے لیے حلال ہے جب کہ وہ تم نے اسے شکار نہ کیا ہو یا تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو'' (1)۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ باب میں احسن حدیث ہے۔

نسائی نے کہا: عمرو بن ابی عمرو، اس حدیث میں قوی نہیں اگرچہ امام مالک نے ان سے روایت کی ہے اگر محرم اس شکار سے کھائے جو اس کے لیے شکار کیا گیا ہے تو وہ دیت دے۔ حسن بن صالح اور اوزاعی کا بھی یہی قول ہے امام مالک کا قول اس شکار کے بارے میں مختلف ہے جو بعینہٖ محرم کے لیے شکار کیا گیا ہے۔ امام مالک کے نزدیک مشہور مذہب یہ ہے کہ محرم اس شکار سے نہ کھائے جو معین محرم یا غیر معین محرم کے لیے شکار کیا گیا ہو اور حضرت عثمان نے جو اپنے ساتھیوں کو کہا: اس کو نہیں لیا، جب شکار کا گوشت پیش کیا گیا جب کہ وہ محرم تھے (آپ نے فرمایا تھا) کھاؤ تم میری مثل نہیں، کیونکہ میری وجہ سے یہ شکار کیا گیا ہے۔ اہل مدینہ کے ایک گروہ نے یہی کہا ہے، امام مالک سے یہ بھی مروی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب نے کہا: محرم کے لیے شکار کا کھانا ہر حال میں کھانا جائز ہے جب کہ اسے غیر محرم نے شکار کیا ہو، خواہ وہ اس کے لیے شکار کیا گیا ہو یا شکار نہ کیا گیا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ظاہر ارشاد ہے: لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ أَنْتُمْ حُرُمٌ تم شکار نہ کرو جب کہ تم محرم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا شکار حرام کیا ہے اور اسے قتل کرنا محرموں پر حرام کیا ہے نہ کہ وہ حرام کیا ہے جو کسی غیر نے شکار کیا ہے۔ اور بہزی کی حدیث سے حجت پکڑی ہے بہزی کا نام زید بن کعب ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وحشی گدھے کے بارے میں روایت کیا ہے جو زخمی تھا آپ نے حضرت ابو بکر کو حکم دیا کہ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کردو۔ یہ امام مالک وغیرہ کی حدیث میں ہے۔ نیز ابو قتادہ کی حدیث سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس سے حجت پکڑی ہے جس میں ہے کہ انما ھی طُعْمَۃ أطعمکموھا اللہ (2) یہ وہ کھانا ہے جو اللہ نے تمہیں کھلایا ہے۔ یہ حضرت عمر بن خطاب ایک روایت میں حضرت عثمان بن عفان کا قول ہے حضرت ابو ہریرہ، حضرت زبیر بن العوام، مجاہد، عطا اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ محرم کے لیے کسی حال میں شکار کا کھانا جائز نہیں ہے خواہ وہ اس کے لیے شکار کیا گیا ہو یا

1۔ جامع ترمذی، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 104۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب لحم الصید للمحرم، حدیث 1577، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 380

شکار نہ کیا گیا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول عام ہے: حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ مبہم ہے۔ طاؤس، جابر بن زید، ابوالشعثاء نے بھی یہی فرمایا ہے، ثوری سے بھی یہی مروی ہے اور اسحاق نے بھی یہ کہا ہے اور انہوں نے حضرت صعب بن جثامہ لیثی کی حدیث سے حجت پکڑی ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحشی گدھا ہدیہ پیش کیا جب کہ ابواء میں تھے یا ودان میں تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس کر دیا۔ فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے پر پریشانی دیکھی تو فرمایا: ''ہم تجھے واپس نہ کرتے مگر ہم احرام باندھے ہوئے ہیں'' (1)۔ اس حدیث کو ائمہ نے ذکر کیا ہے اور یہ لفظ امام مالک کا ہے۔ ابوعمر نے کہا: سعید بن جبیر، مقسم، عطا اور طاؤس کی حدیث سے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحشی گدھے کا گوشت پیش کیا۔ سعید بن جبیر نے اپنی حدیث میں کہا: وحشی گدھے کا پچھلا حصہ پیش کیا آپ نے اسے واپس کر دیا اس کا خون گر رہا تھا گویا وہ اس وقت میں شکار کیا گیا تھا۔ مقسم نے اپنی حدیث میں کہا: وحشی گدھے کی ٹانگ پیش کی۔ عطا نے اپنی حدیث میں کہا: شکار کا بازو پیش کیا گیا تو آپ نے اسے قبول نہ کیا اور فرمایا: ہم محرم ہیں۔ طاؤس نے اپنی حدیث میں کہا عضدا من لحم صید شکار کے گوشت میں سے بازو پیش کیا۔ اسماعیل نے علی بن مدینی سے انہوں نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے ابن جریج سے انہوں نے حسن بن مسلم سے انہوں نے طاؤس سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے ''مگر ان میں سے بعض''۔ حضرت ابن عباس سے انہوں نے زید بن ارقم سے روایت کیا ہے اسماعیل نے کہا میں نے سلیمان بن حرب کو اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہوئے سنا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شکار کیا گیا تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا کھانا جائز ہوتا۔ سلیمان نے کہا: وہ چیز جو اس پر دلیل ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شکار کیا گیا تھا حدیث میں ان کا یہ قول ہے کہ آپ نے اسے وہ واپس کر دیا جب کہ اس کے خون کے قطرے گر رہے تھے گویا وہ اس وقت شکار کیا گیا تھا۔

اسماعیل نے کہا: سلیمان نے اس حدیث کی تاویل کی، کیونکہ وہ تاویل کا محتاج تھا۔

رہی امام مالک کی روایت تو وہ تاویل کی محتاج نہیں، کیونکہ محرم کے لیے شکار کو زندہ پکڑنا جائز نہیں اور نہ اس کا ذبح کرنا جائز ہے۔ اسماعیل نے کہا: سلیمان بن حرب کی تاویل پر تمام احادیث مرفوعہ اس میں غیر مختلف ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 8۔ جب کوئی شخص احرام باندھے اور اس کے ہاتھ میں یا اس کے گھر میں اس کے گھر والوں کے پاس شکار ہو تو امام مالک نے کہا: اگر وہ اس کے ہاتھ میں ہو تو اس پر اس کا چھوڑنا واجب ہے اور اگر اس کے گھر والوں کے پاس ہو تو اس کا اس پر چھوڑنا واجب نہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل کا قول ہے اور ایک قول میں امام شافعی نے کہا: خواہ اس کے ہاتھ میں ہو یا گھر میں ہو اس پر اس کا چھوڑنا واجب نہیں۔ یہی ابوثور کا قول ہے۔ مجاہد، عبداللہ بن حرث سے اس کی مثل مروی ہے۔ اور امام مالک سے مروی ہے اور ابن ابی لیلیٰ، ثوری، امام شافعی نے دوسرے قول میں کہا: اس پر اس کا چھوڑنا واجب ہے خواہ وہ اس کے گھر میں ہو یا اس کے ہاتھ میں ہو اگر اس نے اسے نہ چھوڑا تو ضامن ہوگا اس کے چھوڑنے والے قول کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 379

ارشاد ہے: حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا یہ ملک اور تصرف میں عام ہے اور اس کو پکڑے رکھنے والے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز احرام کی ابتدا میں مانع نہیں وہ اس کی ہمیشہ ملک میں رکھنے کے مناسب نہیں، اس کی اصل نکاح ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اگر غیر محرم، مقام حل میں شکار کرے پھر اسے حرم میں لے آئے تو اس میں اس کے لیے ہر قسم کا تصرف جائز ہے (یعنی) ذبح کرنا اس کا گوشت کھانا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جائز نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہی معنی شکار میں پایا جاتا ہے پس حرم میں حلالی کے لیے جائز ہوگا جیسے روکنا اور شرا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 10۔ جب محرم، حلالی کی شکار پر راہنمائی کرے پھر حلالی اسے قتل کر دے تو اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور ابوثور نے کہا: اس پر کوئی شے نہیں ہے، یہی ابن الماجشون کا قول ہے۔ کوفیوں، احمد، اسحاق اور صحابہ و تابعین کی ایک جماعت نے کہا: اس پر جزا ہے کیونکہ محرم نے اپنے احرام کے ساتھ ترک تعرض کا التزام کیا تھا پس وہ دلالت کی وجہ سے ضامن ہوگا جیسے وہ شخص جس کے پاس ودیعت رکھی گئی ہو جب وہ چور کی چوری کرنے پر راہنمائی کرے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اس محرم کے بارے میں اختلاف ہے جب وہ کسی دوسرے محرم کی شکار کی طرف راہنمائی کرے۔ کوفیوں اور اشہب مالکی کا خیال ہے کہ ان میں سے ہر ایک پر جزا ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور ابوثور نے کہا: جزا قاتل محرم پر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ کے وجوب کا تعلق قتل کے ساتھ ہے یہ کسی دوسرے کے انتفاء کی دلیل ہے، کیونکہ وہ دلالت کرنے والا ہے، پس اس کی دلالت کی وجہ سے چٹی لازم نہیں ہوگی جیسے کوئی غیر محرم حرم میں، حرم کے شکار پر دلالت کر دے۔ کوفیوں اور اشہب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے استدلال کیا ہے جو ابوقتادہ کی حدیث میں ہے هل اشرتم او اعنتم (2) کیا تم نے اشارہ کیا یا مدد کی ہے؟ یہ جزا کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ پہلا قول اصح ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 12۔ جب کوئی درخت مقام حل میں اُگا ہوا ہو اور اس کی شاخیں حرم میں ہوں پھر شکار اس حصہ سے پکڑا تو اس میں جزا ہے، کیونکہ اس نے وہ حرم سے پکڑا ہے۔ اگر اس کی اصل حرم میں ہو اور اس کی فرع حل میں ہو اس سے پکڑے گئے شکار کے بارے میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ جزا اصل کے اعتبار سے ہے اور فرع کی طرف دیکھنے کے اعتبار سے اس کی نفی ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۞ یہ اس تحلیل و تحریم کے بعد تنبیہ اور تشبیہ ہے پھر تحذیر میں مبالغہ کے لیے قیامت اور حشر کے امر کو ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم

جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞

"بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ و جو عزت والا گھر ہے بقا کا باعث لوگوں کے لیے نیز حرمت والے مہینوں کو اور حرم

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 689
2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 690

کی قربانی اور گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں کو تا کہ تم خوب جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ یہاں جَعَلَ بمعنی خلق ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کعبۃ کو کعبۃ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ چکور ہے اور عرب کے اکثر گھر گول اور چکور ہیں۔ بعض نے فرمایا: کعبۃ کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ ظاہر اور مشہور ہے پس ہر اٹھی ہوئی چیز بارز (ظاہر) اور کعب کہلاتی ہے خواہ وہ گول ہو یا گول نہ ہو اسی سے کعب القدم اور کعوب القناۃ پاؤں کا ٹخنہ اور قناۃ کا قلعہ۔ کعب ثدی المرأۃ جب عورت کے سینہ پر پستان ظاہر ہوں۔ اور اس کو الْبَيْتَ اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ چھت اور دیواروں والا ہے یہ البیتیتکی حقیقت ہے اگرچہ اس میں کوئی ساکن نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو الْحَرَامَ کہا، کیونکہ اس نے اسے حرمت والا بنایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے اور لوگوں نے اس کو حرم نہیں بنایا ہے'' (1)۔ اس کا اکثر تفصیل سے گزر چکا ہے۔ الحمدللہ

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قِيٰمًا لِّلنَّاسِ یعنی لوگوں کی صلاح اور معاش کا باعث ہے، کیونکہ لوگوں کو اس کے ذریعے امن ملا ہے اس بنا پر یا قیاما بمعنی یقومون ہے۔ بعض نے فرمایا: قِيٰمًا، یقومون بشہ انعہا۔ ابن عامر عاصم نے قیماً پڑھا ہے یہ دونوں واو کے ساتھ تھا واو ماقبل کسرہ کی وجہ سے یا سے بدل گئی ہے۔ بعض نے کہا: قوام۔ علماء نے فرمایا: ان اشیاء کو لوگوں کے لیے قیام بنانے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا تو اس کی جبلت میں حسد، مقابلہ، قطع تعلقی ایک دوسرے سے اعراض، لوٹنا، غارت گری، قتل کرنا اور انتقام لینے جیسی صفات بھی پیدا فرمائیں پس حکمت الٰہیہ اور مشیت اولیت میں ضروری تھا کہ کوئی انہیں روکنے والا ہو جس کے ساتھ حالات درست رہیں اور کوئی روکنے والا ہو جس کے ساتھ انجام عمدہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (بقرہ: 30) اللہ تعالیٰ نے انہیں خلافت کا حکم دیا اور ان کے امور کو متحد کیا جو اتحاد انہیں تنازع سے روکے اور وہ انہیں باہمی الفت پر ابھارے اور قطع تعلقی سے روکے، ظالم کو مظلوم سے روکے اور ہر ہاتھ کو اس پر ثابت کرے جس پر وہ غالب ہے۔ ابن القاسم نے روایت کیا ہے فرمایا: ہمیں مالک نے بتایا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: امام اس سے زیادہ روکتا ہے جتنا کہ قرآن روکتا ہے۔ یہ قول ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور سلطان کا ایک سال کا ظلم لوگوں کے ایک لمحہ خلفشار سے کم نقصان دہ ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس فائدہ کے لیے خلیفہ بنایا تا کہ امور اس کی رائے پر جاری ہوں اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے امور کے حد سے تجاوز کرنے سے روکتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بیت الحرام کی عظمت پیدا فرمائی اور ان کے نفوس میں ہیبت ڈالی۔ اور ان کے درمیان اس کی حرمت کو عظیم کیا پس اس کی طرف پناہ لینے والا محفوظ ہوگا اور جو مجبور کیا جائے گا وہ اس میں محفوظ ہوگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (العنکبوت: 67) کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو

1۔ جامع ترمذی، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 100

امن والا، حالانکہ اچک لیا جاتا ہے لوگوں کو ان کے پاس سے۔

علماء نے فرمایا: جب یہ جگہ مخصوص ہے تو ہر مظلوم یہاں نہیں پکڑا جائے گا اور ہر ڈرنے والا یہاں سے نہیں اٹھایا جائے گا اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں کو ایک دوسری پناہ گاہ بنایا۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ اسم جنس ہے اور مراد بالاجماع تین مہینے ہیں (1)۔ اللہ تعالیٰ نے عربوں کے دلوں میں ان کی حرمت ثابت فرمائی تھی وہ ان مہینوں میں کسی نفس کو خوف زدہ نہیں کرتے تھے اور نہ ان میں خون کا مطالبہ کرتے تھے اور نہ ان میں بدلہ لیتے تھے حتیٰ کہ ایک شخص اپنے باپ کے قاتل یا بیٹے اور بھائی کے قاتل سے ملتا تو اسے بھی اذیت نہ پہنچاتا تھا انہوں نے ان میں زمانہ کا تہائی حصہ قطع کیا اور ان میں سے تین مہینے متواتر بنائے جن میں وہ آرام وسکون سے رہتے تھے اور امن اور سکون سے زمین میں سفر کرتے تھے اور انہوں نے ایک مہینہ نصف سال میں بنایا تھا وہ بھی محترم تھا اور وہ رجب کا مہینہ ہے اس کو رجب مضر کہا جاتا تھا اور اس کو رجب الاصم بھی کہا جاتا تھا، کیونکہ اس میں لوہے کی آواز نہیں سنی جاتی تھی اس کو منصل الاسنۃ بھی کہا جاتا تھا، کیونکہ عرب اس مہینہ میں اپنے نیزوں سے لوہا اتار لیتے تھے یہ قریش کا مہینہ ہے۔ اور عوف بن احوص نے اسی نام سے تعبیر کیا ہے:

شھر بنی أمیۃ والھدایا إذا سیقت مضرجھا الدماءُ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شہر اللہ کہا یعنی شہر آل اللہ اور اہل حرم کو آل اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ شہر اللہ مراد لیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر سختی فرمائی، کیونکہ بہت سے عرب اس کو حرمت والا مہینہ خیال نہ کرتے تھے (2)۔ ان شاء اللہ مہینوں کے اسماء سورۂ براءۃ میں آئیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام کیا اور رسل کرام کی زبانوں پر ہدی اور قلائد کو جاری فرمایا۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب وہ اونٹ لیتے تھے تو اس کا خون نکالتے تھے یا اس کو جوتوں کا ہار پہنا دیتے تھے یا ایک شخص خود وہ ہار پہن لیتا تھا جیسا کہ سورت کی ابتدا میں گزرا ہے، کوئی اسے پریشان نہیں کرتا تھا جب وہ اسے ملتا تھا اس کے اور اس کی طلب یہ ظلم کے درمیان یہ حد اور فیصل ہوتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کا نظام بھیجا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے حق کو بیان فرمایا اور اپنے دین کو ایک نظم میں پرو دیا اور حق اپنے نصاب کی طرف لوٹا اور امامت اس کی طرف منسوب کی گئی اور اس کا وجوب مخلوق پر رکھا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (النور: 55) وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں۔

سورۂ بقرہ میں امامت کے احکام گزر چکے ہیں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 5: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا، ذٰلِكَ کا اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان امور کو باعث بقا بنایا ہے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے کیا تا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے امور کی تفاصیل جانتا ہے اور اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہاری پہلی اور بعد والی مصلحتوں کو جانتا ہے پس اپنے کفر کی حالت پر اس کے لطف کو دیکھو (3)۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 243 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 244 3۔ ایضاً

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾

''خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا (بھی) ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم (بھی) ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ یہ ڈراتا ہے وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ یہ امید دلاتا ہے اس کا معنی گزر چکا ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾

''نہیں (ہمارے) رسول پر کوئی ذمہ داری سوائے پیغام پہنچانے کے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو چھپا رہے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ہدایت دینا، توفیق بخشنا اور ثواب دینا اس کے ذمہ نہیں اس پر تو صرف پیغام پہنچانا ہے اس میں قدریہ کا رد ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ البلاغ کی اصل البلوغ ہے جس کا معنی پہنچنا ہے۔ بَلَغَ يَبْلُغُ بُلوغا أبلغه إبلاغا وتبلّغ تبلّغا، بَالَغه مبالغةً، بلّغه تبليغا اور اسی سے البلاغة ہے کیونکہ اس کا معنی ہے لفظ کی خوبصورتی میں نفس تک معنی کو پہنچانا۔ تبالغ الرجل جب کوئی بلاغت کو استعمال کرے اور وہ بلیغ نہ ہو اس میں بلاغ ہے جس کا معنی کفایہ ہے، کیونکہ وہ حاجت کی مقدار پہنچاتا ہے۔ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو کہا جاتا ہے: بدا السِّرُّ راز ظاہر ہوا أبداه صاحبه يُبديه اس نے اسے ظاہر کیا۔ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ یعنی کفر اور نفاق میں سے جو تم اپنے دلوں میں چھپاتے ہو۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾

''آپ فرما دیجئے: نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کثرت سے، ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اے عقل والو! تاکہ تم نجات پا جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حسن نے کہا: الْخَبِيْثُ اور الطَّيِّبُ سے مراد حلال اور حرام ہے۔ سدی نے کہا: مومن و کافر ہیں۔ بعض نے کہا: مطیع اور عاصی ہیں۔ بعض نے کہا: ردی اور جید ہے۔ یہ بطور مثال ہے صحیح یہ ہے کہ لفظ ان تمام امور کو شامل ہے مکاسب، اعمال، لوگ، علوم و معارف وغیرہ سب متصور ہو سکتے ہیں اس میں سے خبیث فائدہ نہیں دیتا اور نہ اس کا انجام اچھا ہوتا ہے اگرچہ زیادہ بھی ہو اور پاکیزہ اگرچہ تھوڑا بھی نفع بخش ہوتا ہے اور انجام کے اعتبار سے عمدہ ہوتا ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَ الَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا (الاعراف: 58) اور جو سرزمین عمدہ زرخیز ہے (کثرت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 244

سے) نکلتی ہے اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے نہیں نکلتی اس سے (پیداوار) مگر قلیل گھٹیا۔

اس آیت کی مثال یہ ارشاد بھی ہے: اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ۝ (ص) کیا ہم بنادیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یا ہم بنادیں گے پرہیزگاروں کو فجار کی طرح۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الجاثیہ: 21) کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم بنادیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔

خبیث، طیب کے مساوی نہیں ہوتا نہ مقدار میں، نہ خرچ کرنے میں، نہ مکان میں، نہ ذہاب میں۔ پاکیزہ دائیں جہت سے لیتا ہے خبیث بائیں جہت سے لیتا ہے، پاکیزہ جنت میں ہے، خبیث دوزخ میں ہے۔ یہ بالکل واضح ہے اور برابری کی حقیقت ایک جہت میں ہمیشہ رہنا ہے اس کی مثل استقامت (سیدھا ہونا) ہے اور اس کی ضد اعوجاج (ٹیڑھا ہونا) ہے جب معاملہ اس طرح ہے تو یہ مسئلہ بنتا ہے۔

مسئلہ نمبر2۔ بعض علماء نے فرمایا: بیع فاسد فسخ کی جائے گی اور بازار کے حوالہ سے قائم نہیں رکھی جائے گی اور نہ بدن کے تغیر سے قائم رکھی جائے گی، کیونکہ اس کے قائم رکھنے میں بیع صحیح کے ساتھ برابر ہو جائے گی، بلکہ اسے ہمیشہ فسخ کیا جائے گا اور مشتری کو ثمن واپس کی جائے گی اگر وہ اس پر قابض ہو چکا ہو اگر اس (بائع) کے ہاتھ میں تلف ہو گئی تو وہ اس کا ضامن ہوگا، کیونکہ وہ امانت پر قابض نہیں ہوا تھا بلکہ شبہ عقد کی وجہ سے قابض ہوا تھا۔

بعض علماء نے فرمایا: بیع کو فسخ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ بیع جب فسخ کی جائے گی اور اس کے فوت ہونے کے بعد رد کی جائے گی تو بائع پر اس میں ضرر اور غبن ہوگا اور وہ سامان جو سو روپے کے برابر تھا وہ جب بائع کو لوٹائی جائے گی تو وہ بیس روپے کے برابر ہوگا اور مال میں عقوبت نہیں ہے۔ پہلا قول اصح ہے، کیونکہ آیت عام ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے وہ رد ہے'' (1)۔

میں کہتا ہوں: جب مسائل فقہ میں عدم استواء میں اس معنی کو تلاش کیا جائے گا تو وہ کثرت سے ملیں گے اس میں سے غاصب کا مسئلہ بھی ہے۔

مسئلہ نمبر3۔ جس نے مغصوبہ جگہ پر مکان بنایا، درخت لگایا تو اس عمارت اور درخت کو کاٹنا لازم ہے، کیونکہ وہ خبیث ہے اور اسے لوٹایا جائے گا، جب کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے: اس کو نہیں اکھیڑا جائے گا اور اس زمین کے مالک سے قیمت لے لے گا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول لیس لِعرقٍ ظالمٍ حقٌّ (2) ظالم کے لیے کوئی حق نہیں ہے۔ رد کرتا ہے۔ ہشام نے کہا: العرق الظالم سے مراد وہ ہے جو دوسرے کی زمین میں درخت لگاتا ہے تاکہ اس کا مستحق ہو جائے۔ امام مالک

1۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 1، صفحہ 287 2۔ صحیح بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ، جلد 1، صفحہ 314

نے کہا العرق الظالم سے مراد ہر وہ شخص ہے جو بغیر حق کے کوئی چیز لیتا ہے یا کنواں کھودتا ہے یا درخت لگاتا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: جو زمین غصب کرے پھر اسے کاشت کرے یا کرائے پر دے یا گھر غصب کرے اس میں رہائش رکھے یا اسے کرائے پر دے پھر اس کا مالک اس کا مستحق ہو جائے تو رہائش رکھنے کا کرایہ غاصب پر ہوگا اور غاصب نے دوسرے سے جو کرایہ لیا تھا وہ بھی واپس کرنا ہوگا اور جب کوئی شخص اس گھر میں نہ رہے یا زمین کو کاشت نہ کرے اور اسے معطل کر دے تو امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس پر کچھ نہیں ہے اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس پر کرایہ ہے۔ وقار نے اس کو اختیار کیا ہے، یہی امام شافعی کا مذہب ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''ظالم کے لیے کوئی حق نہیں ہے''۔

ابو داؤد نے ابو زبیر سے روایت کیا ہے کہ دو آدمی جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ایک نے دوسرے کی زمین میں کھجور کے درخت لگائے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ زمین والے کے حق میں کیا اور کھجوروں والے کو کہا کہ وہ اپنی کھجوریں نکال لے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ان کھجوروں کی جڑوں کو کلہاڑی کے ساتھ مارا گیا حتیٰ کہ وہ نکالی گئیں جب کہ وہ مکمل کھجوریں تھیں۔ یہ نص ہے۔ ابن حبیب نے کہا: اس میں حکم یہ ہے کہ زمین والے کو ظالم پر اختیار ہے اگر چاہے تو اکھیڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے کر انہیں روک لے اگر چاہے تو انہیں اکھیڑ دے اور اکھیڑنے کی اجرت غاصب پر ہوگی۔

دار قطنی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی قوم کے گھروں میں ان کی اجازت سے گھر بنایا تو اسے گھر کی قیمت دی جائے گی اور جس نے ان کی اجازت کے بغیر گھر بنایا تو اس کے لیے گھر توڑنا ہوگا'' (1)۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس کے لیے قیمت ہوگی، کیونکہ اس نے ایسی جگہ پر مکان بنایا جس کی منفعت کا وہ مالک تھا یہ اس طرح ہے کہ جس نے کسی شبہ کی وجہ سے مکان بنایا یا درخت لگائے تو اس کے لیے حق ہے اگر مال کا مالک چاہے تو اسے اس کی قیمت دے دے جس حالت پر وہ قائم ہے اگر وہ انکار کرے تو جس نے عمارت بنائی یا درخت لگائے اسے کہا جائے گا: اسے خالی زمین کی قیمت دے دے۔ اور اگر وہ انکار کرے تو دونوں شریک ہوں گے۔ ابن الماجشون نے کہا: اس کے اشتراک کی تفسیر یہ ہے کہ خالی زمین کی قیمت لگائی جائے گی پھر اس کی عمارت کی قیمت لگائی جائے گی عمارت کے ساتھ والی کی قیمت خالی زمین کی قیمت سے بڑھ جائے گی تو کام کرنے والا اس میں زمین کے مالک کے ساتھ شریک ہوگا اگر وہ پسند کریں تو تقسیم کر لیں یا ویسے روکے رکھیں۔ ابن الجہم نے کہا: جب زمین کا مالک عمارت کی قیمت دے گا اور اپنی زمین لے گا تو اس کے لیے گزشتہ سالوں کا کرایہ ہوگا۔ ابن القاسم وغیرہ سے مروی ہے جب کوئی شخص کسی کی زمین میں اس کی اجازت سے مکان بنائے تو پھر اس کے لیے اس کا نکالنا واجب ہو جائے تو وہ اسے اپنی کھڑی ہوئی عمارت کی قیمت دے گا۔ پہلا قول اصح ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اس کے لیے قیمت ہے'' اور اس پر اکثر فقہاء کا مذہب ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد امت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خبیث پر تعجب نہیں کرتے بعض نے فرمایا مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

1۔ دار قطنی، باب المرأۃ تقتل إذا ارتدت، جلد 4، صفحہ 243

ذات ہے اور آپ کا اعجاب یہ ہے کہ آپ نے جو کفار کی کثرت اور مال حرام کی کثرت کا اور مومنین کی قلت اور حلال مال کی قلت کا مشاہدہ کیا تو تعجب کیا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝

"اے ایمان والو! مت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر کی جائیں تمہارے لیے تو بری لگیں تمہیں اور اگر پوچھو کے ان کے متعلق جب کہ اتر رہا ہے قرآن تو ظاہر کردی جائیں گی تمہارے لیے معاف کردیا ہے اللہ نے ان کو اور اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے۔ تحقیق پوچھا تھا ان کے متعلق ایک قوم نے تم سے پہلے پھر وہ ہو گئے ان احکام کا انکار کرنے والے"۔

ان آیات میں دس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ بخاری اور مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ یہ بخاری کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: "تیرا باپ فلاں ہے (1)" تو یہ آیت نازل ہوئی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی قسم! تم مجھ سے کسی چیز کے بارے نہیں پوچھو گے مگر میں تمہیں اس کے متعلق بتاؤں گا جب تک میں اس جگہ میں ہوں (2)" ایک شخص اٹھا اور پوچھا: یا رسول اللہ! میں کہاں داخل ہوں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آگ میں" حضرت عبد اللہ بن حذافہ اٹھے پوچھا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا؟ "تیرا باپ حذافہ ہے" آگے پوری حدیث ذکر کی۔ ابن عبد البر نے کہا: حضرت عبد اللہ بن حذافہ پہلے اسلام لے آئے تھے انہوں نے حبشہ کی زمین کی طرف دوسری ہجرت کی تھی اور بدر میں شریک ہوئے تھے اور ان میں مزاح کی صفت تھی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خط دے کر کسریٰ کی طرف بھیجا تھا جب انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تیرا باپ حذافہ ہے" ان کی والدہ نے انہیں کہا: میں نے تجھ سے زیادہ نافرمان بیٹا نہیں سنا تو امن میں تھا کہ تیری ماں نے زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح گناہ کیا ہوتا اور تو اسے لوگوں کے سامنے رسوا کرتا۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر آپ مجھے کالے غلام کے ساتھ لاحق کر دیتے تو میں اس کے ساتھ لاحق ہو جاتا۔ ترمذی اور دار قطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 665	2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 263

(آل عمران: 97) لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہر سال میں حج فرض ہے؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے لوگوں نے پھر کہا: کیا ہر سال میں حج فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا (1)''۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ الایہ۔

یہ لفظ دار قطنی کے ہیں امام بخاری سے اس حدیث کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ حسن ہے مگر مرسل ہے ابو البختری نے حضرت علی سے ملاقات نہیں کی اور اس کا نام سعید ہے۔ اس حدیث کو دار قطنی نے ابو عیاض عن ابی ہریرہ کے سلسلہ سے بھی روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے'' ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: یارسول اللہ! ہر سال فرض ہے؟ آپ ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا، اس نے پھر سوال لوٹایا اور کہا: یارسول اللہ! ہر سال میں حج فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قائل کون ہے؟ انہوں نے کہا: فلاں۔ فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا، اگر واجب ہو جاتا تو تم اس کی طاقت نہ رکھتے اگر تم اس کی طاقت نہ رکھتے تو تم کفر کرتے'' (2)۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ، الایۃ۔

حسن بصری نے اس آیت میں فرمایا: لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے امور جاہلیت کے متعلق پوچھا جن کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تھا سوال کی کوئی وجہ نہیں تھی ان چیزوں کے متعلق جن کو اللہ نے معاف کر دیا تھا۔ مجاہد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس قوم کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلۃ، حام کے بارے میں پوچھا (3)، یہ سعید بن جبیر کا قول ہے اور فرمایا: کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بعد میں فرمایا: مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىٕبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ۔

میں کہتا ہوں: صحیح اور مسند میں کفایت ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ آیت تمام کے جواب میں نازل ہوئی ہو سوال قریب قریب تھے۔ اشیاء کا وزن افعال ہے اور یہ غیر منصرف ہے، کیونکہ یہ حمراء کے مشابہ ہے۔ یہ کسائی کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا وزن افعلاء ہے جیسے تیرا قول ہے ھین واھوناء۔ فراء اور اخفش سے مروی ہے اور اس کی تصغیر میں اُشیاء کہا جاتا ہے۔ مازنی نے کہا: اس کی تصغیر شیہات بنانا واجب ہے جس طرح اصدقاء کی تصغیر بنائی جاتی ہے اور مؤنث میں صدیقات اور مذکر میں صدیقون ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عون نے کہا: میں نے نافع سے لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ الخ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: ہمیشہ کچھ مسائل ناپسند کیے جاتے تھے۔ مسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کرنا، بچیوں کو زندہ درگور کرنا، حقوق ادا نہ کرنا اور منہیات کا ارتکاب کرنا حرام کیا ہے اور تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے قیل وقال، کثرت سوال اور مال کا ضائع کرنا'' (4)۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الحج، جلد 1، صفحہ 100
2۔ سنن دار قطنی، کتاب الحج، جلد 2، صفحہ 282
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 698
4۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، جلد 2، صفحہ 75

بہت سے علماء کا قول ہے کہ کثرت سوال سے مراد خواہ مخواہ فقہی مسائل کثرت سے پوچھنا ہے، غلط سوال کرنا اور مسائل میں تشقیق پیدا کرنا ہے اور جو احکام نازل نہیں ہوئے ان کا موجب بننا ہے۔ سلف صالحین اس صورت کو ناپسند فرماتے تھے اور اس کو تکلیف (احکام کے نزول کا موجب بننا) سے شمار کرتے تھے اور وہ کہتے تھے: جب مسئلہ درپیش ہوگا تو اس مسئلہ کی توفیق دی جائے گی۔ امام مالک نے کہا: میں نے اس شہر کے اہل کو پایا ان کے پاس کتاب وسنت کے علاوہ علم نہ تھا جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو امیر موجود علماء کو جمع کرتا اور جس پر علماء متفق ہوجاتے اسے نافذ کردیتا تم کثرت سے سوال کرتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسائل کو ناپسند فرمایا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: کثرت سوال سے مراد لوگوں سے اصرار کے ساتھ اور کثرت کے لیے لوگوں سے اموال اور حوائج کا کثرت سے سوال کرنا ہے۔ یہ بھی امام مالک کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: کثرت مسائل سے مراد لوگوں کے خواہ مخواہ بلا ضرورت احوال پوچھنا یہاں تک کہ وہ لوگوں کی پوشیدہ باتوں کو ظاہر کرے اور ان کی برائیوں پر اطلاع کا موجب بنے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثل ہے: وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا (الحجرات: 12) ابن خویز منداد نے کہا: اسی وجہ سے ہمارے بعض اصحاب نے کہا: جب کسی کو کھانا پیش کیا جائے تو وہ یہ نہ پوچھے کہ یہ کہاں سے آیا ہے یا اس کو کوئی چیز پیش کی جائے جس کو وہ خریدے تو وہ یہ نہ پوچھے کہ یہ کہاں سے آئی ہے؟ مسلمانوں کے امور کو سلامتی اور صحت پر محمول کرے۔

میں کہتا ہوں: حدیث کو عموم پر محمول کیا جائے تو وہ ان تمام وجوہ کو شامل ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: ایک غافل قوم نے پیش آنے والے مسائل کے متعلق سوالات کی تحریم کا اعتقاد رکھا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اس آیت کے ساتھ تعلق جوڑا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ یہ آیت صریح ہے کہ وہ سوال جس سے منع کیا گیا ہے وہ ہے جس کے جواب میں کوئی تکلیف واقع ہو اور وقت کے مسائل کے جواب میں کوئی تکلیف واقع نہیں ہوتی پس یہ آپس میں جدا ہیں (1)۔

میں کہتا ہوں: ابن عربی کا یہ قول کہ ''ایک غافل قوم نے اعتقاد رکھا ہے''۔ اس میں قبح ہے۔ بہتر یہ تھا کہ یوں کہتے ''ایک قوم کا نظریہ پیش آنے والے مسائل کی تحریم کا ہے کیونکہ یہ اس کی عادت پر جاری ہوا ہے'' ہم نے کہا: بہتر یہ تھا، کیونکہ سلف صالحین کی قوم اس کو ناپسند کرتی تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس شخص پر لعنت کرتے تھے جو ایسا مسئلہ پوچھتا جو پیش نہیں آیا ہوتا تھا۔ یہ دارمی نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے اور زہری سے ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت زید بن ثابت انصاری کہتے تھے جب ان سے کسی امر کے متعلق پوچھا جاتا تھا کیا مسئلہ درپیش ہے؟ اگر لوگ کہتے: ہاں۔ تو اس کا حل بیان فرماتے جو اس کے متعلق جانتے تھے۔ اگر لوگ کہتے کہ یہ مسئلہ درپیش تو نہیں ہے، تو فرماتے: اس کو چھوڑو حتیٰ کہ یہ پیش آجائے۔

حضرت عمار بن یاسر سے سند کے ساتھ مروی ہے کہ ان سے کسی مسئلہ کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ کہتے: یہ مسئلہ بھی پیش ہے؟ وہ کہتے: نہیں، تو آپ فرماتے: ہمیں چھوڑو حتیٰ کہ وہ مسئلہ پیش ہوجائے، اس وقت تمہارے لیے اس کو بیان کرنے کی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 700

کوشش کریں گے۔ دارمی نے کہا ہمیں عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں ابن فضیل نے بیان کیا انہوں نے عطا سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں نے اصحاب رسول سے بہتر قوم نہیں دیکھی انہوں نے صرف تیرہ مسائل پوچھے حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا وہ تمام سوالات قرآن میں ہیں ان میں سے یہ ہیں۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ (البقرہ:217)

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ (البقرہ:222) صحابہ کرام صرف وہ پوچھتے تھے جو انہیں نفع دیتا تھا۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابن عبدالبر نے کہا: آج کے سوال سے یہ کوئی خوف نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی تحریم اور تحلیل نازل ہوگی جو سمجھنے کے لیے علم میں رغبت کی وجہ سے اور اپنی ذات سے جہالت کی نفی کی وجہ سے اس معنی کو حاصل کرنے کے لیے دین میں اس پر وقوف واجب ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جہالت کا علاج سوال ہے۔ جس نے عناد کی بنا پر بغیر سیکھنے اور سمجھنے کی نیت کے سوال کیا تو وہ ایسا شخص ہے جس کا نہ قلیل سوال حلال ہے نہ کثیر حلال ہے۔ ابن عربی نے کہا: عالم کے لیے مناسب ہے کہ وہ ان چیزوں میں مشغول ہوں وسیع دلائل، نظر کے راستوں کی وضاحت کرنا، اجتہاد کے مقدمات کو حاصل کرنا، استمداد پر معین آلہ کو شمار کرنا۔ جب کوئی مسئلہ پیش ہو گا وہ حل ہو جائے گا اور اس کا ادراک ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ صواب کا راستہ کھول دے گا(1)۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ اس میں غموض اور پوشیدگی ہے، کیونکہ آیت کی ابتدا میں سوال سے نہی وارد ہوئی پھر فرمایا: وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ یعنی پھر ان کے لیے سوال کو مباح کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے اگر تم ان کے علاوہ مسائل پوچھو گے جن میں حاجت ہوگی۔ پس مضاف حذف کیا گیا ہے اور اس کو غیر حذف پر محمول کرنا درست نہیں۔ جرجانی نے کہا: عَنْهَا کی ضمیر دوسری اشیاء کی طرف لوٹ رہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ (المومنون) یعنی حضرت آدم علیہ السلام پھر فرمایا: ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً (المومنون:13) یعنی ابن آدم کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو نطفة فی قرار مکین نہیں بنایا تھا لیکن جب انسان کا ذکر کیا گیا تو وہ حضرت آدم ہے جو اپنی مثل انسان پر دلیل ہے یہ قرینہ حال کے ساتھ تھا معنی یہ ہے کہ اگر تم اشیاء کے متعلق سوال پوچھو گے جب تحلیل یا تحریم یا حکم نازل کیا جائے گا یا تمہیں تفسیر کی حاجت ہوگی جب تم سوال کرو گے تو اس وقت تمہارے لیے حکم ظاہر کر دیا جائے گا اس نوع نے سوال کو مباح کر دیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مطلقہ، اور وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے اور حاملہ عورت کی عدت بیان فرمائی اور ان عورتوں کی عدت کا ذکر نہیں ہوا جو حیض والی نہیں تھیں اور حاملہ بھی نہیں تھیں لوگوں نے ان کے متعلق پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی وَ الّٰٓیْٔ یَىٕسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ (طلاق:4) پس سوال سے نہی اس صورت میں ہے جب سوال کی حاجت نہ ہو مگر جب حاجت ہو تو پھر سوال کرنا منع نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو معاف کر دیا جو ان سے پہلے ہو چکا۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 700

بعض علماء نے فرمایا: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کے متعلق سوال کرنے کو معاف کر دیا جو انہوں نے امور جاہلیت سے اور جو ان جیسے تھے، کے متعلق پوچھا تھا۔ بعض نے فرمایا: العفو بمعنی ترک ہے یعنی اس نے ترک فرما دیا اور جس کے متعلق حلت اور حرمت کا حکم معروف نہیں ہے وہ معاف ہے پس تم ان کے متعلق بحث نہ کرو شاید تمہارے لیے اس کا ظاہر ہو جائے تو وہ تمہیں تکلیف دے۔ عبید بن عمیر فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا اور حرام فرمایا جس کو اس نے حلال فرمایا اس کو حلال سمجھو اور جس کو حرام فرمایا اس سے اجتناب کرو اور ان کے درمیان کچھ چیزوں کو چھوڑ دیا نہ انہیں حلال فرمایا اور نہ انہیں حرام فرمایا پس یہ اللہ کی طرف سے معاف ہیں پھر یہ آیت پڑھی۔

دارقطنی نے ابو ثعلبہ خشنی سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں پس تم انہیں ضائع نہ کرو اور بعض چیزوں کو حرام کیا ہے پس تم ان کی پردہ دری نہ کرو اور بعض حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں سے دانستہ سکوت فرمایا ہے ان سے بحث نہ کرو" (1)۔

اس تقدیر کی بنا پر کلام میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی ان چیزوں کے متعلق مت پوچھو جن کو اللہ نے معاف فرمایا ہے اگر وہ تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں تکلیف ہو یعنی خود ہی اس نے ان کا ذکر نہیں کیا پس ان میں کوئی حکم ثابت نہیں کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ سے درگزر فرمایا ہے جو گزر چکا اگرچہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا تھا پس تم آئندہ ایسے مسائل نہ پوچھنا، پس عنها کی ضمیر کا مرجع مسئلہ ہے یا سوالات ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ۝ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ہم سے پہلے ایک قوم تھی کہ انہوں نے اس کی مثل آیات کا سوال کیا جب انہیں وہ عطا کی گئیں اور ان پر احکامات فرض کیے گئے تو انہوں نے ان کا انکار کیا اور کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کا سوال کیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے مائدہ (دسترخوان) کا سوال کیا تھا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے ڈرایا ہے جس میں پہلی قومیں مبتلا ہوئی تھیں۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 8۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ جو تم نے سوال کی کراہیت اور اس کے متعلق نہی کا ذکر کیا ہے اس کے معارض یہ ارشاد ہے فَسْئَلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝ (النحل) پس دریافت کرلو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جس کا حکم دیا ہے وہ اس کے متعلق ہے جس کا وجوب ثابت ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا ان پر واجب ہے اور جس کے متعلق نہی وارد ہے وہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مکلف نہیں کیا ہے اور اس کا اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ مسلم نے حضرت عامر بن سعد سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الصید والذبائح، حدیث نمبر 104، صفحہ 298

نے فرمایا: ''مسلمانوں میں بڑا مجرم وہ ہے جو کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کرے جو مسلمانوں پر حرام نہ کی گئی ہو پھر اس کے سوال کی وجہ سے ان پر حرام کردی گئی ہو'' (1)۔ قشیری ابو نصر نے کہا: اگر عجلانی زنا کے متعلق سوال نہ کرتے تو لعان ثابت نہ ہوتا۔ ابو الفرج جوزی نے کہا: یہ اس پر محمول ہے جو کسی چیز کے متعلق عبث سوال کرتا ہے پس اس کے برے ارادہ کی وجہ سے اس چیز کی تحریم کے ساتھ سزا دی گئی اور تحریم عام ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس حدیث کے ساتھ قدریہ کا کوئی تعلق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے سبب اور علت کی وجہ سے کوئی کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے بلکہ سبب اور داعی اس کے افعال میں سے ایک فعل ہے لیکن قضا و قدر پہلے طے کر چکی ہے کہ جس چیز کے متعلق سوال کیا گیا اس کو حرام کردیا جائے گا جب اس کے بارے سوال واقع ہوگا نہ یہ کہ سوال تحریم کا موجب اور اس کی علت ہے اس کی مثالیں بہت ہیں لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ۝ (الانبیاء) نہیں پرسش کی جاسکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان (تمام سے) باز پرس ہوگی۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىِٕبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ ۙ وَّ لٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۝

''نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن جنہوں نے کفر کیا وہ تہمت لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا جَعَلَ اللّٰهُ یہاں جعل بمعنی سمی (نام رکھنا) ہے جیسے ارشاد فرمایا: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا (الزخرف: 3) یعنی ہم نے اس کا نام قرآن عربی رکھا۔ اس آیت میں معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نام نہیں رکھا نہ حکم بنایا ہے اور نہ اس کا شرعاً مکلف بنایا ہے مگر اس نے اپنے علم سے فیصلہ کیا ہے اور اپنی قدرت و ارادہ سے مخلوق کو پیدا کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خیر و شر، نفع و ضرر، طاعت و معصیت میں سے ہر چیز کا خالق ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىِٕبَةٍ، مِنْۢ زائدہ ہے بحیرۃ فعلیۃ کے وزن پر بمعنی مفعولۃ ہے یہ نطیحۃ اور ذبیحۃ کے وزن پر ہے۔ صحیح میں سعید بن مسیب سے مروی ہے بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کی وجہ سے استعمال نہیں کیا جاتا تھا اس اونٹنی کا کوئی بھی دودھ نہیں نکالتا تھا اور سائبہ وہ اونٹنی ہوتی ہے جس کو لوگ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: البحیرۃ سے مراد لغت میں وہ اونٹنی ہے جس کے کان کٹے ہوئے ہوں۔ کہا جاتا ہے: بحرت اذن الناقۃ یعنی میں نے اونٹنی کے کان کاٹ دیے (2)۔ الناقۃ بحیرۃ و مبحورۃ۔ البحر (دریا) تخلیۃ (تنہائی) کی علامت تھا۔ ابن سیدہ نے کہا: کہا جاتا ہے بحیرہ وہ اونٹنی ہے جو بغیر چرواہے کے چھوڑی گئی ہو۔ پالتو اونٹنی کو بحیرہ کہا جاتا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 2، صفحہ 262 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 701

ابن اسحاق نے کہا: البحیرہ، یہ سائبہ کی بچی ہے اور سائبہ وہ اونٹنی ہے جو متواتر دس اونٹنیاں جنم دے درمیان میں مذکر بچہ نہ ہو نہ اس پر سواری کی جاتی تھی اور نہ اس کی اون کاٹی جاتی تھی اور نہ اس کا دودھ، سوائے مہمان کے کوئی پیتا تھا جو اس کے بعد بھی بچی جنم دیتی تو اس بچی کے کان کاٹے جاتے تھے اور اسے بھی ماں کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا تھا اس پر نہ سواری کی جاتی تھی نہ اس کی اون کاٹی جاتی تھی اور اس کا دودھ سوائے مہمان کے کوئی نہیں پیتا تھا جیسا کہ اس کی ماں کے ساتھ کیا جاتا تھا یہ بحیرہ سائبہ کی بیٹی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: جب اونٹنی پانچ بطنوں سے مادہ ہی جنم دیتی تو اس کے کان کاٹ دیئے جاتے اور حرام کردی جاتی تھی۔

محرّمہ لا یَطعم الناس لحمہا　　ولا نحن فی شئ کذاک البحائر

ابن عزیز نے کہا: بحیرہ وہ اونٹنی ہے جو پانچ بچے جنم دیتی جب پانچواں مذکر ہوتا تو اسے ذبح کرتے اور اسے مرد اور عورتیں کھاتے اگر پانچواں بچہ مادہ ہوتا تو اس کے کان کاٹ دیتے اور اس کا گوشت اور دودھ عورتوں پر حرام ہوتا۔ عکرمہ نے کہا: جب وہ مرجاتی تو عورتوں کے لیے حلال ہوتی۔ اور سائبہ وہ اونٹ ہے جو نذر کی وجہ سے چھوڑا جاتا تھا جو انسان پر ہوتی تھی وہ اس طرح نذر مانتا تھا کہ اگر اللہ نے اس کو مرض سے صحت بخشی یا اسے گھر پہنچایا تو وہ ایسا کرے گا، وہ اونٹ نہ تو کسی چراگاہ سے روکا جاتا اور نہ کسی پانی سے اور نہ کوئی اس پر سوار ہوتا۔ ابو عبیدہ نے اس کے متعلق کہا ہے، شاعر نے کہا:

وسائبۃ للہ تَنمِی تَشکُرًا　　اِنِ اللہ عافی عامراً او مُجاشِعًا

وہ بھی اونٹنی کے علاوہ چیزوں کو بھی چھوڑ دیتے تھے، وہ جب غلام کو چھوڑتے تو اس پر ولاء نہ ہوتی تھی۔ بعض نے فرمایا: سائبہ وہ اونٹنی ہے جو چھوڑی گئی ہو اس پر کوئی قید نہ ہو اور نہ اس کا چرواہا ہو(1)۔ فاعل بمعنی مفعول ہے جیسے عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ۝ (القارعہ) بمعنی مرضیۃ ہے یہ سابت الحیۃ وانسابت سے مشتق ہے شاعر نے کہا۔

عقرتم ناقۃ کانت لربی　و　سائبۃً فقوموا للعِقاب

رہی وصیلۃ اور حام تو ابن وہب نے کہا: زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے لیے اونٹ اور بکریاں چھوڑ دیتے تھے۔ حام اونٹوں میں سے ہے نر جب اپنی ضربیں پوری کر لیتا تو اس پر وہ موروں کے پر لگا دیتے تھے اور اسے چھوڑ دیتے تھے۔ اور رہی وصیلۃ یہ بکریوں میں سے ہے جب وہ ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ کو جنم دیتی تو اسے چھوڑ دیتے تھے۔ ابن عزیز نے کہا: وصیلۃ بکریوں میں ہے فرمایا: جب بکری سات بچے جنم دے دیتی تو وہ دیکھتے تھے اگر ساتواں بچہ مذکر ہوتا تو اسے ذبح کیا جاتا اور اس سے مرد اور عورتیں کھاتی تھیں اگر مونث ہوتا تو وہ بکریوں میں چھوڑی جاتی۔ اگر وہ مذکر اور مونث دونوں بچے اکٹھے جنم دے دیتی تو وہ کہتے: وصلت اخاہا وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل گئی پس اسے اس کے مرتبہ کی وجہ سے ذبح نہ کیا جاتا تھا اس کا گوشت عورتوں پر حرام ہوتا تھا اور مادہ کا دودھ بھی عورتوں پر حرام ہوتا تھا مگر ان میں سے کوئی ایک مرجاتا تو اسے مرد اور عورتیں کھاتے تھے۔ حامی وہ نر ہے جس کی اولاد کی اولاد کی حفاظت کی گئی ہو۔

حَماھا أبو قابُوسَ فی عِزِّ مُلکِہ　　کما قد حَمَی أولادَ أولادِہ الفحلُ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 701

کہا جاتا ہے: جب اس کی پیٹھ سے دس بچے پیدا کیے گئے ہوں، تو کہتے ہیں: اس نے اپنی پیٹھ محفوظ کر لی پس اس پر نہ سواری کی جاتی تھی اور نہ ہی اسے گھاس اور پانی سے روکا جاتا تھا۔ ابن اسحاق نے کہا: وصیلۃ وہ بکری ہے جو پانچ بطنوں سے متواتر دس بچیاں جنم دے اور ان کے درمیان مذکر نہ ہو۔ عربوں نے کہا: وصلت۔ اس کے بعد جو جنم دیتی وہ ان کے مردوں کے لیے ہوتا عورتوں کے لیے نہ ہوتا مگر ان میں سے کوئی مرجاتا تو اس کے کھانے میں مذکر اور مونث شریک ہوتے (1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو آگ میں اپنی انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا یہ پہلا شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑے تھے (2)'' ایک روایت میں ہے ''عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف جو بنی کعب سے تھا وہ اپنی انتڑیاں آگ میں کھینچ رہا تھا''۔ حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اکثم بن الجون سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ''عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو آگ میں اپنی انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا جو تجھ سے زیادہ اس کے مشابہ ہو اور کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو اس سے زیادہ تیرے مشابہ ہو''۔ اکثم نے کہا: مجھے اندیشہ ہے یا رسول اللہ کہ اس کی مشابہت مجھے نقصان دے گی۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں تو مومن ہے وہ کافر ہے یہ پہلا شخص تھا جس نے دین اسماعیل میں تبدیلی کی تھی اور بحیرہ کو بحیرہ بنایا سائبہ کو بتوں کے نام پر چھوڑا اور حامی کو حامی بنایا''۔ ایک روایت میں ہے ''میں نے ایک چھوٹا سا آدمی دیکھا جس کے بال کانوں کی لوؤں تک تھے اپنی انتڑیاں آگ میں کھینچ رہا تھا''۔

ابن القاسم کی روایت میں ہے امام مالک نے زید بن اسلم سے انہوں نے عطا بن یسار سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: وہ دوزخیوں کو اپنی بدبو کی وجہ سے اذیت دیتا ہے، یہ حدیث مرسل ہے۔ ابن عربی نے ذکر کی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ پہلا شخص تھا جس نے یہ بدعت نکالی تھی وہ جنادہ بن عوف ہے اور صحیح میں کفایت ہے۔ ابن اسحاق نے روایت کیا ہے بتوں کے نصب کا سبب اور دین ابراہیمی میں تبدیلی کا سبب عمرو بن لحی تھا جو مکہ سے شام کی طرف نکلا جب بلقاء کے علاقہ میں مآب کے مقام پر پہنچا اور وہاں اس وقت عمالیق تھے جو عملیق کی اولاد تھے۔ کہا جاتا ہے: عملاق بن لاوذ بن سام بن نوح۔ اس نے انہیں دیکھا کہ وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ عمرو نے انہیں کہا: یہ بت کیا ہیں جن کی میں تمہیں عبادت کرتے دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ بت ہیں ہم ان کے ذریعے بارش طلب کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے اور ان کے ذریعے مدد طلب کرتے ہیں تو ہماری مدد کی جاتی ہے۔ اس نے انہیں کہا: تم ان میں سے ایک بت مجھے نہیں دے دیتے جسے میں عرب کی زمین کی طرف لے جاؤں تا کہ وہ بھی اس کی عبادت کریں، تو انہوں نے اسے ایک بت دے دیا جس کا نام ہبل تھا وہ اسے مکہ لے آیا اور اسے نصب کر دیا لوگوں نے اس کی عبادت اور تعظیم شروع کر دی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو ان پر یہ آیت نازل فرمائی: **مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ**۔ اللہ تعالیٰ نے نہیں مقرر کیا بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام کو لیکن قریش خزاعہ اور مشرکین عرب میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ تہمت

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 702　2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 665

لگاتے ہیں اللہ پر جھوٹی، وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کی تحریم کا حکم دیا ہے، اور وہ کہتے ہیں: وہ ایسا اللہ کی اطاعت میں اپنے رب کی رضا کے لیے کرتے ہیں اور اللہ کی طاعت اس کے قول سے معلوم ہوتی ہے جب کہ ان کے پاس ان کے بارے میں اللہ کی طرف سے کوئی قول نہیں تھا۔ یہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے تھے انہوں نے کہا: مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا (الانعام:139) یعنی ان جانوروں کے پیٹوں میں جو ہے یعنی بچے اور دودھ وہ خالص ہمارے مذکر افراد کے لیے ہے۔ وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً (الانعام:139) اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اگر وہ مردہ ہوگا یعنی اگر وہ مردہ بچہ جنم دے گی تو اس میں مرد اور عورتیں شریک ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ (الانعام:139) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹ کی وجہ سے آخرت میں عذاب دے گا۔ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ (الانعام) یعنی وہ تحریم و تحلیل جاننے والا ہے اور اس میں اس کی حکمت کارفرما ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ نازل کیا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ (یونس) آپ فرمایئے بھلا بتاؤ تو جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اتارا پس بنالیا تم نے اس سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال پوچھیے کیا اللہ تعالیٰ نے (ایسا کرنے کی) تمہیں اجازت دی ہے یا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہو؟ اور یہ نازل فرمایا: ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (الانعام:143) اور یہ نازل فرمایا: وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ (الانعام:138) بعض مویشی ہیں کہ نہیں ذکر کرتے نام خدا ان (کی ذبح) پر (یہ سب محض) افتراء ہے اللہ پر۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی چیز کو روکنے اور اوقاف لوٹانے کا تعلق اس سے قائم کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کی مذمت کی جو وہ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے اور ان کو روک لیتے تھے اور انہیں استعمال نہیں کرتے تھے (1)۔ امام صاحب نے بحیرہ اور سائبہ پر قیاس کیا ہے جب کہ ان میں فرق واضح ہے اگر کوئی شخص اپنی زمین کا ارادہ کرتا ہے کہ یہ وقف ہوگی، اس کا پھل نہیں چنا جائے گا اور اس کی زمین کاشت نہیں کی جائے گی اور اس سے کسی قسم کا نفع نہیں اٹھایا جائے گا تو پھر اسے بحیرہ اور سائبہ سے تشبیہ دینا جائز ہوتا۔ علقمہ سے جس نے ان چیزوں سے متعلق سوال کیا اس کے جواب میں علقمہ نے کہا: تو جو اہل جاہلیت کے عمل کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ختم ہو چکا ہے۔ ابن زید نے بھی اسی طرح کہا۔ جمہور علماء احباس اور اوقاف کے جواز کے قائل ہیں، سوائے امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام زفر کے۔ یہی قول شریح کا بھی ہے لیکن امام ابویوسف نے امام صاحب کے قول سے رجوع کر لیا تھا جب انہیں ابن علیہ نے ابن عون عن نافع عن ابن عمر کے سلسلہ سے روایت سنائی کہ حضرت ابن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خیبر کے حصہ کو صدقہ کرنے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: أحبس الأصل وسبّل الثمرة (2) اصل کو روک لے اور پھل صدقہ کر دے۔ جنہوں نے احباس (روکنا) کو جائز قرار دیا ہے اس حدیث سے انہوں نے دلیل پکڑی ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 705

2۔ سنن دار قطنی، کتاب الاحباس، جلد 4، صفحہ 193

یہ حدیث صحیح ہے یہ ابو عمر نے کہا ہے نیز یہ مسئلہ اجماع صحابہ سے ہے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ عمرو بن العاص، حضرت ابن زبیر اور جابر رضی اللہ عنہم ان سب نے وقف کیے تھے اور ان کے اوقاف مکہ، مدینہ میں معروف و مشہور تھے۔ روایت ہے کہ امام ابو یوسف نے امام مالک سے رشید کی موجودگی میں کہا کہ حبس جائز نہیں تو امام مالک نے اسے کہا: یہ احباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احباس (وقف) ہیں مثلاً خیبر، فدک اور آپ کے صحابہ کے احباس ہیں (1)۔ اور امام ابو حنیفہ نے آیت سے جو حجت پکڑی ہے اس میں حجت نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے اپنی عقول سے بغیر شرع کے تصرف کیا اور نہ ان کو انتفاع نہ کرنے کا مکلف بنایا گیا تھا اور نعمت کے زائل کرنے اور اس مصلحت کو زائل کرنے کا مکلف کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان اونٹوں میں اپنے بندوں کے لیے رکھی ہے اس وجہ سے یہ امور احباس اور اوقاف سے جدا ہو گئے۔ اور امام ابو حنیفہ اور زفر نے اس روایت سے حجت پکڑی ہے جو عطا نے ابن مسیب سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے شریح سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنا گھر اپنی اولاد میں سے آخری لوگوں پر وقف کر دیا تو انہوں نے کہا: حبس (روکنا، وقف کرنا) اللہ کے فرائض سے نہیں۔

علماء نے کہا: خلفاء راشدین حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے قاضی نے یہ فیصلہ کیا، نیز انہوں نے اس روایت سے دلیل پکڑی ہے جو ابن لہیعہ نے اپنے بھائی عیسیٰ سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ النساء کے نازل ہونے کے بعد سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فرائض کو نازل کیا اور حبس سے منع فرمایا۔ طبری نے کہا: وہ صدقہ جو صدقہ کرنے والا اپنی زندگی میں کرتا ہے اس کی اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اجازت دی ہے اور ائمہ راشدین نے اس پر عمل کیا ہے۔ یہ اللہ کے فرائض سے روکنا نہیں ہے اور نہ شریح کے قول میں حجت ہے اور نہ کسی اور کے قول میں جو سنت اور صحابہ کے عمل کے مخالف ہو وہ صحابہ جو ساری مخلوق پر حجت ہیں۔ رہی حضرت ابن عباس کی حدیث تو اس کو ابن لہیعہ نے روایت کیا ہے اور ابن لہیعہ وہ شخص ہے جس کا آخری عمر میں عقل درست نہیں رہا تھا اور اس کا بھائی غیر معروف ہے اس میں حجت نہیں ہے۔ یہ ابن القصار کا قول ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ کیسے جائز ہو گا کہ زمین وقف کے ذریعے مالک کی ملکیت سے نکل جائے اور کسی کی ملکیت میں بھی نہ ہو؟ امام طحاوی نے فرمایا: اس کا جواب یہ دیا جائے گا اس کا انکار نہیں کیا جاتا مثلاً تو اور تیرا مخالف ایک زمین کو مسلمانوں کے لیے مسجد بنانے پر متفق ہوئے لوگوں اور مسجد کے درمیان راستہ کھلا چھوڑ دیا گیا وہ زمین اس طرح ملکیت سے نکل گئی اور کسی کی ملکیت میں داخل بھی نہیں ہوئی لیکن وہ اللہ کی طرف چلی گئی اسی طرح کنویں، پل وغیرہ کا حکم ہے پس جو تو اپنی حجت اپنے مخالف پر لازم کرے گا وہ تجھ پر لازم کرے گا۔

مسئلہ نمبر 5۔ حبس کو جائز قرار دینے والے علماء کا حبس کرنے والے کے تصرف کے بارے میں مختلف اقوال رکھتے ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: موقف پر اس کی ملکیت حرام ہے جس طرح غلام کی ملکیت اس پر حرام ہو جاتی ہے مگر اس کے لیے

1۔ احکام القرآن ابن العربی، جلد 2، صفحہ 704

جائز ہے کہ وہ اپنے صدقہ کا والی بنا رہے اور اس کے قبضہ میں اس لیے ہوگا کہ وہ حق دار اور مستحقین میں تقسیم کرے اور صدقہ کرے، کیونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے صدقہ سے متصل رہے۔ جو کچھ پہنچا ہے۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ فرمایا: اسی طرح حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اپنے صدقات سے متعلق رہے۔ یہی قول امام ابو یوسف کا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: جس نے زمین یا کھجور کا درخت یا گھر مساکین پر وقف کر دیا تو وہ اس کے ساتھ رہے گا وہ اس کی نگرانی کرے گا اسے کرائے پر دے گا اور مساکین میں اس کی آمدن تقسیم کرے گا حتیٰ کہ وہ مر گیا جب کہ حبس (وقف) اس کے قبضہ میں تھا تو وہ حبس نہیں ہوگا، جب تک کہ وہ غیر کو اجازت نہیں دے گا وہ میراث ہے۔ امام مالک کے نزدیک گھر، دیواریں، زمین وغیرہ کا حبس نافذ نہ ہوگا اور نہ ان کا حبس مکمل ہوگا حتیٰ کہ کسی دوسرے کو اس کا متولی بنائے بخلاف گھوڑوں اور ہتھیاروں کے یہ امام مالک کے اصحاب کی ایک جماعت کا قول ہے اور یہی ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ واقف کے لیے وقف سے نفع اٹھانا جائز نہیں، کیونکہ اس نے وہ اللہ کے لیے نکالا اور اپنی ملکیت سے جدا کیا پس اس میں سے کچھ انتفاع اپنے صدقہ سے رجوع ہے اور واقف کے لیے انتفاع جائز ہے اگر وقف میں انتفاع کی شرط لگا دی ہو یا وقف کرنے والا محتاج ہو جائے یا اس کے ورثاء محتاج ہو جائیں تو ان کے لیے وقف مال سے کھانا جائز ہے۔ ابن حبیب نے امام مالک سے روایت کیا فرمایا: جس نے اصل کو وقف کیا کہ اس کا غلہ مساکین پر خرچ ہوگا اگر وقف کرنے والے کی اولاد محتاج و فقیر ہو جائے گی تو انہیں اس مال سے دیا جائے گا خواہ وہ وقف کے دن غنی تھے یا فقراء تھے لیکن انہیں پورا غلہ نہیں دیا جائے گا اس خوف سے کہ کہیں وقف ختم نہ ہو جائے لیکن مساکین کے لیے اس میں سے حصہ باقی رہے گا تاکہ اس پر وقف کا اسم باقی رہے اور اولاد کے لیے تحریر لکھی جائے گی کہ انہیں مسکین ہونے کی بنا پر اسے دیا جائے گا مساکین کے علاوہ کے لیے حق نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 7۔ سائبہ کا آزاد کرنا جائز ہے، وہ یہ ہے کہ سردار اپنے غلام سے کہے: تو آزاد ہے۔ اور نیت آزاد کرنے کی کرے، یا کہے: یا میں تجھے سائبہ آزاد کیا (1)۔ امام مالک کے مذہب میں سے مشہور مالکی علماء کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی ولاء مسلمانوں کی جماعت کے لیے ہوگی اور اس کا آزاد کرنا نافذ ہوگا۔ اسی طرح ابن القاسم، ابن عبد الحکم اور اشہب وغیرہم سے مروی ہے۔

ابن وہب نے بھی یہی کہا ہے: ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: کوئی سائبہ آزاد نہ کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع کیا ہے۔ ابن عبد البر نے کہا: یہ ہر اس عالم کے نزدیک ہے جو ان کے مذہب کا قائل ہے۔ یہ سائبہ کے عتق کی کراہت پر محمول ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اگر سائبہ آزاد کرے گا تو نافذ ہو جائے گا اس میں حکم وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ ابن وہب نے بھی اور ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں سائبہ کے عتق کو ناپسند کرتا ہوں اور اس سے منع کرتا ہوں۔ اگر ایسا ہوگا تو نافذ ہو جائے گا اور وہ مسلمانوں کی میراث ہوگا اور اس

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 706

کی دیت بھی ان پر ہوگی۔ اصبغ نے کہا: ابتداءً سائبہ کا آزاد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ امام مالک کے مشہور مذہب کی طرف گئے ہیں اس کے لیے قاضی اسماعیل نے حجت پکڑی ہے اور اس کی تقلید کی ہے، اس کی حجت میں سے یہ بھی ہے کہ عتق السائبہ مدینہ میں عام ہے اور کوئی عالم اس کا انکار نہیں کرتا اور حضرت عبداللہ بن عمر اور ان کے علاوہ سلف نے سائبہ آزاد کیا۔ ابن شہاب، ربیعہ اور ابوالزناد سے مروی ہے۔ یہی عمر بن عبدالعزیز، ابوالعالیہ، عطا اور عمرو بن دینار وغیرہ کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: ابوالعالیہ ریاحی بصری تمیمی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو سائبہ آزاد کیا گیا ان کی مالکن نے انہیں رضا الٰہی کے لیے بنی ریاح سے سائبہ آزاد کیا تھا اور اس عورت نے ان کو لے کر مسجد کے حلقوں کا طواف کیا۔ اس کا نام رفیع بن مہران تھا۔ ابن نافع نے کہا: آج اسلام میں سائبہ نہیں ہے جس نے سائبہ آزاد کیا اس کی ولاء اس کے لیے ہوگی یہی قول امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور ابن ماجشون کا ہے اور اسی کی طرف ابن عربی کا میلان ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''جس نے سائبہ آزاد کیا اس کی ولاء اس کے لیے ہوگی، اور ارشاد: ولاء اس کے لیے ہے جس نے آزاد کیا'' (1)۔ سے استدلال کیا ہے پس غیر معتق کے لیے ولاء کی نفی فرمائی اور انہوں نے اللہ کے ارشاد: مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىِٕبَةٍ سے حجت پکڑی ہے اور حدیث سے حجت پکڑی ہے ''اسلام میں سائبہ نہیں ہے (2)'' اور ابوقیس نے ہزیل بن شرحبیل سے روایت کیا ہے فرمایا: ایک شخص نے حضرت عبداللہ سے کہا: میں نے اپنا غلام سائبہ آزاد کیا تھا آپ کا نظریہ اس بارے میں کیا ہے؟ حضرت عبداللہ نے کہا: اہل اسلام سائبہ نہیں کرتے سائبہ زمانہ جاہلیت میں تھا تو اس کا وارث ہے اور اس کا ولی نعمت ہے۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ ۝

''اور جب کہا جاتا ہے انہیں کہ آؤ اس کی طرف جو نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اور آؤ (اس کے) رسول کی طرف کہتے ہیں کافی ہے ہمیں جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں''۔

اس آیت کریمہ کا معنی اور اس پر کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کا فکر لازم ہے نہیں نقصان پہنچا سکے گا تمہیں جو گمراہ ہو جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو۔ اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے تم سب نے پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جو تم (اس دنیا میں) کیا کرتے تھے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، جلد 2، صفحہ 999 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 706

مسئلہ نمبر 1۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس آیت کا ماقبل سے تعلق یہ ہے کہ اس سے ڈرانا ہے جس سے ڈرانا واجب ہے۔ یہ اس کی حالت ہے جس کی صفت گزر چکی ہے ان لوگوں میں سے جو اپنے دین میں اپنے آباء اور اپنے اسلاف کی تقلید کی طرف مائل ہوا اس آیت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قائم کرنا واجب نہیں جب انسان درست ہو اور کسی کو دوسرے کے گناہ کی وجہ سے پکڑا نہیں جائے گا اگر اس کی سنت میں اور اقاویل صحابہ وتابعین میں اس کی تفسیر وارد نہ ہوتی، جیسا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر کریں گے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ** اس کا معنی ہے اپنے نفسوں کی گناہوں سے حفاظت کرو۔ تو کہتا ہے: علیك زیدا یعنی الزم زیدا (زید کو لازم پکڑ) اور علیه زیدا جائز نہیں بلکہ یہ تین الفاظ میں مخاطب کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً علیك زیدا یعنی زید کو پکڑو۔ عندك عمرا یعنی عمر تیرے پاس حاضر ہے۔

دونك زیدا یعنی وہ تمہارے قریب ہے۔ شاعر نے کہا:

یا ایھا المائح دلوی دونکا

اے کنواں کی گہرائی میں جانے والے میرا ڈول پکڑ۔ اور رہا یہ مصرعہ علیه رجلا لَیْسَنِی یہ شاذ ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابوداؤد، ترمذی وغیرہما نے قیس سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطاب فرمایا کہ تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور تم اس کی تاویل درست نہیں کرتے: **يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ** الآیۃ (1)۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ لوگ جب ظالم کو دیکھتے ہیں تو اس کے ہاتھوں کو نہیں روکتے قریب ہے اللہ تعالیٰ سب پر اپنی طرف سے عذاب نازل کر دے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسحاق بن ابراہیم نے کہا: میں نے عمرو بن علی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے وکیع کو یہ کہتے ہوئے سنا عن ابی بکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحیح نہیں ہے اور کوئی حدیث ہے۔ میں کہتا ہوں: نہ اسماعیل عن قیس مروی ہے فرمایا اسماعیل نے قیس سے موقوف روایت کیا ہے۔ نقاش نے کہا: یہ وکیع کی طرف سے زیادتی ہے اس کو شعبہ نے سفیان اور اسحاق سے انہوں نے اسماعیل سے مرفوع روایت کیا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے ابو امیہ شعبانی سے روایت کیا ہے فرمایا: میں ابو ثعلبہ خشنی کے پاس پہنچا تو میں نے اسے کہا: تم اس آیت کا کیا کرتے ہو۔ انہوں نے فرمایا: آیت ہے، آیت ہے۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ** فرمایا: اللہ کی قسم! تو نے اس کے متعلق خبر والے سے پوچھا ہے، میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نیکی کرو اور برائی سے رک جاؤ حتیٰ کہ جب تم ایسا بخل دیکھو جس کی اطاعت کی جاتی ہو، ایسی خواہش جس کی اتباع کی جاتی ہو اور ایسی دنیا جو ترجیح دی جاتی ہو اور صاحب رائے اپنی رائے کو پسند کرتا ہے تو خاص طور پر اپنے نفس کی فکر کرو اور عام لوگوں کے معاملہ کو چھوڑ دو تمہارے پیچھے کچھ ایام ہیں ان میں صبر، انگارے کو پکڑنے کی مثل ہوگا۔ ان دنوں میں پچاس آدمیوں کے اجر کی مثل ایک مزدور کا اجر ہوگا جو تمہارے عمل کی مثل عمل کرتے ہیں''۔ ایک روایت میں ہے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 131۔ ایضاً، باب ومن سورۃ المائدہ، حدیث نمبر 2983، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عرض کی گئی: یا رسول اللہ! ہم میں سے یا ان میں سے پچاس آدمیوں کا اجر۔ فرمایا: ''بلکہ تم میں سے پچاس کا اجر'' (1)۔

ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ابن عبد البر نے کہا: بل منکم کے الفاظ سے بعض راوی خاموش رہے ہیں اور اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''تم ایسے زمانہ میں ہو کہ تم میں سے جس نے اس کا دسواں حصہ ہی ترک کر دیا جس کا حکم دیا گیا ہے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے، پھر ایک زمانہ آئے گا کہ ان میں سے جو حکم الٰہی کے دسواں حصہ پر ہی عمل کرلے گا تو نجات پائے گا'' (2)۔ فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے فرمایا: یہ آیت کا زمانہ نہیں ہے تم حق کہو جب تک وہ تم سے قبول کیا جائے، جب تم پر لوٹایا جائے تو پھر تم اپنے نفسوں کی فکر کرو۔ بعض فتنوں کے اوقات میں حضرت ابن عمر سے کہا گیا: اگر تم ان ایام میں گفتگو ترک کر دو نہ تم نیکی کا حکم دو نہ برائی سے روکو۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرمایا تھا: ''موجود کو غائب تک بات پہنچانی چاہیے'' اور ہم موجود تھے پس ہم پر تمہیں پہنچانا لازم ہے ایک زمانہ آئے گا جس میں حق کہا جائے گا تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ لیبلغ الشاھد الغائب کے قول کے بعد حضرت ابن عمر سے ایک روایت میں ہے ''ہم موجود تھے اور تم غائب تھے'' لیکن یہ آیت ان لوگوں کے لیے ہے جو ہمارے بعد آئیں گے اگر وہ حق کہیں گے تو ان سے حق قبول نہیں کیا جائے گا۔

ابن المبارک نے کہا: عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ کا خطاب تمام مومنین کو ہے یعنی دین داروں کو لازم پکڑو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء: 29) گویا فرمایا: ایک دوسرے کو نیکی کا حکم دینا چاہیے اور برائی سے منع کرنا چاہیے یہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے وجوب پر دلیل ہے، تمہیں مشرکوں، منافقین اور اہل کتاب کی گمراہی نقصان نہیں پہنچائے گی، کیونکہ امر بالمعروف مسلمانوں کے ساتھ گنہگاروں میں جاری رہتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے یہ معنی سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا: آیت کا معنی ہے تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا جو گمراہ ہوا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بعد۔

ابن خویز منداد نے کہا: یہ آیت اپنے ضمن میں یہ مفہوم رکھتی ہے کہ انسان خاص اپنے نفس سے مشغول ہو اور لوگوں کے عیوب سے تعرض ترک کر دے اور ان کے احوال کی تلاش چھوڑ دے، کیونکہ ان سے اس کی حالت کے بارے نہیں پوچھا جائے گا۔ اور اس سے ان کی حالت کے بارے نہیں پوچھا جائے گا یہ اس قول کی طرح ہے كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۟ (المدثر) ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الانعام: 164) کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اپنے گھر کا دوست ہو جا اور خاص اپنے نفس کی فکر کر''۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس زمانہ سے مراد ایسا زمانہ ہو جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا مشکل ہو پس وہ اپنے دل سے ناپسند کرتا ہو اور اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول ہو۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 131۔ ایضاً، باب ومن سورۃ المائدۃ، حدیث نمبر 2984، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 51۔ ایضاً، حدیث نمبر 2193، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں کہتا ہوں: ایک غریب حدیث میں آیا ہے جسے ابن لہیعہ نے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں بکر بن سوادہ جذامی نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کر کے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب دو سو کا آغاز ہو تو نہ نیکی کا حکم دو اور نہ برائی سے منع کرو خاص اپنے نفس کی فکر کرو'' ہمارے علماء نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے فرمایا کہ زمانہ بدل جائے گا، احوال میں فساد ہوگا اور مددگاروں کی کمی ہوگی۔ حضرت جابر بن زید نے کہا: آیت کا معنی ہے اے ان لوگوں کی اولاد میں سے ایمان والو! جنہوں نے بحیرہ اور سائبہ کو بتوں کے لیے چھوڑا تم دین پر اپنے نفسوں کو قائم رکھو تمہیں پہلے لوگوں کی گمراہی نقصان نہ دے گی جب تم ہدایت یافتہ ہو، فرمایا: جب کوئی اسلام لے آتا تو کفار اسے کہتے: تم نے اپنے آباء کو بے وقوف بنایا اور انہیں گمراہ کیا، تو نے ایسا کیا اور ایسا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سبب یہ آیت نازل فرمائی۔

بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت خواہش کے بندوں کے بارے میں ہے جنہیں وعظ و نصیحت نفع نہیں دیتا جب تو کسی قوم کے متعلق جان لے کہ وہ دعوت کو قبول نہیں کرتے بلکہ استہزا کرتے ہیں اور غالب آتے ہیں تو ان سے خاموش ہو جا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ ان قیدیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہیں مشرکوں نے تکلیف دی تھی حتیٰ کہ بعض مرتد ہو گئے تھے تو باقی لوگوں کو کہا گیا: تم اپنے نفسوں کی فکر کرو تمہیں تمہارے ساتھیوں کا ارتداد کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ مجاہد نے کہا: یہود و نصاریٰ اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں ہے۔ ان دونوں حضرات کا نظریہ یہ ہے، کہ اہل کتاب کا کفر تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا جب وہ جزیہ ادا کریں۔ بعض نے فرمایا: یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے منسوخ ہے۔ یہ المہدوی کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ ضعیف ہے اس کا قائل معلوم نہیں (1)۔

میں کہتا ہوں: ابوعبید القاسم بن سلام سے مروی ہے فرمایا: کتاب اللہ میں اس آیت کے سوا کوئی آیت ایسی نہیں ہے جو ناسخ اور منسوخ کی جامع ہو۔ دوسرے علماء نے کہا: اس میں سے ناسخ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ کا قول ہے۔ الھدی سے یہاں مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر متعین ہوتا ہے جب قبولیت کی امید ہو یا ظالم کو روکنے کی امید ہو خواہ سختی کے ساتھ ہو جب تک کہ آمر کو اپنے خاص لوگوں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو یا کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو جو عام مسلمانوں پر جاری ہو، خواہ لاٹھی کی طرف کے ساتھ ہو یا ایسے ضرر کے ساتھ ہو جو لوگوں کے ایک طائفہ کو لاحق ہوتا ہو، جب یہ اندیشہ ہو تو تم پر لازم ہے کہ اپنے نفسوں کی فکر کرو۔ یہ محکم، واجب ہے کہ وہ اپنے اوپر توقف کرے۔ اور منع کرنے والے کا عادل ہونا شرط نہیں اس پر اہل علم کی جماعت کا نظریہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ
ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 249

مُّصِیۡبَةُ الۡمَوۡتِ ؕ تَحۡبِسُوۡنَهُمَا مِنۡۢ بَعۡدِ الصَّلٰوةِ فَیُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ لَا نَشۡتَرِیۡ
بِهٖ ثَمَنًا وَّ لَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰی ۙ وَ لَا نَكۡتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الۡاٰثِمِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنۡ عُثِرَ
عَلٰۤی اَنَّهُمَا اسۡتَحَقَّاۤ اِثۡمًا فَاٰخَرٰنِ یَقُوۡمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِیۡنَ اسۡتَحَقَّ عَلَیۡهِمُ
الۡاَوۡلَیٰنِ فَیُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنۡ شَهَادَتِهِمَا وَ مَا اعۡتَدَیۡنَاۤ ۫ۖ اِنَّاۤ اِذًا
لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِالشَّهَادَةِ عَلٰی وَجۡهِهَاۤ اَوۡ یَخَافُوۡۤا اَنۡ تُرَدَّ
اَیۡمَانٌۢ بَعۡدَ اَیۡمَانِهِمۡ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اسۡمَعُوۡا ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

''اے ایمان والو! آپس میں تمہاری گواہی جب آجائے کسی کو تم سے موت وصیت کرتے وقت (یہ ہے کہ) دو معتبر شخص تم میں سے ہوں یا دو اور غیروں میں سے اگر تم سفر کر رہے ہو زمین میں پھر پہنچے تمہیں موت کی مصیبت روکو ان دو گواہوں کو نماز پڑھنے کے بعد تو وہ قسم کھائیں اللہ کی اگر تمہیں شک پڑ جائے (ان الفاظ سے) کہ ہم نہ خریدیں گے اس قسم کے عوض کوئی مال اور اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی ہو اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ کی گواہی (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس وقت گنہگاروں میں (شمار) ہوں گے۔ پھر اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ سزاوار ہوئے ہیں کسی گناہ کے تو دو اور کھڑے ہو جائیں ان کی جگہ ان میں سے جن کا حق ضائع کیا ہے پہلے گواہوں نے اور (یہ نئے دو گواہ) قسم اٹھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا (اگر ہم ایسا کریں تو) بے شک اس وقت ہم ظالموں میں شمار ہوں گے۔ یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ دیا کریں گواہی جیسا کہ چاہیے یا خوف کریں اس بات کا کہ لوٹائی جائیں گی قسمیں (میت کے وارثوں کی طرف) ان کی قسموں کے بعد اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سنو اس کا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو''۔

اس میں ستائیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مکی نے کہا: یہ تین آیات اہل معانی کے نزدیک قرآن میں اعراب، معنی اور حکم کے اعتبار سے مشکل ہیں۔

ابن عطیہ نے کہا: یہ اس کا کلام ہے جس کے لیے اس کی تفسیر میں اطمینان واقع نہیں ہوا یہ ان کی کتاب میں واضح ہے(1)۔

میں کہتا ہوں: مکی نے جو ذکر کیا ہے ابو جعفر نحاس نے بھی اس سے پہلے یہ ذکر کیا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیات تمیم داری اور عدی بن بداء کے سبب سے نازل ہوئیں۔ بخاری، دار قطنی وغیرہما نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا: تمیم داری اور عدی بن بداء مکہ کی طرف جاتے تھے تو ان کے ساتھ بنی سہم کا ایک نوجوان بھی نکلا، وہ ایسے علاقہ میں فوت ہوا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا اس نے تمیم اور عدی کو وصیت کی اور اپنا ترکہ اپنے اہل کی طرف ان کے ہاتھ بھیج دیا ان دونوں نے چاندی کے جام کو اپنے پاس رکھ لیا جس پر سونے کے نقش و نگار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے قسم

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 250

طلب کی کہ تم نے نہ چھپایا اور نہ تمہیں اطلاع ہے پھر وہ پیالہ مکہ میں پایا گیا انہوں نے کہا: یہ ہم نے عدی اور تمیم سے خریدا ہے۔ سہمی کے ورثاء میں سے دو آدمی آئے انہوں نے قسم اٹھائی کہ یہ پیالہ سہمی کا ہے اور ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ ٹھیک ہے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا۔ فرمایا: پھر انہوں نے پیالہ لے لیا اس میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دارقطنی کے الفاظ ہیں، ترمذی نے تمیم داری سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ۔

اس آیت سے میرے اور عدی بن بداء کے علاوہ لوگ بری ہیں۔ یہ دونوں نصرانی تھے اسلام سے پہلے شام کی طرف جاتے تھے پھر وہ تجارت کی غرض سے شام آئے، ان کے پاس بنی سہم کا ایک آدمی تجارت کی غرض سے آیا جس کا نام بدیل بن ابی مریم تھا۔ اس کے پاس چاندی کا پیالہ تھا اس کے ذریعے بادشاہ کا ارادہ کرتا تھا وہ اس کی تجارت کا بڑا حصہ تھا۔ وہ مریض ہو گیا تو انہیں اس نے وصیت کی اور انہیں حکم دیا کہ میرا مال میرے گھر والوں کو پہنچا دینا، تمیم نے کہا: جب وہ مر گیا تو ہم نے وہ پیالہ لے لیا اور ہم نے وہ پیالہ ہزار درہم کے عوض بیچ دیا پھر ہم نے انہیں تقسیم کیا، جب ہم ان کے گھر والوں کے پاس آئے تو ہم نے وہ سب کچھ ان کے حوالے کیا جو ہمارے پاس تھا، انہوں نے پیالہ سامان میں نہ پایا پس انہوں نے ہم سے اس پیالہ کے متعلق سوال کیا۔ ہم نے کہا: اس کے علاوہ اس نے کچھ نہیں چھوڑا اور اس کے علاوہ ہمیں کچھ نہیں دیا۔ تمیم نے کہا: پھر جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کے بعد مسلمان ہوا تو میں نے اسے گناہ سمجھا پھر میں اس کے گھر والوں کے پاس آیا اور انہیں سب کچھ بتایا اور میں نے انہیں پانچ سو درہم ادا کر دیئے اور میں نے انہیں بتایا کہ اس کی مثل رقم میرے ساتھی کے پاس ہے۔ پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دلیل مانگی تو انہوں نے دلیل نہ پائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ عدی سے اس کے ساتھ قسم طلب کریں جو ان کے دین داروں پر عظیم ہے۔ پس عدی نے قسم اٹھا دی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ۝۱۰۶ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤی اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیٰنِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَیْنَاۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۰۷ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰی وَجْهِهَاۤ اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ۔ عمرو بن العاص اور ان میں سے ایک اور آدمی اٹھا اور قسم اٹھائی پس عدی بن بداء کے ہاتھوں سے پانچ سو درہم چھین لیے گئے۔

ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ تین آیات تمیم اور اس کے ساتھی عدی کے بارے میں نازل ہوئیں یہ دونوں نصرانی تھے اور ان کے کاروبار کی جگہ مکہ تھی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ابن ابی مریم مولیٰ عمرو بن العاص مدینہ طیبہ آیا وہ شام میں تجارت کا ارادہ رکھتا تھا اس کے ساتھ تمیم اور اس کا ساتھی عدی نکلا۔ الحدیث۔ نقاش نے ذکر کیا ہے فرمایا: یہ بدیل بن ابی مریم مولیٰ العاص بن وائل سہمی کے بارے میں

نازل ہوئی وہ سمندر میں، نجاشی کی زمین کی طرف سفر کرتے ہوئے نکلا۔ اس کے ساتھ دو نصرانی تھے ایک کو تمیم کہا جاتا تھا وہ لخم سے تھا اور عدی بن بداء۔ بدیل فوت ہوا تو وہ کشتی میں تھے اسے دریا میں پھینکا گیا تھا اس نے وصیت لکھی تھی اور اسے سامان میں رکھ دیا تھا اس نے کہا: میرا یہ سامان میرے گھر پہنچا دینا، جب بدیل فوت ہو گیا تو ان دونوں نے سامان پر قبضہ کر لیا اور اس مال میں سے جو انہیں پسند آیا وہ خود لے لیا اور جو مال انہوں نے لیا تھا اس میں چاندی کا ایک برتن بھی تھا اس میں تین سو مثقال تھا اور وہ سونے کے ساتھ منقش تھا مکمل حدیث ذکر کی۔ اس کو سنید نے ذکر کیا فرمایا: جب شام میں آئے تو بدیل مریض ہو گیا وہ مسلمان تھا۔ الحدیث۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ، شهد کا لفظ کتاب اللہ میں کئی معانی کے لیے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (بقرہ: 282) بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے احصروا (شمار کرو)۔ شهد بمعنی قضی یعنی اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا: یہ ابو عبیدہ کا قول ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (آل عمران: 18) اور شهد بمعنی اقر بھی آیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: والملائکة یشهدون فرشتے اقرار کرتے ہیں اسی طرح شهد بمعنی حکم بھی آیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا (یوسف: 26) اسی سے شهد بمعنی حلف (قسم اٹھانا) ہے جیسا کہ لعان میں ہے۔ شهد بمعنی وصی بھی آیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ۔ بعض علماء نے فرمایا: یہاں اس کا معنی وصیت کے لیے حاضر ہونا ہے کہا جاتا ہے: شهدت وصية فلان یعنی میں فلاں کی وصیت کے وقت حاضر تھا۔ طبری کا خیال ہے کہ شهادة بمعنی قسم ہے پس معنی ہوگا جو تمہارے درمیان جھگڑا ہے اس کی دو آدمی قسم اٹھائیں اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ یہ اس شہادت کے علاوہ ہے جو مشهود له (جس کے لیے گواہی دی گئی ہو) کے لیے دی جاتی ہے کہ وہ اللہ کے لیے حکم معلوم نہیں ہے جس میں گواہ پر قسم واجب ہے۔ اس قول کو قفال نے اختیار کیا ہے اور یمین (قسم) کو شہادت کہا گیا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ حکم ثابت ہوتا ہے جس طرح شہادت کے ساتھ حکم ثابت ہوتا ہے، ابن عطیہ نے یہ اختیار کیا ہے کہ یہاں شہادت اسی شہادت کے معنی میں جس کی حفاظت کی جاتی ہے اور ادا کی جاتی ہے (1)، اور انہوں نے حضور اور یمین کے معنی میں ہونے کو ضعیف قرار دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَيْنِكُمْ۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ما بينكم ہے۔ ما کو حذف کیا گیا ہے اور شہادت کو ظرف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اسم حقیقت میں استعمال ہوا ہے نحویوں کے نزدیک اس کو وسعت کی بنا پر مفعول کہا جاتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

ویوما شهدناه سُلَیما و عامرا

شاعر کی مراد شهد نافیه ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ (سبا: 33) یعنی مكر كم فيهما۔ شاعر نے کہا:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 252

نُصافح من لاقيتَ لی ذا عداوة صِفَا حا و عَنّی بین عَیْنَیْکَ مُنْزَوِی

مراد ما بین عینیک ہے پس ما کو حذف کیا گیا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ (الکہف:78) یعنی مابینی وبینک۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذَا حَضَرَ اس کا معنی ہے جب موت قریب ہو ورنہ جب موت آجاتی ہے تو میت گواہی نہیں دیتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (النحل:98) اسی طرح ارشاد ہے: اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ (طلاق:1) اس کی مثل بہت سی آیات ہیں۔ اذا میں عامل مصدر ہے جو شہادۃ ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ حین ظرف زمان ہے اور اس میں عامل حضر ہے اور اثنان اپنے اطلاق کے ساتھ دو شخصوں کا تقاضا کرتا ہے اور رجلین کا احتمال رکھتا ہے مگر اس کے بعد کہا: ذَوَا عَدْلٍ تو واضح کر دیا کہ مراد دو آدمی ہیں کیونکہ یہ لفظ مذکر کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ ذوا تا مونث کا تقاضا کرتا ہے۔ اثنان کو رفع مبتدا کی خبر کی حیثیت سے ہے اور وہ شہادۃ ہے ابوعلی نے کہا: شہادۃ کو رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے اور خبر اثنان ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے شہادۃ بینکم فی وصایاکم شہادۃ اثنین مضاف کو حذف کیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب:6) یعنی مثل امھاتھم اور اثنان کو رفع شہادۃ کی وجہ سے دینا بھی جائز ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی:۔ وفیما انزل علیکم او لیکن منکم ان یشھد اثنان لیقم الشھادۃ اثنان۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ، ذَوَا عَدْلٍ صفت ہے اثْنٰنِ کی او منکم دوسری صفت ہے(1)۔ اور اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اس کا مطلب ہے یا تمہارے علاوہ دوسروں کی گواہی۔ مِنْ غَيْرِكُمْ، اٰخَرٰنِ کی صفت ہے۔ اس آیت میں یہ فصل مشکل ہے۔ اس میں تحقیق یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس میں علماء کے تین اقوال ہیں:

(ا) منکم میں ضمیر مسلمانوں کے لیے ہے اور اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ کفار کے لیے ہے اس بنا پر اہل کتاب کی گواہی مسلمانوں پر سفر میں جائز ہوگی جب وصیت ہو۔ یہ سیاق آیت کے زیادہ مناسب ہے۔

نیز احادیث سے بھی یہ ثابت ہے یہ ان تین صحابہ کا قول ہے جنہوں نے نزول قرآن کو دیکھا یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن قیس (☆) اور حضرت عبداللہ بن عباس۔ آیت کا معنی اول سے آخر تک اس قول کی بنا پر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ موصی (وصیت کرنے والا) پر شہادت میں اس کا حکم، جب آجائے موت، یہ ہے کہ دو عادل آدمیوں کی شہادت ہو اگر وہ سفر میں ہو۔ الضرب فی الارض کا یہی معنی ہے اور اس کے ساتھ مومنین میں سے کوئی نہ ہو تو دو گواہ بنا لے ان کفار میں سے جو موجود ہیں جب وہ آئیں اور عصر کی نماز کے بعد حلفا اس کی وصیت پر گواہی دیں کہ انہوں نے جھوٹ نہیں بولا اور نہ انہوں نے وصیت کو بدلا ہے اور جو انہوں نے گواہی دی ہے صحیح ہے انہوں نے اس میں گواہی کو چھپایا نہیں ہے اور ان کی شہادت کے مطابق

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 252

☆ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، باب الشہادۃ اہل الذمۃ وفی الوصیۃ فی السفر، حدیث نمبر 3128، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فیصلہ کردیا گیا پھر اس کے بعد پتہ چلا کہ انہوں نے جھوٹ بولا یا خیانت کی اور اس جیسی چیز کی جو گناہ ہے سفر میں موصی کے اولیاء میں سے دو آدمی قسم اٹھائیں اس کی جوان پہلے گواہوں پر ثابت ہو وہ ادا کریں۔ یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، یحییٰ بن یعمر، سعید بن جبیر، ابو مجلز، ابراہیم، شریح، عبیدہ سلمانی، ابن سیرین، مجاہد، قتادہ، سدی، حضرت ابن عباس وغیرہم کے مذہب پر آیت کا معنی ہے فقہاء میں سفیان ثوری نے یہ کہا ہے۔ ابو عبید القاسم بن سلام کا میلان بھی اسی طرف ہے، کیونکہ بہت سے لوگوں نے یہ کہا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اس کو اختیار کیا ہے۔ فرمایا: اہل ذمہ کی مسلمانوں پر سفر میں گواہی جائز ہے جب کہ مسلمان نہ ہوں (1)۔ یہ تمام علماء کہتے ہیں کہ منکم سے مراد مومنین ہیں اور من غیرکم سے مراد کفار ہیں۔ بعض نے فرمایا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب صرف مدینہ میں مومن تھے اور مومنین اہل کتاب کی معیت میں بت پرستوں کی صحبت میں اور مختلف کفار کے ساتھ تجارتی سفر کرتے تھے یہ حضرت ابو موسیٰ اور شریح وغیرہما کے مذہب پر محکم آیت ہے (2)۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ منسوخ ہے یہ زید بن اسلم، نخعی، امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ وغیرہم فقہاء کا قول ہے مگر امام ابو حنیفہ ان کی مخالفت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: کفار کی ایک دوسرے پر گواہی جائز ہے اور مسلمان پر کفار کی گواہی جائز نہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ (بقرہ:282) اور وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق:2) سے حجت پکڑی ہے۔ ان علماء کا خیال ہے کہ آیت دین آخر میں نازل ہوئی اور اس میں ہے مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اس کی ناسخ ہے اور اس وقت اسلام صرف مدینہ میں تھا پس اہل کتاب کی شہادت جائز تھی آج زمین پر مسلمان پھیل چکے ہیں اور کفار کی شہادت ساقط ہو چکی ہے اور مسلمانوں کا اجماع ہے کہ فساق کی شہادت جائز نہیں اور کفار فساق ہیں پس ان کی شہادت جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: جو تم نے ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے لیکن ہم بھی اس کے مطابق کہتے ہیں اور یہ اہل ذمہ کی شہادت مسلمانوں کے او پر وصیت میں سفر کی حالت میں خاص ضرورت کے لیے جائز ہے جہاں مسلمان موجود نہ ہوں لیکن مسلمان موجود ہوں تو پھر جائز نہیں اور جو تم نے نسخ کا دعویٰ کیا ہے جو قرآن کے نزول کے وقت موجود تھے ان میں سے کسی سے یہ مروی نہیں ہے۔ پہلا قول صحابہ میں سے تین کا ہے اور یہ اس کے علاوہ میں نہیں ہے اور صحابہ کی مخالفت کرنا اور دوسرے کی طرف جانا اس کو اہل علم اچھا نہیں سمجھتے اور اس کو یہ بات بھی تقویت دیتی ہے کہ سورۂ مائدہ نزول کے اعتبار سے قرآن کی آخری سورتوں میں سے ہے حتیٰ کہ حضرت ابن عباس اور حسن وغیرہما نے کہا: اس میں منسوخ نہیں ہے۔ اور جو ان علماء نے نسخ کا دعویٰ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ نسخ کے لیے ناسخ کا اثبات اس اعتبار سے ہونا ضروری ہے کہ ان کا جمع کرنا ممکن نہ ہو نیز ناسخ موخر بھی ہو اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے ناسخ ہونا اس کا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک واقعہ میں ہے جو وصیت کے واقعہ کے علاوہ ہے اس میں حاجت اور ضرورت کا عنصر ہے اور ضروریات کے وقت حکم کا اختلاف ممتنع نہیں نیز کبھی کافر مسلمان کے نزدیک ثقہ (معتمد) ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت اسے پسند کرتا ہے، پس انہوں نے کہا: اس میں ناسخ نہیں ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 723

2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 251

(۳) آیت میں نسخ نہیں ہے یہ زہری، حسن اور عکرمہ کا قول ہے اور منکم کا معنی ہے تمہارے قرابتداروں سے اور رشتہ داروں سے کیونکہ وہ زیادہ حفظ اور ضبط والے ہوتے ہیں اور نسیان سے دور ہوتے ہیں اور اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ کا معنی ہے جو قریبی اور خاندان کے نہیں ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ عربی میں گہری نظر رکھنے پر مبنی ہے آخر کا معنی عربی میں پہلے کی جنس سے ہوتا ہے تو کہتا ہے: مررت بکریم و کریم آخر پس آخر کا قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ پہلے کی جنس سے ہے۔ اہل عرب کے نزدیک مررت بکریم و خسیس آخر اور مررت برجل وحمار اخر کہنا جائز نہیں اس بنیاد پر معنی اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ کا معنی ہوگا دو عادل آدمی اور کفار عادل نہیں ہوتے اس بنا پر اس کا قول صحیح ہوگا جس نے من غیر کم کا معنی، مسلمان میں سے تمہارے خاندان کے علاوہ، کیا ہے یہ لغت کی جہت سے عمدہ معنی ہے اس سے امام مالک اور ان کے ہمنوا علماء کے لیے حجت پکڑی گئی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک من غیر کم کا معنی ہے جو تمہارے قبیلے سے نہ ہوں، اس بنا پر کہ اس قول کا آیت کے آغاز میں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مقابلہ کیا گیا ہے پس مومنین کی جماعت کو خطاب کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے ذمی کفار کی آپس میں شہادت کے جواز پر استدلال کیا ہے فرمایا: اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ کا معنی ہے جو تمہارے دین والوں کے علاوہ ہیں پس یہ ان کی ایک دوسرے پر شہادت کی جواز کی دلیل ہے، انہیں کہا جائے گا: تم اس آیت کے مقتضی کے مطابق نہیں کہتے: کیونکہ یہ آیت اہل ذمہ کی مسلمانوں پر شہادت کی قبولیت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور تم یہ نہیں کہتے ہو پس تمہارا اس کے ساتھ حجت پکڑنا درست نہیں۔ اگر کہا جائے کہ یہ آیت طریق النطق کے اعتبار سے اہل ذمہ کی مسلمانوں پر شہادت کی قبولیت کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور طریق تنبیہ کے اعتبار سے اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کی قبولیت پر دلالت کرتی ہے، یہ اس طرح ہے کہ جب ان کی گواہی مسلمانوں پر قبول ہے تو ان کی آپس میں گواہی کی قبولیت بدرجہ اولی ہوگی پھر مسلمانوں پر ان کی شہادت کے قبول نہ ہونے پر دلیل دلالت کرتی ہے پس ان کی آپس میں گواہی پر قبولیت ثابت و باقی ہوگی، یہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ اہل ذمہ کی اہل ذمہ پر گواہی کی قبولیت، مسلمانوں پر ان کی گواہی کی قبولیت کی فرع ہے جب مسلمانوں پر ان کی شہادت باطل ہوئی جو اصل ہے تو اہل ذمہ پر بھی ان کی شہادت باطل ہوگی جو فرع ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ یعنی تم سفر پر ہو۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ یعنی اگر تم زمین میں سفر پر ہو اور تمہیں موت کی مصیبت پہنچے تو تم اپنے گمان میں دو عادل آدمیوں کو وصیت کرو اور تم اپنا مال ان کے حوالے کر دو پھر تم مر جاؤ اور وہ تمہارے ورثاء کی طرف ترکہ لے جائیں پھر انہیں دونوں کے معاملہ میں شک ہو اور وہ ان پر خیانت کا دعویٰ کریں تو حکم یہ ہے کہ تم انہیں نماز کے بعد روک لو، یعنی ان دونوں سے توثیق کر لو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے موت کو مصیبت کا نام دیا ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: موت اگرچہ مصیبت عظمیٰ اور مصیبت کبریٰ ہے لیکن اس سے بڑی مصیبت موت سے غفلت ہے اور اس کے ذکر سے اعراض ہے اور اس میں فکر کا ترک ہے اور

اس کے لیے عمل کا ترک ہے اگرچہ عبرت کی نگاہ رکھنے والے کے لیے اس میں عبرت ہے اور فکر کرنے والے کے لیے مقام فکر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر جانور موت کو جانتے جتنا کہ تم جانتے ہو تو تم ان میں سے کوئی موٹا جانور نہ کھاتے''۔ روایت ہے کہ ایک اعرابی ایک اونٹ پر سفر کر رہا تھا تو اس کا اونٹ گرا اور مر گیا، وہ اعرابی اونٹ سے اترا اور اونٹ کے ارد گرد چکر لگانے لگا اور اس میں متفکر ہوا اور کہنے لگا: تجھے کیا ہوا ہے کہ تو کھڑا نہیں ہوتا ہے؟ تجھے کیا ہوا ہے کہ تو اٹھتا نہیں ہے؟ یہ تیرے اعضاء تو مکمل ہیں اور اعضاء سلامت ہیں، تجھے کیا ہوا ہے؟ کون تجھے اٹھائے ہوئے تھا اور کون تجھے کھڑا کیے ہوئے تھا اور کس نے تجھے گرا دیا اور کس نے تجھے حرکت سے روک دیا؟ پھر اس کے متعلق سوچتے ہوئے اور اس کے معاملہ میں تعجب کرتے ہوئے اسے چھوڑ گیا۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَحْبِسُوْنَهُمَا۔ ابو علی نے کہا: یہ اٰخَرٰنِ کی صفت ہے۔ موصوف اور صفت کے درمیان اِنْ اَنْتُمْ معترضہ ہے۔ یہ آیت اس شخص کو قید کرنے کی دلیل ہے جس پر حق ہو۔ حقوق کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کا جلدی طلب کرنا ممکن ہوتا ہے اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو صرف تاخیر سے پورے کرنا ممکن ہوتے ہیں اگر اسے چھوڑ دیا جائے جس پر حق ہے اور وہ غائب ہو جائے اور چھپ جائے تو حق باطل ہو جائے گا اور مال ضائع ہو جائے گا پس اس سے توثیق لینا ضروری ہے یا تو حق کے بدلے کوئی مال لیا جائے جسے رہن کہا جاتا ہے یا مطالبہ اور ذمہ میں قائم مقام کوئی شخص لیا جاتا ہے اور وہ کفیل ہے یہ پہلے سے کم مرتبہ ہے، کیونکہ جائز ہوتا ہے کہ وہ بھی غائب ہو جائے اور اسکا وجود معتذر ہو جس طرح پہلے شخص کا وجود معتذر تھا لیکن یہ اکثر کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اگر یہ تمام مشکل ہوں اور کوئی صورت باقی نہ رہے گی تو اسے قید کرنے کے ساتھ توثق ہے حتیٰ کہ اس سے حق کی ادائیگی کر لی جائے یا اس کا تنگ دست ہونا واضح ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اگر حق بدنی ہو تو بدل قبول نہیں کیا جائے گا جسے حدود اور قصاص میں اس کا جلدی پورا کرنا ممکن نہیں ہوتا اس میں قید کرنے کے ساتھ ہی وثوق ممکن ہوتا ہے اس حکمت کے پیش نظر ہی قید خانہ کا نظام شروع کیا گیا ہے۔ ابو داؤد، ترمذی وغیرہما نے بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تہمت کے سبب قید کیا تھا۔ ابو داؤد نے عمرو بن شرید عن ابیہ کے سلسلہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''مال دار کا حق کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور اس کی سزا کو حلال کر دیتا ہے'' (1)۔ ابن المبارک نے کہا: اس کی عزت کو حلال کرتا ہے اس پر سختی کی جاتی ہے۔ اور عقوبت سے مراد یہ ہے کہ اسے قید کیا جاتا ہے۔ خطابی نے کہا: حبس (قید کرنا) کی دو قسمیں ہیں: حبس عقوبت اور حبس استظہار پس عقوبت صرف واجب میں ہوتی ہے اور جو تہمت میں ہوتی ہے وہ اس لیے ہوتی ہے جو کچھ پیچھے ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو تہمت میں دن کا کچھ وقت قید کیا پھر اسے چھوڑ دیا۔

معمر نے ایوب سے انہوں نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے فرمایا شریح کسی کے حق کے لیے کسی کے خلاف فیصلہ کرتے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، جلد 1، صفحہ 323

ایضاً، سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، حدیث نمبر 3144، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تھے تو اس مجلس سے اٹھنے تک مسجد میں اسے قید کر دیتے تھے، اگر وہ حق ادا کر دیتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا ورنہ اسے قید خانہ میں لے جانے کا حکم دیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنۡۢ بَعۡدِ الصَّلٰوةِ اس سے مراد نماز عصر ہے۔ یہ اکثر علماء کا قول ہے، کیونکہ اہل ادیان اس وقت کی تعظیم کرتے ہیں اور اس وقت میں جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم اٹھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ حسن نے کہا: اس سے مراد صلاۃ ظہر ہے۔ بعض نے فرمایا: کوئی بھی نماز ہو۔ بعض نے فرمایا: ان کی نماز کے بعد، کیونکہ وہ دونوں کافر تھے۔ یہ حزی کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: نماز کی شرط لگانے کا فائدہ وقت کی تعظیم کرنا ہے اور اسے ڈرانا ہے، کیونکہ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ صحیح میں ہے جس نے عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھائی وہ اللہ سے ملاقات کرے گا جب کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔

مسئلہ نمبر 12۔ یہ آیت قسموں میں سختی کرنے میں اصل ہے اور سختی چار چیزوں کے ساتھ ہوتی ہے: (۱) زمانہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے (۲) مکان جیسے مسجد اور منبر۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ کے منبر کے پاس کسی سے قسم طلب کرنا واجب نہیں اور نہ رکن اور مقام کے درمیان، نہ تھوڑی اشیاء میں نہ زیادہ اشیاء میں اسی قول کی طرف بخاری کا رجحان ہے، کیونکہ باب باندھا ہے "مدعیٰ علیہ قسم اٹھائے جہاں اس پر قسم واجب ہوا سے کسی دوسری جگہ کی طرف پھیرا نہیں جائے گا"۔ امام مالک اور امام شافعی نے کہا: قسامت کی قسموں میں مکہ کی طرف لے جایا جائے گا جو اس کے متعلقہ لوگوں سے ہوگا اور رکن اور مقام کے درمیان قسم لی جائے گی اور جو مدینہ طیبہ سے متعلقہ لوگوں سے ہوگا اسے مدینہ طیبہ لے جایا جائے گا اور منبر کے پاس قسم لی جائے گی۔ (۳) حالت: مطرف، ابن الماجشون اور بعض اصحاب شافعی نے روایت کیا ہے وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے قسم اٹھائے گا، کیونکہ یہ روکنے میں زیادہ بلیغ ہے۔ ابن کنانہ نے کہا: وہ بیٹھ کر قسم اٹھائے گا۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک وہ اسی حالت میں قسم اٹھائے جس حالت میں اس پر حکم لگایا گیا ہے اگر وہ کھڑا ہو تو کھڑا ہو کر اٹھائے بیٹھا ہو تو بیٹھ کر اٹھائے، کیونکہ کھڑے ہونے یا بیٹھنے کے متعلق کوئی اثر اور نظر ثابت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض علماء نے علقمہ بن وائل عن ابیہ کی حدیث میں فانطلق لیحلف سے کھڑے ہو کر قسم اٹھانے کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے (۴) لفظ کے ساتھ تغلیظ۔ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اللہ کی قسم سے زائد کچھ نہ کہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ اور ارشاد ہے: قُلۡ اِىۡ وَرَبِّىۡۤ (یونس: 53) اور فرمایا: وَتَاللّٰهِ لَاَكِيۡدَنَّ اَصۡنَامَكُمۡ (الانبیاء: 57) اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: من کان حالفاً فلیحلف باللہ او لیصمت (1) جو قسم اٹھائے وہ اللہ کی قسم اٹھائے یا خاموش رہے اور آدمی کا قول: واللہ لا أزید علیھنّ (اللہ کی قسم میں ان پر زیادتی نہیں کروں گا) اور امام مالک نے کہا: وہ اس طرح قسم اٹھائے باللہ الذی لا الہ الا ھو میرے پاس فلاں کا حق نہیں ہے اور جو اس نے مجھ پر دعویٰ کیا ہے وہ باطل ہے اور امام مالک کی حجت ابو داؤد کی روایت ہے جو اس سند سے مروی ہے حدثنا مسدد قال حدثنا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات، جلد 1، صفحہ 368

ابوالاحوص قال حدثنا عطا بن السائب عن ابی یحییٰ عن ابن عباس، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یعنی قسم اٹھانے والے شخص کو فرمایا ''تو اس طرح قسم اٹھا باللہ الذی لا الہ الا ھو تیرے پاس اس کے لیے کوئی چیز نہیں ہے(1)'' یعنی مدعی کے لیے۔

ابوداؤد نے کہا: ابویحییٰ کا نام زیاد ہے جو کوفی ہے ثقہ اور ثبت ہے۔ کوفیوں نے کہا: صرف باللہ کے ساتھ قسم اٹھائے۔ اگر قاضی اسے متہم کرے تو اس پر قسم کو مغلظ کردے وہ اس طرح قسم اٹھائے۔ باللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ الرحمن الرحیم الذی یعلم من السر مایعلم من العلانیۃ الذی یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور۔ اصحاب شافعی نے قرآن کے ساتھ قسم کو مغلظ کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: قرآن کے ساتھ تغلیظ بدعت ہے صحابہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے(2)۔ امام شافعی نے فرمایا: انہوں نے صنعاء کے قاضی ابن مازن کو دیکھا وہ قرآن کے ساتھ قسم اٹھواتا تھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کا حکم دیتا تھا اور یہ انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے جب کہ وہ صحیح نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: المھذب کتاب میں ہے اکثر قرآن اور جو کچھ اس میں ہے اس کی قسم اٹھائے تو امام شافعی نے مطرف سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن زبیر قرآن پر قسم لیتے تھے فرمایا: میں نے مطرف کو صنعاء میں دیکھا وہ قرآن پر قسم لیتے تھے۔ امام شافعی نے فرمایا: یہ عمدہ ہے۔ ابن المنذر نے کہا: علماء کا اجماع ہے کہ حاکم کے لیے طلاق، عتاق اور مصحف کی قسم لینا مناسب نہیں۔ میں کہتا ہوں: ایمان میں گزر چکا ہے۔ حضرت قتادہ قرآن کی قسم لیتے تھے۔ احمد اور اسحاق نے کہا یہ مکروہ نہیں ہے ان دونوں سے یہ ابن المنذر نے حکایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ امام مالک اور امام شافعی کا اختلاف ہے کہ کتنے حق کے ضیاع پر قسم لی جائے گی؟ امام مالک نے فرمایا: کم از کم تین دراہم ہوں، انہوں نے قطع ید پر قیاس کیا ہے۔ ہر وہ مال جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور جس کے لیے عضو کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے وہ عظیم ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: قسم اس مال کے لیے اٹھائی جائے جو کم از کم بیس دینار ہو انہوں نے زکوٰۃ پر قیاس کیا ہے۔ اسی طرح ہر مسجد کے منبر کے پاس قسم اٹھوانے کا یہی حکم ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ، فَيُقْسِمٰنِ میں فا عاطفہ ہے جملہ کا جملہ پر عطف ہے یا جزا کا جواب ہے، کیونکہ تَحْبِسُوْنَهُمَا کا معنی ہے احبسوھما یعنی انہیں قسم کے لیے روک لو پس یہ جواب امر ہے جس پر کلام دلیل ہے گویا فرمایا: اذا حبستموھما اقسما جب تم انہیں روکو تو وہ قسمیں اٹھائیں۔ ذوالرمہ نے کہا:

وانسانُ عینی یَحْسِرُ الماءَ مرۃً فَیَبْدوا و تاراتٍ یَجِمُّ فیَغْرَقُ

اس کی تقدیر ہے اذا حسر بدا۔

مسئلہ نمبر 15۔ علماء کا اختلاف ہے کہ فَيُقْسِمٰنِ سے کیا مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد وصی ہیں جب ان کے قول پر شک کیا گیا ہو۔ بعض نے فرمایا: گواہ ہیں جب وہ عادل نہ ہوں اور حاکم ان کے قول پر شک کرے تو ان سے قسمیں اٹھوائے۔ ابن عربی نے اس قول کو باطل قرار دیتے ہوئے کہا جو میں نے سنا ہے ... یہ بدعت ہے ابن ابی لیلیٰ سے مروی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 726 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 725

ہے کہ وہ دو گواہوں کے ساتھ طالب سے بھی قسم لے کہ جس کے متعلق ان دونوں نے گواہی دی وہ حق ہے اور اس کے لیے حق کا فیصلہ کیا جائے گا۔ میرے نزدیک اس کی تاویل یہ ہے کہ جب حاکم کو قبضہ پر شک ہو تو وہ قسم اٹھائے کہ ابھی حق باقی ہے وگرنہ کسی دوسری صورت میں اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا یہ مدعی کے بارے میں ہے، پس گواہ کو کیسے روکا جائے گا یا اس سے حلف لیا جائے گا؟ یہ ایسی چیز ہے جو قابل التفات نہیں (1)۔

میں کہتا ہوں: طبری کے قول سے گزر چکا ہے کہ اللہ کا حکم معلوم نہ ہو تو اس صورت میں گواہ پر قسم واجب ہو گی۔ بعض نے کہا: گواہ قسم اٹھائیں کیونکہ وہ مدعی علیہا ہیں اس حیثیت سے کہ ورثاء نے دعویٰ کیا ہے کہ ان دونوں نے مال میں خیانت کی ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنِ ارْتَبْتُمْ شرط ہے گواہوں کے قسم اٹھانے کی طرف توجہ نہ کی جائے گی مگر شک کی صورت میں اور جب شک واقع نہ ہو اور اختلاف واقع نہ ہو تو قسم نہیں ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت ابوموسیٰ کے حکم سے ذمیوں سے قسم اٹھوانے کے بارے میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی شہادت قسم کے ساتھ مکمل ہوتی ہے اور وصیت اہل کے لیے نافذ ہوتی ہے۔ ابوداؤد نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص پر دقوقاء شہر میں موت کا وقت قریب آیا۔ اور اس نے کوئی مسلمان نہیں پایا جس کو وہ اپنی وصیت پر گواہ بنائے پس اس نے اہل کتاب سے دو آدمیوں کو گواہ بنایا پس وہ دونوں کوفہ آئے اور اشعری کے پاس آئے، پس انہوں نے انہیں یہ واقعہ بتایا اور وہ اس کا ترکہ اور اس کی وصیت لے آئے۔ اشعری نے کہا: یہ ایسا امر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا اس کے بعد پھر نہیں ہوا۔ پھر اشعری نے عصر کے بعد ان الفاظ میں قسم اٹھوائی باللہ ماخانا ولا کذبا ولا بدلا ولا کتما ولا غیرا وانہا لوصیتہ الرجل وترکتہ اللہ کی قسم نہ انہوں نے خیانت کی نہ جھوٹ بولا، نہ کچھ بدلا، نہ چھپایا، نہ تبدیلی کی اور یہ اس شخص کی وصیت اور اس کا ترکہ ہے۔ اشعری نے ان کی شہادت کو قائم رکھا۔ (2)

ابن عطیہ نے کہا: یہ شک اس کے نزدیک ہے جو آیت کو منسوخ نہیں دیکھتا خیانت میں یہ حکم مرتب ہوتا ہے اور تہمت کی صورت میں بعض لوگوں کی طرف یہ میلان کر رہے جن کے لیے وصیت کی گئی ہے اس کے نزدیک ایسی صورت میں قسم واقع ہوتی ہے اور جن کے نزدیک آیت منسوخ ہے ان کے نزدیک قسم نہیں اٹھوائی جاتی مگر خیانت یا کسی اعتبار سے تعدی اور زیادتی کا شک ہو، پس ان کے نزدیک قسم اٹھوانا منکر پر دعویٰ کے مطابق ہے نہ کہ شہادت کے لیے تکمیل ہے۔ ابن عربی نے کہا: شک اور تہمت کی قسم کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ دعویٰ کرنے اور حق کے ثبوت کے بعد اس میں شک واقع ہوتا ہے، اس صورت میں قسم کے وجوب میں کوئی اختلاف نہیں (۲) حقوق اور حدود میں مطلق تہمت۔ اس کی تفصیل ہے جس کا بیان کتب فروع میں ہے یہاں دعویٰ متحقق ہو گیا اور قوی ہو گیا جیسا کہ روایات میں ذکر کیا گیا ہے (3)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 725

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، باب الشہادۃ اہل الذمۃ وفی الوصیۃ فی السفر، حدیث نمبر 3128، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 727

مسئلہ نمبر 17۔ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ شرط ہے اس کا تعلق تَحۡبِسُوۡنَهُمَا کے ساتھ ہے نہ کہ فَیُقۡسِمٰنِ کے ساتھ ہے، کیونکہ یہ حبس، قسم کا سبب ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا نَشۡتَرِیۡ بِهٖ ثَمَنًا وَّ لَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰی یعنی وہ دونوں اپنی قسم میں کہیں کہ ہم اپنی قسم کے ساتھ کوئی عوض خریدنا نہیں چاہتے جس کو ہم اس کے بدلے لیں جو اس نے ہمیں وصیت کی تھی اور ہم کسی کو وہ مال دینا نہیں چاہتے اگرچہ وہ جس کے لیے ہم تقسیم کر رہے ہیں وہ ہمارا قریبی رشتہ دار بھی ہو قول کا اضمار کثیر ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ (الرعد: 23) یعنی وہ کہیں گے: سلام علیکم یہاں الاشتراء بمعنی بیع نہیں بلکہ تحصیل (حاصل کرنا) کے معنی میں ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ لَا نَشۡتَرِیۡ میں لام، فَیُقۡسِمٰنِ کا جواب ہے، کیونکہ اقسم بھی اس کے ساتھ متصل ہوتا ہے جس کے ساتھ قسم متصل ہوتی ہے اور وہ لا، ما جو نفی کا معنی دیتے ہیں اور ان اور لام ایجاب کا معنی دیتے ہیں۔ بہ میں ضمیر اسم جلالت اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے یہ قریب ترین ذکر ہے معنی یہ ہے کہ ہم اس عوض کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملنے والے حصہ کو نہیں بیچتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ شہادت کی طرف راجع ہو اور قول کے معنی پر وہ ذکر کی گئی ہو جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا وبین اللہ حجاب (1) مظلوم کی بددعا سے بچو، کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب نہیں ہے۔ ضمیر کا مرجع دعوۃ ہے جس کا معنی دعا ہے یہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثَمَنًا کوفیوں نے کہا: اس کا معنی ہے ذا ثمن ایسا مال جو قیمت والا ہے پس مضاف کو حذف کیا گیا ہے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے اور ہمارے نزدیک اور بہت سے علماء کے نزدیک ثمن کبھی مراد ہوتی ہے اور کبھی سامان مراد ہوتا ہے۔ ثمن ہمارے نزدیک خریدی گئی چیز ہے جس طرح ثمن والی چیز خریدی جاتی ہے، پس ثمن اور ثمن والی چیز دونوں مبیع ہوتی ہیں بیع سامان، نقدی پر یا دونوں عرض (سامان) پر یا دونوں نقدی پر گھومتی رہتی ہے اس اصل پر مسئلہ پیدا ہوتا ہے جب مشتری مفلس قرار دیا جائے اور بائع اپنا سامان پائے تو کیا وہ اس کا زیادہ مستحق ہوگا؟ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: وہ اس کا زیادہ مستحق نہیں ہے اور انہوں نے اس اصل پر بنیاد رکھی ہے۔ اور ان کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں: دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ امام مالک نے فرمایا: افلاس کی صورت میں وہ زیادہ حق دار ہے موت کی صورت میں نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: افلاس اور موت دونوں صورتوں میں اس کا مالک زیادہ مستحق ہے۔

امام ابو حنیفہ نے اس دلیل سے حجت پکڑی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے اور اس اصل کلی سے کہ مفلس اور میت کے ذمہ میں اور جوان کے ہاتھوں میں ہے وہ قرض کو پورا کرنے کا محل ہے پس تمام قرض خواہ اپنے اپنے مال کی مقدار کے مطابق اس میں برابر کے شریک ہوں گے اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ سامان بعینہ موجود ہو یا نہ ہو، کیونکہ وہ بائع کی ملکیت سے مال نکل گیا ہے اور اس کی قیمت واجب ہوگئی ہے۔ اس پر اجماع ہے، پس ان کے لیے اس مال کی قیمت ہوگی یا جو اس میں سے موجود ہو

1۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم والقصاص، جلد 1، صفحہ 331

گا۔ امام مالک اور امام شافعی نے اس قاعدہ کو ان اخبار کے ساتھ خاص کیا ہے جو اس باب میں مروی ہیں جنہیں ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔(1)

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ یعنی جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں شہادت میں سے علم عطا فرمایا ہے۔ اس میں سات قرأتیں ہیں، جو ان کو جاننے کا ارادہ کرے تو وہ ''التحصیل'' وغیرہ کتب میں پالے گا۔

مسئلہ نمبر 22۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا حضرت عمر نے فرمایا: اس سورت میں جو احکام ہیں ان میں سے مشکل ترین آیت ہے۔ زجاج نے کہا: اور قرآن میں ترکیب کے اعتبار سے مشکل ترین یہ ارشاد ہے: مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیٰنِ۔ عثر علی کذا۔ یعنی وہ اس پر مطلع ہوا، کہا جاتا ہے: عثرت منه علی خیانة یعنی میں مطلع ہوا۔ اعثرت غیری علیه، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَیْهِمْ (الکہف: 21) کیونکہ وہ انہیں طلب کرتے تھے ان پر ان کی جگہ مخفی ہوگئی تھی العثور کا اصل معنی کسی شے پر گرنا اور واقع ہونا ہے اسی سے عربوں کا قول ہے: عثر الرجل یعثر عثورا جب اس کی انگلی کسی چیز کے ساتھ لگے اور اس کے ساتھ ٹکرا جائے۔ عثرت اصبع فلان بکذا جب اس کی انگلی کسی چیز کو لگے اور اس پر واقع ہو۔ عثر الفرس عثارا۔ اعشی نے کہا:

بذاتِ لَوْثٍ عَفَرْنَاةٍ إذا عَثَرَتْ　　فالتَّعْسُ أدنَى لها مِنْ أنْ أقول لَعَا

العثیر اڑنے والا اغبار، کیونکہ وہ چہرے پر گرتا ہے۔ العثیر مخفی اثر، کیونکہ وہ پوشیدگی سے اس پر واقع ہوتا ہے۔ اَنَّهُمَا میں ضمیر ان وصیوں کی طرف لوٹ رہی ہے جو اثنان کے ارشاد میں ذکر کیے گئے ہیں یہ سعید بن جبیر سے مروی ہے بعض علماء نے فرمایا: ضمیر کا مرجع گواہ ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے اسْتَحَقَّاۤ یعنی أستوجبا مستحق ہوا، اِثْمًا۔ خیانت کر کے انہوں نے وہ لیا جو ان کے لیے نہیں تھا۔ جھوٹی قسم کے ساتھ باطل گواہی کے ساتھ۔ ابو علی نے کہا: اثم اس چیز کا نام ہوتا ہے جو بغیر حق کے ظلماً لی جاتی ہے، کیونکہ اس کے بدلے میں اس کا لینا اثم ہے اس کو اثم کہا جاتا ہے جیسا کہ اس چیز کو اثم کہا جاتا ہے جو بغیر حق کے ظلماً لی جاتی ہے۔ سیبویہ نے کہا: مظلمة وہ ہے جو تجھ سے لی جاتی ہے، اسی طرح جو چیز لی جاتی ہے اسے مصدر کا نام دیا جاتا ہے اور وہ الجام ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 23۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا یعنی قسموں میں یا گواہی میں دو ان کی جگہ کھڑے ہوں اور فرمایا: فَاٰخَرٰنِ اس کے مطابق کہ ورثا دو تھے اور فَاٰخَرٰنِ کو رفع مضمر فعل کے ساتھ دیا گیا ہے اور یَقُوْمٰنِ صفت ہے اور مَقَامَهُمَا مصدر ہے اس کی تقدیر یوں ہے مقاما مثل مقامهما پھر صفت کو موصوف کی جگہ رکھا گیا اور مضاف الیہ کی جگہ رکھا گیا۔

مسئلہ نمبر 24۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیٰنِ، ابن السری نے کہا: اس کا معنی ہے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب ابواب الاجارة، باب فی الرجل یفلس فلیجد الرجل الخ، حدیث نمبر 3056-3055، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 254، دار الکتب العلمیہ بیروت

جن کو وصیت کرنے کا حق دیا گیا تھا۔ نحاس نے کہا: یہ سب سے بہتر ہے، کیونکہ ایک حرف کو دوسرے حرف کا بدل نہیں بنایا جاتا۔ ابن عربی نے اس کو اختیار کیا ہے تفسیر بھی اسی کے مطابق ہے، کیونکہ اہل تفسیر کے نزدیک اس کا معنی ہے: من الذین استحقت علیھم الوصیة جن پر وصیت کرنے کا حق رکھا گیا تھا اور الْاَوْلَيٰنِ، فَاٰخَرٰنِ سے بدل ہے۔ یہ ابن السری کا قول ہے۔ نحاس نے اس کو اختیار کیا ہے یہ نکرہ سے معرفہ بدل بن رہا ہے اور نکرہ سے معرفہ کو بدل بنانا جائز ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: جب نکرہ پہلے ذکر کیا گیا ہو پھر اس کا ذکر دوبارہ کیا جائے تو وہ معرفہ بن جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (النور:35) پھر فرمایا: اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ (النور:35) پھر فرمایا: اَلزُّجَاجَةُ۔ بعض علماء نے فرمایا: الْاَوْلَيٰنِ اس ضمیر سے بدل ہے جو يَقُوْمٰنِ میں ہے گویا فرمایا: فیقوم الاولیان یا مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی فاخران یقومان مقامھما ھما الاولیان۔ ابن عیسیٰ نے کہا: الاولیان، مضاف کے حذف پر استحق کا مفعول ہے یعنی استحق فیھم وبسببھم اِثم الاولیین۔ پس فعلیھم بمعنی فیھم ہے جیسے علی ملك سلیمان۔ یعنی فی ملك سلیمان۔ شاعر نے کہا:

متی ماتُنكروها تَعرفوها علی أقطارها عَلَقٌ نَفِيثُ

اس شعر میں بھی علی بمعنی فی استعمال ہوا ہے یعنی فی اقطارھا۔

یحیی بن وثاب، اعمش اور حمزہ نے الْاَوَّلِيْنَ پڑھا ہے۔ اول کی جمع اس بنا پر کہ یہ الذین سے بدل ہے یا علیھم کی ضمیر سے بدل ہے حفص نے استحق تا اور حا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے اور اس کا فاعل الاولیان ہے اور مفعول محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے: من الذین استحق علیھم الاولیان بالمیت وصیته التی اوصی بھا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کی تقدیر یہ ہے استحق علیھم الاولیان رد الایمان یعنی ان پر قریبی دو شخ قسموں کو لوٹانے کے حقدار ہیں۔ حسن سے الْاَوَّلَانِ مروی ہے۔ ابن سیرین سے الْاَوَّلَيْنِ مروی ہے۔ نحاس نے کہا: دونوں قرأتیں غلط ہیں مثنی میں مثنان نہیں کہا جاتا مگر حسن سے الْاَوَّلَانِ مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 25۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ یعنی وہ دو قسمیں اٹھائیں جو گواہوں کے قائم مقام ہوں۔ یہ نہیں کہ جو ہمارے ساتھی نے وصیت میں کہا وہ حق ہے اور وہ مال جس کی اس نے تمہیں وصیت کی وہ اس سے زیادہ ہے جو تم نے ہمیں دیا ہے اور یہ برتن ہمارے اس ساتھی کے سامان سے ہے جس کو وہ لے کر گیا تھا اور اس نے اس کو اپنی وصیت میں لکھا ہے اور تم دونوں نے خیانت کی ہے، پھر یہ ارشاد فرمایا: لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا یعنی ہماری قسمیں تمہاری قسموں سے زیادہ ٹھیک ہے۔ پس صحیح ہے کہ شہادت کبھی یمین (قسم) کے معنی میں ہوتی ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ (النور:6)

معمر نے ایوب سے انہوں نے ابن سیرین سے انہوں نے عبیدہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میت کے اولیاء میں سے دو آدمی کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسمیں اٹھائیں۔ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ یہ مبتدا خبر ہیں اور وَمَا اعْتَدَيْنَآ یعنی ہم نے اپنی قسموں

میں حق سے تجاوز نہیں کیا اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ۝ یعنی پھر تو ہم نے باطل پر قسمیں اٹھائیں اور ہم نے وہ لیا جو ہمارا نہیں تھا۔

مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ اَدْنٰۤى یہ مبتدا خبر ہیں ان محل نصب میں ہے۔ یَّاْتُوْا، اَنْ کی وجہ سے منصوب ہے۔ اَوْ یَخَافُوْۤا اس پر معطوف ہے۔ اَنْ تُرَدَّ، یَخَافُوْۤا کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ بعض علماء نے فرمایا یَّاْتُوْا اور فخافوا کی ضمائر موصی الیھما (جن کو وصیت کی گئی) کی طرف راجع ہیں۔ یہ آیت کے سیاق کے زیادہ مناسب ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد ہیں یعنی یہ لائق ہے کہ لوگ خیانت سے بچیں اور وہ رسوائی کے خوف سے سچی سچی گواہی دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ مدعی پر قسم لوٹائی جائے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 27۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا یہ امر کے صیغے ہیں اسی وجہ سے نون حذف کی گئی ہے یعنی جو تمہیں کہا جاتا ہے اسے قبول کرتے ہوئے سنو اور اللہ کے امر کی اس میں اتباع کرتے ہوئے سنو۔ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۝ فَسَقَ یَفْسِقُ وَیَفْسُقُ بولا جاتا ہے جب کوئی اطاعت سے معصیت کی طرف نکل جائے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے واللہ اعلم

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۝

"جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمہیں؟ عرض کریں گے: کوئی علم نہیں ہمیں، بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے سب غیبوں کا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ۔ کہا جاتا ہے کہ اس آیت کا ماقبل سے کیسے تعلق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زجر کے اعتبار سے اتصال ہے جو انہوں نے وصیت وغیرہ میں حقیقت کے خلاف ظاہر کیا، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر جزا دینے والا عالم ہے۔ یَوْمَ ظرف زمان ہے اس میں عامل اسمعوا ہے یعنی اس دن کی خبر سنو۔ بعض علماء نے فرمایا: تقدیر اس طرح ہے: واتقوا یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ڈرو اس دن سے اللہ تعالیٰ جس میں رسولوں کو جمع فرمائے گا۔ یہ زجاج سے مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: تقدیر یہ ہے اذکروا او احذروا یوم القیامۃ حین یجمع اللہ الرسل معنی قریب ہے اور مراد ڈرانا اور دھمکی دینا ہے۔ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ تمہاری امتوں نے تمہیں کیا جواب دیا اور تمہاری قوم نے تمہیں کیا جواب دیا جب تم نے انہیں میری توحید کی طرف بلایا۔ قَالُوْا تو وہ کہیں گے لَا عِلْمَ لَنَا علماء مفسرین کا لَا عِلْمَ لَنَا کی مراد میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: جو ہماری امتوں نے جواب دیا اس کے باطن کا ہمیں علم نہیں ہے، کیونکہ وہ یہ ہے جس پر جزا واقع ہوتی ہے۔ یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں علم عطا فرمایا، پس اس کلام میں حذف ہے۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد سے اس کے خلاف مروی ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی ہے ہمیں

کوئی علم نہیں مگر وہ علم جس کو تو ہم سے زیادہ جانتا ہے (1)۔ بعض علماء فرماتے ہیں: وہ ڈرتے ہوں گے اور جواب دینے سے گھبراتے ہوں گے، پھر عقول جو جواب ان کی طرف لوٹائیں گی اس کے بعد وہ جواب دیں گے اور کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ یہ حسن، مجاہد اور سدی کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسولوں کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

میں کہتا ہوں: یہ قیامت کے اکثر مقام پر ہوگا، حدیث میں ہے ''جب جہنم کو لایا جائے گا وہ زور سے آواز نکالے گی کوئی نبی اور صدیق نہیں ہوگا مگر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ جائے گا'' (2)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جبریل نے مجھے قیامت کے دن کا خوف دلایا حتیٰ کہ اس نے مجھے رلا دیا۔ میں نے کہا: اے جبریل! کیا مجھے اگلے اور پچھلے گناہوں سے محفوظ نہیں کیا گیا؟ ''جبریل نے مجھے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تم اس دن کی ہولناکی کو دیکھو گے جو تمہیں مغفرت کا مژدہ بھلا دے گی۔

میں کہتا ہوں: اگر سوال جہنم کے چیخنے کے وقت کا ہوگا ..... جیسا کہ بعض نے کہا ہے ..... تو مجاہد اور حسن کا قول صحیح ہے واللہ اعلم۔ نحاس نے کہا: اس میں صحیح یہ ہے کہ معنی یہ ہے کہ تمہیں سراً اور اعلانیہ کیا جواب دیا گیا تاکہ یہ کفار کے لیے توبیخ ہو جائے۔ وہ کہیں گے: ہمیں کوئی علم نہیں، پس یہ تکذیب ہوگی اس کے لیے جس نے مسیح علیہ السلام کو الٰہ بنایا۔ ابن جریج نے کہا: مَاذَآ اُجِبْتُمْ کا معنی ہے انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا؟ تو وہ کہیں گے: ہمیں کوئی علم نہیں، تو تمام غیوب کو خوب جاننے والا ہے۔ ابوعبید نے کہا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مشابہ ہے، فرمایا: مجھ پر ایک قوم حوض پر پیش ہوگی، وہ پیچھے کھینچ لیے جائیں گے میں کہوں گا: میرے امتی ہیں، کہا جائے گا: تم نہیں جانتے جو انہوں نے تمہارے بعد بدعتیں نکالیں۔

ابوبکر، حمزہ اور کسائی نے الغیوب کی غین کو کسرہ دیا ہے اور باقی قراء نے ضمہ دیا ہے۔ ماوردی نے کہا: اگر کہا جائے اللہ تعالیٰ ان سے سوال کیوں کرے گا حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتا ہے؟ اس کے دو جواب ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا تاکہ انبیاء کرام جان لیں کہ ان کے بعد ان کی امتوں نے جو کفر، نفاق اور جھوٹ بولا (۲) اس نے ارادہ فرمایا کہ ایسے لوگوں کو گواہوں کے سامنے رسوا کرے تاکہ یہ بھی ان کے لیے عقوبت کی نوع بن جائے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۚ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ۚ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

''جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ: اے عیسیٰ بن مریم! یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور اپنی والدہ پر جب میں نے مدد فرمائی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 257، دار الکتب العلمیہ بیروت 2۔ حلیۃ الاولیاء ابونعیم، جلد 5، صفحہ 371

تمہاری روح القدس سے، باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے (جبکہ تو ابھی) پنگھوڑے میں تھا اور جب پکی عمر کو پہنچا اور جب سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل اور جب تو بناتا تھا کیچڑ سے پرندے کی سی صورت میرے اذن سے پھر پھونک مارتا تھا اس میں تو وہ (مٹی کا بے جان پتلہ) بن جاتا تھا پرندہ میرے اذن سے اور (جب) تو تندرست کر دیا کرتا تھا مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے اذن سے اور جب تو (زندہ کر کے) نکالا کرتا تھا مردوں کو میرے اذن سے اور جب میں نے روک دیا تھا بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو آیا تھا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو کہا جنہوں نے کفر کیا تھا ان سے کہ یہ سب (معجزات) نہیں ہیں مگر کھلا ہوا جادو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ یہ قیامت کے دن کی صفت ہے گویا فرمایا: اس دن کو یاد کرو جمع فرمائے گا اللہ تعالیٰ رسولوں کو اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح کہے گا۔ یہ مہدوی کا قول ہے۔ عیسیٰ کا رفع کے مقام پر ہونا بھی جائز ہے اس بنا پر کہ ابن مریم دوسرا منادی ہو اور محل نصب میں ہونا بھی جائز ہے، کیونکہ اس قسم کا منادی منصوب ہوتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

يَا حَكَمَ بنَ الْمُنْذِرِ بْنِ الْجَارُوْد

اور دوسرے اسم میں رفع جائز نہیں، جب وہ مضاف ہو۔ محمد بن احمد بن عبد الطوال نحوی کے نزدیک جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ نعمت یاد دلائے گا جو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور ان کی والدہ پر کی تھی وہ ان کو دو وجوہ سے یاد دلا رہا ہے (۱) تاکہ وہ امتوں پر پڑھیں ان کرامات کو جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص فرمایا اور جن کے ساتھ انہیں علو مرتبہ کے اعتبار سے ممتاز فرمایا (۲) تاکہ حجت پختہ ہو جائے اور ان کے منکر کا رد ہو جائے، پھر اس نے اپنی نعمتوں کو شمار کرنا شروع کیا فرمایا: اِذْ اَيَّدْتُّكَ یعنی میں نے تجھے قوت بخشی۔ یہ الاید سے مشتق ہے جس کا معنی قوت ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔ بِرُوْحِ الْقُدُسِ میں دو وجہیں ہیں (۱) پاکیزہ روح جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص فرمایا جیسا کہ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (النساء:171) کے قول کے تحت گزر چکا ہے (۲) اس سے مراد جبریل امین علیہ السلام ہیں۔ یہ اصح قول ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

تُكَلِّمُ النَّاسَ یعنی تو باتیں کرتا تھا لوگوں سے پنگھوڑے میں بچہ ہونے کے وقت اور کہولت (پکی عمر) میں نبی ہونے کی حیثیت سے۔ اس کا معنی اور مفہوم سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ كَفَفْتُ اس کا معنی ہے میں نے دور کیا، پھیر دیا۔ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ بنی اسرائیل کو جب انہوں نے تمہارے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ یعنی دلالات اور معجزات، یہ آیت میں مذکور ہیں۔ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی جو تجھ پر ایمان نہیں لائے اور جنہوں نے تیری نبوت کا انکار کیا انہوں نے کہا: اِنْ هٰذَاۤ یہ معجزات اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ کھلا جادو ہیں۔ حمزہ اور کسائی نے ساحر پڑھا ہے یعنی یہ شخص نہیں ہے مگر جادو پر پوری قوت رکھتا ہے۔

وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

''اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے اور (اے مولا) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ اس آیت کے معانی میں کلام گزر چکی ہے کلام عرب میں وحی کا معنی الہام ہے، وحی کے کئی معانی ہیں۔ وحی بمعنی جبریل کو رسولوں کی طرف بھیجنا اور وحی بمعنی الہام جیسا کہ اس آیت میں ہے یعنی میں نے انہیں الہام کیا اور ان کے دل میں ڈال دیا۔ اسی سے یہ ارشاد ہے: وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ (النحل: 68) تیرے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا۔ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰۤی (القصص: 7) ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں الہام کیا۔ وحی بمعنی نیند اور بیداری میں آگاہ کرنا بھی ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: اَوْحَیْتُ کا معنی ہے امرت میں نے حکم دیا۔ الی صلہ ہے کہا جاتا ہے: وحی، اوحی کا ایک معنی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا ﴿۵﴾ (الزلزلۃ) حجاج نے کہا: وحی لھا القرار فاستقرت یعنی اسے قرار کا حکم دیا تو وہ قرار پکڑ گئی۔ بعض نے فرمایا: یہاں اَوْحَیْتُ کا معنی ہے میں نے انہیں حکم دیا۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں نے انہیں بیان کیا۔ وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اصل پر ہے بعض عرب ایک نون کو حذف کر دیتے ہیں یعنی اے میرے رب گواہ رہ۔ بعض علماء نے فرمایا: اے عیسیٰ تم گواہ رہو ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

''جب کہا تھا حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ کر سکتا ہے تیرا رب کہ اتارے ہم پر ایک خوان آسمان سے ان کی (اس تجویز پر) عیسیٰ نے کہا: ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اس کا اعراب پہلے گزر چکا ہے۔ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ کسائی، حضرت علی، حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور مجاہد کی قرأت هل تستطیع یعنی تا کے ساتھ ہے(1) اور ربک نصب کے ساتھ ہے۔ کسائی نے هل کے لام کو تا میں ادغام کیا ہے باقی قراء نے یا کے ساتھ پڑھا ہے اور ربک کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے یہ قرأت پہلی قرأت سے زیادہ واضح ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ہے اگر تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو کیا تیرا رب تیری دعا قبول کرے گا؟ پس یَسْتَطِیْعُ بمعنی یطیع ہو گا جیسا کہ علماء نے کہا: استجاب بمعنی اجاب ہوتا ہے اسی طرح استطاع بمعنی اطاع ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا تیرا رب قدرت رکھتا ہے؟ یہ سوال ان کا اللہ تعالیٰ کی معرفت کے استحکام سے پہلے تھا اسی وجہ سے ان کی غلطی اور ان کی نامناسب تجویز پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا: اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 259

مُّؤْمِنِيْنَ۞ الله سے ڈرو اگر تم مومن ہو، یعنی الله کی قدرت میں شک نہ کرو۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے، کیونکہ حواری انبیاء کرام مخلص جانثار اور قریبی لوگ ہوتے ہیں جیسا کہ الله تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (آل عمران:52) کون ہیں میرے مددگار الله کی راہ میں؟ (یہ سن کر) کہا حواریوں نے کیا ہم مددکرنے والے ہیں الله (کے دین) کی۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر نبی کے حواری (مخلص ساتھی) ہوتے ہیں اور میرا حواری (مخلص ساتھی) زبیر ہے" (1)۔ یہ معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام الله تعالیٰ کی معرفت اور جو اس کے لیے واجب اور جائز تھا اور جو اس پر کہنا حلال تھا وہ لے کر آئے اور انہوں نے یہ اپنی امتوں تک پہنچایا تھا پھر یہ بات ان خاص لوگوں پر کیسے مخفی تھی حتیٰ کہ وہ الله کی قدرت سے بھی ناواقف تھے، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ان لوگوں سے صادر ہوا جو ان کے ساتھ تھے جس طرح بعض جہال نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: ہمارے لیے ایک درخت متعین فرمادیں جس طرح ان مشرکوں کے لیے ایک متعین ہے (2) (مشرک زمانہ جاہلیت میں اس کی عبادت کرتے تھے) اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے چند لوگوں نے کہا: اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (الاعراف:138) اس کا بیان ان شاء الله سورۃ الاعراف میں آئے گا۔

بعض علماء نے فرمایا: ان لوگوں کو الله تعالیٰ کی قدرت میں شک نہیں تھا، کیونکہ وہ مومن، عارف اور عالم تھے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے جیسے تو کسی کو کہتا ہے: کیا فلاں آنے کی طاقت رکھتا ہے؟ حالانکہ تو جانتا ہے کہ وہ طاقت رکھتا ہے پس معنی یہ ہوگا کیا وہ یہ کرے گا، کیا وہ میری یہ بات قبول کرے گا یا نہیں؟ وہ الله تعالیٰ کی استطاعت کو جانتے تھے کہ وہ یہ بھی کرسکتا ہے اور اس کے علاوہ بھی کرسکتا ہے۔ یہ وہ خبر، دلالت اور نظر کے اعتبار سے جانتے تھے پس انہوں نے علم معاینہ کا ارادہ کیا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا: اے میرے رب! دکھا مجھے کیسے تو مردوں کو زندہ کرے گا؟ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خبر اور نظر کے اعتبار سے یہ جانتے تھے لیکن انہوں نے اس معاینہ کا ارادہ کیا جس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا، کیونکہ نظر اور خبر کے علم میں شبہ اور اعتراضات داخل ہوتے ہیں اور علم المعاینہ میں ایسی کوئی چیز داخل نہیں ہوتی اسی وجہ سے حواریوں نے کہا: تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا: وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ (بقرہ:260)

میں کہتا ہوں: یہ عمدہ تاویل ہے اور اس سے بھی بہتر تاویل وہ ہے کہ یہ ان لوگوں کا قول تھا جو حواریوں کے ساتھ تھے اس کا بیان آگے آئے گا۔ ابن عربی نے الله تعالیٰ کے اسماء میں المستطیع کو بھی داخل کیا ہے اور فرمایا: کتاب وسنت میں یہ اسم موجود نہیں ہے لیکن فعلاً وارد ہے انہوں نے حواریوں کا قول ذکر کیا هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ۔ ابن الحصار نے اپنی کتاب "شرح السنۃ" میں اس کا رد کیا ہے۔ ابن الحصار نے کہا: الله تعالیٰ کا یہ قول اس بات کی خبر دے رہا ہے جو حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا هَلْ تَسْتَطِيْعُ رَبَّكَ استطاعت میں شک نہیں تھا اس سوال میں تلطف اور الله تعالیٰ کا ادب مقصود تھا، کیونکہ ہر

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 1، صفحہ 527

2۔ جامع ترمذی، باب ماجاء لتركبن سنن من كان قبلكم، حدیث نمبر 2106، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ممکن کا وقوع اس کے علم میں ہے اور حواری تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں اچھے لوگ تھے پھر یہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ہر ممکن چیز پر قادر ہونے کے متعلق جہالت کا گمان کیسے جائز ہے؟ رہی تا والی قرأت۔ تو بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا تو اپنے رب سے سوال کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ یہ حضرت عائشہ اور مجاہد کا قول ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا: قوم اللہ تعالیٰ کی ذات کو زیادہ جانتی تھی (1)، وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا اس کا مطلب ہے کیا تو اپنے رب سے سوال کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟۔

حضرت عائشہ سے یہ بھی مروی ہے فرمایا: حواریوں کو شک نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ دستر خوان کے اتارنے پر قادر ہے لیکن انہوں نے کہا: کیا تو اپنے رب سے سوال کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے فرمایا: ہمیں نبی کریم ﷺ نے پڑھایا: هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ۔ معاذ نے کہا: میں نے کئی مرتبہ نبی کریم ﷺ کو تا کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا۔ هَلْ تستطیع رَبَّكَ (2)۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے جو تو اپنے رب سے سوال کرے گا کیا تو دعویٰ کرتا ہے کہ تیرا رب تیری دعا قبول فرمائے گا؟ بعض علماء نے فرمایا: کیا تو اپنے رب سے دعا یا سوال کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ یہ مفہوم قریب قریب ہیں۔ محذوف نکالنا ضروری ہے جیسے فرمایا: وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) اور یا کی قراءت پر حذف کی ضرورت نہیں رہتی۔ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ یعنی گناہوں سے اور کثرت سوال سے بچو، کیونکہ تم نہیں جانتے ہو کہ وہ آیات کی تجویز پر تمہارے لیے کیا اتار دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود وہی کرتا ہے جو اس کے بندوں کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ یعنی اگر تم اس پر ایمان لانے والے ہو اور جو کچھ وہ لے کر آیا ہے اس پر ایمان لانے والے ہو، وہ تمہارے لیے ایسی آیات لایا ہے جن میں کفایت ہے۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿١١٣﴾

''حواریوں نے کہا: ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اس سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم ہو جائیں اس پر گواہی دینے والوں سے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا۔ ان کی وجہ سے ناکل منصوب ہے۔

وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿١١٣﴾ یہ تمام معطوف ہے انہوں نے اپنے سوال کا سبب بیان کیا جب انہیں سوال سے منع کیا گیا۔ نَّاْكُلَ مِنْهَا میں دو وجہیں ہیں: (۱) انہوں نے اپنی بھوک مٹانے کی حاجت کے لیے کھانے کا ارادہ کیا۔ یہ اس لیے تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نکلتے تھے تو ان کے پیچھے پانچ ہزار یا اس سے زیادہ آدمی ہوتے تھے، بعض تو ان میں آپ کے اصحاب ہوتے تھے اور بعض آپ سے اپنی تکالیف اور مرضوں کے لیے دعا کروانے والے ہوتے تھے، کیونکہ وہ اپاہج یا نابینا ہوتے تھے، بعض دیکھتے تھے اور استہزاء کرتے تھے۔ ایک دن آپ ایک

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 259، دار الکتب العلمیہ بیروت

2۔ جامع ترمذی، کتاب القرآۃ عن رسول اللہ، باب فی فاتحۃ الکتاب، حدیث نمبر 2854، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

علاقہ کی طرف نکلے تو ایک جنگل میں پہنچ گئے جہاں ان کے لیے کھانے پینے کے لیے کچھ نہ تھا وہ بھوکے ہو گئے اور انہوں نے حواریوں سے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کرو تا کہ وہ دعا فرمائیں کہ ہم پر آسمان سے خوان نازل ہو۔ شمعون جو حواریوں کے سردار تھے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ لوگ عرض کر رہے ہیں آپ دعا فرمائیں ان پر آسمان سے خوان نازل ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شمعون سے کہا: ان کو کہو کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ شمعون نے یہ لوگوں کو کہا تو پھر انہوں نے کہا: تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کرو کہ ہم اس سے کھانا چاہتے ہیں۔ (۲) نَّأْكُلَ مِنْهَا تا کہ ہم اس کی برکت حاصل کریں ہمیں کھانے کی حاجت نہیں۔ ماوردی نے کہا: یہ بہتر ہے، کیونکہ اگر وہ کھانے کے محتاج ہوتے تو انہیں سوال کرنے سے منع نہ کیا جاتا۔

وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا میں تین احتمال ہیں: (۱) ہمارے دل مطمئن ہو جائیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے (۲) ہم مطمئن ہو جائیں کہ اللہ نے ہمیں ہماری دعوت کے لیے چن لیا ہے (۳) ہمارے دل مطمئن ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سوال کو قبول فرما لیا ہے۔ یہ تینوں احتمال ماوردی نے ذکر کیے ہیں۔ مہدوی نے کہا: ہمارے دل مطمئن ہو جائیں کہ اس نے ہمارے روزے اور عمل کو قبول فرما لیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: ہم اس کی قدرت کا یقین کر لیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔ وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِينَ ۝ اور ہم اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت و نبوت کی گواہی دینے والے ہو جائیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جب ہم لوٹ کر جائیں تو جنہوں نے یہ نہیں دیکھا ہم تمہارے لیے ان کے پاس گواہ ہو جائیں۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ۝

''عرض کی عیسیٰ بن مریم نے، اے اللہ! ہم سب کے پالنے والے اتار ہم پر خوان آسمان سے، بن جائے ہم سب کے لیے خوشی کا دن (یعنی) ہمارے اگلوں کے لیے بھی اور پچھلوں کے لیے بھی اور (ہو جائے) ایک نشانی تیری طرف سے اور رزق دے ہمیں اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ سیبویہ کے نزدیک اللّٰهُمَّ کی اصل یا اللہ ہے دو میم آخر میں یا کا بدل ہیں اور رَبَّنَآ دوسرا منادیٰ ہے (1)۔ سیبویہ اس کے علاوہ کوئی صورت جائز قرار نہیں دیتے۔ نعت ہونا جائز نہیں، کیونکہ اصوات مشابہ ہوتی ہیں اس کی وجہ سے جو اس کو لاحق ہوتی ہے۔ أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً، مائدہ اس دستر خوان کو کہتے ہیں جس پر کھانا چنا ہوا ہو۔ اور جس پر کھانا نہ ہو اسے خوان کہا جاتا ہے یہ ماد عبدہ سے فاعلۃ کا وزن ہے جب غلام کھانا کھلائے۔ المائدہ جو دیا گیا ہو۔ اسی سے رؤبۃ کا قول ہے، اخفش نے اس کو پڑھا:

نُهدی رؤس المترفين الأنداد إلى أمير المؤمنين الممتاد (2)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 261 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 260

یعنی جس کا سوال کیا گیا ہو۔ پس المائدہ جو کھانے والوں کو کھانا کھلایا گیا ہو کھانے کو مجازاً مائدہ کہتے ہیں، کیونکہ وہ مائدہ پر کھایا جاتا ہے جیسے عرب بارش کو آسمان کہتے ہیں، اہل کوفہ نے کہا: مائدہ کو مائدہ اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ جو اس پر ہوتا ہے حرکت کرتا ہے یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہوگا ماد الشی جب کوئی چیز حرکت کرے۔ شاعر نے کہا:

لعلك باكٍ إنْ تَغَنَّتْ حمامةٌ يَمِيدُ بها غُصْن من الأَيْكِ مائلُ

اس شعر میں یمید کا معنی حرکت کرنا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

وأقلقنی قتلُ الكنانی بعدہ فكادَتْ بِی الأرضُ الفضاءُ تَمِيدُ

اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ (النحل:15) اور اللہ تعالیٰ نے گاڑ دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تاکہ زمین لرزتی نہ رہے تمہارے ساتھ۔

ابو عبیدہ نے کہا: مائدۃ فاعلۃ بمعنی مفعولۃ ہے جیسے عیشۃ راضیۃ بمعنی عیشۃ مرضیۃ ہے۔ ماء دافق بمعنی مدفوق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا، تَكُوْنُ، مَآىِٕدَةً کی صفت ہے جواب نہیں ہے۔ اعمش نے تکن جواب کی بنا پر مجزوم پڑھا ہے اس کا معنی ہے اس کے نزول کا دن ہمارے پہلے اور پچھلے لوگوں کے لیے عید کا دن ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: مائدہ (دسترخوان) ان پر اتوار کے دن صبح و شام نازل ہوتا تھا، اسی وجہ سے انہوں نے اتوار کو عید کا دن بنایا۔ العید، مفرد ہے اور اس کی جمع الاعیاد ہے اس کی جمع یا کے ساتھ بنائی گئی ہے، حالانکہ اس کی اصل واو ہے، کیونکہ یا واحد میں لازم ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کے اور اعواد الخشب کے درمیان فرق کرنے کے لیے یا سے جمع بنائی گئی ہے۔ قد عیدوا کا معنی ہے وہ عید میں حاضر ہوئے یہ جوہری کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کی اصل عاد یعود ہے یعنی لوٹنا عید اصل میں عود تھا واو کو ماقبل کسرہ کی وجہ سے یا سے بدل دیا گیا جیسے میزان، میقات اور میعاد میں یہ اصل میں موازن، موقات، اور موعاد تھے۔

بعض علماء نے فرمایا: عید الفطر اور اضحیٰ کو عید اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ ہر سال لوٹ کر آتی ہیں۔ خلیل نے کہا: عید ہر وہ دن ہے جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں گویا وہ اس کی طرف لوٹ کر آئے ہیں۔ ابن الانباری نے کہا: عید کو عید کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ خوشی اور فرحت میں لوٹ کر آتی ہے کہ یہ تمام مخلوق کے لیے خوشی کا دن ہے کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ قیدی بھی اس دن طلب نہیں کیے جاتے اور سزا نہیں دیئے جاتے، وحشی اور پرندے شکار نہیں کیے جاتے اور بچے مدارس میں نہیں جاتے۔ بعض علماء نے فرمایا: عید کو عید اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ ہر انسان اپنی قدر و منزلت کی طرف لوٹتا ہے کیا آپ دیکھتے نہیں کہ لوگوں کے لباس، ہیئات اور کھانے مختلف ہوتے ہیں بعض مہمان ہوتے ہیں بعض میزبان ہوتے ہیں، بعض رحم کرتے ہیں بعض پر رحم کیا جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: عید کو عید اس لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ عزت و عظمت والا دن ہے اس کو عید کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ ایک عربوں کے نزدیک بہترین نر تھا اور اس کی لوگ نسبت کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے: ابل عیدیۃ۔ شاعر نے کہا:

عِیۡدِیَّۃٌ اُرۡدِھِنَتۡ فِیۡھَا الدَّنَانِیۡرُ

یہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت زید بن ثابت نے لِاُوۡلٰنَا وَ اُخۡرٰنَا جمع پڑھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے لوگوں کے آخری شخص نے اسی طرح کھایا جس طرح پہلے شخص نے کھایا۔ وَ اٰیَۃً مِّنۡکَ یعنی یہ تمہاری طرف سے حجت و دلالت ہو گا۔ وَارۡزُقۡنَا یعنی ہمیں عطا فرما، وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ۝ یعنی جس نے بھی عطا کیا تو اس سے بہتر ہے، کیونکہ تو غنی اور خوبیوں سراہا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ اِنِّیۡ مُنَزِّلُہَا عَلَیۡکُمۡ ۚ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡکُمۡ فَاِنِّیۡۤ اُعَذِّبُہٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُہٗۤ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۱۱۵

''فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بلاشبہ میں اتارنے والا ہوں اسے تم پر پھر جس نے کفر اختیار کیا اس کے بعد تم سے، تو بے شک میں عذاب دوں گا اسے ایسا عذاب کہ نہیں دوں گا کسی کو بھی اہل جہان سے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ اللّٰہُ اِنِّیۡ مُنَزِّلُہَا عَلَیۡکُمۡ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوال کا اس کے ساتھ جواب دیا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سوال حواریوں کے لیے جواب تھا، یہ اس چیز کو ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دسترخوان کو نازل کیا اور اس کا وعدہ حق ہے پس ایک قوم نے مائدہ کے نزول کے بعد انکار کیا اور کفر کیا پس انہیں بندروں اور خنزیروں میں مسخ کر دیا گیا۔ حضرت ابن عمر نے کہا: قیامت کے روز سب سے سخت عذاب منافقوں کو ہوگا اور اصحاب مائدہ اور آل فرعون میں سے جنہوں نے کفر کیا تھا(1)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡکُمۡ فَاِنِّیۡۤ اُعَذِّبُہٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُہٗۤ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ علماء کا مائدہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ نازل ہوا تھا یا نہیں؟ پس جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ وہ نازل ہوا تھا اور یہی نظریہ حق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنِّیۡ مُنَزِّلُہَا عَلَیۡکُمۡ مجاہد نے کہا: وہ نازل نہیں ہوا تھا یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے بیان فرمائی ہے اور لوگوں کو منع فرمایا کہ انبیاء سے نشانیوں کا سوال کریں۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کا سوال قبول کرنے کا وعدہ فرمایا جب انہیں فرمایا: فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡکُمۡ پھر جو تم میں سے اس کے بعد کفر کرے گا۔ تو اسے عذاب دوں گا ... الخ۔ تو وہ اپنے مطالبہ سے مستعفی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور کہا: ہم یہ نہیں چاہتے۔ یہ حسن کا قول ہے۔ یہ قول اور اس سے پہلے والا قول غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ مائدہ نازل ہوا تھا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: حضرت عیسیٰ بن مریم نے بنی اسرائیل کو کہا: تم تیس دن روزے رکھو پھر اللہ تعالیٰ سے جو چاہو سوال کرو وہ تمہیں عطا فرمائے گا، پس انہوں نے تیس روزے رکھے اور کہا: اے عیسیٰ! اگر ہم کسی کے لیے کام کرتے ہیں پھر اپنے کام کو ختم کرتے ہیں تو وہ ہمیں کھانا کھلاتا ہے اور ہم نے روزے رکھے ہم بھوکے رہے ہیں پس تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ہم پر آسمان سے مائدہ نازل کرے۔ ملائکہ وہ دسترخوان اٹھا کر لے آئے اس پر سات روٹیاں تھیں سات مچھلیاں تھیں پس انہوں نے لوگوں کے سامنے وہ دسترخوان رکھ دیا پس لوگوں کے آخری آدمی نے بھی اسی طرح کھایا جس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 262

طرح پہلے آدمی نے کھایا تھا۔ ابو عبداللہ محمد بن علی ترمذی حکیم نے ''نوادر الاصول'' میں ذکر کیا ہے ہمیں عمر بن ابی عمر نے بتایا فرمایا ہمیں عمار بن ہارون ثقفی نے بتایا انہوں نے زکریا بن حکیم حنظلی سے روایت کیا انہوں نے علی بن زید بن جدعان سے انہوں نے ابو عثمان نہدی سے انہوں نے حضرت سلمان فارسی سے روایت کیا فرمایا: جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ کا سوال کیا تو وہ کھڑے ہوئے اپنے اون والے کپڑے اتار دیئے اور کھدر والے کپڑے پہن لیے وہ سیاہ موٹے دھاگے سے سربال تھا اور سیاہ لحاف تھا۔ آپ اٹھے اور قدم سے قدم ملایا اور ایڑی کے ساتھ ایڑی کو ملایا اور انگوٹھے کو انگوٹھے کے ساتھ ملایا اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا، پھر اپنے سر کو جھکایا اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع کیا پھر رونے لگے حتیٰ کہ آنسو ان کی داڑھی پر جاری ہوئے اور آنسوؤں کے قطرے ان کے سینے پر گرنے لگے، پھر عرض کی: اے اللہ ہمارے پروردگار! ہم پر دستر خوان نازل فرما آسمان سے وہ ہمارے پہلے اور پچھلوں کے لیے عید ہو اور تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں عطا فرما اور تو روزی دینے والوں میں سے سب سے بہتر ہے۔ پس زرد گول دستر خوان نازل ہوا وہ دو عماموں کے درمیان تھا ایک عمامہ اوپر تھا اور ایک عمامہ نیچے تھا اور لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے اللہ! اسے رحمت بنا اور اسے آزمائش نہ بنا الٰہی! میں تجھ سے عجائب کا سوال کرتا ہوں پس تو عطا کرتا ہے پس دستر خوان عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے اترا اور وہ رومال سے ڈھانپا ہوا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور حواری بھی آپ کے ساتھ سجدہ میں گر گئے وہ اس کی ایسی عمدہ خوشبو محسوس کر رہے تھے جو انہیں اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: جو تم میں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار ہے اور اللہ تعالیٰ پر جرأت کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ پر زیادہ اعتماد کرنے والا ہے وہ اس دستر خوان سے کپڑا اٹھائے تاکہ ہم اس سے کھائیں اور ہم اس پر اللہ کا ذکر کریں اور اس پر اللہ کی حمد کریں۔ حواریوں نے کہا: اے روح اللہ! آپ اس کے زیادہ لائق ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھے اچھی طرح وضو کیا پھر نماز پڑھی اور لمبی دعا مانگی پھر دستر خوان پر بیٹھے اور اس سے کپڑا اٹھایا اس دستر خوان پر بھونی ہوئی مچھلی تھی جس میں کوئی کانٹا نہیں تھا اس سے گھی بہہ رہا تھا کراث (بدبودار سبزی) کے علاوہ اس کے اردگرد تمام سبزیاں رکھی گئی تھیں اور اس کے سر کے پاس نمک اور سرکہ تھا اور دم کی جانب پانچ روٹیاں تھیں ایک روٹی پر پانچ انار تھے اور ایک روٹی پر کھجوریں تھیں اور ایک روٹی پر زیتون تھا۔ ثعلبی نے کہا: ایک روٹی پر زیتون تھا دوسری پر شہد تھا اور تیسری پر انڈے تھے اور چوتھی پر پنیر تھا اور پانچویں پر خشک گوشت تھا، یہود کو یہ خبر پہنچی تو غم اور پریشانی میں آئے وہ اس کی طرف تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ شمعون نے کہا: جو حواریوں کا سردار تھا، اے روح اللہ! یہ دنیا کا کھانا ہے یا جنت کا کھانا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اس کے بعد تم نے ایسی نشانیوں کا سوال کیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ تمہیں عذاب دیا جائے، شمعون نے کہا: بنی اسرائیل کے خدا کی قسم! میں نے اس سے کوئی برا ارادہ نہیں کیا تھا۔ انہوں نے کہا: اے روح اللہ! اگر اس نشانی کے ساتھ ایک اور نشانی بھی ہوتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے مچھلی تو اللہ کے اذن سے زندہ ہو جا، پس وہ مچھلی تازہ مچھلی کی طرح حرکت کرنے لگی اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، حواری گھبرا گئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا وجہ ہے کہ تم کسی چیز کے بارے سوال کرتے ہو جب وہ تمہیں دی

جاتی ہے تو تم ناپسند کرتے ہو مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ تمہیں عذاب دیا جائے؟ فرمایا: یہ دستر خوان آسمان سے نازل ہوا اور اس پر نہ دنیا کا کھانا تھا اور نہ جنت کا کھانا تھا لیکن یہ ایک ایسی چیز تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت بالغہ سے پیدا کیا تھا۔ اس نے فرمایا: ہو جا تو وہ ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے مچھلی تو اسی طرح ہو جا جس طرح تو پہلے تھی، تو وہ پہلے کی طرح بھونی ہوئی ہو گئی۔ حواریوں نے کہا: اے روح اللہ! آپ ہی پہلے اس سے کھائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: معاذ اللہ! اس سے وہ کھائے جس نے طلب کیا اور جس نے سوال کیا، حواریوں نے اس سے کھانے سے انکار کر دیا اس خوف سے کہیں یہ فتنہ اور سزا نہ ہو، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا تو اس پر فقراء، مساکین، مریضوں، اپاہج، جزام والے، چلنے سے عاجز، نابینے اور زرد پانی والوں کو بلایا اور فرمایا: اپنے رب کے رزق اور اپنے نبی کی دعا سے کھاؤ اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرو، اور فرمایا تمہارے لیے خوشگوار ہو گا اور تمہارے علاوہ لوگوں پر عذاب ہو گا۔ پس انہوں نے کھایا حتیٰ کہ وہ سات ہزار تین سو افراد تھے وہ نکلے تو ڈکار مار رہے تھے اور ہر مریض ٹھیک ہو چکا تھا جس نے اس سے کھایا تھا اور ہر فقیر جس نے اس سے کھایا تھا وہ موت تک کھانے سے مستغنی ہو گیا تھا جب لوگوں نے یہ خیرات و برکات دیکھیں تو اس کھانے پر رش کر کے آ گئے چھوٹا، بڑا، بوڑھا، نوجوان، غنی، فقیر سب آ گئے اور اس سے کھانے لگے، وہ ایک دوسرے پر ناراض ہوئے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ صورت دیکھی تو ان کے درمیان باری مقرر کر دی، ایک دن وہ کھانا نازل ہوتا اور ایک دن نازل نہ ہوتا، جیسا کہ ثمود کی اونٹنی تھی ایک دن گھاس کھاتی تھی اور ایک دن پانی پیتی تھی پس وہ دستر خوان چالیس دن نازل ہوا وہ چاشت کے وقت نازل ہوتا تھا وہ اسی طرح رہتا حتیٰ کہ سایہ ڈھل جاتا۔ ثعلبی نے کہا: وہ دستر خوان قائم رہتا اس سے کھایا جاتا حتیٰ کہ جب سورج ڈھل جاتا تو وہ اوپر اڑ جاتا پس لوگ اس سے کھاتے پھر وہ آسمان کی طرف لوٹ جاتا اور لوگ اس کے سایہ کو دیکھتے رہتے حتیٰ کہ وہ ان سے چھپ جاتا جب چالیس دن مکمل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔ اے عیسیٰ! میرے اس دستر خوان کو صرف فقراء کے لیے خاص کر دے اغنیاء کے لیے یہ نہیں ہے، تو اغنیاء اس بارے میں شک کرنے لگے اور وہ فقراء کی طرف لوٹے اور لوگوں کو شک میں ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں اپنی شرط کے ساتھ پکڑنے والا ہوں پس صبح اس میں سے تینتیس خنزیر بن چکے تھے وہ غلاظت کھاتے تھے اور کوڑا تلاش کرتے تھے، پاکیزہ کھانا کھانے اور نرم بستروں پر سونے کے بعد یہ حالت ہو گئی۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو وہ روتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جمع ہوئے۔ خنزیر آئے اور اپنے گھٹنوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے بیٹھ گئے وہ رونے لگے اور ان کے آنسو بہنے لگے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں پہچان گئے اور یہ کہا: کیا تو فلاں نہیں ہے؟ وہ اپنے سر سے اشارہ کرتا لیکن کلام نہ کر سکتا تھا، وہ سات دن اسی طرح ٹھہرے رہے۔ بعض علماء نے فرمایا: چار دن ٹھہرے رہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کی روحیں قبض کر لے صبح ہوئی تو معلوم نہ ہوا کہ وہ کہاں چلے گئے انہیں زمین نگل گئی یا انہیں کیا ہوا؟

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں کلام ہے۔ سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ مائدہ کا کھانا روٹی اور مچھلی تھی۔ ابن عطیہ نے کہا: وہ مچھلی میں ہر کھانے کی خوشبو پاتے تھے۔ یہ ثعلبی نے ذکر کیا

ہے۔ حضرت عمار بن یاسر اور قتادہ نے کہا: مائدہ آسمان سے نازل ہوتا تھا اور اس پر جنت کے پھلوں میں سے پھل ہوتے تھے (1)۔ وہب بن منبہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو کی روٹیاں اور مچھلیاں نازل فرمائیں۔ اور ترمذی نے ابواب التفسیر میں حضرت عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آسمان سے مائدہ نازل ہوا اس میں روٹی اور گوشت تھا انہیں حکم دیا گیا تھا کہ خیانت نہ کرو اور نہ کل کے لیے ذخیرہ کرو، پس انہوں نے خیانت کی اور ذخیرہ کیا اور کل کے لیے رکھ لیا تو وہ بندروں اور خنزیروں میں مسخ کر دیئے گئے" (2)۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث ہے جو ابو عاصم اور کئی دوسرے لوگوں نے سعید بن ابی عروبۃ عن قتادہ عن خلاس عن عمار بن یاسر کے سلسلہ سے موقوف روایت کی ہے ہم اسے مرفوع نہیں جانتے مگر حسن بن قزعہ کی حدیث سے ہمیں حمید بن مسعدہ نے بتایا فرمایا ہمیں سفیان بن حبیب نے سعید بن ابی عروبہ سے اسی طرح روایت کر کے بتایا اور انہوں نے اسے مرفوع روایت نہیں کیا۔ یہ حسن بن قزعہ کی حدیث سے اصح ہے، ہم مرفوع حدیث کے لیے کوئی اصل نہیں جانتے۔ سعید بن جبیر نے کہا: دستر خوان پر ہر چیز اتاری گئی تھی سوائے گوشت اور روٹی کے۔

عطا نے کہا: اس پر ہر چیز نازل ہوئی سوائے مچھلی اور گوشت کے۔ کعب نے کہا: دستر خوان الٹا آسمان سے اتارا گیا تھا فرشتے اسے آسمان اور زمین کے درمیان اڑاتے رہے اور اس پر گوشت کے سوا ہر چیز تھی۔

میں کہتا ہوں: یہ تینوں اقوال ترمذی کی حدیث کے مخالف ہیں اور وہ حدیث ان سے اولیٰ ہے، کیونکہ اگر وہ مرفوع صحیح نہیں ہے تو صحابی کبیر سے موقوف صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ قطعی بات ہے کہ دستر خوان نازل ہوا اور اس پر کھانا تھا اور اس کی تعیین کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ابو نعیم نے کعب سے روایت کیا ہے کہ دستر خوان دو مرتبہ نازل ہوا تھا بنی اسرائیل کے بعض عبادت گزار بندوں کے لیے۔ کعب نے کہا: بنی اسرائیل کے تین عبادت گزار جمع ہوئے، وہ تینوں ایک صحراء میں جمع ہوئے اور ان میں سے ہر ایک کے پاس اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم تھا، ایک نے کہا: تم مجھ سے سوال کرو میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے دعا کروں گا تم جو چاہو گے۔ انہوں نے کہا: ہم تجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اسی جگہ ایک بڑا کھلا چشمہ ظاہر کر دے اور سبز وشاداب باغات ہوں، اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو بڑا چشمہ اور سبز وشاداب باغ ظاہر ہو گیا، پھر ایک نے کہا: تم مجھ سے جو چاہو مانگو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا، انہوں نے کہا: ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ وہ ہمیں جنت کے پھلوں میں سے کچھ کھلائے۔ اس نے دعا کی تو ان پر کھجور اتری، انہوں نے اس سے کھایا وہ واپس نہ گئی مگر وہ اس کا ایک رنگ کھا چکے تھے پھر وہ اٹھالی گئی۔ ایک نے کہا: تم مجھ سے سوال کرو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا جو تم چاہو، انہوں نے کہا: ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو دعا مانگ کہ اللہ ہم پر دستر خوان نازل کرے جو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا پس اس نے دعا کی تو دستر خوان نازل ہوا انہوں نے اپنی ضرورت اس سے پوری کی پھر وہ اٹھالیا گیا، پھر پوری خبر ذکر کی۔

مسئلہ: سلمان مذکور کی حدیث میں دستر خوان کا بیان ہے وہ دستر خوان تھا ٹانگوں والا میز نہیں تھا۔ سفرۃ (دستر خوان) نبی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 261　2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 132

کریم ﷺ کا دستر خوان تھا اور عرب کے دستر خوان تھے ابو عبداللہ ترمذی حکیم نے روایت کیا ہے ہمیں محمد بن بشار نے بتایا فرمایا ہمیں معاذ بن ہشام نے بتایا فرمایا مجھے میرے باپ نے بتایا انہوں نے یونس سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کبھی ٹیبل (میز) اور پیالہ میں اور باریک نرم روٹی نہیں کھائی (1)۔ قتادہ نے فرمایا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: پھر کس پر روٹی کھاتے تھے۔ فرمایا: دستر خوانوں پر۔ محمد بن بشار نے کہا: یہ یونس ابو الفرات الاسکاف ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث صحیح ثابت ہے اس کے رجال پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا فرمایا ہمیں معاذ بن ہشام نے بتایا پھر یہ حدیث ذکر کی اور اس میں فرمایا: یہ حسن غریب ہے۔ ترمذی ابو عبداللہ نے کہا: خوان وہ نئی چیز ہے جو عجمیوں نے شروع کی ہے اور عرب تو مشقت کرنے والے تھے اور وہ سفر پر کھاتے تھے سفر کا مفرد سفرۃ ہے یہ دستر خوان چمڑے سے بنائے جاتے تھے۔ ان دستر خوانوں کے لٹکانے کے لیے دھاگے تھے وہ بند ہوتے تھے اور کھلتے تھے۔ کھلنے کی وجہ سے انہیں دستر خوان کہا جاتا تھا، کیونکہ جب کھلتے تھے تو جو کچھ ان میں ہوتا تھا ظاہر ہو جاتا تھا، اسی وجہ سے اسے سفرہ کہا جاتا ہے۔ سفر کو سفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ آدمی خود اپنے گھر سے باہر ظاہر ہو جاتا ہے سکرجۃ وہ پیالہ جو مائع چیز کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ سالن مختلف قسم کے کھانوں سے تیار ہوتا ہے اور عربوں کے لیے کھانے کے لیے مختلف چیزیں نہ تھیں ان کا کھانا ثرید ہوتا تھا جس پر گوشت کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: گوشت کو دانتوں سے نوچ کر کھایا کرو۔ کیونکہ یہ لذیذ اور عمدہ ہوتا ہے (2)۔ اگر کہا جائے کہ مائدہ کا ذکر احادیث میں ہے۔

ان احادیث میں ایک حضرت ابن عباس کی حدیث ہے فرمایا: لوکان الضب حراما ما اکل علی مائدۃ النبی ﷺ اگر گوہ حرام ہوتی تو نبی کریم ﷺ کے دستر خوان پر نہ کھائی جاتی۔ اس کو مسلم وغیرہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تصلی الملائکۃ علی الرجل ما دامت مائدتہ موضوعۃ فرشتے اس شخص کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک اس کا دستر خوان بچھا رہتا ہے۔ اس حدیث کو ثقات نے روایت کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مائدہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کپڑے اور رومال کی طرح بچھائی اور پھیلائی جاتی ہے، اس کا حق یہ ہے کہ یہ مادۃ ہو یعنی دال مشدد کے ساتھ ہو عربوں نے ایک دال کو یا بنا دیا اور مائدہ کہا گیا۔ اور فعل اس کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ یہ ممدودۃ ہوتا لیکن لغت میں فاعل کے وزن پر استعمال ہوتا ہے جیسے عرب کہتے ہیں: سر کاتم یہ مکتوم کے معنی میں ہے عیشۃ راضیۃ، مرضیۃ کے معنی میں ہے۔ اسی طرح لغت میں مفعول فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً رجلٌ مشؤمٌ یہ شائم کے معنی میں ہے۔ حجاب مستور، یہ ساتر کے معنی میں ہے۔

خوان وہ چیز جو پائیوں کے ذریعے زمین سے بلند ہو۔ مائدہ ہر وہ چیز جو پھیلائی اور بچھائی گئی ہو۔ السفرۃ جو اس کو ظاہر کر

1۔ جامع ترمذی، کتاب الاطعمۃ، جلد 2، صفحہ 1

2۔ جامع ترمذی، باب ماجاء انہ قال انھسوا اللحم نھسا، حدیث نمبر 1758، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

دے جو اس کے اندر ہو، اسی وجہ سے سفرہ دھاگوں کے ساتھ باندھا ہوتا ہے۔ حسن سے مروی ہے فرمایا: میز پر کھانا ملوک (بادشاہوں) کا فعل ہے رومال پر کھانا عجمیوں کا فعل ہے اور سفرہ پر کھانا عربوں کا فعل ہے۔ یہ سنت ہے۔ واللہ اعلم

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

''جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ: اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو خدا اللہ کے سوا؟ وہ عرض کریں گے: پاک ہے تو ہر شریک سے کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات جس کا نہیں ہے مجھے کوئی حق۔ اگر میں نے کہی ہوتی ایسی بات تو تو ضرور جانتا اس کو۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اس گفتگو کے وقت میں علماء کا اختلاف ہے۔ قتادہ، ابن جریج اور اکثر مفسرین نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کے روز فرمائیں گے۔ سدی اور قطرب نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمایا جب انہیں آسمان کی طرف اٹھایا اور نصاریٰ نے آپ کے متعلق کہا جو کچھ کہا، ان علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں۔ کیونکہ اذ کلام عرب میں ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پہلا قول اصح ہے اس پر دلیل ماقبل کلام ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ جس دن اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا رسولوں کو، اور مابعد کلام ہے هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔ اس بنا پر اذ بمعنی اذا ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا (سبا: 51) یہاں اذ بمعنی اذا ہے۔ ابوالنجم نے کہا:

ثم جزاه الله عنّی إذ جزی　　جنّاتِ عَدْنٍ فی السموات العُلا

اس شعر میں اذ بمعنی اذا ہے۔

اسود بن جعفر نے کہا:

فالآن إذ هازلتهنّ فإنّما　　یقُلْنَ ألا لم یذهبِ الشّیخ مَذهبا

اس میں بھی اذ بمعنی اذا ہے۔ مستقبل کو لفظ ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ یہ امر متحقق تھا اور اس کی برہان ظاہر تھی گویا وہ کام واقع ہو چکا ہے۔

قرآن کریم میں ہے وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ (الاعراف: 50) دوزخی جنتیوں کو پکاریں گے۔ یہاں صیغہ ماضی کا استعمال ہوا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں اس سوال کے معنی میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔ یہ بطور استفہام نہیں اگرچہ

استفہام کی صورت میں ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ سوال اس لیے کیا تا کہ جو ان کے الہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو توبیخ ہو جائے تا کہ سوال کے بعد ان کا انکار تکذیب میں زیادہ بلیغ ہو جائے اور توبیخ و تقریع میں سخت ہو جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی تعریف کا قصد فرمایا کہ ان کی قوم نے ان کے بعد نظریات کو بدل لیا اور ان پر ایسے ایسے دعویٰ کیے جو انہوں نے کہے نہیں تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ نصاریٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو الہ نہیں بنایا تھا پھر ان کے بارے میں یہ کیسے فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انہوں نے کہا کہ مریم نے بشر کو جنم نہیں دیا بلکہ الہ کو جنم دیا تو ان کو یہ کہنا لازم ہے کیونکہ جزئیت کی وجہ سے اس کے قائم مقام ہو گئی جس کو اس نے جنا، پس وہ کہنے والوں کے قائم مقام ہو گئے جب یہ بات انہیں لازم ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ ۭ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ۔

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حجت کو پایا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے اس قول میں حجت دی وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى الخ۔ حضرت ابو ہریرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے ''اللہ تعالیٰ نے ان کو حجت بخشی سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ''۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔

جواب سے پہلے دو امور کی وجہ سے تسبیح سے آغاز کیا (۱) جو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس سے وہ مبرا ہیں۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی عزت کے سامنے عجز کا اظہار کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی سطوت کے خوف سے سُبْحٰنَكَ سے آغاز کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اس قول کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کپکپی طاری ہو گئی حتیٰ کہ اس کی ہڈیوں کی آواز سنی گئی اور کہا: سبحانك۔ پھر کہا: مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ یعنی میری مجال نہیں کہ میں ایسی بات کا دعویٰ کروں جس کا مجھے حق نہیں یعنی میں مربوب ہوں، رب نہیں، میں عابد ہوں معبود نہیں، پھر کہا: اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ اس کو اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف لوٹایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا تھا کہ انہوں نے یہ نہیں کہا ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الہ بنانے والے کے لیے تنبیہ ہو جائے، پھر فرمایا: تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ جو مجھ میں پوشیدہ ہے تو وہ جانتا ہے اور میں وہ نہیں جانتا جو تیرے غیب میں ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے تو وہ جانتا ہے جو میں جانتا ہوں اور میں نہیں جانتا جو تو جانتا ہے۔ بعض نے فرمایا: تو جانتا ہے جو میں مخفی کرتا ہوں اور میں وہ نہیں جانتا جو تو مخفی کرتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے تو جانتا ہے جو میں ارادہ کرتا ہوں اور میں نہیں جانتا جس کا تو ارادہ کرتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے تو میرے رازوں کو جانتا ہے اور میں تیرے راز کو نہیں جانتا کیونکہ سر کی جگہ نفس ہے۔ بعض نے کہا: تو جانتا ہے جو مجھ سے دنیا میں ہوا اور میں نہیں جانتا جو تیری طرف سے دار آخرت میں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ان اقوال کا معنی قریب قریب ہے یعنی تو میرے راز جانتا ہے اور تو اسے جانتا ہے جس پر میرا ضمیر مشتمل

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 132

ہے جس کو تو نے پیدا کیا ہے میں اس کو نہیں جانتا جو تو نے غیب اور علم میں سے اپنے ساتھ خاص کیا ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۝ تو جانتا ہے جو ہو چکا ہے اور جو ہوگا اور جو نہیں تھا اور جو کچھ ہونے والا ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۝

”نہیں کہا میں نے انہیں مگر وہی کچھ جس کا تو نے حکم دیا مجھے کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اور تھا میں ان پر گواہ جب تک میں رہا ان میں پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی نگران تھا ان پر اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖ یعنی میں نے دنیا میں انہیں توحید کا حکم دیا۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ، ان کا اعراب میں کوئی محل نہیں ہے یہ ان مفسرہ ہے جیسے وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا (ص:6) میں، ان مفسرہ ہے اور اس کا محل نصب میں ہونا بھی جائز ہے ما ذکرتُ لهم إلّا عبادة الله یعنی میں نے ان کو نہیں یاد دلایا مگر اللہ کی عبادت۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل جر میں ہو یعنی بأنِ اعبدُوا الله۔ نون کو ضمہ دینا اولیٰ ہے، کیونکہ وہ کسرہ کے بعد ضمہ کو عرب ثقیل سمجھتے ہیں اور التقاء ساکنین کی اصل پر کسرہ بھی جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا جو میں نے انہیں حکم دیا اس کی حفاظت کرنے والا تھا۔ مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ، مَا محل نصب میں ہے یعنی وقت دوامی فیهم، فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ بعض علماء نے فرمایا: یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھانے سے پہلے موت دی تھی۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اخبار واحادیث ان کے اٹھائے جانے پر متفق ہیں اور وہ آسمان میں زندہ ہیں وہ قرب قیامت میں آسمان سے اتریں گے، دجال کو قتل کریں گے اس کا بیان آگے آئے گا۔ اس کا معنی ہے جب تو نے مجھے آسمان کی طرف اٹھالیا۔ حسن نے کہا: وفات کا لفظ قرآن میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے: (۱) موت کے لیے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا (الزمر:42) یعنی ان کی عمر کے عرصہ کے ختم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں موت دیتا ہے۔ (۲) نیند۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ (الانعام:60) یعنی وہ تمہیں رات کے وقت سلاتا ہے (۳) اٹھالینا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ (آل عمران:55) اے عیسیٰ میں تجھے اٹھانے والا ہوں۔

كُنْتَ اَنْتَ اس میں اَنْتَ تاکید کے لیے ہے اور الرقیب، کنت کی خبر ہے اس کا معنی ہے ان پر نگران تھا، ان کو جاننے والا تھا اور ان کے افعال کا مشاہدہ کرنے والا تھا اس کی اصل المراقبة ہے یعنی تاڑنا، نگرانی کرنا۔ اسی سے مرقبہ ہے کیونکہ وہ رقیب میں بلند جگہ پر ہوتی ہے۔ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۝ یعنی میری بات اور ان کی بات کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ بعض علماء

نے فرمایا: اس کا معنی ہے تو نافرمان اور اطاعت شعار کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کے لیے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ننگے پاؤں، برہنہ بدن اور غیر مختون جمع کیے جاؤ گے جس طرح ہم نے ابتدا میں مخلوق کو پیدا کیا تھا ہم اسی طرح اسے لوٹائیں گے یہ ہم پر وعدہ ہے، بے شک ہم ایسا کرنے والے ہیں، خبردار! سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے، خبردار! میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا پھر انہیں دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا، میں کہوں گا: یا رب! یہ میرے ساتھی ہیں، ارشاد ہوگا: آپ نہیں جانتے جو کچھ انہوں نے آپ کے بعد اپنی طرف سے دین میں اختراع کیا، پھر میں اسی طرح کہوں گا جس طرح صالح بندے (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا تھا: وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ فرمایا مجھے کہا جائے گا یہ مرتد ہو گئے تھے جب سے آپ ان سے جدا ہوئے'' (1)۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ یہ بھی شرط اور جواب شرط ہیں اور وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ یہ بھی شرط اور جواب شرط ہیں۔ نسائی نے حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت کو ساری رات قیام میں پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی وہ آیت یہ تھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (2)، اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے مہربانی اور لطف طلب کرنے کے لیے کہا: جس طرح ایک سردار اپنے غلام کے لیے رحمت طلب کرتا ہے، اسی وجہ سے فَاِنَّهُم عصوك نہیں کہا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے امر کو تسلیم کرنے کے اعتبار سے کہا اور عذاب سے پناہ طلب کرنے کے لیے کہا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کافر کو نہیں بخشے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ میں ھم ضمیر کا مرجع وہ لوگ ہیں جو کفر پر مر گئے تھے اور اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ میں ھم ضمیر کا مرجع وہ لوگ ہیں جنہوں نے موت سے پہلے توبہ کر لی تھی۔ یہ بہتر قول ہے۔ رہا ان کا قول جنہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں جانتے تھے کہ کافر کی بخشش نہیں ہوتی یہ ایسا قول ہے کہ کتاب اللہ پر جرأت کی گئی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اخبار منسوخ نہیں ہوتی ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ انہوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے اور آپ کے بعد انہوں نے ایسے اعمال کیے ہیں جن کا آپ نے حکم نہیں دیا تھا مگر وہ دین کے عمود (ستون) پر تھے، پس عرض کی: وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ یعنی اگر تو میرے بعد کے گناہ معاف کرے اور کہا: فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یہ نہیں کہا: فَإِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ کیونکہ واقعہ تسلیم امر کا تقاضا کرتا ہے اور حکم اس کی طرف تفویض کرنے کا

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 2096 2۔ ایضاً، حدیث نمبر 21387

تقاضا کرتا ہے اگر آپ فانك انت الغفور الرحيم کہتے تو یہ وہم ہوتا کہ آپ نے ان کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے جو شرک پر مرے ہیں اور یہ محال ہے، تقدیر اس طرح ہے کہ اگر تو انہیں باقی رکھے کفر پر حتیٰ کہ یہ مرجائیں اور تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں توحید کی ہدایت دے اور اپنی اطاعت کی توفیق دے پھر تو انہیں بخش دے تو تو ایسا غالب ہے کہ کوئی چیز تجھے تیرے ارادے سے روک نہیں سکتی۔ اَلْحَكِيْمُ جو تو کرتا ہے اس میں حکمت ہوتی ہے تو جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ایک جماعت نے فإنك أنت الغفور الرحيم پڑھا ہے۔ یہ قرآن میں سے نہیں ہے۔ یہ قاضی عیاض نے شفاء میں ذکر کیا ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: قرآن پر اس نے طعن کیا جس نے کہا: فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ کا ارشاد وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ کے مناسب نہیں، کیونکہ مغفرت کے مناسب فإنك أنت الغفور الرحيم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احتمال نہیں رکھتا مگر جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا جب اس کو نقل کیا جائے جس کی طرف اس نے نقل کیا تو معنی میں ضعف ہو گیا، کیونکہ الغفور الرحيم منفرد شرط ثانی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے شرط اول کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں بنتا اور وہ اس پر ہے جو اللہ نے نازل کیا۔ اس کی قرأت پر مسلمانوں کا اجماع ہے یہ دونوں شرطوں سے متصل ہے کیونکہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تو انہیں عذاب دے تو تو سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر تو انہیں بخش دے تو تو سب پر غالب اور حکمت والا ہے (یعنی) دونوں امور تعذیب اور غفران میں تو غالب اور حکمت والا ہے۔

اپنے عموم کی وجہ سے یہاں عزیز و حکیم ہی بہتر ہے، کیونکہ یہ دونوں شرطوں کو جامع ہے جب کہ الغفور الرحيم یہاں درست نہیں کیونکہ یہ عموم کا احتمال نہیں رکھتا جس عموم کا احتمال اَلْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ رکھتا ہے اور پوری آیت میں جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اس کا عدل اور اس کی ثنا اور مذکورہ دو شرطیں موجود ہیں اس کے اعتبار سے عزیز و حکیم ہی اولیٰ ہے بنسبت ان اسماء کے جو بعض کلام کے مطابق ہوں اور بعض کے نہ ہوں۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے طریق سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کا یہ قول تلاوت کیا رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ابراہیم) اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بے شک تو غفور رحیم ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ذکر کیا: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ پھر اپنے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی: اللهم امتی اے اللہ! میری امت کو بخش دے، پھر رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا اور تیرا رب بہتر جانتا ہے اور اس سے پوچھ کہ تجھے کون سی چیز رلا رہی ہے؟ جبریل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہی سوال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا جو انہوں نے کہا...... اللہ بہتر جانتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا اور اسے یہ خوشخبری دے کہ ہم تجھے تیری امت کے معاملے میں خوش کریں گے اور تجھے پریشان نہیں کریں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کا معنی ہے

اگر تو انہیں عذاب دے تو تو غالب، حکمت والا ہے اور اگر تو انہیں بخش دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ کلام کی اپنے نسق پر توجیہ اولیٰ ہے جیسا کہ ہم نے بیان کی ہے۔ وباللہ التوفیق

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

"فرمایا اللہ تعالیٰ نے: یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ، ان کے لیے باغات ہیں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے یہی ہے بڑی کامیابی۔ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی سب آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ یعنی دنیا میں جو ان کا صدق تھا، رہا آخرت میں تو اس میں صدق نفع نہیں دے گا۔ دنیا میں صدق، اس میں احتمال ہے کہ عمل میں اللہ کے لیے صدق ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے بارے کذب اور جھوٹ کو ترک کیا۔ اس دن میں انہیں صدق نفع دے گا اگرچہ صدق ہر دن نفع دیتا ہے، یہ اس لیے فرمایا: کیونکہ اس میں جزا کا وقوع ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد آخرت میں ان کا صدق ہے۔ یہ انبیاء کرام کی شہادت دینا ہے کہ انہوں نے تبلیغ کی تھی۔ اور جو اپنے نفسوں پر اعمال کی صحیح صحیح گواہی دیں گے، اس دن میں سچ کے نفع کی وجہ یہ ہوگی کہ گواہی کو چھپانا ترک کرنے کی وجہ سے مواخذہ ان سے روک لیا جائے گا اور انبیاء کا اقرار کرنے اور اپنے نفسوں پر شہادت کی وجہ سے انہیں بخش دیا جائے گا۔ واللہ اعلم

نافع اور ابن محیصن نے یوم کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے، باقی قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ قرأت واضح ہے۔ یہ مبتدا اور خبر کی بنا پر ہے پس يَوْمُ يَنْفَعُ، هذا کی خبر ہے اور جملہ قول کی وجہ سے محل نصب میں ہے، رہا نافع اور ابن محیصن کی قرأت، تو ابراہیم بن حمید نے محمد بن یزید سے روایت کیا ہے کہ یہ قرأت جائز نہیں، کیونکہ مبتدا کی خبر کو نصب دی گئی ہے اور اس میں بنا جائز نہیں۔ ابراہیم بن سری نے کہا: یہ اس معنی میں جائز ہے اللہ تعالیٰ نے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو سچ نفع دے گا۔ اور یوم قول کی ظرف ہے اور ھذا قول کا مفعول ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: قال اللہ ھذا القول فی یوم ینفع الصادقین۔ بعض نے فرمایا: تقدیر عبارت یہ ہے: قال اللہ تعالیٰ ھذہ الاشیاء تنفع یوم القیامۃ۔ کسائی اور فراء نے کہا: یہاں یوم مبنی بر نصب ہے، کیونکہ یہ اسم کے علاوہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے جیسے تو کہتا ہے: مضی یومئذ۔ کسائی نے بطور دلیل یہ شعر پڑھا ہے:

علی حینَ عاتبتُ المشیبَ علی الصِّبا　　وقلتُ أَلَمَّا أَصْحُ والشَّیبُ وازِعُ (1)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 2، صفحہ 264، دار الکتب العلمیہ بیروت

زجاج نے کہا: بصری اس کو جائز قرار نہیں دیتے جو فراء اور کسائی نے کہا ہے جب ظرف فعل مضارع کی طرف مضاف ہو، اگر فعل ماضی ہو تو صحیح ہوتا ہے جیسا کہ شعر میں گزرا ہے۔ فعل کو ظروف زمان کی طرف مضاف کرنا جائز ہے، کیونکہ فعل بمعنی مصدر ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ ظرف منصوب ہو اور اس مبتدا کی خبر ہو جو ھذا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ حدث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ظروف زمان، احداث کے متعلق اخبار ہوتے ہیں، تو کہتا ہے: القتال الیوم، الخروج الساعۃ اور جملہ قول کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ ھذا مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہو اور یوم مبتدا کی خبر ہو اور اس میں عامل محذوف ہو، تقدیر اس طرح ہوگی: قال اللہ ھذا الذی قصصناہ یقع یوم ینفع الصادقین صدقھم۔ اس میں تیسری قرأت بھی ہے۔ یومٌ ینفع یعنی تنوین کے ساتھ۔ اس صورت میں کلام میں حذف ہوگا تقدیر عبارت فیہ ہوگی جیسے اس ارشاد میں ہے: وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا (بقرہ: 48) یہ اعمش کی قرأت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَهُمْ جَنّٰتٌ یہ مبتدا خبر ہیں۔ تَجْرِيْ یہ صفت ہے۔ مِنْ تَحْتِهَا یعنی اس کے محلات اور اشجار کے نیچے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا ثواب بیان فرمایا کہ وہ ان سے ایسا راضی ہے کہ اس کے بعد کبھی غضب نہ ہوگا۔ وَرَضُوْا عَنْهُ وہ اس جزا سے راضی ہوں گے جو اس نے انہیں عطا فرمائی۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ کامیابی۔ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ جس کی خیر عظیم اور کثیر ہو، اس کو حاصل کرنے والے کی منزلت مرفوع ہوئی اور بلند ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ یہ آیت اس کے بعد ذکر فرمائی جو نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں الہ کا دعویٰ کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اس کے لیے ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسری مخلوق کے لیے نہیں ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا یہ معنی ہو کہ وہ ذات جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے وہ باغات عطا فرمائے گا جس کا ذکر اس نے اپنے اطاعت شعار بندوں کے لیے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور کرم سے ہمیں بھی ان لوگوں سے کردے۔ سورۂ مائدہ مکمل ہوئی۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین